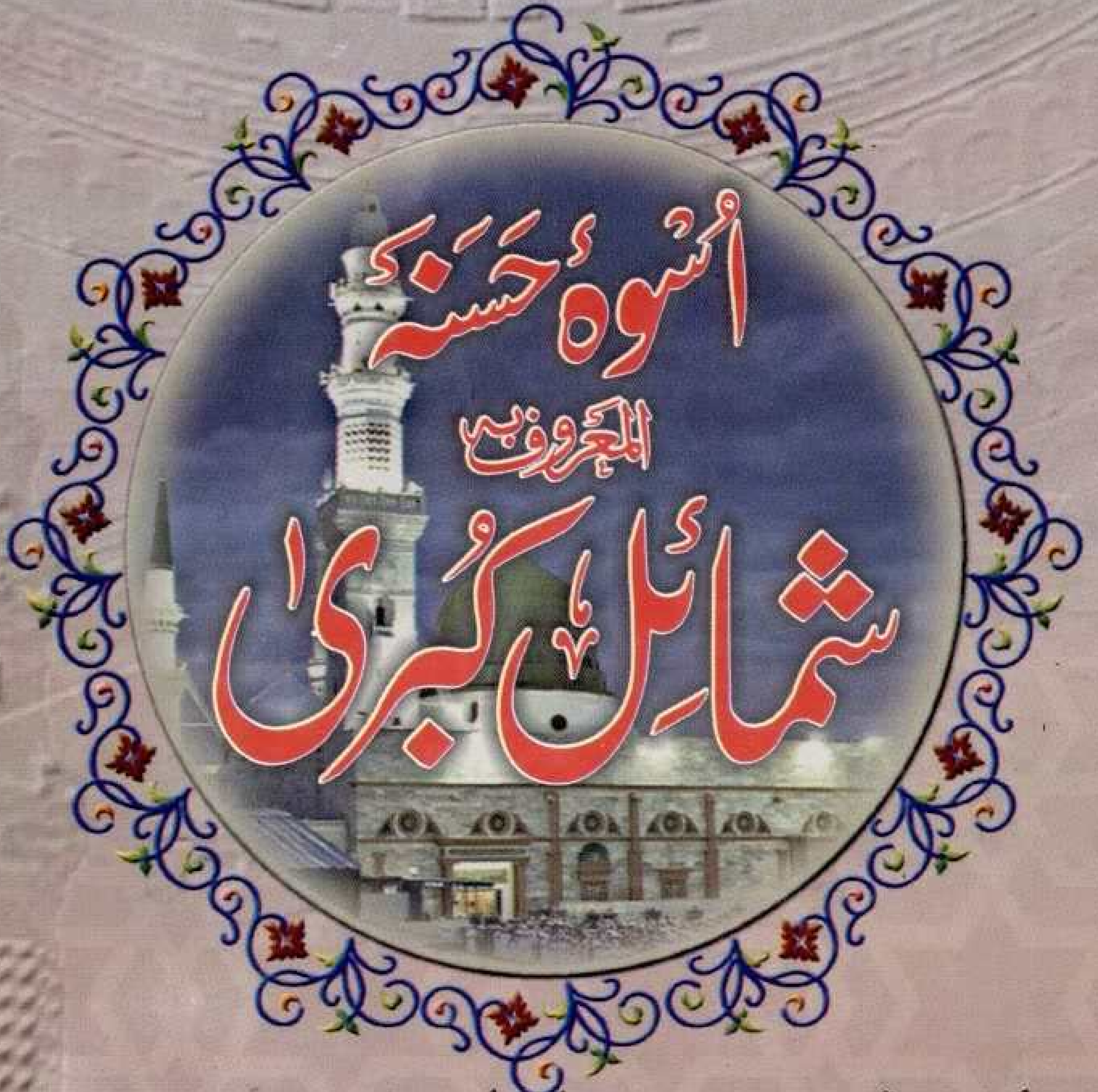
جدید نظر ثانی ایڈیشن

محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری سنتیں



چوبیس گھنٹے کی زندگی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اور نورانی طریقوں اور اعمال پر مشتمل ایک نایاب کتاب، جسے پڑھ کر دلوں میں سنتوں کے اپنانے کا شوق پیدا ہوگا۔

مؤلفہ
مولانا مفتی محمد ارشاد صاحب القاسمی مدظلہ العالی

پسند فرمودہ
حضرت مفتی نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ

زمزم پبلشرز

جدید نظر ثانی ایڈیشن

محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری سنتیں

اُسوۂ حسنہ

المعروف بہ

شمائلِ کبریٰ

جلدِ پنجم

حصہ نہم

چاند، روزہ، واعتکاف، شب قدر وغیرہ کے متعلق

جو ۹ رمضامین پر مشتمل ہے

مؤلفہ

مولانا مفتی محمد ارشاد صاحب القاسمی مدظلہ العالی

اُستاذِ حدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی جون پور

پسند فرمودہ

حضرت مفتی نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ

اُستاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی

کتاب کا نام ـــــ شمائل کبریٰ جلد پنجم

تاریخ اشاعت ـــــ اپریل ۲۰۱۰ء

باہتمام ـــــ احباب زمزم پبلشرز

کمپوزنگ ـــــ فاروق اعظم کمپوزرز کراچی

سرورق ـــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ـــــ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-32760374 - 021-32725673

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers.com

ملنے کے دیگر پتے

- دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

ضروری گزارش

ایک مسلمان، مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کرسکتا۔ سہواً جو اغلاط ہوگئی ہوں اس کی تصحیح واصلاح کا بھی انتہائی اہتمام کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کی تصحیح پر ہم زر کثیر صرف کرتے ہیں۔

تاہم انسان، انسان ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع ہوں تو اسی گزارش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔ اور آپ "تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی" کے مصداق بن جائیں۔

جَزَاکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی جَزَاءً جَمِیْلاً جَزِیْلاً

ـــــ مِنْجَانِبْ ـــــ

احباب زمزم پبلشرز

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

ISLAMIC BOOK CENTRE
119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE
Tel/Fax 01204-389080
Mobile 07930-464843

AL-FAROOQ INTERNATIONAL
36, Rolleston Street Leicestor
LE5-3SA
Ph: 0044-116-2537640
Fax: 0044-116-2628655
Mobile: 0044-7855425358

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

شمائلِ کبریٰ نئے انداز میں پانچ جلدیں (مکمل دس حصے) شائع ہوچکی ہیں۔ الحمد للہ اب شمائلِ کبریٰ کی چھٹی جلد (گیارہواں حصہ) اور ساتویں جلد (بارہواں حصہ) پیشِ خدمت ہے۔

اُمت میں حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد صاحب کی تالیف شمائلِ کبریٰ کو جو پذیرائی حاصل ہوئی ہے، اس کا ثبوت اس بات سے مل سکتا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں مختصر سے عرصے میں کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ خود پاکستان میں زمزم پبلشرز کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ پاکستان میں سب سے پہلے زمزم پبلشرز ہی نے یہ کتاب قدرداں قارئین کے سامنے متعارف کرائی اور اب پاکستان میں پہلی بار شمائلِ کبریٰ کے مکمل دس حصے بڑے سائز کی پانچ جلدوں میں پیش کرنے کا اعزاز بھی الحمد للہ زمزم پبلشرز کو حاصل ہورہا ہے۔

اللہ عزوجل سے امید اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نئے انداز کو بھی اُمت میں پذیرائی اور اپنی بارگاہ میں قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

محمد رفیق زمزمی

شمائل کبریٰ کی جلدوں کا اجمالی خاکہ

اسوۂ حسنہ معروف بہ ''شمائل کبریٰ'' جو شمائل و سنن نبوی کا ایک وسیع بیش بہا ذخیرہ اور قیمتی سرمایہ ہے۔ اس کے ایڈیشن ہندو پاک میں شائع ہو کر خواص و عوام میں مقبول ہو چکے ہیں۔ امت نے اسے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا ہے۔ اور اس پر منامی بشارت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ دوسری زبانوں میں بھی اس کے تراجم ہونے کی اطلاع ہے۔ اس کی دس جلدیں اب تک طبع ہو چکی ہیں۔ بقیہ جلدیں زیر طبع اور زیر ترتیب ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند قدوس محض اپنے فضل و کرم سے بعافیت پایہ تکمیل پہنچا کر رہتی دنیا تک اسے قبول فرمائے۔

ان دس جلدوں کا اجمالی خاکہ پیش نظر ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون سی جلد کن مضامین پر مشتمل ہے۔

شمائل کبریٰ جلد اول...... حصہ اول: ① کھانے ② پینے ③ لباس کے متعلق آپ کے شمائل اور سنن کا مفصل بیان ہے۔

شمائل کبریٰ جلد اول...... حصہ دوم: ① سونے ② بیدار ہونے ③ بستر ④ تکیہ ⑤ خواب ⑥ سرمہ ⑦ انگوٹھی ⑧ بال ⑨ داڑھی ⑩ لب ناخن ⑪ امور فطرت ⑫ خضاب ⑬ عصا کے متعلق آپ کے شمائل و سنن کا مفصل بیان ہے۔

شمائل کبریٰ جلد دوم...... حصہ سوم: ① معاملات ② تجارت ③ خرید و فروخت ④ بازار ⑤ ہبہ ⑥ عاریت ⑦ اجارہ اور مزدوری ⑧ ہدیہ ⑨ قرض ⑩ مرغ ⑪ گھوڑے ⑫ بکری ⑬ اونٹ ⑭ سواری ⑮ سفر کے متعلق آپ کے شمائل و سنن کا مفصل بیان ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے بلند پایہ مکارم اخلاق کا نہایت ہی مفصل بیان جو ۷۵ عناوین پر مشتمل ہے۔

شمائل کبریٰ جلد دوم...... حصہ چہارم: ① اخلاص ② صدق ③ محبت و الفت ④ محبت و عداوت خدا کے واسطے ⑤ حب خدا و رسول ⑥ مؤمن کو خوش کرنا ⑦ مسلمانوں کی مدد و نصرت ⑧ پریشان حال کی مدد و نصرت ⑨ مظلوم کی مدد ⑩ یتامیٰ اور بیواؤں کی خدمت ⑪ احباب کی ملاقات اور زیارت ⑫ اولیاء و صلحاء کی زیارت ⑬ عفو و درگزر ⑭ اہل فضل کی غلطیوں کا درگزر ⑮ سائلین کی رعایت ⑯ اکرام مسلم ⑰ بڑوں کی تعظیم ⑱ اہل فضل کی غلطیوں کا درگزر کرنا ⑲ مؤمن کی عزت ⑳ لوگوں کے مرتبہ کی رعایت ㉑ خاطر مدارات ㉒ مہمان نوازی ㉓ امانت اور دیانتداری ㉔ وعدہ پورا کرنا ㉕ حلم و بردباری ㉖ اعتدال اور میانہ روی ㉗ سنجیدگی ㉘ نرمی سہولت ㉙ پردہ پوشی ㉚ غصہ برداشت کرنا ㉛ توکل ㉜ قناعت ㉝ استغناء ㉞ صبر ㉟ شکر ㊱ سادگی ㊲ قناعت ㊳ تواضع و انکساری ㊴ شرم اور حیا ㊵ سخاوت ㊶ استقامت ㊷ شجاعت اور بہادری ㊸ نیکی پر خوشی، گناہ پر رنج ㊹ زائد پر دوسروں کو ترجیح ㊺ دوسروں کے لئے وہی جو اپنوں کے لئے ㊻ توڑ والوں سے جوڑ ㊼ حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے سے پرہیز ㊽ سلامتی صدر ㊾ خوش کلامی ㊿ خندہ پیشانی (۵۱) خاموشی اور قلت کلام (۵۲) شفقت اور رحمت (۵۳) ایثار (۵۴) سفارش (۵۵) حسن ظن (۵۶) مشورہ (۵۷) عدل و انصاف (۵۸) اجتماعیت اور اتحاد (۵۹) اصلاح بین الناس (۶۰) نیکوں کی صحبت (۶۱) بروں سے اجتناب (۶۲) مشتبہات سے بچنا (۶۳) مؤمن کو نفع پہنچانا (۶۴) کھانا کھلانا (۶۵) کپڑا پہنانا (۶۶) راستے سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا (۶۷) اہل

محبت کی آمد پر خوشی (۶۸) سلام (۶۹) مصافحہ (۷۰) والدین کے ساتھ حسن سلوک (۷۱) اولاد کے ساتھ حسن سلوک (۷۲) رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک (۷۳) پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک (۷۴) تمام مخلوق کے ساتھ اچھے برتاؤ کے متعلق آپ کی پاکیزہ تعلیمات کا بیان ہے۔

شمائل کبریٰ جلد سوم...... حصہ پنجم: اس جلد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی احوال و اوصاف کا اور آپ کے اخلاق و عادات و اطوار کا مفصل بیان ہے جو ۱۰۰ عنوانات پر مشتمل ہے۔ (۱) چہرہ مبارک (۲) پیشانی مبارک (۳) وندان مبارک (۴) آنکھ مبارک (۵) سر مبارک (۶) سینہ مبارک (۷) لعاب دہن (۸) برکات دہن (۹) رخسار مبارک (۱۰) کان مبارک (۱۱) پلک مبارک (۱۲) داڑھی مبارک (۱۳) گردن مبارک (۱۴) کندھا مبارک (۱۵) ہڈیوں کے جوڑ (۱۶) بغل مبارک (۱۷) سینہ مبارک (۱۸) پیٹ مبارک (۱۹) پیٹھ مبارک (۲۰) بال مبارک (۲۱) رنگ مبارک (۲۲) آواز مبارک (۲۳) قلب مبارک (۲۴) دست مبارک (۲۵) پیر مبارک (۲۶) قد مبارک (۲۷) سایہ مبارک (۲۸) حسن مبارک (۲۹) عقل مبارک (۳۰) پسینہ مبارک (۳۱) مہر نبوت (۳۲) خون مبارک (۳۳) پاخانہ مبارک (۳۴) آپ کا ختنہ شدہ ہونا (۳۵) قوت و شجاعت (۳۶) فصاحت و بلاغت (۳۷) خشیت و بکاء (۳۸) ہیبت و وقار (۳۹) آپ کے بلند پایہ مکارم اخلاق (۴۰) جود و سخا (۴۱) آپ کی تواضع کا بیان (۴۲) شفقت و رحمت (۴۳) حلم و بردباری (۴۴) گفتگو اور کلام مبارک (۴۵) قصہ گوئی (۴۶) آپ کے اشعار (۴۷) خوش مزاجی (۴۸) مسکراہٹ (۴۹) خوشی اور رنج کے موقعہ پر آپ کی عادت طیبہ (۵۰) مزاج (۵۱) شرم و حیاء (۵۲) آپ کی مجلس (۵۳) بیٹھنے کا طریقہ (۵۴) بدلہ کے متعلق (۵۵) گرفت کی عادت نہیں (۵۶) صبر کے متعلق (۵۷) اہل خانہ کے متعلق (۵۸) گھر میں داخل ہونے کے سلسلہ میں (۵۹) احباب اور رفقاء کے ساتھ برتاؤ (۶۰) بچوں کے ساتھ برتاؤ (۶۱) خادموں اور نوکروں کے ساتھ برتاؤ (۶۲) خدمت گاروں کا بیان (۶۳) یتیموں کی خدمت (۶۴) غرباء اور مساکین کی خدمت (۶۵) سائلین کے ساتھ برتاؤ (۶۶) مشورہ فرماتے (۶۷) تفاؤل خیر (۶۸) ایثار (۶۹) پچھنے لگانا (۷۰) رفتار مبارک (۷۱) نعل مبارک (۷۲) جوتا چپل پہننے کے متعلق (۷۳) موزے کے متعلق (۷۴) لینے دینے کے متعلق آپ کی عادت (۷۵) بارش کے سلسلے میں آپ کی عادت (۷۶) احباب کی خامیوں کے متعلق آپ کی عادت (۷۷) سیر و تفریح کے متعلق (۷۸) تصویر کے متعلق آپ کی عادت (۷۹) سلام کے متعلق آپ کی عادت (۸۰) مصافحہ کے بارے میں آپ کی عادت (۸۱) معانقہ کے متعلق (۸۲) تقبیل اور بوسہ کے سلسلے میں (۸۳) چھینک کے متعلق (۸۴) نام اور کنیت کے متعلق (۸۵) جنگی سامان کا ذکر (۸۶) گھریلو سامان کا ذکر (۸۷) پہرے داروں کا ذکر (۸۸) رہن سہن کے متعلق آپ کی عادات طیبہ (۸۹) وعظ و تقریر (۹۰) قرأت کا ذکر (۹۱) عبادت میں اہتمام (۹۲) نوافل کے متعلق آپ کی عادات (۹۳) لوگوں کے گھروں میں نفل پڑھنے کے متعلق (۹۴) ذکر الٰہی کرنے کے بارے میں (۹۵) توبہ و استغفار (۹۶) عمر مبارک (۹۷) متفرق پاکیزہ عادتیں۔

شمائل کبریٰ جلد سوم...... حصہ ششم: (۱) طہارت و نظافت (۲) پاخانہ پیشاب کے متعلق (۳) مسواک (۴) وضو (۵) مسح موزہ (۶) تیمم (۷) غسل (۸) مسجد (۹) اذان (۱۰) اوقات صلوٰۃ کے متعلق آپ کے شمائل اور طریق مبارک کا مفصل بیان ہے۔

شمائل کبریٰ جلد چہارم...... حصہ ہفتم: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا مکمل نقشہ (۲) مستحبات (۳) مکروہات و ممنوعات

④ سجدہ سہو ⑤ خشوع وخضوع ⑥ سترہ ⑦ جماعت ⑧ امامت ⑨ صف کی ترتیب ⑩ اورسنن راتبہ کے متعلق آپ کے پاکیزہ شمائل کا ذکر ہے۔

شمائل کبریٰ جلد چہارم ...... حصہ ہشتم: ① نماز شب وتہجد ② تراویح ③ وتر ④ اشراق ⑤ چاشت ⑥ دیگر تمام نفل نمازیں، صلوٰۃ الحاجہ، صلوٰۃ الشکر، صلاۃ التسبیح والحفظ وغیرہ ⑦ نماز استسقاء ⑧ نماز گہن ⑨ نماز خوف ⑩ جمعہ ⑪ عید بقرعید ⑫ نماز سفر کے متعلق آپ کے پاکیزہ شمائل کا بیان۔

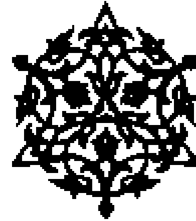
شمائل کبریٰ جلد پنجم ...... حصہ نہم: ① زکوٰۃ وصدقات ② رویت ہلال ③ روزہ رمضان ④ افطاری وسحری ⑤ شب قدر ⑥ اعتکاف ⑦ نفلی روزے، ماہانہ اور ہفتہ واری روزے ⑧ ممنوع روزے ⑨ اور سفر کے روزے کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اسوہ حسنہ اور تعلیم وطریق مبارک کا مفصل بیان۔

شمائل کبریٰ جلد پنجم ...... حصہ دہم: موت میت اور برزخ کے متعلق ① قبض روح ② غسل میت ③ کفن میت ④ جنازہ میت ⑤ تدفین میت ⑥ قبر اور اموات پر برزخ ⑦ تعزیت ⑧ وصیت ⑨ وراثت کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اسوۂ حسنہ اور تعلیم وطریق کا مفصل بیان ⑩ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مبارک اور تجہیز وغسل وغیرہ کا بیان۔

شمائل کبریٰ جلد ششم ...... حصہ یازدہم: نکاح، طلاق، اور اس کے متعلقات کا مفصل بیان۔

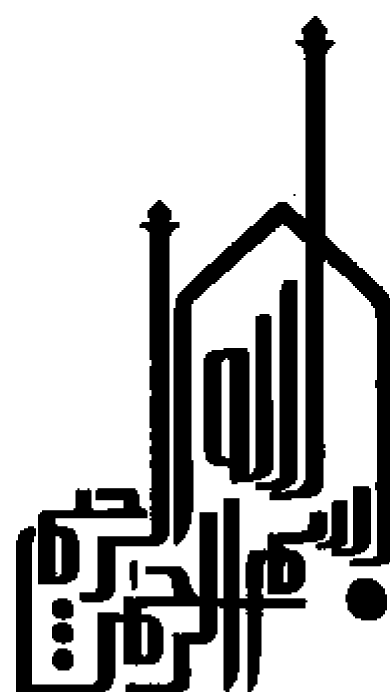
شمائل کبریٰ جلد ہفتم ...... حصہ دوازدہم: آپ کے حج وعمرہ مبارک وغیرہ کا مفصل ذکر۔

اس کے بعد کی جلدوں میں دیگر بقیہ شمائل وخصائل عیادت، مرض، علاج ومعالج، طب نبوی وغیرہ امور کا مفصل ذکر ہوگا۔ اللہ پاک صحت وعافیت وبرکت کے ساتھ اسے پایہ تکمیل تک پہنچائے امت کے حق میں نافع اور اپنے حق میں باعث رضا بنائے۔ آمین۔



فہرست مضامین




بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

مولیٰ کریم خدائے وحدہ لاشریک کا بے انتہا فضل وکرم کہ شمائل کی جلدیں امت کے ہر طبقہ خواص وعوام میں مقبول ہو رہی ہیں۔

ہند و پاک کے مختلف اداروں سے متعدد اڈیشن طبع ہوئے، مختلف زبانوں میں اس کے تراجم ہو رہے ہیں۔ ابھی حال میں شمائل کی پہلی جلد کا انگلش اڈیشن طبع ہو کر مقبول ہوا۔ اہل علم وفضل اور سنت کے شیدائیوں نے اسے قدر اور پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا۔

فللہ الحمد والمنة علی ذلك وذلك من فضل اللّٰہ فقط

شمائل کبریٰ کی یہ نویں جلد پیش خدمت ہے۔ اس جلد میں آپ ﷺ کے زکوٰۃ وصدقات، رؤیت ہلال، روزہ، رمضان، شب قدر، اعتکاف، نفل روزے، ماہانہ، ہفتہ واری روزے، محرم عاشورہ وغیرہ کے روزے ممنوع روزے اور سفر کے روزے کے متعلق آپ ﷺ کے شمائل اور پاکیزہ طریق وتعلیمات کو نہایت بسط وتفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دسویں جلد میں موت، میت، جنازہ، دفن برزخ، قبر کے متعلق سنن وشمائل کو بیان کیا گیا ہے۔

مولیٰ کریم خدائے وحدہ لاشریک کا بے پایاں فضل وکرم کہ مرض کی پریشانی اور درسی اہم مصروفیتوں کے ساتھ اس کی ترتیب وتکمیل کی توفیق عطا فرمائی۔

اللہ پاک ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے طباعت کے مراحل تک پہنچانے میں تعاون فرمایا۔

ہمارے مخلص محترم مولانا محمد رفیق عبدالمجید صاحب، زمزم پبلشرز سے اس کی اشاعت کر کے امت میں سنت کی ترویج اور شیوع کی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ خدائے پاک ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور ان کو دارین کی سعادت وخوشحالی سے نوازے اور مکتبہ کو فروغ اور ترقی عطا فرمائے احیاء سنت اور ترویج شریعت میں ان کو امتیازی شان حاصل ہو۔ آمین۔

خدائے واحدہ لاشریک سے دعا ہے کہ شمائل کے اس وسیع سلسلہ کو جوامت کے لئے سنت اور دارین کی کامیابی کا ایک قیمتی سرمایہ ہے خلوص و عافیت کے ساتھ پائے تکمیل تک پہنچائے۔ رہتی دنیا تک امت کے ہر طبقہ کو اس سے مستفید فرمائے۔ عاجز کی لغزشوں کو معاف فرما کر ذخیرہ آخرت سرمایہ نجات اپنی رضا وتقرب کا باعث بنائے۔ آمین

والسلام
محمد ارشاد بھاگلپوری ثم لکھنوی
استاذ حدیث وافتاء مدرسہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور
جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ جولائی ۲۰۰۳ء



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

زکوٰۃ وصدقات کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ طریق اور اسوۂ حسنہ کا بیان

آپ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے والوں کو بھیجتے

عقبہ ابن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۴۵)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا کہ میں اپنے مالداروں سے زکوٰۃ لوں اور اپنے غرباء ومساکین کو زکوٰۃ دوں میں ایک یتیم بچہ تھا میرے پاس کوئی مال نہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی چند اونٹ دیئے۔ (ترمذی صفحہ ۱۴۱، دار قطنی صفحہ ۱۳۶)

سعد اخی بنی عدی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم لوگوں کے پاس (ہمارے قبیلہ اور بستی میں) دو آدمی آئے اور کہا کہ ہم دونوں کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی زکوٰۃ صدقات کو وصول کرنے بھیجا ہے چنانچہ بکریوں میں بہترین بکری گابھن تھی اسے دے دیا ان دونوں نے اسے واپس کر دیا اور کہا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے گابھن جانور لینے سے منع فرمایا ہے۔ (نہ عمدہ نہ گھٹیا بلکہ بیچ قسم کا مال) چنانچہ میں نے متوسط درجہ کی بکری دی تو انہوں نے اسے لے لیا۔ (مسند شافعی جلد ۱ صفحہ ۲۳۹، سبل الہدیٰ جلد ۸ صفحہ ۳۸۹)

حافظ ابن حجر نے تلخیص میں ذکر کیا ہے کہ بطریق شہرت یہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم زکوٰۃ صدقات وصول کرنے کے لئے "ساعی" (جو لوگوں کے پاس جا کر زکوٰۃ وصدقات

وصول کرے) بھیجا کرتے تھے بخاری و مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجنا، ابوداؤد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھیجنا، مسند احمد میں ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھیجنا، اسی سند میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھیجنا مستدرک میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھیجنا مذکور ہے، بیہقی میں ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما زکوٰۃ وصول کرنے بھیجتے تھے۔ (تلخیص الجبیر ۱۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ صدقات وصول کرنے کے لئے لوگوں کے پاس جانا سنت سے ثابت ہے ان مالداروں کو نہ فرصت اور نہ موقعہ لہٰذا ان کے پاس جا کر زکوٰۃ صدقات کا وصول کرنا آپ کا مسنون طریقہ ہے۔ لہٰذا جو لوگ سفراء کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور اس کام کو بیجا کام سمجھتے ہیں جہالت ہے۔ آپ کا ہر فعل عزت و شرف کے مرتبہ پر ہے۔ اس کو برا سمجھنا بڑی بری بات ہے۔

مالداروں سے زکوٰۃ لے کر مساکین و غرباء پر تقسیم کا حکم فرماتے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن کی جانب (گورنر بنا کر) بھیجا تو فرمایا ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو تمہارے مالداروں سے لی جائے گی اور تمہارے غرباء فقراء پر تقسیم کر دی جائے گی۔ (بخاری صفحہ ۱۸۷، بخاری ۱۹۶، نسائی صفحہ ۳۴۸)

عون ابن ابوجحفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہمارے پاس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے زکوٰۃ صدقات وصول کرنے والا آیا اس نے ہمارے مالداروں سے صدقہ لیا اور ہمارے غریبوں میں صدقہ خیرات تقسیم کر دیا میں یتیم بچہ تھا انہوں نے اس میں سے (زکوٰۃ سے وصول کردہ مال سے) ایک اونٹ دیا۔

(ترمذی صفحہ ۱۴۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجتے تو ان کو حکم دیتے کہ ان سے صدقات لے کر ان کے قریبی رشتہ داروں میں حسب مراتب تقسیم کر دو اگر رشتہ دار نہ ہو تو قبیلہ محلے والوں کو دے دو پھر ضرورت مند پڑوسیوں کو دے دو۔ (مجمع جلد ۳ صفحہ ۹۰، سبل الہدیٰ جلد ۸ صفحہ ۳۸۹)

ابن ہمام نے اس حدیث پاک سے فائدہ اخذ کر کے بیان کیا ہے کہ زکوٰۃ مسلمان مالداروں سے لے کر مسلمان غریبوں کو دیا جائے گا کافر غیر مسلم کو زکوٰۃ جائز نہیں۔ (جلد ۲ صفحہ ۲۶۶)

ابن قیم نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ یمن کے مالداروں سے زکوٰۃ لے کر یمن کے غرباء اور فقراء میں تقسیم کر دو آپ نے اپنے پاس مدینہ اسے نہیں منگوایا۔ (زاد المعاد صفحہ ۳۰۸)

اس حدیث سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ جس علاقے کے لوگوں سے زکوٰۃ لی جائے وہاں

کے غرباء، مساکین میں زکوٰۃ تقسیم کی جائے اسی وجہ سے فقہاء کرام نے ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر میں لے جانے کو جب کہ وہاں زائد ضرورت نہ ہو منع اور مکروہ قرار دیا ہے۔ (فتح القدیر صفحہ ۲۸۳)

پس اس حدیث پاک کے پیش نظر علاقے میں زکوٰۃ کی تقسیم کا خیال رکھا جائے وہاں کے فقراء مساکین بیواؤں اہل ضرورت کا اولاً خیال کیا جائے عموماً باہر سے آنے والوں کو لوگ زکوٰۃ وصدقات دے دیتے ہیں اور علاقے کے مستحقین رہ جاتے ہیں سو یہ شرعی نظام زکوٰۃ کے خلاف ہے ہاں اگر علاقے کے لوگوں کے مقابلہ دوسری جگہ زیادہ ضرورت ہو یا زیادہ نفع بخش ہو یا صالح متقی پرہیزگار ہو جیسے مدارس کا نظام تو یہ بہتر ہے۔
(شامی جلد۲ صفحہ ۳۵۴)

اکثر محلے والوں اور رشتہ داروں کو حسن تعلقات اور ربط نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں سو یہ شرعاً درست نہیں یہ لوگ مستحق ہوں تو ان کو دینا زیادہ ثواب کا باعث ہے زکوٰۃ کی تقسیم میں شرعاً استحقاق سے مطلب ہے حسن تعلقات اور ربط سے نہیں خوب سمجھ لیا جائے ایسی صورت میں وسائط سے دے دیا جائے تاکہ ان کا حق اولیت ادا ہو جائے۔

آپ ﷺ مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالنے کو فرماتے

ابوکثیر نے بیان کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن کی جانب روانہ کیا تو فرمایا کہ ہر چالیس دینار پر ایک دینار وصول کریں اور ہر دو سو درہم پر پانچ درہم۔ (دارقطنی جلد۲ صفحہ ۹۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ بیس دینار یا اس سے کچھ زائد پر نصف دینار اور چالیس پر ایک دینار لیتے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۲۸، دارقطنی صفحہ ۹۲)

فائدہ: آپ ﷺ مال کا چالیسواں حصہ نصاب کے پورا ہونے کے بعد نکالنے کا حکم فرماتے یہی زکوٰۃ کا قاعدہ ہے مثلاً سونے کا نصاب ۴۰؍ دینار ہے۔ اور چاندی کا دو سو درہم۔ تو ادھر ایک دینار اور ادھر ۵؍ درہم نکالنے کا حکم فرماتے لہٰذا اس دور میں ۴؍ ہزار یعنی چالیس سو میں ایک سو روپیہ زکوٰۃ کے سال پورا ہونے پر نکالے جائیں گے۔

سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہونے کا حکم فرماتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ نہیں جب تک کہ اس پر سال نہ گزر جائے۔

اسی طرح ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ مال (نصاب) میں اس وقت تک زکوٰۃ نہیں جب تک کہ سال گزر نہ جائے۔ (ترمذی صفحہ ۱۳۸، دارقطنی صفحہ ۹۱، سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۱۰۹)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ مال کی زکوٰۃ اس وقت لیتے تھے جب کہ اس پر سال گزر جاتا۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۱۰۹)

فائدہ: خیال رہے کہ مال کی زکوٰۃ خواہ روپیہ ہو یا سونا چاندی ہو یا تجارت کی اشیاء ہوں ان پر سال گزرنا زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لئے ضروری ہے۔ (ہدایہ فتح القدیر صفحہ ۱۵۵)

بخلاف کھیتی یا باغ کی پیداوار پر جو زکوٰۃ دسواں یا بیسواں حصہ ہے اس پر سال گزرنا شرط نہیں ہے۔ اسی طرح قربانی اور صدقہ فطر میں۔ (شامی جلد۲ صفحہ ۲۶۷)

سال گزرنے سے قبل بھی زکوٰۃ نکالنے کی اجازت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سال گزرنے سے پہلے جلد زکوٰۃ نکالی جا سکتی ہے بھلائی میں جلدی کے پیش نظر تو آپ نے اجازت دے دی کہ ہاں پہلے نکالی جا سکتی ہے۔ (ابوداؤد صفحہ ۲۲۹، مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۷، ترمذی صفحہ ۱۴۷، دارقطنی صفحہ ۱۰، سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۱۱۱)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زکوٰۃ ایک یا دو سال پہلے کالے لیا تھا۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۱۱۱)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ مال نصاب کی مقدار ہو تو سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں سال مکمل ہونے سے قبل اگر نکال دے تو یہ بھی درست ہے اب سال پورا ہونے کے بعد اسے زکوٰۃ نہیں نکالنی پڑے گی۔

ہدایہ، فتح القدیر میں ہے کہ اگر سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کر دی تو یہ بھی جائز ہے۔ ہاں اگر نصاب زکوٰۃ ہی نہیں پھر زکوٰۃ کی نیت سے نکالا تو معتبر نہیں۔ (فتح القدیر جلد۲ صفحہ ۲۰۴)

مال کی کس مقدار پر زکوٰۃ کا حکم فرماتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بیس اشرفی پر یا اس سے زائد ہونے پر آدھی اشرفی اور چالیس اشرفی ہونے پر ایک اشرفی زکوٰۃ میں لیا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۲۸)

فائدہ: خیال رہے کہ ہمارے دیار میں ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا ۵۲ تولے چاندی نصاب ہے اگر سونا چاندی دونوں ہوں تو چاندی کی قیمت کے اعتبار سے مال پائے جانے پر زکوٰۃ واجب ہے یعنی مالیت ۵۲ چاندی کے برابر آجائے اسی طرح روپیہ میں بھی چاندی کا اعتبار ہے۔ چاندی مثلاً ۸۰ روپیہ تولہ ہو تو ۴۲/سو روپیہ قریب ہونے پر نصاب کی مقدار پائی گئی اس قیمت پر سال گزرنے سے زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔

اگر شروع اور آخر میں نصاب کی مقدار پائی گئی اور بیچ سال میں کم ہوگیا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۰)

ہاں البتہ ایسا ہوا کہ بیچ سال میں بالکل مال ختم ہوگیا ایک روپیہ بھی نہ رہا یا قرض ہوگیا تو نصاب کے ختم ہو جانے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ (فتح القدیر صفحہ ۲۲۱)

ہاں اب جب نصاب کا مالک ہوگا تو اس وقت سے سال شروع ہوگا اور سال پورے ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی اس درمیان اگر مال بیچ میں کم ہوگیا تو اس سے کوئی فرق نہ ہوگا اول اور آخر سال کا اعتبار ہوگا۔

نصاب کے پورا ہونے پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم فرماتے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۱۹۰/ درہم پر زکوٰۃ نہیں (چونکہ نصاب مکمل نہیں) ہاں مگر یہ کہ اس کا مالک (تبرعاً) دینا چاہے اور جب دوسو درہم پورے ہو جائیں تو اس میں ۵/ درہم ہیں۔ اور اس سے زائد ہو جائے تو اسی حساب سے ہے۔ (دارقطنی صفحہ ۹۲، سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۱۳۴، ترمذی صفحہ ۱۳۵)

نصاب سے کم مقدار مال ہوتا تو زکوٰۃ واجب نہ فرماتے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسو درہم (جو چاندی کے نصاب سے ہے) سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۱۱۷، دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۹۲، سنن کبریٰ صفحہ ۱۳۸)

عمرو بن شعیب کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوسو درہم (نصاب) سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۱۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ دوسو درہم (نصاب چاندی) سے کم ہو تو کوئی زکوٰۃ نہیں اور اگر دوسو سے زائد ہو جائے تو پھر حساب سے زکوٰۃ ہے۔ (یعنی سو پر ڈھائی)۔ (عبدالرزاق جلد ۴ صفحہ ۸۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۵/ اوقیہ (۴۰/ درہم) سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ (بخاری صفحہ ۱۹۴)

نصاب سے زائد مقدار پر اسی حساب سے زکوٰۃ ہے

ابن ضمرہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ دوسو درہم سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے اور اس سے زائد پر اسی حساب سے زکوٰۃ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا دوسو درہم سے جو زائد ہو جائے اس پر اسی حساب سے زکوٰۃ ہے۔
(ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۱۹، مصنف ابن عبدالرزاق جلد ۴ صفحہ ۸۸)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ نصاب سے جو زائد ہو جائے اس کا حساب لگا کر زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ مثلاً ایک ہزار

زائد ہے تو ۲۵/روپے اور ۵/سو روپے زائد ہیں تو ساڑھے بارہ روپے زکوٰۃ میں نکالے جائیں گے پھر نصاب کا مکمل ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہاں زکوٰۃ کے ابتداءً واجب ہونے میں نصاب کا مکمل ہونا ضروری ہے۔

نصاب پر جب سال گزر جاتا تو زکوٰۃ کا حکم فرماتے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو سو درہم ہو جائیں اور سال اس پر گزر جائے تو اس میں ۵/درہم (چالیسواں حصہ) واجب ہے۔ (ابوداؤد صفحہ ۲۲۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ نہیں جب تک کہ اس پر سال نہ گزر جائے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۲۸)

پہننے والے زیوروں کی زکوٰۃ نکالنے کا حکم فرماتے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ یمن کی ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئی اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی دونوں کے ہاتھ میں زیور تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس کی زکوٰۃ نکالتی ہو؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا یہ تمہارے دونوں کنگن خدائے پاک آگ کے بنا دیں گے۔ اس نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا پھر اس کی زکوٰۃ نکالو۔ چنانچہ اس نے ان کنگنوں کو اتار کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیئے اور کہا یہ دونوں خدا اور رسول کے لئے ہیں (یعنی صدقہ میں پیش ہے)۔

(ابوداؤد صفحہ ۲۱۸، دار قطنی صفحہ ۱۰۸، نسائی صفحہ ۳۴۳، ترمذی صفحہ ۱۳۸)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ میں اور میری خالہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئیں۔ ہمارے پاس سونے کے کنگن تھے...... آپ نے پوچھا ان کنگنوں کی زکوٰۃ نکالتی ہو۔ ہم نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں نہیں ڈر کہ خدائے پاک تمہیں آگ کے دو کنگن پہنا دے۔ زکوٰۃ ادا کرو۔
(مسند احمد تلخیص صفحہ ۱۸۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے ہاتھ یا پیر میں زیور تھا۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے عائشہ میں نے کہا یہ زیور ہے اسے بنوایا ہے تاکہ آپ کے لئے زینت اور خوشنمائی حاصل کروں۔ اس پر آپ نے فرمایا اس کی زکوٰۃ نکالتی ہو کہا نہیں تو آپ نے فرمایا یہ تمہارے جہنم کے لئے کافی ہے۔

(ابوداؤد صفحہ ۱۱۸، بیہقی صفحہ، تلخیص صفحہ ۱۸۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک عورت نے زیور کی زکوٰۃ کے متعلق پوچھا تو جواب دیا کہ اگر اس کی حیثیت و قیمت دو سو درہم کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ ہے۔ (دار قطنی صفحہ ۱۰۸، تلخیص الحبیر صفحہ ۱۸۹)

فائدہ: وہ زیورات جو سونے چاندی کے ہوں خواہ پہنے جاتے ہوں یا رکھ دیئے گئے ہوں ان کی مالیت سونے

چاندی ملا کر ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر یا اس سے زائد ہو جائے تو ان زیوروں پر بہر صورت زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔ فی ہزار پر ۲۵/روپے ادا کرنے ہوں گے۔ عورتوں سے عام طور پر اس مسئلہ میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے باوجود زکوٰۃ فرض ہونے کے زکوٰۃ نہیں نکالتی ہیں اور جہنم کی سخت ترین سزا مول لیتی ہیں۔ شوہروں کو چاہئے کہ اس پر توجہ دیں۔

روپیہ، سونا، چاندی پر بہر صورت زکوٰۃ ہے خواہ رکھے ہوئے ہوں اور تجارت نہ کی جارہی ہو

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ حضرت عطاء کہتے ہیں سامانوں پر (گھریلو اور برتنے والے) زکوٰۃ نہیں تاوقتیکہ ان کی تجارت نہ کی جائے سوائے سونے اور چاندی کے کہ اگر وہ رکھے ہوئے ہوں اور ان سے تجارت نہ کی جاتی ہو تب بھی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ (مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ ۹۷)

فَائِدَہ: خیال رہے کہ سونا چاندی کی تمام اشیاء میں خواہ برتن کی شکل میں ہوں یا زیورات کی شکل میں بہر صورت ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۵)

اسی طرح چاندی کی انگوٹھی جو مرد پہنے اسے بھی مال کے ساتھ جوڑا جائے گا اور نصاب کی مقدار ہونے پر زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ (فتح القدیر صفحہ ۲۱۵)

کپڑے کے تاجروں پر زکوٰۃ ہے

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹ میں، بکریوں میں، گائے میں اور کپڑوں میں صدقہ ہے۔ (دار قطنی صفحہ ۱۰۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ غلام، سواری کے جانور یا کپڑے کی تجارت کی جاتی ہو تو اس میں سالانہ زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

قرض دیئے گئے مال پر بھی زکوٰۃ ہے

ابن شہاب زہری سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس کا مال دوسرے کے پاس قرض ہے کیا اس مال پر زکوٰۃ ہے؟ کہا ہاں اگر وہ معتمد (ادا کرنے والے کے) پاس ہے۔ اگر ایسا قرض ہے جس کے ملنے کی امید نہیں تو پھر نہیں ہاں اگر مل جائے گزشتہ ایام کی زکوٰۃ نکالے۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد ۴ صفحہ ۱۰۴)

فَائِدَہ: ہدایہ، فتح القدیر میں ہے کہ جس قرض کے ملنے کا امکان ہو (خواہ دیر ہی سے ملے) اس مال پر بھی زکوٰۃ ہے۔ علامہ شامی نے بیان کیا ہے کہ اگر قرض خواہ بھاگ گیا ہو یہ اس کی تلاش طلب پر قادر ہو تو اس مال پر زکوٰۃ ہے۔

قرض کا مال مل جائے اور گزشتہ کی زکوٰۃ نہ نکالی ہو تو گزشتہ ایام کی زکوٰۃ نکالنی واجب ہے۔
(شامی جلد۲ صفحہ ۲۶۷، ۲۶۶، فتح القدیر جلد۲ صفحہ ۱۶۷)

پالتو جانوروں کی زکوٰۃ نکالنے کا حکم فرماتے

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹ میں، بکریوں میں کپڑوں میں زکوٰۃ ہے۔ (دار قطنی صفحہ ۱۰۱)

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی جانب (زکوٰۃ حاصل کرنے بھیجا تو) فرمایا غلہ میں سے غلہ کی زکوٰۃ (عشر) بکریوں میں سے بکری، اونٹوں میں سے اونٹ، گایوں میں سے گائے زکوٰۃ میں وصول کرو۔ (ابوداؤد، جلد۱ صفحہ ۲۲۶)

حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زکوٰۃ کا فرمان مبارک لکھوا کر بھیجا تھا اس میں تھا کہ ۵/ اونٹ پر ایک بکری لی جائے اور دس اونٹ پر ۲/ بکری ۱۵/ میں ۳/ ۲۰/ میں ۴/ بکریاں اور بکریوں میں جب کہ ۴۰/ بکریاں ہوں تو ہر ۴۰/ بکریوں پر ایک بکری زکوٰۃ میں لی جائے ۱۲۰/ بکریوں تک پھر جب ۱۲۰/ سے زائد بکریاں ہو جائیں تو ۲/ بکری زکوٰۃ میں حاصل کی جائے۔ (مختصراً ابوداؤد صفحہ ۲۱۹)

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہر ۳۰/ گائے پر ایک سالہ بچہ لیا جائے گا اور چالیس گایوں پر دو سالہ بچہ لیا جائے گا۔ (یہی حکم بھینس کا بھی ہے) اور وہ جانور مثلاً بیل جس سے ہل جوتا جاتا ہو اس پر کچھ نہیں۔ (مختصراً ابوداؤد صفحہ ۲۲۱)

فائدہ: خیال رہے کہ جو حضرات جانور پالتے ہیں اور ان کا ریوڑ رکھتے ہیں اور ان کو چراتے ہیں سال کے اکثر حصے میں چر کر کھاتے ہیں اور ان کی تعداد گائے بھینس میں ۳۰/ بکریوں میں چالیس کی تعداد کو یا اس سے زائد ہوں تو ان جانوروں کی بھی آپ مذکورہ حساب سے ۳۰/ گائے بھینس پر ایک سالہ بچہ اور ۴۰/ بکریوں پر ایک بکری وصول فرماتے اور ان کو نکالنے کا حکم دیتے۔

ان جانوروں کی تعداد پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہے جب دودھ اور نسل کے لئے ہوں گوشت کھانے کے لئے نہ ہوں اور سواری کے استعمال کے لئے نہ ہوں اسی طرح یہ تجارت خرید و فروخت کے لئے نہ ہوں کہ اس صورت میں تجارتی اشیاء کی طرح ان کی قیمتوں کے تناسب سے زکوٰۃ واجب ہوگی اور چاندی کے نصاب کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ (الشامی جلد۲ صفحہ ۲۷۶)

زیورات میں جواہرات جڑے ہوتے ہیں اس پر زکوٰۃ نہیں

عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جواہر پر زکوٰۃ نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ موتیوں پر زکوٰۃ نہیں۔

حضرت عکرمہ نے کہا جواہر، موتیوں، زمرد پر زکوٰۃ نہیں ہاں مگر یہ کہ وہ تجارت کے لئے ہوں۔

(اعلاء السنن صفحہ ۶۲)

حضرت ابراہیم نخعی نے کہا جواہر اور یاقوت میں زکوٰۃ نہیں ہاں مگر یہ کہ وہ تجارت کے لئے ہوں۔

(مصنف عبدالرزاق صفحہ ۵۸)

فائدہ: زیوروں میں جو قیمتی پتھر اور ہیرے موتی جڑے ہوتے ہیں اگر چہ وہ بہت قیمتی اور گراں ہوتے ہیں مگر ان پر زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح الگ سے بھی زینت کے طور پر رکھے ہوں تو ان پر نہ ان کی قیمت پر زکوٰۃ ہے ہاں اگر یہ تجارت کے لئے ہوں تو ایسی صورت میں ہیروں کی تجارت اور ان کے تاجروں پر زکوٰۃ ہے۔

رحمۃ الامۃ کے حوالے سے اعلاء السنن میں ہے کہ سونے چاندی کے علاوہ گوہر، موتی، جواہر، یاقوت، زمرد، مشک، عنبر کے زکوٰۃ نہ ہونے پر اجماع ہے۔ (صفحہ ۶۲)، خواہ اس کی قیمت لاکھ اور کروڑ کیوں نہ ہو۔

خرید و فروخت ''تجارتی اشیاء'' پر زکوٰۃ کا حکم فرماتے

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو حکم دیتے کہ ہم لوگ ان سامانوں کی جس کی خرید و فروخت کرتے ہیں زکوٰۃ نکالیں۔ (دارقطنی، ابوداؤد صفحہ ۲۱۸، تلخیص صفحہ ۱۹۰، فتح القدیر صفحہ ۲۱۸)

زیاد بن عزیر سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا اور یہ حکم دیا کہ میں مسلمانوں کے ان مالوں سے جسے وہ تجارت کے لئے اِدھر اُدھر منتقل کرتے ہیں چالیسواں حصہ وصول کروں۔ (تلخیص صفحہ ۱۹۰)

فائدہ: خیال رہے کہ جو مال تجارت اور دوکانداری کے لئے ہو اس پر بھی جب کہ وہ نصاب کی مالیت سے زائد ہو اور سال گزر جائے زکوٰۃ ہے۔ قرض وغیرہ منہا کر کے اس کی زکوٰۃ فی ہزار روپیہ پر ۲۵/روپے نکالی جائے گی۔

نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ سامان میں زکوٰۃ نہیں ہاں مگر یہ کہ وہ تجارت کے لئے ہوں۔ (بیہقی، تلخیص صفحہ ۱۹۱، اعلاء السنن صفحہ ۵۵)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جو سامان تجارت اور بیچنے کے لئے ہو نصاب تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ کا حساب سے نکالنا واجب ہے۔ ابن منذر نے بیان کیا کہ سامان تجارت کی زکوٰۃ جب اس پر سال گزر جائے واجب ہونے پر اجماع ہے۔ (اعلاء السنن صفحہ ۵۵، فتح القدیر صفحہ ۲۱۸)

خیال رہے کہ دوکانداری تمام اشیاء پر خواہ وہ کریانہ کا سامان ہو یا کپڑے یا لوہے وغیرہ کا ہو تمام سامان تجارت کی زکوٰۃ واجب ہے بعض ناواقف لوگ صرف نقد روپیہ پر زکوٰۃ سمجھتے ہیں سو یہ جہالت ہے۔ اہل علم سے

مسائل پوچھ لیا کریں۔

اگر تجارتی سامان نصاب کی مقدار میں نہیں ہے مگر نقد روپیہ سے ملا کر نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو زکوٰۃ اس صورت میں بھی واجب ہو جائے گی۔ (فتح القدیر صفحہ ۲۲۱)

اسی طرح تجارت کے مختلف سامانوں کو جوڑ کر نصاب تک پہنچنا دیکھا جائے گا اگر پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہے۔ (فتح)

آپ ادائیگی زکوٰۃ کی سخت ترغیب دیتے

حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اسلام کی تکمیل میں سے ہے کہ تم اپنے مال کی زکوٰۃ نکالو۔ (بزار، ترغیب جلد ا صفحہ ۵۲۰)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مال کی حفاظت زکوٰۃ کے ذریعہ کرو اپنے بیماروں کا علاج صدقہ سے کرو مصائب کے موجوں کا دفاع دعا اور تضرع سے کرو۔ (ترغیب، طبرانی، بیہقی)

مال کی شر اور فتنے سے حفاظت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو اس مال کی برائی تم سے دور ہوگئی۔ (ترغیب صفحہ ۵۱۹، حاکم، طبرانی)

زکوٰۃ نہیں دی تو نماز قبول نہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے قائم کرنے کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ جس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی اس کی نماز نہیں ہوگی۔ (ترغیب صفحہ ۵۴۰)

فائدہ: مال کا جو شر اور فتنہ ہوتا ہے زکوٰۃ نکال دینے کی وجہ سے اس سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ شر کا مطلب تجارتی گھاٹا، چوری ڈکیتی، مال پر نظر بد کا لگنا، اور دیگر آفات جو مال سے متعلق ہیں اس سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ مال کا نکالنا صدقہ خیرات کرنا مصائب وحوادث کو دور کرتا ہے اس لئے مال کی حفاظت کا بہترین باطنی خاموش ذریعہ صدقہ خیرات کرنا ہے۔

زکوٰۃ کے ادا نہ کرنے پر سخت وعید بیان فرماتے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گا اسے قیامت کے دن جس کی مدت پچاس ہزار سال ہوگی آگ کا اژدہا بنا دیا جائے گا پھر اس سے اس کی پیشانی، پہلو، پیٹھ کو داغا جلایا جائے گا پھر لوگوں کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔ (ترغیب صفحہ ۵۴۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں ادا کرتا قیامت کے دن اسے گنجا سانپ بنادیا جائے گا جسے اس آدمی کی گردن میں لٹکا دیا جائے گا۔

(ترغیب صفحہ ۵۲۸)

زکوٰۃ نہ دینے پر سب سے پہلے جہنم میں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ۳/لوگ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور ۳/لوگ سب سے پہلے جہنم میں بھی داخل ہوں گے۔ ۳/لوگ جو اول جہنم میں داخل ہوں گے وہ یہ لوگ ہیں۔ ظالم امیر، وہ مالدار جس نے اپنے مال سے اللہ کا حق ادا نہ کیا (زکوٰۃ نہیں نکالی) اور متکبر فقیر۔

(ابن خزیمہ، ترغیب صفحہ ۵۴۰)

زکوٰۃ نہ دینے پر مال اژدہے کی شکل میں مسلط

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ پاک نے مال سے نوازا اور اس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی قیامت کے دن اس کے مال کو گنجا سانپ بنادیا جائے گا جس پر دو سیاہ نقطے ہوں گے (جو بہت زیادہ وحشت ناک اور زہریلے ہونے کی پہچان ہے) قیامت کے دن وہ اس کی گردن میں ڈال دیا جائے گا وہ اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ کر کہے گا میں تمہارا مال ہوں میں تمہارا خزانہ ہوں پھر آپ نے آیت "ولا یحسبن الذین یبخلون" تلاوت فرمائی۔ (بخاری مسلم صفحہ ۱۸۰، نسائی صفحہ ۳۴۳، ترغیب جلد ۱ صفحہ ۵۴۱)

زکوٰۃ کی کوتاہی سے مال کا خسارہ اور ہلاکت

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مال نہ خشکی میں (زمین پر) اور نہ سمندر میں (کشتی و جہاز سے) ہلاک و برباد ہوتا ہے مگر زکوٰۃ کی کوتاہی اور نہ دینے سے۔

(طبرانی، ترغیب جلد ۱ صفحہ ۵۴۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مال میں زکوٰۃ کا مال مل جاتا ہے (زکوٰۃ ادا نہیں کی مال میں ملالیا) تو وہ اس کے مال کو فاسد برباد ہلاک کردیتا ہے۔ (ترغیب صفحہ ۵۴۱)

فائدہ: زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے جو وبال اور عذاب آخرت کے ہیں وہ تو علیحدہ رہے دنیا میں بھی اس کا وبال یہ ہوتا ہے کہ وہ مال کے ضائع ہونے کا سبب بنتا ہے ایک اور حدیث میں اس حدیث شریف کے متعلق ایک قصہ بھی نقل کیا گیا ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں حطیم کے سایہ میں تشریف فرما تھے کسی نے آکر عرض کیا یارسول اللہ فلاں گھرانے کا سامان سمندر کے کنارے پر پڑا تھا وہ ہلاک ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مال بر و بحر خشکی ہو یا سمندر میں مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا میں اس

کے بغیر ضائع نہیں ہوتا کہ اس کی زکوٰۃ نہ ادا ہوئی ہو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کر کے ذریعہ حفاظت کیا کرو اور اپنے بیماروں کا صدقہ کے ذریعہ سے علاج کیا کرو اور ناگہانی مصیبتوں کو دعاؤں کے ذریعہ ہٹایا کرو کہ دعا اس مصیبت کو زائل کر دیتی ہے اور اس کو روک دیتی ہے جو ابھی تک نہ آئی ہو۔

اگر کوئی شخص بجائے اس کے کہ اس کو اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کر کے تقرب پیدا کرے اس کی زکوٰۃ بھی ادا نہ کرے جو اللہ جل شانہ کا اہم فریضہ ہے تو اس کی نافرمانی میں کیا شک ہے۔ اور ایسے شخص کو اپنے مال کے باقی رہنے کی زیادہ امید نہ رکھنی چاہئے وہ خود اس کے ضائع ہو جانے کی تدبیر کر رہا ہے اگر اس مال میں بھی خدانخواستہ ضائع نہ ہو تو یہ اور بھی سخت خطرناک ہے اس صورت میں یہ کسی بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ہے۔

(فضائل صدقات صفحہ ۲۵۵)

بارش کے روک دینے کی سزا زکوٰۃ کی کوتاہی ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب زکوٰۃ نہیں دی جاتی ہے تو بارش (کے وقت پر) روک دیئے جانے کی سزا دی جاتی ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے جب لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ روک دیتے ہیں تو آسمان سے بارش روک دی جاتی ہے۔ (ترغیب جلد ا صفحہ ۵۴۴)

فَائِدَہ: آج کل عموماً بارش وقت پر نہیں ہوتی اس کا ایک سبب زکوٰۃ میں کوتاہی ہے۔ اور جو بارش ہوتی ہے اس میں جانوروں کی رعایت کو دخل ہے کہ خدائے پاک بارش جو فرماتے ہیں اس میں بے زبان جانوروں پر اور انسان کے علاوہ دیگر جنسوں پر رحم کی وجہ سے ہے کہ انسان کے گرفت اور مواخذہ میں آ کر وہ پریشان نہ ہو جائیں۔

نابالغ کے مال پر زکوٰۃ نہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نابالغ کے مال پر زکوٰۃ نہیں تاوقتیکہ اس پر نماز فرض نہ ہو جائے۔ (یعنی بالغ نہ ہو جائے) (دارقطنی صفحہ ۲۱۱، اعلاء السنن جلد ۹ صفحہ ۴)

فَائِدَہ: نابالغ چونکہ مکلّف نہیں اس لئے اس کے مال پر اگرچہ وہ نصاب یا اس سے زائد ہو زکوٰۃ نہیں ابن منذر نے اشراف میں بیان کیا کہ نابالغ بچوں پر زکوٰۃ نہیں تاوقتیکہ وہ نماز اور روزہ نہ رکھیں (یعنی مکلّف ہو جائیں)۔ (اعلاء السنن جلد ۹ صفحہ ۷)

ہدایہ، فتح القدیر میں ہے کہ نابالغ بچے اور پاگل کی ملک میں جو مال ہو اس پر زکوٰۃ باوجودیکہ کے سال گزر جائے واجب نہیں۔ (جلد ۲ صفحہ ۱۵۷)

البتہ جب بالغ ہو جائے وقت بلوغ کے بعد سے سال جوڑا جائے گا۔ مقدار پوری ہونے پر زکوٰۃ واجب

ہوگی۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۶۰، شامی صفحہ ۲۵۸)

قرض ہوتو زکوٰۃ واجب نہیں فرماتے

نافع نے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی کے پاس ایک ہزار درہم ہوں اور ایک ہزار درہم اس پر قرضہ بھی ہوتو زکوٰۃ واجب نہیں۔ (اعلاء السنن صفحہ۱۱)

اشہب بن مالک کی روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان بن یسار سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی کے پاس مال بھی ہے اور قرضہ بھی ہے کیا اس پر زکوٰۃ ہے کہا نہیں۔ (اعلاء السنن جلد۹ صفحہ۱۱)

فَائِدَہ: مقروض اور مدیون پر زکوٰۃ نہیں مطلب یہ ہے کہ جتنا مال ہے اتنا قرضہ ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں گویا کہ یہ دوسرے کا مال ہے ادا کرنا ہے۔ ہاں اگر قرض ادا کرنے کے بعد باقی بچے اور وہ نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تو اس پر ایسی صورت میں زکوٰۃ واجب ہے۔

قرض کا حساب نکال کر زکوٰۃ کی ادائیگی ہے

حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ یہ زکوٰۃ کا مہینہ ہے جس پر کوئی قرضہ ہو اپنے قرضہ کو ادا کرے یہاں تک کہ اس کا مال صاف ہو جائے پھر اپنی زکوٰۃ کو ادا کرے۔

(سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۱۴۸، فتح القدیر جلد۲ صفحہ ۱۶۱)

حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے مروی ہے کہ اپنے مال میں سے پہلے قرض کو ادا کرے گا پھر جو باقی بچے گا اس کی زکوٰۃ نکالے گا۔

ابن شہاب زہری نے کہا کہ قرض کو وصول کرنے کے بعد زکوٰۃ نکالے گا۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۱۴۸)

فَائِدَہ: خیال رہے کہ مال ہے مگر قرض بھی ہے تو ایسی صورت میں قرض کا حساب منہا کر کے اگر باقی مال نصاب زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچتا ہے تب اس پر زکوٰۃ فرض ہے ورنہ نہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں بیان کیا ہے کہ پہلے قرض ادا کیا جائے گا پھر صدقہ خیرات، صدقہ سے دین زیادہ اہم ہے۔ (بخاری صفحہ۱۹۲)

فَائِدَہ: خیال رہے کہ بیوی کا مہر اگرچہ قرض ہو اس کا ادا کرنا واجب ہے مگر یہ ایسا قرض نہیں ہے کہ نصاب میں منہا کر کے اس کا اعتبار کیا جائے اس کے باقی رہتے ہوئے زکوٰۃ بہر صورت واجب رہتی ہے اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ (فتح القدیر جلد۲ صفحہ۱۶۳)

وکیل، نائب کو زکوٰۃ ادا کرنے والا بری ہے

حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا کہا بنی تمیم کے قبیلہ سے ہوں کیا میرے لئے یہ کافی ہے اے اللہ کے رسول کہ میں جب کسی نائب ''وکیل'' کو زکوٰۃ ادا کردوں تو میں

بری ہو جاؤں گا اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جب تم میرے قاصد وکیل کو ادا کر دو گے تو تمہاری ذمہ داری پوری ہو جائے گی گناہ اس کو ہو گا جو اس میں تبدیلی کرے۔

(مسند احمد بلوغ الامانی جلد ۹ صفحہ ۳۶)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جب زکوٰۃ وصول کرنے والے نے اپنا صحیح اور حق ہونا ظاہر کیا جس پر زکوٰۃ ادا کرنے والے نے حوالہ کر دیا تو اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یہ اپنی ذمہ داری سے فارغ ہوگیا اب وصول کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے صحیح مصرف میں لگائے خیانت نہ کرے۔

اگر بیجا غیر مصرف میں صرف کرے گا تو یہ ذمہ دار ہوگا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جو سفراء زکوٰۃ وصول کرنے آتے ہیں ان کے قول اور ظاہر احوال پر اطمینان کرتے ہوئے کسی نے زکوٰۃ وصدقات ادا کر دیا۔ اس نے اسے خود کھا لیا یا غلط خلاف شرع مصرف صحیح کے علاوہ میں خرچ کیا تو دینے والا عنداللہ مواخذہ سے بری ہو جائے گا اور یہ لینے والا شخص ذمہ دار ہوگا۔

تاہم اس دور میں بہت سے لوگ اس مسئلہ میں کوتاہ اور خائن ہیں ادائیگی کے وقت تحقیق کر کے دیا جائے ان کی تفتیش کر لی جائے کہ یہ صحیح ہے یا نہیں تب حوالہ کی جائے۔

اس زمانہ میں کمیشن پر چندہ کرنے والے عام ہوگئے ہیں یہ مصالح زکوٰۃ کے خلاف کا مال اچھا خاصہ حصہ یہ لے لیتے ہیں مصرف میں جانے والی مقدار کم ہوتی ہے پھر یہ معاملہ بھی شرعاً درست نہیں گویا زکوٰۃ کی دوکانداری اور تجارت ہے لہٰذا پوچھ لے کمیشن پر چندہ کرتا ہو تو نہ دے۔ بعض صورتوں میں زکوٰۃ ہی ادا نہیں ہوتی۔ (اس کی تفصیل عاجز کے رسالہ کمیشن پر چندہ علماء کا فیصلہ میں ہے دیکھئے)

زکوٰۃ وصول کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح

حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا صحیح اور حق طور پر زکوٰۃ وصول کرنے والا راہ خدا میں غزوہ جہاد کرنے والے کی طرح ہے تاوقتیکہ وہ گھر نہ لوٹ جائے۔

(ترغیب صفحہ ۵۵۹، مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۴۰۶، ترمذی صفحہ ۱۴۰)

مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیلہ ثقیف کے ایک آدمی کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے بھیجا اس نے جانے میں تاخیر کر دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا میں تم سے تاخیر دیکھ رہا ہوں (شاید فضیلت کے نہ جاننے کی وجہ سے ایسا ہوا ہو) سو تم کو اس کام میں راہ خدا میں غزوہ کا ثواب ملے گا۔

(کنز العمال صفحہ)

فائدہ: زکوٰۃ وصول کرنے والے کی اس حدیث میں فضیلت ہے۔ اس میں وہ سفراء بھی داخل ہیں جو لوگوں

سے زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کے لئے سفر کرتے ہیں۔ افسوس کہ آج کل ایسے حضرات کو لوگ نیچی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو جہالت ہے۔ حدیث پاک میں حق کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صحیح اور حق پر ہوں خلاف شرع امور کے مرتکب نہ ہوں مثلاً خیانت کی دھوکہ دے کر زکوٰۃ وصول کی جیسا کہ بعض لوگ زکوٰۃ کے مصرف میں خیانت کرتے ہیں۔ مدرسہ کے نام سے اپنے لئے وصول کرتے ہیں یا اس میں خیانت، خرد برد کرتے ہیں وغیرہ تو ایسی صورت میں فضیلت کے بجائے سزا کے مستحق ہوں گے۔

کھیتی، زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ وصول فرماتے

حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے یمن کی جانب بھیجا اور مجھے یہ حکم دیا کہ جس کھیت کی سیرابی آسمانی پانی سے ہو اس میں دسواں حصہ لوں اور جسے ڈول سے سیراب کیا گیا ہو اس میں بیسواں حصہ لوں۔ (بلوغ الامانی جلد ۸ صفحہ ۲۲۰، نسائی صفحہ ۳۴۴، بیہقی صفحہ ۱۳۰، دارقطنی صفحہ ۱۲۹، حاکم صفحہ ۴۱)

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرض قرار دیا کہ جو کھیتی آسمانی پانی نہروں اور چشموں کے پانی سے سیراب کی جائے اس پر دسواں حصہ اور جو اونٹ سے سیراب کی جائے اس پر بیسواں حصہ نکالا جائے۔ (نسائی صفحہ ۳۴۵، دارقطنی صفحہ ۱۲۹)

فَائِدَۃ: خیال رہے کہ ان امور پر سال کا گزرنا شرط نہیں پیداوار کے بعد جب ملک میں آجائے اور جس مقدار میں آئے اسی اعتبار سے دسواں یا بیسواں حصہ لازم ہے۔ (شامی جلد ۲ صفحہ ۲۶۷)

بخلاف مال، سونے اور چاندی میں اور تجارتی اشیاء میں سال کا گزرنا شرط ہے۔

زمین کی پیداوار پر دسواں اور بیسواں حصہ مقرر فرماتے

حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس زمین کی کھیت کی سیرابی بادلوں اور نہروں سے ہو اس میں دسواں حصہ اور جس کی سیرابی اونٹنی کے ذریعہ سے ہو اس کی پیداوار میں بیسواں حصہ ہے۔ (دارقطنی صفحہ ۱۳۰، ابوداؤد صفحہ ۲۲۵، نسائی صفحہ ۳۴۴)

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا آسمان اور چشموں کے سیراب کردہ کھیت پر دسواں حصہ اور اونٹ سے سیراب کردہ کھیتی پر بیسواں حصہ ہے۔ (ترمذی صفحہ ۱۳۹)

فَائِدَۃ: خیال رہے کہ جس کھیتی میں محنت ومشقت وصرفہ کم آیا ہو مثلاً بارش کے پانی سے کام چل گیا ہو یا نہر کے بغل میں یا زمین کے نم ہونے کی وجہ سے ہاتھ یا جانور سے سینچائی کی ضرورت نہ پڑی ہو اس پیداوار پر دسواں حصہ صدقہ ہے۔

اور جس میں اپنے ہاتھ سے یا جانور سے یا اس دور میں مشین سے یا سرکاری نہر سے سیراب کی گئی ہو اس پیداوار پر بیسواں حصہ ہے۔ (فتح القدر جلد۲ صفحہ ۲۴۶)

قابل ذخیرہ اشیاء پر زکوٰۃ عشر واجب ہے

حضرت ابوموسیٰ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب آپ نے یمن کی جانب بھیجا تو ان سے فرمایا کہ لوگوں کو دین کی باتیں سکھائیں اور ان سے یہ فرمایا کہ چار چیزوں کی زکوٰۃ (عشر) ان سے لیں، جو، گیہوں، کشمش اور کھجور۔ (حاکم صفحہ ۴۰۱، مجمع الزوائد صفحہ ۷۸، مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۹)

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیہوں، جو، کھجور اور کشمش پر صدقہ ''عشر'' متعین فرمایا ہے۔ (دار قطنی صفحہ ۹۶)

فائدہ: یعنی جو چیزیں ذخیرہ اندوزی کی ہیں اس میں عشر ہے اس کے خلاف ساگ ٹماٹر وغیرہ میں نہیں ہے۔

سبزیوں اور ساگ پات پر زکوٰۃ نہیں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سبزیوں پر کوئی صدقہ (واجبہ یعنی نصف عشر) نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے یمن زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجتے وقت فرمایا کہ سبزیوں پر کوئی صدقہ (واجبہ) نہیں ہے۔ (دار قطنی صفحہ ۹۶، ترمذی صفحہ ۱۳۸)

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ سبزیوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ (مجمع الزوائد جلد۳ صفحہ ۱۷)

فائدہ: جو چیزیں رکتی نہیں جن کو ذخیرہ بنا کر رکھا نہیں جا سکتا رکھنے پر سڑ گل جاتی ہیں ان پر آپ نے زکوٰۃ عشر واجب قرار نہیں دیا۔

زمین کی پیداوار خواہ کم ہو یا زائد بہر صورت عشر ہے

حضرت مجاہد نے بیان کیا کہ زمین کی پیداوار پر خواہ کم ہو یا زائد عشر یا نصف واجب ہے۔ حماد نے کہا زمین کی پیداوار جو بھی ہو اس پر دسواں یا بیسواں حصہ ہے۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۱۳۹)

سماک بن الفضل نے کہا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمان لکھ کر بھیجا کہ زمین کی تھوڑی پیداوار ہو یا زائد بہر صورت اس پر ''عشر'' ہے۔ (مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ ۱۲۱)

فائدہ: ہدایہ اور فتح القدیر وغیرہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا زمین کی پیداوار خواہ کم ہو یا زائد بہر صورت عشر (یا بیسواں حصہ) واجب ہے۔ (فتح القدیر صفحہ ۲۴۲)

زمین کی پیداوار پر نہ کوئی مقدار خاص ہے اور نہ اس پر سال گزرنا ضروری ہے۔ بہرصورت پیداوار پر دسواں یا بیسواں حصہ واجب ہے۔

اسی طرح اس کے لئے بالغ اور عاقل ہونا بھی ضروری نہیں لہٰذا نابالغ اور پاگل کے کھیت کی پیداوار میں بھی عشر ہے۔ (شامی صفحہ ۲۲۶)

مسلمانوں سے عشر غیر مسلموں سے خراج لینے کا حکم

حضرت علاء ابن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بحرین کی جانب یا ہجر کی جانب بھیجا...... پس میں مسلمانوں سے عشر اور غیر مسلموں سے خراج لیتا۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۳۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں پر جزیہ خراج نہیں۔ (ترمذی صفحہ ۱۳۸)

فائدہ: مسلمان اپنی پیداوار کا دسواں حصہ یا بیسواں حصہ نکالیں گے اور غیر مسلم جو اسلامی سلطنت میں رہتے ہیں وہ خراج ٹیکس نکالیں گے جو خلیفۃ المسلمین اور ان کے درمیان طے ہوا اور ان غیر مسلموں کے نقد مالوں پر کچھ نہیں سوائے جزیہ کے بخلاف مسلمانوں پر زکوٰتی اموال میں زکوٰۃ ہے مزید ان مسائل کی تفصیل کے لئے کتب فقہ دیکھئے۔ یا کسی محقق عالم سے پوچھئے۔

زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں دیگر حقوق ہیں

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ (ترمذی صفحہ ۱۴۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

شعبی، مجاہد، طاؤس وغیرہ سے منقول ہے کہ مال میں صرف زکوٰۃ ہی واجب نہیں اس کے علاوہ بھی حق ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۲۳۷)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اہل مال پر صرف مال کا یہی حق نہیں کہ زکوٰۃ نکال دیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی دیگر حقوق ہیں۔ مثلاً مساجد کی تعمیر، مدارس کی تعمیر، شادی بیاہ مرنی جینی میں غرباء مساکین کی مدد، بھوکوں اور کپڑے کی ضرورت مندوں پر بوقت ضرورت خرچ، بیمار اور دیگر پریشان حال کی نصرت اور تعاون اگر ان کے پاس زکوٰۃ کی رقم نہ ہو اور یہ امور پیش آجائیں تو بھی مال سے ان امور میں خرچ واجب ہوگا۔ اسی طرح محلے کی مساجد کا نظم مکاتب کے اخراجات میں کہاں زکوٰۃ کی رقم لگے گی ان میں تو غیر زکوٰۃ میں دی جائے گی اسی طرح عوامی ضرورتوں پر۔ راستوں، پلوں کی تعمیر، ہوسپٹلوں کی ضرورت پر ان کے اخراجات اسی طرح وقتی مصارف یہ سب

زکوٰۃ کے علاوہ سے ہوں گے۔

زکوٰۃ میں ردی اور گھٹیا مال ادا کرنا برا اور منع ہے

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انصار (کے کچھ لوگوں نے) زکوٰۃ میں ردی کھجور دیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿یا ایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ......﴾ اے ایمان والو اپنی کمائی سے عمدہ اچھا مال خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۱۳۶)

کشف الغمہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ردی اور گھٹیا مال نکالنے سے منع فرماتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے ﴿لا تیمموا الخبیث منه تنفقون﴾ (کشف الغمہ صفحہ ۱۸۲)

حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا تو منافق آدمی بدترین پھل جو ان کے پاس ہوتے تھے وہ دیا کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (الدر المنثور)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ یہ آیت شریفہ فرض زکوٰۃ کے بارے میں نازل ہوئی جب لوگ کھجوروں کو کاٹتے تو اچھا مال چھانٹ کر علیحدہ کر لیتے جب زکوٰۃ کے لئے آدمی جاتا تو ردی مال اس کے سامنے کر دیتے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لے گئے حضور کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی اور مسجد میں کسی نے ردی کھجور کا خوشہ لٹکا رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوشہ پر لکڑی ماری اور فرمایا جس نے یہ لٹکایا ہے اگر اس سے بہتر لٹکاتا تو کیا نقصان ہو جاتا یہ شخص جنت میں ایسی ہی ردی کھجور پائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ مساکین کو اس مال سے نہ کھلاؤ جس کو تم (ردی اور کم تر ہونے کی وجہ سے) نہ کھا سکو۔ (فضائل اعمال صفحہ ۲۶۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ گوشت جو ذرا بدبودار ہو گیا تھا صدقہ کرنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ایسی چیز صدقہ کرتی ہو جس کو تم خود بھی نہیں کھا سکتی (یعنی بدبودار خراب ہونے کی وجہ سے)۔ (مجمع صفحہ ۱۱۶)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جب دیا جا رہا ہے تو اچھا مال جہاں تک ممکن ہو دینا چاہئے زکوٰۃ میں ردی مال دینا بھی زکوٰۃ نہ دینے کی ایک قسم ہے۔ نہ تو اللہ جل شانہ بہترین مال کا مطالبہ فرماتے ہیں نہ گھٹیا مال کی اجازت دیتے ہیں بلکہ متوسط مال کا مطالبہ ہے۔ (فضائل اعمال صفحہ ۲۶۱)

بعض تاجروں اور دکانداروں کو آپ دیکھیں گے کہ جو مال نہ بکنے والا ہو گیا ردی ہو گیا خراب ہو گیا بازار میں

اس کی نکاری اور قیمت کم ہوگئی اس مال کو زکوٰۃ میں سفیروں کو دے دیتے ہیں چنانچہ کپڑے کے تاجر عموماً ایسا کرتے ہیں۔اس کی اصل قیمت پر نکالے تو جائز اور درست ہے مگر بہتر نہیں۔

آپ کی خدمت میں لوگ زکوٰۃ وصدقات پہنچا دیا کرتے

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زکوٰۃ کے اونٹ لے کر آیا تو آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے بھلائی کی دعا کی۔ (طبرانی سبل الہدیٰ صفحہ ۳۰۲)

فائدہ: خیال رہے کہ جب مال یا کسی تاجرانہ اشیاء کی زکوٰۃ واجب ہو جائے تو اس میں تاخیر نہ کرے۔ جلد از جلد مصرف میں اور جہاں خرچ کرنے اور دینے کا حکم ہے وہاں خود سے پہنچا دے۔

تاکہ صحیح مصرف میں جلد پہنچ کر استعمال ہو جائے دوسروں کو نہ دے بسا اوقات وہ غیر مصرف میں لگا دیتے ہیں سفراء بھی بعض گڑبڑ اور خائن ہوتے ہیں بعض زکوٰۃ وصول کرنے والے مدرسہ کے نام وصول کرکے اپنے مصرف میں رکھ لیتے اور لگا لیتے ہیں بعض خلاف شرع بیجا مصرف تعمیر، ہوسپٹل وغیرہ میں لگا دیتے ہیں بعض کمیشن پر چندہ کرنے کی وجہ سے اچھی خاصی رقم خود کھا لیتے ہیں اس زمانہ میں اس کا رواج بہت ہوگیا ہے جو شرعاً ناجائز اور زکوٰۃ کی تجارت ہے۔ان امور سے بچنے کے لئے خود زکوٰۃ اس کے مصرف میں ادا کر دے غریب مسکین کو خود سے دیدے معقول مدارس میں دیدے یا بھیج دے تاکہ صحیح استعمال ہو کر زیادہ ثواب ملے۔مگر افسوس مالداروں کو اس کی کہاں فرصت ہے۔

زکوٰۃ لے کر آنے والے کو دعائیہ کلمات کہنا سنت ہے

حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی قوم زکوٰۃ وصدقات لے کر آتی تو آپ (دعا دیتے ہوئے) فرماتے اے اللہ ان پر رحمت نازل فرما۔چنانچہ میرے والد ابو اوفی صدقہ کا مال لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعا دی) اے اللہ ابو اوفی کے خاندان والوں پر رحم فرما۔

(بخاری، مسلم، سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۱۵۷، ابوداؤد صفحہ ۲۲۴)

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دعا دیتے ہوئے فرماتے "اللھم بارك فيه وفي ابله" اے اللہ اسے برکت عطا فرما اس کے اونٹ میں برکت عطا فرما اور کبھی رحمت کی دعا دیتے۔ (زاد المعاد صفحہ ۳۱۳)

بہتر ہے کہ زکوٰۃ خود سے مصرف میں ادا کرے

امان کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا زکوٰۃ حاکموں اور خلفاء کو

دوں کہ نہ دوں۔ (یعنی جو وکیل بن کر زکوٰۃ لیتے ہیں) فرمایا اسے خود سے فقراء و مساکین کو دو۔
(مصنف ابن عبدالرزاق جلد۴ صفحہ۴۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے نہیں دیکھا کہ صدقہ خیرات کی تقسیم دوسروں کے حوالے فرماتے بلکہ خود سے سائلین کے ہاتھ میں دیتے۔ (ابن ماجہ صفحہ، سبل الہدیٰ جلد۸ صفحہ۴۰۸)

فائدہ: ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس کو ظاہر کے اعتبار سے لائق زکوٰۃ دیکھتے اسے زکوٰۃ عطا فرما دیتے۔ یعنی اس کے اندرونی مال کی تفتیش اور کھود کرید نہ فرماتے اسی طرح کوئی سوال کرتا اور آپ اسے لائق اور اہل زکوٰۃ سمجھتے تو اسے زکوٰۃ عطا فرما دیتے۔ (زادالمعاد صفحہ۳۰۸)

تاہم آپ یہ فرما دیتے کہ زکوٰۃ مالدار طاقتور کمانے والے کے لئے درست نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سوچ سمجھ کر اس کے ظاہری حال سے اندازہ لگا کر کسی کو زکوٰۃ ادا کر دینا درست ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے وہ مصرف نہیں ہے تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔

زکوٰۃ و صدقات کن لوگوں کے لئے جائز فرماتے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ ''زکوٰۃ'' کسی مالدار کے لئے جائز نہیں ہاں مگر پانچ لوگوں کے لئے۔ ① عاملین زکوٰۃ کے لئے (خلیفہ کا بھیجا ہوا قاصد زکوٰۃ وصول کرنے والا) ② اپنے مال سے کسی کے صدقہ کو خرید رہا ہو ③ قرض سے گھرا ہوا ④ راہ خدا کا مجاہد ⑤ یا وہ مسکین جس کو زکوٰۃ دی گئی تھی اس نے کسی مالدار کو صدقہ کر دیا۔ (بلوغ الامانی جلد۹ صفحہ۰۷)

اور ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ''مسافر'' بھی ہے۔

زکوٰۃ اولاً قریبی رشتہ داروں کو دینے کا حکم فرماتے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب زکوٰۃ وصول کرنے والے کو بھیجتے تو ان کو حکم فرماتے کہ ان سے صدقات حاصل کر کے انہیں کے قریبی رشتہ داروں کو جن سے مال وصول کیا گیا ہے اولاً دیں۔ جو سب سے زیادہ قریب رشتہ دار پڑتے ہیں ان کو اولاً دیں پھر ان کے بعد کو۔ اگر ان کا کوئی رشتہ دار نہ ہو تو ان کے قبیلہ اور محلے والوں کو دیں پھر ان کے پڑوس وغیرہ کو دیں۔ (طبرانی، مجمع جلد۲ صفحہ۹۰، سبل صفحہ۳۸۹)

فائدہ: اجنبی اور دوسرے مقام کے لوگوں اور مصرف کے بجائے اقرباء اور قریبی رشتہ داروں میں افضل اور زیادہ باعث ثواب ہے۔ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی نے مجموعۃ الفتاویٰ میں ظہریہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ زکوٰۃ صدقات دینے میں سب سے پہلے قریبی رشتہ دار کو پھر پڑوسی کو دیا جائے گا۔ اور عالمگیریہ کے حوالے سے ہے کہ اولاً بھائی بہن کو (اگر وہ غریب و حاجت مند ہوں) پھر ان کی اولاد کو پھر چچا اور پھوپھیوں کو پھر ان کی اولاد

کو پھر خالہ ماموں کو پھر ان کی اولاد کو پھر ان کے علاوہ رشتہ داروں کو پھر اپنے پڑوسی کو پھر اپنے اہل پیشہ کو پھر اپنی بستی والوں کو دیا جائے گا۔ (مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۳ صفحہ ۴۷)

قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ وصدقات دینے سے دوگنا ثواب

حضرت سلمان ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ مسکین غریب (جو اجنبی ہو) اس پر صدقہ کا ثواب ایک گنا ہے اور رشتہ داروں پر صدقہ کا ثواب دوگنا ہے ایک صدقہ کا ایک صلہ رحمی کا۔
(حاکم جلد ا صفحہ ۴۰۷، ترمذی صفحہ ۱۴۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریبی رشتہ دار پر صدقہ خیرات دوگنا ثواب رکھتا ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۲۰)

زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ ان کے بھتیجے ان کے زیر تربیت ہیں ان پر وہ صدقہ خیرات کریں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا ہاں ان پر دوگنا ثواب ہے۔ صدقہ کا اور قرابت داری کا۔
(مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۲۰)

فائدہ: بکثرت روایتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ وصدقات مالی تعاون اور دیگر صلہ رحمی اور حسن سلوک کا دوگنا ثواب بیان کیا گیا ہے۔ سو جب وسعت ہو دل کھول کر اپنی وسعت کے مطابق خوب خرچ کرے تاکہ دوگنا ثواب پائے۔

مخالف تکلیف دہ قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ صدقات دینا افضل ہے

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا کون سا صدقہ افضل ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قریبی رشتہ دار جو مخالفت اور عداوت رکھتا ہو اس پر صدقہ کرنا افضل ترین صدقہ ہے۔ (مجمع جلد ۳ صفحہ ۱۱۹)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل ترین صدقہ اس قریبی رشتہ دار پر ہے جو دل میں عداوت اور مخالفت چھپائے ہو یعنی جس کا اس سے محبت اور جوڑ نہیں۔
(مجمع جلد ۳ صفحہ ۱۱۹)

فائدہ: اس حدیث پاک میں افضل ترین صدقہ وہ بتایا گیا ہے جو رشتہ دار اس سے عداوت اور مخالفت رکھتا ہو اس کا اس سے جوڑ نہ ہو ربط تعلق نہ ہو یا ہو تو بظاہر تھوڑا ہو تو اس پر زکوٰۃ صدقات افضل صدقہ ہے۔ ربط نہ ہونے کی وجہ سے دل نہ کرے گا نفس کو تکلیف ہوگی۔ نفس کی مخالفت کی وجہ سے اگر یہ کرے گا تو خالص اللہ واسطے کرے گا اس لئے اس کا زیادہ ثواب ملے گا محبت و ربط کی وجہ سے ادھر سے فوائد کی امید ہوگی نفس کی موافقت

ہوگی اس لئے ثواب کم ملے گا نفس کی مخالفت مستقل ایک مجاہدہ ہے۔ ہاں اگر وہ گناہ کے امور میں صرف کرے یا اس کی امید ہو تو پھر نہ دے۔

بوقت ضرورت وطلب اقرباء پر بھلائی نہ کرنے کی سزا

حضرت عبداللہ البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی قریبی رشتہ دار کسی قریبی رشتہ دار کے پاس آئے اور اس سے کسی ایسی چیز کا سوال کرے طلب کرے جس سے اللہ پاک نے اسے نوازا ہے۔ وہ اس سے بخل کر جائے نہ دے تو اللہ پاک اس کے لئے جہنم سے ایک اژدہا نکالے گا جو زبان کو حرکت دے رہا ہوگا جسے اس کی گردن میں ڈال دیا جائے گا۔ (ترغیب جلد۳ صفحہ ۳۹)

مجہز بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول کس پر میں بھلائی کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں پر، آپ نے ۳/ مرتبہ ماں کا ذکر فرمایا پھر فرمایا جو غلام (ماتحت) اپنے آقا سے (جس کے ماتحت وہ ہو) کوئی ایسی چیز مانگے جو اس کے پاس ہو اور اسے وہ (وسعت کے باوجود انکار کر دے تو اسی شے کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اس کو زہریلا اژدہا بنا دیا جائے گا (جو اسے کاٹے گا)۔

(ترغیب جلد۳ صفحہ ۳۹)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ رشتہ دار اور مالک لوگ اپنے ماتحتوں نوکروں اور خادموں کی ضرورت اور طلب پر باوجود وسعت اور فراوانی پر اس کی ضرورت میں مدد نہ کریں تو وہ خیر خواہ کچھ بھی ہو مال ہو یا کوئی سامان ہو اسے زہریلا سانپ بنا دیا جائے گا جو اسے اس بخل کی سزا دے گا اور ڈسے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی کے پاس اس کے چچا کا بیٹا آئے اور اس سے کسی چیز کا سوال کرے اور وہ اسے دینے سے انکار کر دے تو اللہ پاک بھی اس سے اپنا فضل روک دے گا۔ (طبرانی ترغیب جلد۳ صفحہ ۳۹)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ کوئی قریبی رشتہ دار اپنے رشتہ دار سے ضرورت اور حاجت مند ہونے پر امداد اور تعاون چاہے اور اسے وسعت ہو تو امداد و تعاون کرنا واجب ہوگا ورنہ اس سخت ترین سزا کے لائق ہوگا خیال رہے کہ اس وقت ہے جب کہ وہ واقعی ضرورت مند پریشان ہو مانگنے کا اور سوال کا عادی نہ ہو کاہل اور کامچور بھی نہ ہو۔ اور اس کے پاس وسعت بھی ہو تو خواہ زکوۃ یا صدقات وخیرات یا قرض سے ہی تعاون اور مدد کرنا واجب ہوگا ورنہ گنہگار ہوگا۔

کون سے زکوۃ وصدقات خدا کے نزدیک مقبول نہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے امت محمدیہ جس ذات

نے ہمیں حق کے ساتھ بھیجا ہے اللہ پاک کسی آدمی کے صدقہ کو قبول نہیں فرماتے کہ اس کے قریبی رشتہ دار محتاج حاجت مند ہوں اور وہ غیروں پر صدقہ وخیرات کر رہا ہو قسم خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے خدائے پاک اسے قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں۔ (ترغیب، جمع الفوائد جلد ا صفحہ ۲۱۶، مجمع الزوائد صفحہ ۱۲۰، شامی جلد ۲ صفحہ ۳۵۳)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ صدقات اور دیگر امور بھلائی میں اقرباء، اعزہ، کا حق مقدم ہے۔ دوسروں پر ان کو فوقیت حاصل ہے، بکثرت احادیث میں اس کی تائید کی گئی ہے کہ اقرباء اعزہ پر اہتمام سے صدقہ خیرات کیا جائے ان کا خاص خیال کیا جائے ان پر خرچ کرنے پر ثواب بھی دوگنا بتایا گیا ہے مگر اس کے باوجود عموماً زکوٰۃ و صدقات میں دیکھا گیا ہے کہ لوگ غیروں کو دوسرے علاقے والوں کو بلا دریغ صدقات وخیرات سے امداد کرتے ہیں اور اپنے رشتہ داروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اصل میں اکثر اس وجہ سے ہوتا ہے کہ بسا اوقات رشتہ داروں سے اختلاف ہوتا ہے ربط ومحبت نہیں ہو پاتی یا یہ کہ ان کے بعض ایسے احوال معلوم ہو جاتے ہیں جس سے ان کے ساتھ صدقہ خیرات کا دل نہیں کرتا سو ان امور کا خیال نہ کرے اگر وہ ضرورت مند ہوں پریشان ہوں تو شریعت کے اس حکم کے بجالانے میں نفس کی مخالفت کرتے ہوئے محض اللہ واسطے ان کے ساتھ بھلا اور حسن سلوک کا برتاؤ کرے تاکہ دوگنے ثواب کا پانے والا ہو اس لئے حدیث پاک میں ایسے رشتے دار کو جو مخفی عداوت رکھتا ہو صدقہ کرنا افضل صدقہ کہا گیا ہے۔ (مجمع صفحہ ۱۱۹)

ہاں بہت ہی بداخلاق ہوں اذیت اور ضرر پہنچاتے رہتے ہوں تو ایذا کی وجہ سے نہ دینا یہ امر آخر ہے۔ بہتر ہے کہ جن سے ربط نہ ہو اور لینے کی بھی امید نہ ہو تو کسی دوسرے کے واسطے سے دے۔

خدائے پاک تو جان رہا ہے وہ اس کا صلہ دو جہاں میں بہتر دے گا۔

ہاں اگر فاسق فاجر ہو گناہ میں خرچ کرنے کا امکان ہو تو پھر نہ دے کہ اعانت علی المعصیۃ ہے۔

مالدار صاحب نصاب مرد عورت کو زکوٰۃ جائز نہیں

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زکوٰۃ وصدقات غنی مالدار کے لئے جائز نہیں اور اس آدمی کے لئے جو صحت مند طاقتور ہو۔ (ترمذی صفحہ ۱۴۱، مجمع الزوائد صفحہ ۹۵)

فائدہ: امام ترمذی نے بیان کیا کہ اگر صحت مند آدمی محتاج اور ضرورت مند ہو اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ کا دینا جائز ہے۔ (صفحہ ۱۴۱)

خواہ نصاب کا مالک ہو خواہ اس کے پاس مال روپیہ پیسہ ہو یا اس کے پاس بقدر نصاب سونا چاندی ہو یا ضرورت سے زائد اس کے پاس نصاب کے مقدار سامان ہو مثلاً تانبے کے دیگ برتن وغیرہ تو ایسوں کو زکوٰۃ کا

لینا جائز نہیں اور ان کو دینے سے زکوٰۃ شرعاً ادا نہیں ہوئی۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۷)

ہاں اگر نصاب کی مقدار کا مالک نہ ہو گو صحت مند ہو کچھ کما لیتا ہو تو زکوٰۃ اس کو دینا جائز ہے۔ (فتح جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

خیال رہے کہ عورتیں عموماً جہیز وغیرہ کے زیورات سے نصاب کی مقدار کی مالک ہو جاتی ہیں زیورات چاندی اور سونا ملا کر چار ہزار سے زائد کی رقم کا مال ہو جاتا ہے۔ ایسی عورتوں کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں اگرچہ وہ بیوہ ہو یا کھانے کپڑے کا حساب اچھا نہ ہو۔ بظاہر یہ عورتیں کھانے اور کپڑے اور دیگر ضروریات کی وجہ سے پریشان رہتی ہیں اور نظر آتی ہیں۔ لوگ ظاہر حال کو دیکھ کر زکوٰۃ کی رقم دے دیتے ہیں اور وہ بھی وصول کرتی پھرتی ہے اگر اس کے پاس زیور چار ہزار سے زائد کا ہے تو اس کو خود زکوٰۃ اس پر واجب ہے لینا جائز نہیں خود سمجھ لیا جائے۔ آج کل ایسی عورتیں بہت ہیں۔

اپنی آل اولاد کو زکوٰۃ دینا درست نہیں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بیٹے اور باپ کو زکوٰۃ دینے کا حق نہیں۔ (بیہقی، اعلاء السنن جلد ۹ صفحہ ۸۷)

فائدہ: خیال رہے کہ اپنے خونی رشتہ سے نیچے اوپر کے لوگوں کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ دینا درست نہیں یعنی اپنے بیٹے پوتے اور اپنے والد اور دادا کو۔ زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۹)

ہاں اپنے چچا دادا کے بھائی کو اپنی بہن کو یہ سب غریب ہوں تو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ (شامی جلد ۲ صفحہ ۲۵۸)

اوروں کے مقابلہ میں ان کو دینا دو گنے ثواب کا باعث ہے۔

اپنے قریبی رشتہ دار غریب اور حاجت مند ہوں تو ان کو چھوڑ کر دوسری جگہ اور دوسرے علاقے کو زکوٰۃ دینا بہتر نہیں۔ عموماً لوگ اس ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ پاک مال ہی کی زکوٰۃ قبول فرماتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب پاک مال سے صدقہ کرتا ہے تو اللہ پاک اس کے صدقہ کو قبول فرماتے ہیں اور اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں اور اس کی اس طرح نگرانی کرتے ہیں جس طرح تم گھوڑے کے بچے یا پودوں کی۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جو بندہ پاک مال سے کوئی صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پاک مال ہی کو قبول کرتا ہے اور آسمان پر نہیں چڑھتا مگر پاک مال ہی۔ مختصراً۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۴۴، ترمذی صفحہ ۱۴۴، بخاری صفحہ ۶۸۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نے اپنے

مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو تم نے اس کے حق کو ادا کر دیا اور جس نے مال حرام جمع کیا پھر اس میں سے صدقہ (زکوٰۃ خیرات ادا کیا) کیا تو اس کو کوئی اجر ثواب نہ ملے گا بلکہ اس کا الٹا بوجھ ہوگا۔ (ترغیب جلد ا صفحہ ۵۲۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے پاک مال کمایا زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے اس کا مال خبیث ہوگیا اور جس نے حرام مال کمایا زکوٰۃ نکالنے سے اس کا مال پاک نہیں ہوگا۔ (بلکہ علی حالہ ناپاک اور موجب گناہ رہے گا)۔ (ترغیب جلد ا صفحہ ۵۴۵)

فَائِدَۃ: اللہ پاک ہے وہ پاک مال ہی کو قبول کرتا ہے جو ناپاک، ناجائز، اور مشتبہ حرام مال حاصل کرتے ہیں اسی مال سے صدقہ خیرات حتیٰ کہ مدارس و مساجد پر بھی صرف کرتے ہیں عنداللہ مقبول نہیں۔ اس دور میں لوگ مال کے حصول اور اس کی آمد میں حرام اور حلال کی پرواہ نہیں کرتے۔ غصب، ناجائز موروثی مال سے حج تک کرنے جاتے ہیں۔ حرام مال پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں بلکہ جس راستہ سے آیا ہے اس کا واپس کرنا اور اس کے شرعی مالک کو پہنچا دینا ضروری ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ ناجائز مال کے خیرات کرنے سے گناہ بھی معاف نہیں ہوتے۔ یعنی اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا، جس طرح سراب دیکھنے میں تو پانی معلوم ہوتا ہے مگر پانی نہیں دھوکا ہے اسی طرح ناپاک مال کا صدقہ خیرات ہے بظاہر صدقہ مگر حقیقۃً گناہ۔

غریب سمجھ کر زکوٰۃ دی پھر معلوم ہوا کہ مالدار تھا تو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ایک شخص تھا (بنی اسرائیل میں سے) اس نے کہا میں صدقہ کروں گا۔ چنانچہ وہ اپنے صدقہ کو لے کر نکلا (کسی کو دوں) تو اس نے (نہیں جانتا تھا کہ یہ چور ہے) چور کو دے دیا، صبح ہوئی تو لوگوں نے تبصرہ کیا کسی کا صدقہ چور کو مل گیا، اس نے (تعجباً) کہا اے اللہ تو ہی قابل تعریف ہے پھر میں صدقہ کروں گا (رات میں کیا کرتا تھا) پس وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا (رات میں اندھیرے سے پتہ نہیں چلا) کسی زانیہ کے ہاتھ دے دیا۔ صبح ہوئی تو لوگوں میں تذکرہ ہوا کہ رات کسی زانی کو صدقہ دیا گیا۔ اس نے کہا اللہ تیری ہی تعریف ہے کہ زانیہ کو مل گیا۔ پھر میں صدقہ کروں گا (تاکہ صحیح مصرف میں پہنچائے) پس وہ (رات میں) اپنے صدقہ کو لے کر نکلا تو (رات میں دھوکے سے) کسی مالدار کے ہاتھ میں صدقہ دے دیا، صبح ہوئی تو تبصرہ ہوا رات مالدار کو صدقہ مل گیا۔ تو اس نے (تعجبا) کہا اے اللہ تیری ہی تعریف ہے چور، زانی، مالدار پر صدقہ ہو جانے سے (یعنی اللہ پاک کے حوالہ کیا) اور (اپنے اختیار سے برأت ظاہر کی) چنانچہ اسے خواب دکھلایا گیا کہ اور اس سے کہا گیا تم نے چور پر صدقہ کر دیا شاید کہ وہ تمہارے صدقہ (کی برکت یا اس سے متاثر ہوکر) کی وجہ سے چوری سے باز آجائے۔ اسی طرح زانیہ شاید زنا سے باز آجائے اس طرح مالدار

شاید وہ عبرت حاصل کرے، اللہ پاک کے دیئے ہوئے مال کو خرچ کرے۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۱۹۱، مسلم، نسائی صفحہ ۳۴۸)

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آپ سے سوال کرتا اور اس کا حال آپ کو معلوم نہ ہوتا تو آپ اسے زکوٰۃ دے دیتے۔ (زادالمعاد جلد ا صفحہ ۳۰۸)

فَائِدَہ: یعنی اس شخص نے تو ارادہ کیا کہ رات میں چھپ کر دوں اور کسی ضرورت مند اور حاجت مند کا اس نے ارادہ کیا مگر رات کی تاریکی کی وجہ سے اسے حقیقت کا پتہ نہ چلا اور غیر مصرف میں ادا ہوگیا۔ مگر چونکہ ارادہ اس کا نہیں تھا اتفاقاً ایسا ہوگیا۔ ادھر اللہ پاک نے اسے مطلع کیا کہ شاید خدا کی حکمت اور تمہارے ارادہ خیر کی برکت اور خلوص کے باعث ان لوگوں کو ہدایت مل جائے اور ان کے لئے عبرت کی بات ہو جائے۔ گویا اس کا صدقہ قبول بارگاہ الٰہی ہوگیا۔

فقہاء نے بیان کیا ہے کہ اگر سوچ سمجھ کر ''تحری'' کر کے دیا کہ غریب مسکین ہے پھر بعد میں معلوم ہوا کہ مالدار ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اب دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

(شامی جلد ۲ صفحہ ۳۵۳، فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۷، عمدۃ القاری صفحہ ۲۸۷)

اہل صلاح اور پرہیزگار نیک لوگوں کو زکوٰۃ وصدقات دینا افضل اور انفع ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن باایمان کی مثال اس گھوڑے کی طرح ہے جو رسی سے بندھا ہو اور گھوم رہا ہو (ادھر اُدھر چر رہا ہو) پھر اپنی جگہ آجاتا ہو، اسی طرح مؤمن سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو پھر ایمان (اعمال صالحہ اور توبہ) کی جانب لوٹ آتا ہے اور تم اپنا کھانا نیک لوگوں کو کھلاؤ اور اہل ایمان کے ساتھ بہتر برتاؤ کرو۔ (بلوغ الامانی جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے علاوہ کسی کی ہم نشینی مت اختیار کرو اور تمہارا کھانا (امداد وتعاون نصرت مالی وغیرہ) متقی کے علاوہ کوئی نہ کھائے۔

(ترمذی صفحہ ۴۲۶، ابوداؤد صفحہ ۶۶۴، دارمی، مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۶۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے صدقہ نکالا اور اس نے غیر دینداروں کے علاوہ کسی کو نہ پایا تو اپنا صدقہ واپس لے آئے (دین سے غافلوں کو نہ دے)۔

(بلوغ الامانی صفحہ ۱۹۶)

فَائِدَہ: احادیث پاک نیک صالح اور پرہیزگار لوگوں پر خرچ کرنے صدقات وخیرات کرنے کی ترغیب دی گئی ہے چونکہ ان لوگوں کے ساتھ صدقہ خیرات کرنا ان کے ذکر اذکار ان کی عبادت پر تعاون کرنا ہے، دین کی خدمت کرنے والوں پر تعاون کرنا دین کا تعاون کرنا ہے تو گویا صدقہ کا ثواب ایک عبادت اور دین کے تعاون کا ثواب

ہوگا۔

امام غزالی نے لکھا ہے کہ پرہیزگاروں کو کھلانا طاعت اور نیکیوں پر اعانت ہے۔

اسی لئے ثواب کی زیادتی اور نصرت و اعانت کی وجہ سے اہل علم پر جو لوگ دین کی خدمت اور اس کی اشاعت و تبلیغ میں منہمک ہیں جیسے اہل مدارس اہل تبلیغ اسی طرح جو بھی دین کی خدمت جس لائن سے کر رہے ہوں ان پر صدقہ خیرات خوب کرے خوب دل کھول کر زکوٰۃ وصدقات سے ان کی مدد کرے، شرح مسند احمد میں ہے مستحب یہ ہے کہ اپنی زکوٰۃ وصدقات صالحین اور نیک لوگوں کو دے چونکہ ان سے برکت کی امید ہے ان کی دعائیں قبول ہوں گی اللہ کی عبادت میں یہ باعث بنیں گے۔ (بلوغ الامانی جلد۱۰ صفحہ۱۹۶)

پس لوگوں کو چاہئے کہ دینی خدمت کرنے والوں کو مالی اعانت وتعاون میں دریغ نہ کریں تاکہ صدقہ کے ساتھ دین کی خدمت واشاعت کا بھی ثواب پائیں دینی ضرورت کے راستہ میں خرچ کا ثواب سات سو گنا تک ہوتا ہے۔ (فضائل صدقات صفحہ۱۸۸)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ زکوٰۃ وصدقات کے ثواب کے زائد ہونے میں مصرف کو بہت دخل ہے جس قدر مصرف بہتر ہوگا اسی قدر ثواب زائد ہوگا۔ چنانچہ امام غزالی نے زکوٰۃ کے آٹھ آداب ذکر کئے ہیں اس میں آٹھواں ادب یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو ایسے موقعہ پر خرچ کرے جس سے اس کا ثواب بڑھ جائے اور چھ اسباب سے ثواب بڑھ جاتا ہے جن کا مختصراً بیان یہ ہے۔

❶ متقی پرہیزگار ہو دنیا سے بے رغبت آخرت کے کاموں میں مشغول ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ متقی آدمی اس صدقہ سے اپنے تقویٰ اور اطاعت میں اعانت حاصل کرے گا تو گویا اس کے تقویٰ میں یہ معین ہوا اور اس کی عبادت میں ثواب کا شریک ہوا اس لئے تعاون مالی میں زیادہ ثواب ہے۔

❷ اہل علم ہو اس لئے کہ اس سے علم کے حاصل کرنے اور اس کے پھیلانے میں اعانت شامل ہو جائے گی اور علم تمام عبادتوں میں اشرف اور اعلیٰ عبادت ہے اور جتنی بھی علمی مشغلہ میں نیت اچھی ہوگی اتنی ہی یہ عبادت اعلیٰ سے اعلیٰ ہوتی جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مشہور محدث اور بزرگ ہیں وہ اپنی عطاؤں کو علماء کے ساتھ مخصوص رکھتے تھے۔ کسی نے عرض کیا اگر غیر عالموں پر بھی آپ کرم فرمائیں تو کیسا اچھا ہو، انہوں نے فرمایا میں نبوت کے درجہ کے بعد علم کے برابر کسی کا درجہ نہیں پاتا، جب کوئی اہل علم میں سے کسی دوسری طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے علمی مشغلہ میں نقصان ہوتا ہے اس لئے ان کو علمی مشاغل کے لئے فارغ رکھنا سب سے افضل ہے۔

❸ ایسا شخص جب اس پر کوئی احسان کرے تو وہ اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر کرے اور دل سے یہ بات سمجھے کہ حقیقی

احسان اسی پاک ذات کا ہے وہی اصل عطا فرمانے والا ہے اور جو دینے والا ظاہر میں دے رہا ہے وہ صرف واسطہ اور ایلچی ہے۔

۴ ایسا شخص ہو جو اپنی حاجات اور ضرورتوں کا اخفا کرنے والا ہو لوگوں سے اپنی قلت معاش اور آمدنی کی کمی کا اظہار نہ کرتا ہو۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو سوال میں نہیں لپٹتے ان کے دل اپنے یقین کی وجہ سے غنی ہیں مجاہدہ نفس ان پر غالب ہے ایسے لوگوں کو خاص طور پر تلاش کر کے دیا جائے، اور دینداروں کے اندرونی احوال کی خاص طور سے جستجو کی جائے، معلوم کیا جائے ان کے گزارہ کی کیا صورت ہے، ان پر خرچ کا ثواب مانگنے والوں پر خرچ سے کہیں زیادہ ثواب ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کا تلاش کرنا بھی مشکل ہے کہ یہ اپنا حال دوسروں پر کم ظاہر کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے لوگ ان کو غنی سمجھتے ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ ایسے نیک حاجت مند لوگوں پر جو اپنی حالت ظاہر نہ کریں تلاش کر کے دے گا تو ثواب زیادہ پائے گا۔

۵ وہ آدمی عیالدار ہو یا کسی بیماری میں مبتلا ہو، یا کسی ایسے سبب میں گرفتار ہو کہ کما نہیں سکتا یا اصلاح قلب کے مشغلہ میں گھرا ہوا ہو کہ یہ لوگ اپنی ان مجبوریوں کی وجہ سے بقدر ضرورت کمانے پر قادر نہیں (خانقاہ میں رہنے والے غرباء حضرات)۔

۶ قریبی رشتہ دار۔ (ماخوذ از فضائل اعمال صفحہ ۲۷۲)

اہل علم دین کی خدمت کرنے والے اور دینی مدارس پر خرچ افضل اور بے انتہا ثواب کا باعث ہے

حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی دائماً اپنی زکوۃ وخیرات اہل علم پر ہی خرچ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں درجہ نبوت کے بعد علماء کے درجہ سے افضل کسی کا مرتبہ نہیں دیکھتا ہوں۔

اگر اہل علم تنگ دست ہو گئے تو دینی خدمت نہ ہو سکے گی نتیجتاً امور دینیہ میں نقص آجائے گا۔ لہٰذا علمی خدمت کے لئے ان کو فارغ و بے فکر کر دینا سب سے بہتر ہے۔ (اتحاف السادۃ صفحہ)

فضائل العلم والعلماء میں حدیث منقول ہے جس نے کسی طالب علم کو ایک درہم دیا تو گویا راہ خدا میں جبل احد کے مثل سونا خیرات کیا۔ (فتاوی رحیمیہ جلد ۲ صفحہ ۶)

صدقات کے اندر اگر کوئی دینی ضرورت اہم نہ ہو تو عام صدقہ سے اہل قرابت پر صدقہ کرنا افضل ہے۔ البتہ اگر کوئی دینی ضرورت (علم وسنت کی اشاعت مثلاً دینی مدارس کی ضرورت) درپیش ہو تو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا تک ہو جاتا ہے۔ (فضائل صدقات صفحہ ۱۸۸)

مجالس الابرار میں ہے زکوٰۃ پرہیزگاروں کو دو وہ اس امداد سے اعانت فی العبادۃ حاصل کرتے ہیں تو ان کو دینے والے بھی ان کی عبادت کے ثواب میں شریک بن جائیں گے، یا زکوٰۃ عالم دین کو دو کہ عالم کی خدمت کرنا اس کے علم میں امداد کرنا ہے اور علم دین افضل العبادات و اشرف ہے۔ یہاں تک کہ پچھلے بعض بزرگ اپنی زکوٰۃ اہل علم ہی کو دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ مقام نبوت کے بعد علماء کے مرتبہ سے بڑا رتبہ کسی کا نہیں البتہ عالم سے وہ عالم مراد ہے جو علم آخرت کے لئے حاصل کرتا ہے نہ کہ برائے دنیا۔ جو لوگ دنیا کے لئے حاصل کرتے ہیں ان کو خیرات دے کر گناہ میں اعانت کرنا زیبا لائق نہیں کہ ان کے عذاب میں شریک ہوں۔

(مجالس ابرار جلد۲ صفحہ ۱۵۶، فتاویٰ رحیمیہ جلد۲ صفحہ ۶)

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہٗ کا بیان ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا کھانا پرہیزگاروں کو کھلایا کرو۔ اور اپنا لباس ایمان والوں کو دیا کرو۔ جب تو نے اپنا کھانا کسی پرہیزگار کو کھلایا اور اس کے دنیاوی امور میں اس کا معاون بنا تو وہ جو کچھ عمل کرے گا اس میں تو بھی شریک ہوگیا اور اس کے اجر میں سے کچھ بھی کمی نہیں ہوگی کیوں کہ تو نے اس کے مقصود یعنی عبادت پوری کرنے میں اس کی مدد کی اور اس کے فکر معاش کے بوجھ کو اٹھالیا اور اس کا پیٹ بھر دینے کی وجہ سے اس کے قدم حق تعالیٰ کی طرف بڑھوائے اور جس نے اپنا کھانا ریاکار، نافرمان اور منافق کو کھلایا اور اس کے دنیاوی معاملات میں اس کی مدد کی تو جو کچھ وہ بداعمالیاں کرے گا اس میں تو بھی شریک ہوگیا اور اس کی سزا میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی کیوں کہ (اس کو روٹی کھلا کر) حق تعالیٰ کی نافرمانی میں تو اس کی مددگار بنا ہے پس اس کا اثر بد تیری طرف بھی لوٹے گا۔ (فتح الربانی صفحہ ۲۵۰، فتاویٰ رحیمیہ جلد۲ صفحہ ۷)

احادیث روایات اور افادات سے معلوم ہوا کہ اہل علم، علماء کرام جو دین کی خدمت کرنے والے ہیں خواہ دین کی کسی بھی نوعیت سے خدمت کرنے والے ہوں۔ خواہ تبلیغ کے اعتبار سے یا درس و تدریس کے اعتبار سے یا دین و سنت کی ترویج کے لئے تصنیف و تالیف کے اعتبار سے ان پر اپنے مالوں کو خرچ کرنا بے انتہا ثواب کا باعث ہے۔ خیرات کے ساتھ دین کی ترویج و اشاعت کا بھی ثواب ملتا ہے جیسا کہ روایت میں ثواب کا باعث ہے۔ خیرات کے ساتھ دین کی ترویج و اشاعت کا بھی ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ روایت میں مذکور ہے کہ ایک درہم جبل احد کے برابر ثواب رکھتا ہے اور سات سو گنا تک ثواب ملتا ہے۔

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکتوبات میں ہے "البتہ جو مال تائید شریعت اور ترویج ملت میں خرچ کیا جائے بے شک اس کا درجہ بہت اونچا اور بہت بلند ہے اور اس نیت سے ایک پیسہ خرچ کرنا بھی لاکھوں کے خرچ کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔" (فتاویٰ رحیمیہ جلد۲ صفحہ۴)

خیال رہے کہ صالح متقی عالم اور دینی مدارس پر خرچ کی یہ فضیلت ہے عالم بے عمل اور اسی طرح وہ مدارس جن کا مقصد دین وعلم شریعت کی خدمت نہیں بلکہ مال زکوٰۃ کو جمع کرنا۔ لوگوں کے مالوں کو دیکھ کر مکر، فریب ودغا کے ذریعہ سے کھینچ کر آرام عیش کا ذریعہ بنانا ہے ان پر خرچ کا یہ ثواب نہیں، اکثر یہ دیکھا گیا کہ مالداروں کا مال اسی بے جا مصرف میں جاتا ہے صحیح اور زیادہ ثواب کی جگہ بہت کم جاتا ہے۔ سو اپنے مالوں کو بہتر مصرف ڈھونڈ کر تلاش کر کے خرچ کرے۔ عموماً نیک وصالح لوگ پوشیدہ اور خاموش طبع کے ہوتے ہیں سائلانہ اور حریص الطبع مزاج کے نہیں ہوتے مالدار اس کو سمجھ نہیں پاتے۔

زکوٰۃ محل اور مصرف میں پہنچ جانے کے بعد مالداروں کے لئے جائز

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے کہا گیا یہ وہ ہے جو حضرت بریرہ پر صدقہ کیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ ان کے لئے صدقہ ہے ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ (ابوداؤد صفحہ ۲۳۴، بخاری ۲۰۲)

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک عورت نے وہ ہدیہ دینا چاہا جو اس کو ایک آدمی نے زکوٰۃ یا صدقہ میں دیا تھا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قبول کرلو (کہ گو اس کو صدقہ تھا مگر اب اس کی جانب سے تمہارے لئے صدقہ نہ رہا ہدیہ ہوگیا)۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۹۴)

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے ان کی ہانڈی میں گوشت ابل رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روٹی اور گھر میں جو سالن تھا پیش کیا گیا آپ نے پوچھا ہانڈی میں گوشت نہیں پک رہا تھا؟ (اسے کیوں نہیں دیا) کہا ہاں وہ صدقہ کا گوشت تھا جو بریرہ کو دیا گیا تھا اور آپ صدقہ (زکوٰۃ اور واجبہ) نہیں کھاتے ہیں اس پر آپ نے فرمایا وہ ان کے لئے زکوٰۃ وصدقہ اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔
(مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۱، بخاری صفحہ ۲۰۲، مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۴۵)

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں تھیں کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا کچھ کھانے کو ہے میں نے کہا کچھ کھانے کو نہیں ہاں مگر کچھ ہڈیاں ہیں جو میری باندی کو زکوٰۃ میں ملی ہیں آپ نے فرمایا لے آؤ اسے میرے سامنے وہ اپنے محل پر پہنچ گئیں، (یعنی مصرف میں پہنچ کر اس کی نوعیت زکوٰۃ پوری ہوگئی اور اس کی جانب سے میرے لئے ہدیہ کی شکل ہوگئی)۔ (مسلم صفحہ ۳۴۵)

فائدہ: جب محل میں زکوٰۃ وصدقہ واجب پہنچ جاتا ہے تو اس کے بعد اس کی نوعیت بدل جاتی ہے وہ غنی اور مالداروں کے لئے جائز ہوجاتا ہے کیونکہ اب وہ ہدیہ ہوجاتا ہے ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ جب کسی غریب پر صدقہ کیا جائے گا تو وہ مالک ہوجائے گا۔ پس اب اس کے واسطے سے دوسرے کے لئے ہدیہ ہو

جائے گا۔ (مرقات جلد۴ صفحہ۱۶۷)

امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ کے محل اور مصرف میں پہنچنے کے بعد اب اس کا حکم بدل گیا اور آپ ﷺ کے لئے حلال ہوگیا۔ (صفحہ۳۴۵)

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپ مالداروں کے لئے جائز قرار دیتے جب کہ کوئی فقیر اسے ہدیہ کر دے چنانچہ آپ نے حضرت بریرہ کے صدقہ کا گوشت کھایا اور فرمایا اس کے لئے زکوٰۃ میرے لئے ہدیہ۔

(زاد المعاد جلد۱ صفحہ۳۱۳)

یہی مطلب ہے تملیک کا کہ اس کے مالک بن جانے کے بعد اس کی نوعیت زکوٰۃ کی نہ ہوگی۔ اب اس کا مصرفِ زکوٰۃ کے علاوہ میں خرچ کرنا درست ہوگا۔

آپ ﷺ صدقہ فطر نکالنے کا حکم فرماتے

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے صدقہ فطر کو فرض قرار دیا۔

(بخاری صفحہ۲۰۴، سنن کبریٰ صفحہ۲۹۳)

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے صدقہ فطر نکالنا فرض قرار دیا۔

(ابن ابی شیبہ صفحہ۲۹۸)

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو عیدگاہ کی جانب نکلنے سے قبل صدقہ فطر کے نکالنے کا حکم فرماتے۔ (ترمذی صفحہ۱۴۶، دارقطنی صفحہ۱۴۲، ابوداؤد صفحہ۲۲۷، نسائی صفحہ۳۴۶)

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا آسمان اور زمین کے درمیان روزہ معلق رہتا ہے اوپر نہیں چڑھتا ہے جب تک کہ صدقہ فطر نہ نکالے۔ (کشف الغمہ صفحہ۱۸۳)

حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے منقول ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا بصرہ کے امیر تھے انہوں نے رمضان کے آخر میں (خطبہ میں) فرمایا روزہ کی زکوٰۃ نکالو، تو لوگوں نے (تعجبا) ایک دوسرے کو دیکھنا شروع کیا اس پر انہوں نے کہا اہل مدینہ سے یہاں کوئی ہے اٹھو ذرا کھڑے ہو جاؤ اپنے بھائیوں کو بتاؤ یہ تمہیں جانتے ہیں۔

نبی پاک ﷺ نے صدقہ فطر کو ہر مرد عورت آزاد پر ایک صاع جو یا کھجور یا نصف صاع گیہوں کو فرض قرار دیا۔ (نسائی صفحہ۳۴۷)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے صدقہ فطر کو فرض اور واجب قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان مرد عورت پر جو صاحب نصاب ہو اس کا نکالنا فرض ہے بغیر اس کے نکالے روزہ قبول نہیں ہوتا اور آسمان

پر نہیں چڑھتا رکا ہوا رہتا ہے گویا یہ روزہ کی کمی کوتاہی کی تلافی کا باعث ہے۔ خیال رہے کہ یہ عید کی صبح صادق سے واجب ہو جاتا ہے اور جب تک نہ نکالے ذمہ میں نکالنا واجب رہتا ہے اگر عید کے بعد کئی دن گزر گئے حتیٰ کہ مہینہ بھی گزر گیا تب بھی یہ واجب رہتا ہے لہٰذا نکال دے ہاں عید کے بعد تاخیر کرنا بہتر نہیں۔

(عنایہ علی الفتح جلد۲ صفحہ ۲۹۹)

فطرہ کن لوگوں کی جانب سے نکالنے کا حکم فرماتے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر ایک صاع کھجور، ایک صاع جو غلام پر آزاد پر مرد پر عورت پر ہر چھوٹے پر بڑے پر فرض قرار دیا، جو مسلمان ہو اور حکم دیا کہ نماز کی جانب نکلنے سے پہلے ان کو ادا کردیں۔ (بخاری صفحہ ۲۰۴)

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کو اعلان کرنے کے لئے بھیجا جو مکہ کی گلیوں میں اعلان کر رہا تھا۔ صدقہ فطر تمام مسلمانوں پر واجب ہے مرد، عورت، آزاد غلام نابالغ بچوں اور بڑوں پر نصف صاع گیہوں اور ایک صاع اس کے علاوہ (جو کھجور پر)۔

(ترمذی صفحہ ۱۴۶، دارقطنی صفحہ ۱۴۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر چھوٹوں بڑوں مرد عورت پر اور جوان کی کفالت اور ذمہ داری میں ہو۔ (دارقطنی صفحہ ۱۴۱)

حضرت نافع نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہر غلام کا صدقہ فطر نکالا کرتے تھے جو ان کے پاس "قریب ہو یا دور" دوسری جگہ ہوں اور ہر اس کا نکالا کرتے تھے جو ان کی نگرانی اور پرورش و کفالت میں ہوا کرتے تھے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۱۶۱)

فائدہ: صدقہ فطر ہر بالغ صاحب نصاب پر واجب ہے کہ وہ اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی جانب سے جو اس کی کفالت اور پرورش میں ہو نکالے خواہ روزہ رہے یا نہ رہے البتہ بالغ اولاد اور بیوی کا صدقہ فطر اس پر واجب نہیں۔ (فتح القدیر صفحہ، شامی صفحہ ۳۶۴)

اگر نکال دے تو ثواب ہے۔

ہاں بیوی صاحب نصاب ہے زیور یا مال کی وجہ سے تو پھر اسے نکالنا واجب ہے خواہ یہ نکالے یا اس کی جانب سے شوہر نکال دے۔

عموماً دیار ہند میں عورتوں کو اس مسئلہ زکوٰۃ فطرہ میں بڑی غفلت رہتی ہے ان پر شرعاً واجب ہوتا ہے مگر غفلت رہتی ہے یا علم نہیں ہوتا جس سے اس فرض میں کوتاہی ہوتی ہے اس لئے اہل علم سے معلوم کرتے رہنا

چاہئے تاکہ فرائض کی کوتاہی جہنم کی سزا کا باعث نہ بنے۔

صدقہ فطر صاحب نصاب مالدار پر ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا صدقہ فطر نہیں ہے مگر اس پر جو مالدار ہو (نصاب کا مالک ہو)۔ (مسند احمد، فتح القدیر صفحہ ۲۸۳)

فائدہ: عید کے دن صبح صادق کے وقت جو ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ضرورت سے زائد مال کا مالک ہو اس پر اس کی جانب سے اور نابالغ بچوں اور بچیوں کی جانب سے صدقہ فطر کا نکالنا واجب ہے خیال رہے کہ یہاں زکوٰۃ کی طرح مال پر سال گزرنا ضروری نہیں۔ (عنایہ علی الفتح صفحہ ۲۸۴، شامی جلد ۲ صفحہ ۲۵۸)

بالغ اولاد اور بیوی کی جانب سے والد شوہر پر نکالنا واجب نہیں۔ (شامی جلد ۳ صفحہ ۳۶۴)

ہاں نکال دے تو ثواب اور فضیلت ہے۔

صدقہ فطر کی کیا مقدار نکالی جائے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے صدقہ فطر نکالنے کا حکم دیا کہ ایک صاع کھجور، یا ایک صاع جو یا نصف صاع گیہوں ہر شہری اور دیہاتی چھوٹا اور بڑا آزاد اور غلام نکالے۔
(دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۱۴۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا صدقہ فطر کی مقدار جو اور چھوہارے میں سے ایک صاع ہے اور گیہوں سے نصف صاع ہے۔ (دار قطنی صفحہ ۱۴۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے صدقہ فطر کے سلسلہ میں عمر بن حزم کو لکھا کہ نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو ادا کریں۔

ثعلبہ بن صغیر کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے عید کے دو دن یا ایک دن قبل خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ صدقہ فطر ہر آدمی کی جانب سے نصف صاع گیہوں اس کے علاوہ میں ایک صاع ہے (مثلاً جو کھجور)۔
(دار قطنی صفحہ ۱۴۹)

حضرت علقمہ اور اسود نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ گیہوں میں نصف صاع ہے اور کھجور اور جو میں ایک صاع ہے۔ (دار قطنی صفحہ ۱۵۲)

حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ بصرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آخر رمضان المبارک میں خطبہ دیا کہ رسول پاک ﷺ نے صدقہ فطر کے متعلق یہ فرض کیا ہے کہ ایک صاع کھجور یا جو سے اور نصف صاع گیہوں سے نکالا جائے۔ (اعلاء السنن صفحہ ۸۸)

فَائِدَہ: اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ فطر میں جو کی مقدار ایک صاع اور گیہوں اور آٹے کی مقدار نصف صاع ہے۔

خیال رہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں کھجور، جَو اور انگور کی تو کثرت تھی مگر گیہوں بہت کمیاب اور جَو، کھجور کے مقابلہ میں قریب دوگنا گراں تھا، لوگ ایک صاع جَو، کھجور نکالا کرتے تھے۔ جب گیہوں کی آمد اور اس کا بھی بازار میں ملنا آسان ہوگیا تو حضرت معاویہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قیمت کا تناسب دیکھ کر اس کا نصف صاع مقرر کیا چونکہ ایک صاع جَو نصف صاع گیہوں کے برابر ہو رہا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن، زبیر حضرت اسماء رضوان اللہ علیہم سے صراحتاً روایت میں گیہوں کی مقدار نصف صاع (ایک کلو ساڑھے چھ سو گرام) منقول ہے۔
(اعلاء السنن صفحہ ۹۰)

اسی طرح ہدایہ، فتح القدیر میں ہے گیہوں کی مقدار نصف صاع ہے (صفحہ ۲۹۶، شامی صفحہ ۳۶۴)، گیہوں یا غلہ کے مقابلہ میں روپیہ دینا افضل ہے۔ (شامی صفحہ ۳۶۶)

گیہوں جَو کے مقابلے میں نصف صاع ہے

حضرت ابوسعید خدری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ ہم لوگ نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں صدقہ فطر ایک صاع غلہ میں سے یا ایک صاع کھجور میں سے یا ایک صاع جو میں سے یا ایک صاع کشمش میں سے نکالا کرتے تھے۔ جب حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا زمانہ آیا اور گیہوں آیا (عام طور سے ملنے لگا) تو انہوں نے کہا یہ نصف صاع اس کے مساوی اور برابر ہے یعنی ایک صاع جو کے۔ (بخاری صفحہ ۲۰۵)

سعید بن میسب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے صدقہ فطر گیہوں میں دو مد نصف صاع مقرر کیا ہے۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۱۶۹)

ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے نصف صاع گیہوں کی مقدار متعین فرما دی تھی۔

آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو فرمان بھیجا کہ گیہوں نصف صاع نکالیں۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے بھی اپنے خطبہ میں گیہوں کی مقدار نصف صاع بیان کیا۔
(زاد المعاد صفحہ ۳۱۴)

فَائِدَہ: پس جب معلوم ہوا کہ صدقہ فطر میں اگر جو دے تو ایک صاع اور اگر گیہوں یا آٹا دے تو نصف صاع جس کا موجودہ وزن ایک کلو سوا چھ سو گرام ہوتا ہے نکالے یا اس کی قیمت کا روپیہ ادا کرے۔ علامہ ابن قیم نے لکھا

ہے کہ خدا نے تمول اور وسعت سے نوازا ہو تو گیہوں بھی ایک صاع دیدے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے اللہ پاک نے تم پر وسعت کی ہو تو تم بھی وسعت کرو اور گیہوں ایک صاع نکالو۔ (زاد المعاد: ۱/۳۱۴)

آپ عیدگاہ جانے سے قبل فطرہ نکال دیتے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح عید الفطر کے دن اس وقت تک نہ نکلتے جب تک کہ اپنے اصحاب (فقراء و مساکین) کو صبح صدقہ فطر ادا نہ فرمادیتے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۲۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ عید کے لئے نہ نکلے جب تک کہ صدقہ فطر نہ نکال دے۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۹۹، ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۶۸)

ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ تھی کہ آپ صدقہ فطر عید سے قبل نکال دیا کرتے تھے۔ (زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۳۱۴)

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ آپ عیدگاہ نکلنے سے قبل فطرہ تقسیم فرمادیا کرتے تھے۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۲۹۹)

فائدہ: سنت اور فضیلت اس میں ہے کہ صدقہ فطر عید سے قبل نکال دی جائے چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو یہ فرمان بھیجتے تھے کہ صدقہ فطر عید سے قبل نکال دیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک دو دن پہلے نکال دیا کرتے تھے۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۰۵)

آپ نے فرمایا عید کے دن ان کو چکر کاٹنے کا موقعہ نہ دو۔ (کشف الغمہ صفحہ ۱۸۴، سنن کبریٰ)

نماز عید سے قبل فطرہ نکالنا باعث قبولیت وفضیلت ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ فطر روزہ رکھنے والوں کے لئے لغو اور فحشیات سے پاکی کا ذریعہ ہے اور مسکینوں کے لئے ایک کھانا ہے، جس نے اسے نماز سے قبل ادا کیا اس کا یہ صدقہ مقبول ہے اور جس نے اسے نماز کے بعد ادا کیا تو یہ بھی خیرات میں سے ایک خیرات ہے۔
(دار قطنی صفحہ ۱۳۸، ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم صفحہ ۴۰۹)

فائدہ: عید کے قبل نکالنے سے زیادہ ثواب ہے اور عید کی نماز کے بعد نکالنے میں اس کا ثواب کم ہے۔
(اعلاء السنن صفحہ ۹۷)

شروع رمضان میں بھی فطرہ نکالا جاسکتا ہے۔ (شامی صفحہ ۳۶۷)

عید سے ایک دو دن قبل نکالنا بہتر ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایسا ہی کرتے تھے۔ (بخاری)

نماز سے پہلے صدقہ فطر نکالنے کا حکم فرماتے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرماتے کہ صدقہ فطر لوگوں کے عیدگاہ نماز

کے لئے جانے سے قبل نکال دی جائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ایک دن یا دو دن پہلے نکال دیا کرتے تھے۔
(سنن کبریٰ صفحہ ۱۷۵، کشف الغمہ صفحہ ۱۸۴)

فائدہ: صدقہ فطر نماز عید کے بعد بھی جب چاہے نکالے جائز اور درست ہے مگر نماز عید سے پہلے نکال دینا سنت اور بہتر اور باعث قبولیت ہے، تمام علماء کے نزدیک عید سے قبل نکال دینا مستحب ہے۔
(اعلاء السنن جلد ۹ صفحہ ۹۷)

دیہاتی اور شہری ہر ایک پر صدقہ فطر ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعلان کرنے والے کو مکہ میں کہا کہ اعلان کردو صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، غلام ہو یا آزاد، شہری ہو یا دیہاتی۔

عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ فطر ہر شہری اور دیہاتی پر ہے۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۱۷۳، حاکم صفحہ ۴۱۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بادیہ نشینوں سے صدقہ فطر میں پنیر لیا کرتے تھے۔ (مجمع جلد ۳ صفحہ ۸۵)

فائدہ: صدقہ فطر نصاب کی مقدار مال پائے جانے پر بہرصورت واجب ہے خواہ عید کی نماز اس پر واجب ہو یا نہیں۔ چنانچہ گاؤں والوں پر گو عید کی نماز واجب نہیں مگر صاحب نصاب ہونے پر صدقہ فطر واجب ہے۔

صدقہ فطر میں غلہ کی قیمت بھی نکالی جاسکتی ہے

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں کہ صدقہ فطر میں دراہم (سکے روپیہ) دیئے جائیں۔

قرہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک آیا کہ صدقہ فطر ہر آدمی نصف صاع (گیہوں) نکالے یا اس کی قیمت نکالے۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۴)

فائدہ: صدقہ فطر میں کھجور جو اور گیہوں نکالنے کا حکم ہے ان اشیاء کو نکالا جاسکتا ہے اور ان کی قیمت کو مثلاً ہمارے دیار میں نصف صاع گیہوں کے نکالنے کا حکم ہے چونکہ سہولت بازار میں دستیاب ہے۔

اگر گیہوں غلہ نہ نکالے تو اس کی قیمت جو بازار میں ہوتی ہے اسے نکال دے یہ بھی کافی اور درست ہے اسی طرح زکوٰۃ کا بھی حکم ہے۔ علامہ شامی نے بیان کیا کہ قیمت کا نکالنا زیادہ بہتر ہے۔ (جلد دوم صفحہ ۳۶۶)

تاکہ سہولت کے ساتھ اپنی دیگر ضروریات پوری کرسکیں۔ ہاں قحط کے زمانہ میں غلہ بہتر ہے۔

زکوٰۃ صدقات خیرات کی ادائیگی اور تقسیم میں جلدی کرے تاخیر سے نہیں

عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

عصر کی نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو جلدی سے کھڑے ہوئے اور کسی بیوی کے پاس تشریف لے گئے اور پھر نکلے۔ آپ نے فرمایا میں نماز میں تھا سونا (جو تقسیم کے لئے آیا تھا) یاد آگیا، مجھے یہ بات پسند نہیں مگر وہ سمجھتا ہوں کہ صبح یا شام گزر جائے اور میرے پاس (زکوٰۃ وصدقات کا مال) برائے تقسیم ہو۔

(مسند احمد جلد ۹ صفحہ ۲۹، بخاری صفحہ ۱۹۲)

عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدی سے عصر کی نماز پڑھائی اور گھر میں داخل ہوئے اور تھوڑی دیر میں باہر تشریف لے آئے، میں نے کہا یا آپ سے معلوم کیا گیا (کہ کیا بات پیش آگئی) تو آپ نے فرمایا میں نے گھر میں صدقہ کا کچھ مال باقی چھوڑ دیا تھا (جو یاد آگیا) سو میں نے پسند نہیں کیا کہ رات گزر جائے (اور وہ زکوٰۃ صدقات کی تقسیم کا مال گھر میں رہ جائے اور صبح کو تقسیم کی نوبت آئے) سو میں نے تقسیم کر دیا۔ (بخاری صفحہ ۱۹۲)

فائدہ: خیال رہے کہ زکوٰۃ خصوصاً صدقات وخیرات کے ادا کرنے میں تاخیر نہ کرے، کبھی دل کی رغبت ختم ہو جاتی ہے کبھی ضرورت کا بہتر موقع نہیں رہتا کبھی مال کی وسعت جاتی رہتی ہے کبھی دیگر ضرورت سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس لئے جب صدقات خیرات کا محل آجائے ضرورت اور مطالبہ سامنے آجائے دل میں رغبت خرچ کا خیال پیدا ہو جائے تو فوراً کرے کہ نیک کام ہے اس کی نیکی میں شبہ نہیں لہٰذا ٹالے نہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کے ساتھ ایک تحریک فرشتہ کی ہوتی ہے اور ایک شیطان کی۔ فرشتہ کی تحریک تو خیر کی طرف متوجہ کرنا اور حق کی تصدیق ہے جب آدمی اس کو پائے تو اللہ کا شکر ادا کرے۔ (فضائل اعمال صفحہ ۲۶۴)

اور اگر زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت پورا ہو جائے یعنی چاند کے مہینہ سے سال گزر جائے کہ زکوٰۃ انگریزی مہینہ سے واجب نہیں ہوتی تو فوراً نکال دے کہ تاخیر سے تاخیر ہو جاتی ہے کبھی دیگر ضروریات یا پریشانی اور مصائب کی وجہ سے ادا کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور گناہ کا سبب ہو جاتا ہے۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ جلدی ادا کرے بلکہ اس کے واجب ہونے سے پہلے ادا کر دے تاکہ خدا کے حکم میں سبقت کرنے والا ہو۔

خیال رہے کہ سال جب بھی پورا ہو جائے ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے خواہ کوئی بھی مہینہ ہو، جب واجب ہو جائے نکال کر رکھ دے پھر بعد میں رمضان میں ثواب زائد ملنے کی نیت سے ادا کر سکتا ہے کہ رمضان میں صدقہ خیرات کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔

مالداروں سے زکوٰۃ وصدقات کی وصولیابی اور اس کی تقسیم کا نظام قائم کرنا سنت ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ ان کو بتا دو کہ اللہ پاک نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی

اور ان کے غریبوں کو دی جائے گی۔ اگر ان امور میں اطاعت کرلیں تو ان کے عمدہ اور بڑھیا مال لینے سے بچنا (بلکہ متوسط بیچ درجہ کا مال لینا)۔ (بخاری صفحہ ۲۰۳)

حضرت ابوحمید الساعدی نے کہا کہ حضور پاک ﷺ نے قبیلہ اسد کے ایک آدمی کو بنی سلیم کے صدقات کو وصول کرنے بھیجا جن کو ابن اللتبیہ کہا جاتا ہے۔ جب وہ (زکوٰۃ لے کر) آیا تو آپ نے حساب کیا۔

(بخاری صفحہ ۲۰۳)

ابوجحیفہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ہمارے (قبیلہ) میں زکوٰۃ وصول کرنے والا بھیجا جو ہمارے مالداروں سے صدقہ لیتا اور ہمارے غریبوں میں تقسیم کردیتا۔ میں ایک یتیم بچہ تھا میرے پاس کچھ نہیں تھا تو انہوں نے مجھے اونٹ دیا۔ (دارقطنی صفحہ ۱۳۶، ترمذی صفحہ ۱۴۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدقات کی وصولیابی کے لئے بھیجا۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۱۰۹)

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے آپ ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے بھیجا۔

(مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۱۴۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زکوٰۃ صدقات وصول کرنے والا بنا کر بھیجا۔ (مسند شافعی جلد ۱ صفحہ ۲۳۹، سبل الہدیٰ صفحہ ۳۸۹)

حافظ نے تلخیص الحبیر میں بیان کیا کہ رسول پاک ﷺ اور آپ کے بعد حضرات خلفاء راشدین زکوٰۃ صدقات کی وصولیابی کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ یہ مشہور روایت سے ثابت ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ ازد کے ایک شخص لتبیہ کو بھیجنا اور ابن السعدی کو بھیجنا منقول ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ آپ ﷺ نے ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصول کرنے بھیجا۔ مسند احمد میں ابوجہم، عقبہ بن عامر، ضحاک بن قیس کو وصولیابی کے لئے بھیجنا منقول ہے۔ مستدرک حاکم میں قیس بن سعد کو عبادہ بن صامت کو ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو قبیلہ بنی المصطلق کی جانب بھیجنا مذکور ہے۔ بیہقی میں ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجتے تھے۔ مسند شافعی میں ہے یہ حضرات کسی سال بھیجنے میں تاخیر نہیں کرتے تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپ ﷺ قبائل عرب کی جانب صدقات وصول کرنے کے لئے نویں ہجری کے محرم میں بھیجا جس کا ذکر واقدی کی مغازی میں تفصیل سے ہے۔ (تلخیص جلد ۲ صفحہ ۱۶۹)

حضرت ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حدیث معاذ (جس میں زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجنے کا ذکر ہے اس سے استدلال کیا ہے کہ امام (قوم کے حاکم) کے ذمہ ہے کہ وہ زکوٰۃ صدقات کو وصول

کرنے اور مصرف میں خرچ کرے خواہ خود کرے یا اپنے نائبین سے یہ کام کر لے۔ (فتح الباری جلد۲ صفحہ ۳۶۰)

علامہ عینی نے بھی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ امام (قوم کا ذمہ دار) مالداروں کے پاس زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے والوں کو بھیجے گا تاکہ ان لوگوں کی زکوٰۃ وصول کرے۔

(عمدۃ القاری جلد۸ صفحہ ۲۳۸)

علامہ شوکانی نے بھی نیل میں لکھا ہے کہ امام (قوم کے ذمہ دار) کی یہ ذمہ داری ہے کہ لوگوں کی زکوٰۃ کو حاصل کریں اور مصرف میں اسے تقسیم کریں خواہ خود کریں یا نائبین سے کرائیں۔ (نیل الاوطار جلد۲ صفحہ ۱۱۵)

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ اگر اسلامی سلطنت ہو اور زکوٰۃ کا نظام شریعت کتاب اللہ اور کتاب السنہ کے مطابق ہو تو سلطنتی نظام زکوٰۃ کے مطابق زکوٰۃ وصدقات کا ادا کرنا افضل ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اگر ان کو زکوٰۃ نہ دے زکوٰۃ ہی ادا نہ ہوگی بلاشبہ ادا ہو جائے گی۔

ان روایتوں سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا چاہئے اسلامی سلطنت میں حاکم اور خلیفۃ المسلمین کو اس کا شرعی نظام قائم کرنا چاہئے۔ جہاں اسلامی سلطنت نہ ہو وہاں بھی علاقے کے ذمہ دار جو اہل علم وفضل ہوں زکوٰۃ کے مسائل سے واقف ہوں زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا چاہئے کہ زکوٰۃ وصدقات کو وصول کریں اور اسے مصرف میں خرچ کرنے کی جگہ میں خرچ کریں تاکہ نظم وانتظام کے ساتھ زکوٰۃ کا مالی نظام بہتر طور پر ادا ہو سکے۔ آج ہر شخص جس طرح چاہتا ہے آزادانہ وصول کر کے اپنی من مانی کرتا ہے۔ اور اس کو اپنی ملک سمجھ کر اس میں خرد برد کرتا ہے خیانت کرتا ہے اپنی ذاتی رقم کی طرح بلا مصرف کے آزادانہ خرچ کرتا ہے اس میں ایک گونہ کمی آئے گی۔ جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے ایک دو لڑکوں کا حیلہ بہانہ کر کے سالوں بھر چندہ کرتے رہتے ہیں کتنے ایسے مدارس ہیں جہاں مصرف زکوٰۃ نہیں اور وہاں زکوٰۃ کی وصولیابی سالوں بھر ہوتی رہتی ہے۔ الامان والحفیظ۔

صدقات وخیرات بخشش وعطاء میں آپ کے بلند پایہ پاکیزہ مزاج وعادات

علامہ ابن قیم نے آپ ﷺ کے صدقات وخیرات کے سلسلہ میں پاکیزہ بلند پایہ مزاج سخاوت کو بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ:

- جو آپ کے پاس ہوتا جس کے آپ مالک ہوتے اس میں آپ خوب فراوانی سے اور حد سے زائد صدقہ فرما دیتے۔
- آپ کی اس قدر بخشش ہوتی کہ وہ فقر وتنگی کا اندیشہ نہ کرتے۔
- آپ کو دینے سے اتنی خوشی ہوتی کہ جتنی لینے والے کو پانے والے کو خوشی نہ ہوتی ہوگی اگر کوئی ضرورت مند

اور محتاج آجاتا تو آپ اپنی ضرورت پر اس کی ضرورت کو ترجیح دیتے کبھی کھانے کا ایثار فرماتے کبھی لباس کا ایثار فرما دیتے۔

- آپ بے انتہا لوگوں پر خرچ کے عادی تھے۔
- مختلف نوعوں اور صورتوں سے آپ لوگوں کی خدمت فرماتے۔
- کسی کو صدقات سے نوازتے کسی کو ہبہ فرماتے کسی کو ہدیہ دیتے کسی کو کوئی سامان خریدوا دیتے اور رقم اپنی طرف ادا فرماتے۔
- کبھی ایسا بھی فرماتے کہ سامان خریدنے کے بہانے سے دیتے پھر وہ رقم بھی واپس فرما دیتے کبھی قرض کی واپسی میں زائد ہدیہ کے نام سے ادا فرماتے۔
- کبھی اس طرح بھی کرتے کہ خریدی شئے کی رقم طے شدہ سے زائد ادا فرماتے مثلاً دس کا خرید فرماتے تو ۱۲ یا ۱۵ر دے دیتے۔
- آپ ہدیہ کا عوض چند گنا زائد فرما دیتے۔
- آپ ﷺ خود بھی صدقہ خیرات فرماتے اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے اور اس پر ابھارتے۔
- آپ صدقہ خیرات بخشش وعطا میں بڑا کشادہ سینہ رکھتے۔
- آپ کے نزدیک نیکیوں اور بھلائیوں میں سب سے بہتر صدقات خیرات بخشش وعطا تھی۔

(زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۱۶)

نوٹ: مزید آپ ﷺ کے صدقات نافلہ کو "آپ کی سخاوت" کے ذیل میں جلد پنجم میں تفصیل سے دیکھئے۔

زکوٰۃ کے متعلق چند اہم فقہی مسائل

- زکوٰۃ نماز کے بعد اسلام کا دوسرا اساسی فریضہ ہے۔ اس کا انکار کرنا کفر ہے۔
- زکوٰۃ کا معیاری نصاب ۵۲ تولہ چاندی یا اس کی جو مالیت اس زمانہ میں ہو، ہے۔ مثلاً ۸۰ر روپیہ کا ایک تولہ ہو تو چار ہزار دو سو پچاس روپے قریب نصاب ہوگا۔
- جس وقت نصاب مکمل ہو جائے اسی دن سے نصاب کی ابتداء ہو جائے گی۔
- زکوٰۃ واجب ہونے میں چاند کے مہینہ کا اعتبار ہے انگریزی تاریخ کا اعتبار نہیں۔ انگریزی تاریخ سے اس کا حساب لگانا خلاف شرع ہے۔
- چاند کے ماہ کے اعتبار سے پورا ایک سال گزرنے پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔

- نصاب سے کم مال ہو اور اس پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ مگر راہ خدا میں نکال دینا ثواب عظیم کا باعث ہے۔
- بچی کی شادی کے لئے روپیہ رکھا اور نصاب کی مقدار مثلاً بیالیس سو روپے اور اس جمع شدہ رقم پر سال گزر گیا جس کی ملکیت میں یہ روپیہ ہوگا اس کو زکوٰۃ کا نکالنا فرض ہوگا۔ خواہ یہ رقم زکوٰۃ و خیرات کے ذریعہ وصول کی گئی ہو یا اور کسی طرح۔
- حج کے لئے روپیہ جمع کیا۔ نصاب کی مقدار ہو کر سال گزر گیا تو زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگئی۔
- کسی بھی ضرورت سے روپیہ رکھا بیماری کے علاج کے لئے یا کفن دفن کے لئے نصاب کی مقدار پایا گیا سال گزر گیا تو زکوٰۃ واجب ہوگئی۔
- خواہ گھر میں رکھا، یا بینک میں رکھا، یا کسی کو قرض دیا، تجارت دوکانداری کے لئے دیا، تب بھی سال گزرنے پر زکوٰۃ نکالنی واجب ہوگی۔
- اگر روپیہ قرض دے دیا تو اس قرض پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر ایسا مقروض ہے کہ دے گا نہیں یا امید وظن ہے کہ یہ دینے والا نہیں ہے تو پھر اب زکوٰۃ نہیں جب وصول ہو جائے تب مع گزشتہ کے زکوٰۃ دینی ہوگی۔ (الشامی صفحہ ۳۰۵)
- عموماً عورتوں کے پاس زیور ہوتا ہے اور زیور نقد نہیں ہوتا تو روپیہ زکوٰۃ کے لئے الگ سے رہے یا نہ رہے عورت پر زکوٰۃ واجب ہے۔ یا تو شوہر سے ادا کروائے یا اس سے زکوٰۃ کی رقم مانگ کر ادا کرے یا پھر اس زیور کو اس مقدار فروخت کر کے زکوٰۃ ادا کرے، اکثر عورتیں اس میں کوتاہی کرتی ہیں جس کی بہت سخت سزا ہے۔ بالغ بچی کے پاس جو زیور ہے، یا اس کی شادی کے لئے جو زیور خریدا گیا ہے اس پر زکوٰۃ ہے۔ اگر بچی کو دے دیا گیا ہے مالک بنا دیا گیا ہے تو بچی پر زکوٰۃ ہے۔ ورنہ پھر جس کی رقم سے یہ زیور لے کر رکھا گیا ہے اس پر زکوٰۃ ہے۔
- ماں نے ارادہ کیا کہ زیور بچی کی شادی میں دوں گی تو شادی سے پہلے اس کی زکوٰۃ ماں کے ذمہ رہے گی۔
- اگر مرد نے شادی میں زیور دیا ہے تو اس کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس نے بیوی کو ملکیۃً دیا ہے۔ تو بیوی کے زیور میں شامل ہو کر اس کی زکوٰۃ بیوی پر ہوگی۔ اور اس نے عاریۃً دیا ہے تو اس کی زکوٰۃ شوہر کے مال میں مل کر نکالی جائے گی۔

اگر زیور بھی ہے اور نقد روپیہ بھی جمع ہے دونوں کو شامل کر کے نصاب کا اعتبار ہوگا۔ یعنی زیور اور روپیہ دونوں مل کر نقد روپیہ کا حساب نصاب کے لئے ضروری نہیں زیور اور مال نقد کے علاوہ جو اور دیگر سامان ضرورت

سے زائد پڑے ہوئے ہیں ان کے برتنے اور استعمال کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ محض تمول کے لئے ہیں تاکہ ضرورت پڑ جائے تو اسے بیچ کر وقت پر ضرورت پوری کی جائے تو ایسے رکھے ہوئے مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے مثلاً تانبے و پیتل یا سلور کے برتن وغیرہ۔ ان کی مالیت کو نقد مال میں شامل کیا جائے گا اور زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

❁ ۵۲ تولے چاندی گرام کے اعتبار سے ۶۱۲،۳۵ گرام ہوتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ جلد۴ صفحہ ۲۶۴)

اگر چاندی کا بھاؤ ۸۰ روپے کا دس گرام مانا جائے تو آٹھ روپے کا ایک گرام اس اعتبار سے ۸×۶۱۲ + ۴۲۸۴ + ۳۵ ملی گرام = ۲۷۰ نئے پیسے قریب = ۴۲۸۷ روپے قریب چار ہزار دو سو ستاسی روپے ہندی روپیہ سے ۸۰ روپے گرام جو عموماً بھاؤ رہتا ہے نصاب ہوا۔ مزید ادائیگی زکوٰۃ کے وقت کسی حساب داں عالم سے معلومات کر لے۔

❁ اگر نصاب کے برابر مال ہے مگر اسی مقدار یا اس سے زائد کا قرض دار ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

❁ اگر قرض کے حساب سے روپیہ زائد بچتا ہے پھر اتنا بچتا ہے کہ نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تب زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔

بعض امراء کے یہاں چاندی کے برتن ہوتے ہیں مثلاً پیالے، گلاس، چھوٹے پاندان، عموماً یہ سجانے اور خوشنمائی کے لئے ہوتے ہیں جو شیشے کی الماریوں میں لگے ہوتے ہیں۔ ان کا استعمال نہ مردوں کو جائز ہے اور نہ عورتوں کو جائز۔ اس کی مالیت نصاب کو پہنچ جاتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہے۔

❁ اکثر امراء ناواقفیت یا تغافل کی وجہ سے اس کی زکوٰۃ نہیں نکالتے سخت گناہ کی بات ہے۔

❁ اگر ایک شخص کی ملکیت میں سونا چاندی، زیورات، نقد روپیہ، دوکانداری کا سامان ہو تو ان سب کی رقم کو جوڑ کر زکوٰۃ نکالے گا۔ یعنی تجارتی اور دوکانداری سامان کی قیمت کو نقد روپیہ کے ساتھ اور نقد روپیہ کو سونے چاندی کے ساتھ ملا کر نصاب کی قیمت یا اس سے زائد ہونے پر زکوٰۃ کا حساب ہوگا۔

❁ گھریلو سامان جن پر زکوٰۃ نہیں فروخت کر دیا پھر یہ مال نصاب کے مقدار پہنچ کر سال گزر گیا تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ مثلاً فرنیچر دس ہزار کا تھا، اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اب اسے فروخت کر دیا مثلاً ۸ ہزار میں تو اس رقم پر سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

❁ گھریلو سامان جو ہمیشہ برتے جاتے ہوں یا ان کی ضرورت کبھی کبھی سال میں یا زندگی میں پڑتی ہو خواہ کتنی ہی قیمت کے ہوں ان پر زکوٰۃ واجب نہیں جیسے بڑے دیگ یا پتیلے وغیرہ۔

❁ کرایہ کے سامان پر خواہ زمین کھیت وغیرہ ہوں یا مشین، دیگ پتیلے وغیرہ ہوں خواہ کسی قیمت کے ہوں اور

کسی مقدار میں ہوں اور لاکھوں کے ہوں زکوٰۃ واجب نہیں۔ مثلاً دس لاکھ کا مکان یا دوکان ہے۔ جو کرایہ پر چل رہا ہے۔ اسی طرح دس پاور لوم ہے جس کی مالیت دو لاکھ ہے کرایہ پر دیا۔ تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔

❁ معیشت کاروباری سامان اور مشین جس کی آمدنی سے اور جس پر محنت کرنے سے گھر کا خرچہ وغیرہ چلتا ہے۔ اس کی مالیت اور قیمت پر زکوٰۃ نہیں خواہ وہ ہزاروں یا لاکھوں کے ہو۔ مثلاً کارخانہ ہے مشین ہے، اسی طرح بس جیپ ٹرک کرایہ پر چلتے ہوں تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں۔ ہاں ان تمام کی آمدنی پر نصاب کے ساتھ سال گزر جائے تو پھر زکوٰۃ ہے۔

❁ تجارت اور دوکانداری کے لئے خریدے گئے مال پر اگر نصاب کی مقدار ہے تو زکوٰۃ ہے۔ اگر گھریلو ضرورت کے لئے خریدا یا شادی بیاہ کے لئے خریدا ضرورت پر یا بچ جانے پر فروخت کی نیت کر لی یا فروخت کر دیا تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔

❁ شیئرز پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔ اگر کمپنی تجارت کرتی ہے مثلاً کپڑا، لوہا، سامان مشنری وغیرہ فروخت کرتی ہے سیمنٹ بیچتی ہے تو شیئرز کی اصل رقم اور شیئرز کے منافع دونوں پر زکوٰۃ ہے۔ اگر تجارت نہیں کرتی تو منافع پر زکوٰۃ ہے۔ اصل رقم پر زکوٰۃ نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد۲ صفحہ۱۴)

زکوٰۃ کی ادائیگی سے متعلق چند اہم مسائل

❁ نصاب کی تعداد مال پر چاند کے اعتبار سے سال گزر جائے تو فوراً زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔

❁ زکوٰۃ کی نیت سے کسی مال کو الگ بکس تھیلے میں رکھ دیا کہ یہ زکوٰۃ کی اتنی رقم ہے تو یہ بھی صحیح ہے۔ اب اگر فقیر کو ادا کرتے وقت نیت نہیں کی تو کوئی حرج نہیں۔ (طحطاوی صفحہ ۳۹۰)

❁ فقیر کو دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہیں کی بھول گیا تو جب تک وہ مال فقیر کے ہاتھ اور قبضہ میں ہے زکوٰۃ کی نیت کر لے گا تو صحیح ہے۔ (طحطاوی صفحہ۱۱)

❁ دینے والے کے لئے دل سے زکوٰۃ کی نیت کافی ہے۔ جس کو دے رہا ہے اس کو بتانا ظاہر کرنا ضروری نہیں۔ (طحطاوی صفحہ۱۱)

❁ قرض مانگنے والے کو زکوٰۃ کی نیت سے دے دیا یا ہدیہ کہہ کر زکوٰۃ کی نیت کر لی تو یہ بھی درست ہے۔

❁ کسی پر قرض تھا وہ نہیں دے رہا ہے اس پر یہ سوچ لیا یا یہ نیت کر لی کہ وہ قرض زکوٰۃ میں منہا ہو گئی یا کٹ گئی تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ خوب سمجھ لیا جائے بعض لوگ ایسا کر لیتے ہیں غلط ہے۔

❁ زکوٰۃ کے ارادہ اور نیت سے روپیہ دیا گیا ہو تب درست ہو گا تب اس کی زکوٰۃ ہو گی۔

❊ اپنی زکوٰۃ دوسرے سے نکلوانا بھی جائز ہے۔ اسے حکم دیا وکیل بنایا تو درست ہے۔

❊ اگر کسی نے بلا وکیل بنائے اور حکم دیئے از خود اپنی طرف سے مثلاً عقیدت ومحبت میں نکال دی تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

❊ زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ کی تعمیر، مدرسین اور ملازمین کی تنخواہ درست نہیں۔ (رحیمیہ جلد۵ صفحہ ۱۵۰)

❊ زکوٰۃ کی رقم سے ہسپتال چلانا درست نہیں۔ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد۲ صفحہ ۱۰)

زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ کے لئے سامان نہیں خرید سکتے۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد۲ صفحہ ۱۱)

جن لوگوں کو زکوٰۃ دی جائے گی ان کے متعلق چند اہم مسائل

❊ زکوٰۃ کی رقم اپنے والدین، دادا، دادی، نانا نانی، اولاد، پوتے، نواسے کو دینا جائز نہیں۔ بھائی، بہن، بھتیجی، بھانجی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، خسر اور ساس اسی طرح سوتیلے ماں اور باپ کو دینا درست ہے۔

(طحطاوی صفحہ ۳۹۳، الشامی صفحہ ۳۴۶)

❊ جو نصاب کے برابر مال کا مالک نہ ہو، اگرچہ صحت مند ہو، اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(طحطاوی صفحہ ۳۹۲، شامی صفحہ)

❊ ایسا شخص جس کا مکان بھی ہے، آمدنی کا ذریعہ دوکان وتجارت یا ملازمت بھی ہے، مگر خرچہ میں پریشانی ہوتی ہے نصاب کی مقدار مال نہیں ہے تو اسے زکوٰۃ دینا درست ہے۔

❊ گھر میں مالدار ہے سفر میں پریشانی ہوگئی، مال کی ضرورت پڑ گئی۔ مثلاً چوری ہوگئی کہ گھر جانے کا بھی روپیہ نہیں، کھانے کے بھی پیسے نہیں تو اس حالت میں زکوٰۃ دی اور لی جاسکتی ہے۔ (شامی صفحہ ۳۴۳)

❊ نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کو جس کے والد مالدار ہوں غنی ہوں زکوٰۃ نکالتے ہوں ان کو زکوٰۃ کا دینا درست نہیں۔

❊ بعض نابالغ طلباء مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم سے کھانا کھاتے ہیں یعنی ان کا داخلہ امدادی ہوتا ہے۔ اور ان کے والد غنی صاحب زکوٰۃ ہوتے ہیں ان کے والد کے لئے جائز نہیں کہ ان کو زکوٰۃ کھلائیں۔ (شامی صفحہ ۳۵۰)

❊ اگر بچے کی ماں تو مالدار ہے والد نہیں تو ایسا بچہ زکوٰۃ کا مصرف ہوسکتا ہے۔ (شامی صفحہ ۳۵۰)

❊ رضاعی ماں، جس نے دودھ پلایا ہے اس کو غریب ہونے پر زکوٰۃ کا دینا درست ہے۔ (الشامی صفحہ)

❊ اگر کسی کے متعلق یہ معلوم نہ ہوسکے کہ یہ غریب ہے یا امیر تو ایسی صورت میں اسے زکوٰۃ نہ دے۔

❊ اگر کسی کو زکوٰۃ کا مستحق سمجھ کر دے دی پھر بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو مالدار تھا تو اب زکوٰۃ ادا ہوگئی دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں۔ (الشامی جلد۲ صفحہ ۳۵۳)

❊ اگر کسی کو زکوٰۃ کی رقم دی سمجھا کہ مسلمان ہے بعد میں معلوم ہوا کہ کافر ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی پھر سے ادا کرنا لازم ہوگا۔

❊ اپنے قریبی رشتے کے غرباء کو زکوٰۃ ادا کرنا افضل اور دوگنے ثواب کا باعث ہے۔

❊ صحیح معتبر نسب کے اعتبار سے جو سادات ہیں ان کو زکوٰۃ کا دینا اور ان کو لینا درست نہیں۔

(شامی جلد۲ صفحہ ۵۳۰)

چند متفرق مسائل

❊ زکوٰۃ اگر منی آرڈر سے بھیجی یا ڈرافٹ یا بیمہ سے بھیجی تو منی آرڈر، رجسٹری کا صرفہ زکوٰۃ کی رقم سے جائز نہیں اس کا صرفہ دینے والے کے ذمہ زکوٰۃ کی رقم کے علاوہ سے ہوگا۔ (رحیمیہ جلد۵ صفحہ ۱۶۴)

❊ مسجد کی رقم مدرسہ میں چندہ کی جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

❊ زکوٰۃ کی رقم کو حیلہ تملیک کے ذریعہ تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنا، یا قومی ملی فنڈ میں لگانا درست نہیں حیلہ مجبوری کی حالت میں درست ہے۔ یہاں کوئی مجبوری نہیں۔

❊ کمیشن پر چندہ کرنے والے اس دور میں بکثرت ہوگئے ہیں جو جائز نہیں۔ یہ اکثر ۶۰/۷۰ رفیصد پر زکوٰۃ کی وصولیابی کرتے ہیں اچھی خاصی رقم ان کی جیب میں چلی جاتی ہے بہت معمولی اور قلیل رقم مصرف میں جاتی ہے جو مصالح زکوٰۃ کے خلاف ہے۔ نیز یہ رقم ۱۰۰ر میں ۶۰/۷۰ ر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور ۳۰/۴۰ حسب طے کردہ مدرسہ میں دیتے ہیں۔ اس نے جو اولاً رقم اپنے پاس رکھ لی یہ رقم کہاں درست ہے۔ پھر یہ کہ کمیشن پر چندہ کرنا بھی جائز نہیں یہ معاملہ زکوٰۃ کی تجارت اور دوکانداری ہے۔

❊ سفراء لوگ زکوٰۃ کی رقم وصول کرتے رہتے ہیں اور خرچ کرتے رہتے ہیں یہ درست نہیں۔

(رحیمیہ جلد۵ صفحہ ۱۶۴)

❊ ہاں گھر میں رقم ہو تو قرض کے طور پر لے کر خرچ کرسکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اپنی رقم خرچ کے لئے الگ سے رکھ لیا کرے۔

❊ پرائیویٹ فنڈ، جو ملازمین کا کٹ کر جمع ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ جب رقم مل جائے اور سال گزر جائے تب اس پر زکوٰۃ ہے۔ (رحیمیہ جلد۵ صفحہ ۱۴۷)

❊ نابالغ اگر مالدار ہے اس کے ملک میں مقدار نصاب سے زائد مال ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔

❊ غریب نابالغ سمجھدار بچے کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ (رحیمیہ جلد۵ صفحہ ۱۴۷)

مزید تفصیل کے لئے کتب فقہ و مسائل دیکھئے یا عالم سے رجوع کیجئے۔

''عشر'' زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ کا بیان

- زمین کی پیداوار پر عموماً بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔ چونکہ آج کل اکثر و بیشتر پانی دے کر سیراب کیا جاتا ہے بارش کا پانی کافی نہیں ہوتا۔ یعنی ۲۰؍کلو پیداوار پر ایک کلو واجب ہے۔ (الشامی جلد۲ صفحہ ۳۲۸)
- گیہوں، چاول، دال، مکئی، باجرا وغیرہ جو چیزیں باقی رہتی ہیں اور ان کو ذخیرے کے طور پر رکھا جاتا ہے۔ ان پیداواروں پر بیسواں حصہ ہے۔ (شامی جلد۲ صفحہ ۳۲۷)
- ساگ سبزی مولی ٹماٹر وغیرہ کی پیداوار پر بیسواں حصہ نہیں ہے۔ (شامی صفحہ ۳۲۷)
- جانوروں کے لئے جو چارہ بویا جاتا ہے مثلاً برسیم گھاس، اس پر بھی بیسواں حصہ نہیں ہے۔ (شامی صفحہ ۱۱)
- عشر میں پیداوار پر سال گزرنا ضروری نہیں۔ جب کھیت سے تیار ہو کر آجائے واجب ہے۔ (شامی جلد۲ صفحہ ۳۲۶)
- نابالغ اور مجنون کی زمین کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے مگر زکوٰۃ نہیں۔ (شامی صفحہ ۱۱)
- مقروض ہے اور زمین کی پیداوار حاصل ہوئی تو اس پر بھی قرضہ مالی کے باوجود عشر واجب ہے۔ (شامی صفحہ ۱۱)
- تربوز، ککڑی، کھیرے وغیرہ کی پیداوار پر عشر نہیں ہے۔ (شامی صفحہ ۱۱)
- اگر کھیتی کو تیار ہونے اور کٹنے سے قبل فروخ کر دیا تو بیسواں حصہ خریدار کے ذمہ ہوگا۔ (شامی)
- کھیت کی زمین کرایہ پر لی ہے اور اسی کرایہ دار نے بویا تو اسی کرایہ دار کے ذمہ اس زمین کی پیداوار پر بیسواں حصہ لازم ہے۔
- اگر کھیت مالک سے بٹائی پر یا ادھیہ وغیرہ پر لیا، تو دیکھا جائے گا کہ بونے کا بیج کس نے دیا۔ اگر کھیت کے مالک نے دیا تو بیسواں حصہ کھیت کا مالک نکالے گا۔ اگر بٹائی پر لینے والے نے بیج کا خرچہ برداشت کیا۔ تو ایسی صورت میں مالک اور بٹائی پر لینے والا دونوں بیسواں حصہ نکالیں گے۔ چونکہ پیداوار دونوں کے درمیان ہے۔ (شامی صفحہ ۳۳۵)
- بیسواں حصہ کھیت کی پیداوار کا انہیں لوگوں کو دیا جائے گا جن کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ یعنی غرباء و مساکین اور اہل مدارس۔ (شامی جلد۲ صفحہ ۳۳۹)
- خیال ر ، کہ عشر ''دسواں حصہ'' ہر پیداوار پر ہے۔ اگر سال میں دو پیداوار ہوں گیہوں چاول، تو دونوں پر ہے۔ ۳؍پیداوار ہوں مثلاً مکئی، تو اس کا بھی بیسواں حصہ نکالا جائے گا۔ (الشامی صفحہ ۳۲۰)

صدقہ فطر کے متعلق چند اہم مسائل

- نصاب کے برابر مال ہو خواہ سال نہ بھی گزرے تو صدقہ فطر واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قربانی بھی واجب ہو جاتی ہے۔
- عید کے دن صبح صادق سے یہ صدقہ واجب ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص صبح صادق کے آنے سے قبل انتقال کر جائے تو اس پر واجب نہیں ہوتا۔
- صدقہ فطر اپنی طرف سے واجب ہے بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے واجب نہیں۔
- نابالغ بچوں اور بچیوں کی جانب سے ان کے والد پر صدقہ فطر ہے۔
- آج کل کے جو خادم اور نوکر ہوتے ہیں ان کی طرف سے ان کے مالک کو صدقہ فطر نکالنا لازم نہیں ہے۔
- صاحب نصاب پر خواہ ماہ رمضان کا روزہ رکھے یا نہ رکھے صدقہ فطر نکالنا واجب ہے۔
- موجودہ دور میں صدقہ فطر کی مقدار گیہوں سے ایک کلو ساڑھے چھ سو گرام ہے اور جو کی مقدار اس کا دگنا یعنی ۳ر کلو ۳ر سو گرام ہے۔
- اگر کوئی گیہوں نہ دے تو اس کی قیمت بازار کے اعتبار سے جو ہوتی ہو وہ ادا کرے۔ مثلاً دس روپے کلو گیہوں ہے، تو ساڑھے سولہ روپے نکالے۔
- ایک آدمی اپنا صدقہ فطر خواہ ایک آدمی کو دے یا مختلف آدمیوں کو دے سب جائز ہے۔
- صدقہ فطر عید کی نماز سے قبل نکالنا سنت اور افضل ہے۔ اگر عید کے دن نہیں نکالا گیا تو بعد میں بھی نکالنا واجب رہے گا۔
- صدقہ فطر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے البتہ یہ کافر کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ مالداروں کے بچوں کو صدقہ فطر دینا درست نہیں۔
- صدقہ فطر کی رقم سے کسی دوسری چیز کا بھی دینا درست ہے۔ مثلاً سوئیاں، چینی اسی طرح کپڑے جوتے وغیرہ خرید کر دیدے تو یہ بھی صحیح ہے۔ روپیہ دو روپیہ تقسیم کرنے کے بجائے حسب ضرورت یہ کرے تو بہتر ہے۔ زیادہ نفع ہونے پر زیادہ ثواب ملے گا۔

مزید مسائل فقہی کتب میں دیکھیے۔



رؤیت ہلال کے متعلق آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور پاکیزہ تعلیمات کا بیان

۲۹ شعبان کو اہتمام سے چاند دیکھنے کا حکم فرماتے اور دیکھتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ شعبان کے چاند کو دیکھنے کا جتنا اہتمام فرماتے اتنا دوسرے ماہ کا نہ فرماتے۔ (دار قطنی جلد۲ صفحہ ۱۵۷، ابوداؤد صفحہ ۳۱۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب شعبان کی ۲۹ر تاریخ ہوتی تو لوگوں کو چاند دیکھنے کے لئے بھیجتے اگر چاند نظر آجاتا تو ٹھیک۔ (دار قطنی صفحہ ۱۶۱)

فائدہ: آپ ﷺ رمضان اور عید کے چاند دیکھنے کا خاص اہتمام فرماتے۔ فتح القدیر میں ابن ہمام نے لکھا ہے کہ شعبان کی ۲۹ر کا چاند دیکھنا واجب علی الکفایہ ہے۔ (جلد۳ صفحہ ۳۱۳)

چونکہ اسی اعتبار سے رمضان کے فرض روزے کی ادائیگی کا تعلق ہے۔

اگر آپ ۲۹ر کا چاند نہ دیکھتے تو کیا کرتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ شعبان کا چاند دیکھنے کا اتنا اہتمام کرتے اتنا دوسرے ماہ کا اہتمام نہ فرماتے۔ (۲۹ر کو بہت اہتمام سے دیکھتے) پھر چاند دیکھ لیتے تو روزہ رکھتے۔ اگر آسمان پر بادل وغیرہ ہوتا (اور ۲۹ر کا نظر نہ آتا تو) ۳۰ر تاریخ پوری فرماتے۔

(مسند احمد مرتب صفحہ ۲۵۵، ابوداؤد صفحہ ۳۹۸، دار قطنی، شرح مہذب صفحہ ۲۶۹)

فائدہ: ابن قیم نے لکھا ہے کہ اگر بادل وغبار کی وجہ سے چاند نہ نظر آتا تو آپ ۳۰ر تاریخ پوری فرماتے اور اس ۳۰ر تاریخ کے دن نہ روزہ رکھتے اور نہ روزہ کا حکم فرماتے۔ (زادالمعاد صفحہ)

شعبان کی ۳۰ر تاریخ یوم الشک ہے اس دن آپ ﷺ نے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے کہ اس دن روزہ نہ رکھے۔ (صفحہ ۳۱۴)

خیال رہے کہ یہ سوچنا کہ اگر چاند کا ثبوت ہوگیا تو رمضان کا روزہ ورنہ تو نفل روزہ سو اس طرح کا روزہ رکھنا منع ہے اور کوئی روزہ نہ ہوگا۔ روزہ میں کسی رخ اور نیت کی تعین ضروری ہے۔

شعبان کی تاریخوں کو اہتمام سے یادرکھنے کا حکم فرماتے

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے شعبان کی تاریخوں کو رمضان کے لئے یادرکھا کرو۔ (دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۱۶۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر شعبان کی تاریخ کو محفوظ رکھتے اس قدر دوسرے ماہ کو نہیں محفوظ رکھتے تھے۔ (زادالمعاد صفحہ ۲۲۶)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعبان کی تاریخوں کو گنا کرو تاکہ رمضان کا چاند دیکھو۔ (ابن عبدالرزاق جلد ۴ صفحہ ۱۵۵)

فائدہ: تاریخ اسلامی کو یادرکھنے اور چاند دیکھنے کی بڑی تاکید ہے۔ اس کی اہمیت اور ضرورت کو آپ نے بیان کیا ہے۔

اہل اسلام کو بخوبی یہ معلوم ہے کہ تمام اسلامی احکام اور عبادات چاند کی تاریخ کے اعتبار سے ہیں۔ عدت، کفارہ، صیام، ایلاء، حج، رمضان، عید وغیرہ سب اسی چاند کے اعتبار سے ہیں۔ اسی طرح ماہانہ اور سالانہ امور میں بھی اسی چاند کا اعتبار ہے۔ بغیر چاند اور اس کی رؤیت کے یہ احکام شرعیہ ادا ہی نہیں ہوسکتے۔ اس لئے چاند کی تاریخ کو محفوظ رکھنا اور چاند کا ۲۹ رکو دیکھنا اور اس چاند کے متعلق شرعی امور کو نافذ کرنا امت پر فرض کفایہ ہے۔

افسوس کہ آج چاند کے ماہ کی اہمیت لوگوں کی نظروں سے جاتی رہی اور شمسی مہینہ کی اہمیت نگاہوں میں بیٹھی ہے یہ سب غیروں سے خلط کے برے انجام ہیں۔ اہل اسلام کو اپنا شعار اپنی تہذیب محفوظ رکھنی چاہئے۔ ہر مسلم آبادی والے شہروں میں اس کا اہتمام ہونا چاہئے۔

افسوس ہے کہ مدارس اور مساجد کے امور اور نظام میں بھی شمسی تاریخوں کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ سو اہل اسلام کا یہ معاملہ ظالمانہ اور غیر منصفانہ ہے۔ مدارس اور مساجد اسلام کے سرچشمہ اور منابع ہیں۔ یہاں سے اسلامی احکامات اور امور نشر ہوتے اور پھیلتے ہیں۔ اس کی اشاعت ہوتی ہے۔ انہی مقامات سے اسلامی امور مٹائے جائیں گے اور اسلامی تاریخوں کو چھوڑ کر انگریزی تاریخوں کو اختیار کیا جائے گا تو اسلامی نظام کا کیا حشر ہوگا۔

لہٰذا اہل مدارس اور مساجد کو چاہئے کہ وہ دفتری امور تنخواہ وغیرہ اسلامی تاریخوں سے ادا کریں کہ سنت اور شریعت پر احسن وجوہ عمل کرنا برکت اور خیر کا باعث ہے۔

چاند ہونے پر روزہ کا حکم فرماتے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پاک نے چاند کو وقت کا معیار بنایا ہے پس جب تم چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو اور چاند نظر نہ آئے تو دن گنو (۳۰ ر پورے کرو)

اور جان لو کہ مہینہ ۳۰؍دن سے زائد کا نہیں ہوتا۔

(صحیح ابن خزیمہ صفحہ ۲۰۱، دارقطنی جلد۲ صفحہ ۱۶۳، مصنف ابن عبدالرزاق جلد۴ صفحہ ۱۵۶، بخاری صفحہ ۲۵۶)

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو اگر غبار آلود ہونے کی وجہ سے نظر نہ آئے تو شعبان کے ۳۰؍دن پورے کرو۔ (بخاری صفحہ ۲۵۶، مسلم صفحہ ۳۴۷)

فَائِدَۃ: آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ چاند دیکھ کر روزہ یا عید فرماتے اور اسی کا حکم دیتے۔ ابن قیم زادالمعاد میں لکھتے ہیں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی عادت طیبہ تھی کہ تاوقتیکہ محقق اور قطعی رؤیت نہ ہو جاتی یا کسی ایک کی شہادت نہ مل جاتی روزہ نہ رکھتے۔ (زادالمعاد جلد۱ صفحہ ۳۲۵)

چاند دیکھنے والے کو لازم ہے کہ وہ اس کے ذمہ داروں کو اطلاع دیدے

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ لوگ چاند دیکھنے میں لگے ہوئے تھے۔ (مگر دیکھ نہ سکے) تو میں نے رسول پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو بتایا کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو آپ نے (میری خبر پر) روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ روزہ رکھیں۔ (ابوداؤد صفحہ ۳۲۰، دارقطنی صفحہ ۱۵۶)

فَائِدَۃ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چاند دیکھنے سے رمضان یا عید کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا چاند دیکھنے والے کو چاہئے کہ قاضی کو یا مقامی ذمہ داروں کو اس کی اطلاع کر دیں تاکہ وہ عام شرعی فیصلہ نافذ اور جاری کرتے ہوئے اعلان کر سکیں۔

خیال رہے کہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے رمضان کا چاند دیکھا اور یقیناً دیکھا کوئی شبہ نہیں اور قاضی یا ذمہ داروں نے اس کی بات کو نہیں مانا تو ایسی صورت میں اس شخص کو تنہا روزہ رکھنا واجب ہوگا۔ (ہدایہ بنایہ جلد۳ صفحہ ۶۲۲)

بخلاف عید کے چاند میں اگر تنہا کسی نے دیکھا اور قاضی یا ذمہ داروں نے اس کی بات کو حسب قاعدہ شرعیہ تسلیم نہیں کیا تو اسے روزہ توڑنا اور روزہ نہ رکھنا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ وہ عامۃ الناس کی موافقت کرتے ہوئے روزہ رکھے گا اور سب کے ساتھ عید منائے گا۔ (بنایہ جلد۲ صفحہ ۶۳۱)

دو عادل معتبر آدمیوں کی شہادت سے چاند کا ثبوت ہو جاتا ہے

حضرت ابووائل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمان لکھ کر بھیجا کہ اگر صبح میں چاند نظر آئے تو روزہ مت توڑنا تاوقتیکہ دو گواہ گواہی نہ دے دیں اس بات پر کہ انہوں نے کل چاند دیکھا ہے۔ (تو روزہ توڑ دیں)۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۲۴۸)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب دو عادل چاند کے دیکھنے پر گواہی دیں تو روزہ توڑ دو۔

(ابن ابی شیبہ صفحہ ۶۹)

حضرت عبدالرحمٰن بن زید کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر آسمان غبار آلود ہو تو ۳۰/دن پورے کرو اگر دو مسلمان گواہی دے دیں تو روزہ رکھو اور افطار کرلو۔ (نسائی، فتح القدیر صفحہ ۲۶۵)

(کلینڈر اور اہل حساب ماہر فلکیات کا قول معتبر نہیں)

مطلب یہ ہے کہ چاند میں اصل رؤیت اور نظر آنا ہے۔ اسی رؤیت کے اعتبار سے مہینہ کی ابتداء ہوگی اگر رؤیت نہ ہوسکے اس وجہ سے کہ مطلع صاف نہیں تھا گرد و غبار تھا تو شروع ماہ کے اعتبار سے ۳۰/دن پورے کرے اور اس کے بعد مہینہ کی تاریخ سمجھ کر رمضان شروع کرے یا عید منائے۔ کلینڈر یا ماہرین فلکیات کا قول اور حساب معتبر نہیں چنانچہ شرح مسند احمد میں ہے عن الجمہور لا یجوز ان یکون المراد حساب النجمین۔

(صفحہ ۲۵۹)

ایک عادل کی گواہی سے رمضان کا ثبوت ہوجاتا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بادیہ نشین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا میں نے گزشتہ رات چاند دیکھا ہے آپ نے اس سے پوچھا کیا تم کلمہ شہادت **اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ** کی گواہی دیتے ہو اس نے کہا ہاں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں شخص سے کہا اٹھو اور لوگوں کو اعلان کردو کہ وہ کل سے روزہ رکھیں۔

(صحیح ابن خزیمہ جلد۳ صفحہ ۲۰۸، ترمذی صفحہ ۱۴۸، دار قطنی جلد۲ صفحہ ۱۵۸، سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۲۱۲)

ایک معتبر آدمی کے چاند دیکھنے پر آپ روزہ کا حکم صادر فرمادیتے

طاؤس نے ذکر کیا کہ میں مدینہ طیبہ گیا وہاں حضرت ابن عمر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات ہوئی۔ وہاں والی مدینہ کے پاس ایک آدمی نے آکر گواہی دی کہ میں نے رمضان المبارک کا چاند دیکھا ہے۔ تو والی (حاکم مدینہ نے) حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس مسئلہ کے متعلق معلوم کیا اور اہل مدینہ کو روزہ کا حکم دے دیا۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ رمضان المبارک کے چاند کی شہادت ایک آدمی کی آپ قبول فرمالیا کرتے تھے۔ اور ان دونوں حضرات نے یہ بھی کہا کہ عید کے چاند کے بارے میں دو آدمی کی شہادت قبول فرماتے تھے۔ (دار قطنی جلد۲ صفحہ ۱۵۶، سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۲۱۲)

حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رمضان کے چاند کے بارے میں لوگوں کو ایک مرتبہ تردد ہوا۔ ہوا یا نہیں، تو لوگوں نے تراویح اور روزے کا ارادہ نہیں کیا (کہ ۲۹/ کے چاند کا پتہ نہیں چلا) مقام حرہ سے ایک بادیہ نشین آیا

اس نے شہادت دی کہ چاند دیکھا ہے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں اسے پیش کیا گیا آپ نے اس سے پوچھا کیا تم خدائے پاک کے ایک ہونے کی اور میرے رسول ہونے کی گواہی دیتے ہو۔ اس نے کہا کہ ہاں اور اس نے (آپ کے سامنے) چاند دیکھنے کی گواہی دی۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ تراویح پڑھیں اور روزہ رکھیں۔ (ابوداؤد، صفحہ ۳۲۰، بیہقی، سنن دار قطنی، مسند احمد مرتب جلد ۹ صفحہ ۲۶۷)

فائدہ: ابن قیم نے لکھا ہے کہ رمضان کے بارے میں آپ ﷺ ایک کی ہی خبر پر روزہ رکھ لیتے تھے۔

(زادالمعاد صفحہ)

ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر میں ہے کہ آسمان کا مطلع صاف نہیں بادل اور غبار آلود ہے تو ایک آدمی بھی چاند ہونے کی گواہی دے تو رؤیت ثابت ہو جاتی ہے اور روزہ رکھنا واجب و لازم ہو جاتا ہے۔

(فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۲۲)

رمضان عید و بقر عید میں عامۃ الناس کی موافقت کا حکم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اسی دن تمہارا روزہ ہو جس دن عام لوگ (شرعی شہادت سے) روزہ رکھیں تمہاری عید بھی اسی دن جس دن لوگ (کسی شرعی شہادت سے) عید کریں۔ اور ایک روایت میں ہے اس دن بقر عید کرو جس دن سب لوگ بقر عید کر رہے ہوں۔

(سنن کبریٰ صفحہ ۲۵۲، دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۱۶۴، ابوداؤد صفحہ ۳۱۸)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے تنہا چاند دیکھ لیا اور لوگ نہ دیکھ سکے یا ان کی گواہی معتبر نہ ہوئی یہ عامۃ الناس کے ساتھ عید منائیں اور انہی کی موافقت کریں۔

البتہ روزے کے مسئلہ میں بعضوں نے بیان کیا کہ ان کے چاند دیکھنے سے ان کو روزہ رکھنا واجب لازم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی جگہ سے آئے ہوں جہاں شعبان کی رؤیت ۲۹ کے اعتبار سے ہوئی ہو اور یہاں رؤیت ۳۰ کے اعتبار سے ہوئی ہو تو اب عید میں ان کو جہاں اب اس وقت موجود ہیں ۳۰ / کا اعتبار کر کے روزہ اور چاند کا اعتبار کرنا ہوگا اور کمی بیشی میں یہاں کی موافقت کرنی پڑے گی اور یہاں کے اعتبار سے عید بقر عید منانی ہوگی۔

۲۹ / کا چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ / دن پورے کرو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ / دن پورے کرو۔ (صحیح ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۲۰۲)

اگر چاند بادل و غبار کی وجہ سے نظر نہ آئے تو

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر بادل یا غبار تمہارے

اور چاند کے درمیان حائل ہوجائے تب بھی ۳۰؍دن پورے کرو۔ (ابن خزیمہ صفحہ۲۰۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو چاند دیکھ کر عید کرو اگر بادل وغبار وغیرہ (۲۹؍کو آسمان میں) تمہارے اور چاند کے درمیان حائل ہوجائے تو ۳۰؍ دن پورے کرلو۔ (مسند طیالسی مرتب جلد ا صفحہ۱۸۲)

فائدہ: ابن قیم نے لکھا ہے کہ ایسی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰؍تاریخ پوری فرماتے نہ خود اس دن روزہ رکھتے اور نہ حکم فرماتے۔ (زادالمعاد)

اصل تو ۳۰؍ہی دن پورے کرتے۔

حضرت عدی بن حاتم کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رمضان آجائے تو ۳۰؍روزے رکھو ہاں مگر یہ کہ اس سے پہلے تم چاند دیکھ لو۔ (طبرانی، بلوغ الامانی صفحہ۲۵۷)

مطلب یہ ہے کہ اصل تو ۳۰؍دن ہے مگر ۲۹؍کو چاند نظر آجائے یا شرعی قاعدے سے ثبوت ہوجائے تو پھر ۲۹؍ہی پر ختم کردو۔ یہ نہیں کہ ۲۹؍ہی کو اصل سمجھو اور کسی نہ کسی طرح چاند نکال کر روزہ ختم کرلو اور عید منالو۔

جیسا کہ آج کل لوگوں کا ذہن دیکھا جارہا ہے۔ بہت کھینچ تان کر ثابت کرنا چاہتے ہیں بس کسی طرح کوئی گواہی دیدے کہہ دے کہ میں نے دیکھا ہے۔ بلا تفتیش وتحقیق کے عوام الناس کے محض کہہ دینے سے بلا گواہوں کے احوال پر چھان بین کے اعلان میں سبقت کرتے ہیں تاکہ ان کی جانب نسبت ہو۔ اللھم احفظنا۔

۲۹؍روزے ہونے پر ثواب میں کمی نہیں

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مت کہو کہ مہینہ ناقص ہوگیا (کہ ہم لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۲۹؍کا روزہ زائد رکھا بمقابلہ ۳۰؍کے)۔ (مجمع الزوائد صفحہ۱۵۰)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ رمضان کا چاند ۲۹؍کو نظر آئے اور روزہ ۲۹؍روز کا ہو تو یہ مت کہو اور سمجھو کہ ایک روزے کا ثواب کم ہوگیا۔ ۲۹؍رسے ثواب میں کمی نہیں ہوئی پورے ماہ کا ثواب ملتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۲۹؍دن کا روزہ زائد رکھا بمقابلہ ۳۰؍دن کے۔ (سنن کبریٰ صفحہ۲۵۱، ابوداؤد صفحہ۳۱۸، دارقطنی، الفتح الربانی جلد۹ صفحہ۲۷۴)

فائدہ: رمضان المبارک کا چاند ۲۹؍کو ہوجائے تو یہ افسوس نہ کرے کہ ۲۹؍روزے کا ثواب ملے گا کاش کہ ایک دن اور چاند نظر نہ آتا تو مکمل ایک ماہ ہوتا اور ایک مہینہ کا پورا ثواب ملتا۔ جیسا کہ بعض جاہلوں سے سنا جاتا ہے۔ اسی تسلی اور اطمینان کے لئے کہا جارہا ہے کہ ہم لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ۲۹؍کا مہینہ زائد پایا

چنانچہ شرح مسند میں ہے کہ حافظ ابن حجر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں ۹؍مرتبہ رمضان ۲۹؍دنوں کا اور دو مرتبہ رمضان ۳۰؍دنوں کا ہوا۔ (بلوغ الامانی جلد ۹ صفحہ ۲۷۴)

اگر کسی وجہ سے روزے ۲۸؍ہو جائیں تو ایک دن کی قضا واجب ہے

عبداللہ الاصم الکوفی کی روایت میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں روزہ ۲۸؍دن کا ہو گیا تو انہوں نے ایک دن قضاء کا حکم دیا۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۲۵۱)

فَائِدَہ: اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک شخص ایسے مقام سے چلا کہ اس نے روزہ چاند دیکھ کر شروع کر لیا تھا اور دوسرے علاقے اور دوسرے ملک میں جہاں آیا وہاں مطلع ایک دن پہلے کا تھا لہٰذا یہاں سے ۲۸؍روزے کو چاند نظر آ گیا جو یہاں کا ۲۹؍تھا۔ عموماً ہندوستان سے سعودی جانے والے کو یہ واقعہ پیش آ جائے گا۔ ایسی صورت میں ایک روزے کی قضاء واجب ہوگی چونکہ مہینہ ۲۹؍سے کم کا نہیں ہوتا۔

دو آدمیوں کی شہادت سے آپ نے روزہ تڑوا دیا

حضرت ابو مسعود انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ (آپ ﷺ کے زمانہ میں) ہم نے رمضان کی ۳۰؍تاریخ کی صبح کی۔ دو بادیہ نشین آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے پاس شہادت دی کہ کل انہوں نے چاند دیکھا ہے تو آپ نے لوگوں کو افطار کا حکم دے دیا یعنی روزہ توڑنے کا۔ (دار قطنی صفحہ ۱۶۹، مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۵۰)

حضرت نضر بیان کرتے ہیں کہ ان کے چچاؤں نے کہا کہ ہم لوگ دن (۳۰؍تاریخ رمضان کے) کے آخر وقت میں تھے۔ چند لوگ آئے انہوں نے کہا ہم نے کل (۲۹؍کو) گزشتہ دن چاند دیکھا ہے۔

آپ نے اس پر روزہ توڑنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ کل صبح عید کی نماز پڑھنے عیدگاہ جائیں گے۔

(دار قطنی صفحہ ۱۷۰)

ابو عمیر بن انس نے اپنے چچا سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس لوگوں نے آ کر گواہی دی کہ انہوں نے (۲۹؍کی شام کو) چاند دیکھا ہے تو آپ نے روزہ توڑنے کا حکم دے دیا اور یہ فرمایا کہ کل عید کی نماز ہوگی (یعنی ۲؍شوال کو کہ) عید کا وقت نکل چکا تھا۔ (دار قطنی صفحہ ۱۷۰، ابن عبدالرزاق جلد ۴ صفحہ ۱۶۵)

فَائِدَہ: علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ دو آدمی کی شہادت سے روزہ توڑ دیتے تھے۔ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ رمضان کے گزرنے کے بعد چاند کے دیکھنے کی گواہی دو آدمی دیتے تو روزہ توڑ دیتے اور لوگوں کو بھی روزہ توڑنے کا حکم دیتے اور دوسرے دن عید کی نماز پڑھتے۔ (زاد المعاد صفحہ)

خیال رہے کہ عید کے چاند کی رؤیت کے ثبوت کا شرعی ضابطہ یہ ہے کہ اگر آسمان کا مطلع صاف ہے بادل وغیرہ نہیں ہیں تو ایک جم غفیر اچھی خاصی جماعت کے دیکھنے سے چاند کا ثبوت ہوگا محض ایک دو کا دیکھنا کافی

نہیں۔ اس کے برخلاف اگر آسمان کا مطلع غبار آلود ہے بادل وغیرہ ہیں تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے چاند ثابت ہوگا۔ محض ایک کی شہادت سے یہاں عید نہ ہوگی بخلاف رمضان کے کہ ایک کی شہادت سے روزہ اور رمضان ثابت ہو جائے گا۔ (دیکھئے فقہ فتاویٰ کی کتاب، فتح القدیر جلد۲ صفحہ ۳۲۵)

چاند کی شہادت دن کے آخر حصہ میں آئے تب بھی روزہ توڑ دے

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ ایک موقعہ پر شوال کا چاند نظر نہیں آیا (۲۹/تاریخ کو) تو ہم لوگ صبح میں روزہ رکھتے ایک قافلہ جماعت دن کے آخر حصہ میں آئی اور ان سب نے شہادت دی کہ گزشتہ شام انہوں نے چاند دیکھا ہے تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے افطار کا حکم دے دیا یعنی روزہ توڑنے کا اور یہ فرمایا کہ کل عید منائیں گے۔ (الفتح الربانی جلد۹ صفحہ ۲۶۶، کنز العمال صفحہ ۵۶۵)

جریج نے عطاء سے پوچھا کہ میں روزہ سے تھا دن کے بالکل آخر وقت میں چاند کے رؤیت کی خبر آئی تو انہوں نے کہا روزہ توڑ دو۔ عمر بن دینار رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے کہا دن کے جس حصہ میں بھی خبر آئے روزہ توڑ دے۔ (ابن عبد الرزاق جلد۴ صفحہ ۱۶۶)

فَائِدَة: عید کے چاند کا ثبوت کم از کم دو آدمیوں سے ہوتا ہے بشرطیکہ آسمان غبار آلود ہو، جمہور اور ائمہ اربعہ رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی اسی کے قائل ہیں دو آدمیوں کی شہادت ضروری ہے۔ (شرح مسند احمد جلد۹ صفحہ ۲۶۸)

اگر شہادت ۹/۱۰/ بجے دن تک آجائے تو عید کی نماز اسی دن پڑھ لی جائے گی اور اگر زوال کے بعد آئے تو روزہ توڑ دیا جائے گا اور عید کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے گی۔ چونکہ عید کی نماز کا وقت زوال سے قبل ہے۔

رمضان کا چاند ایک گواہ سے اور عید کا چاند دو گواہوں سے

حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ایک آدمی کی شہادت پر رمضان المبارک کا چاند تسلیم فرما لیتے تھے اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عید کی چاند پر دو آدمی کی شہادت پر ہی فیصلہ فرماتے تھے۔ (مجمع الزوائد جلد۳ صفحہ ۱۴۹)

حضرت ابو مسعود انصاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ (چاند ۲۹/ کا نظر نہ آنے کی وجہ سے) لوگوں نے ۳۰/ کا روزہ رکھا آپ کے پاس دو آدمی آئے اور انہوں نے گواہی دی کہ کل گزشتہ انہوں نے چاند دیکھا ہے تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے روزہ توڑنے کا حکم دیا۔ (مجمع الزوائد جلد۳ صفحہ ۱۵۰)

حضرت عمر بن عبد العزیز رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ وہ رمضان کا چاند ایک گواہ سے اور عید کا چاند دو گواہ سے قبول کرتے تھے۔ (ابن عبد الرزاق جلد۴ صفحہ ۱۶۸)

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں جب دو عادل چاند کے دیکھنے کی شہادت دے دیں تو پھر روزہ نہ رکھو

یعنی عید مناؤ۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۶۹)

امام ترمذی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے سنن میں بیان کیا ہے کہ اس میں اہل علم کا اختلاف نہیں ہے کہ عید کے چاند کا ثبوت دو گواہوں کے بغیر نہیں ہوتا۔

عبدالملک بن میسرہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ گیا وہاں حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے پوچھا تو ان دونوں نے صحیح کہا اور کہا کہ آپ ﷺ رمضان کے چاند میں ایک آدمی کی شہادت قبول فرمالیا کرتے تھے اور آپ ﷺ عید میں دو آدمیوں کی شہادت قبول فرماتے تھے۔ (طبرانی بلوغ الامانی جلد۹ صفحہ ۲۶۸)

فَائِدَہ: حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ ایک کی شہادت سے بھی آپ روزہ رکھ لیتے۔ جیسے ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی شہادت سے، اور ایک مرتبہ ایک اعرابی کی شہادت سے۔ آپ رمضان کے بارے میں خبر واحد کا اعتبار فرمالیتے تھے۔ (زاد المعاد صفحہ ۳۲۵)

ہدایہ میں ہے کہ آسمان میں اگر بادل ہوں (یا غبار آلود ہو مطلع صاف نہ ہو) تو امام (ہلال کمیٹی کے ذمہ دار جو اہل علم ہوں) رمضان کے چاند کے بارے میں ایک آدمی کی گواہی قبول کرلیں۔ (جلد۳ صفحہ ۶۲۷)

اگر آسمان کا مطلع بالکل صاف ہے نہ بادل نہ غبار آلود تو ایسی صورت میں چاند کے ثبوت کے لئے ایک اچھی خاصی جماعت کا دیکھنا اوران کی گواہی معتبر ہوگی ایک دو کی گواہی کافی نہ ہوگی۔ (بنایہ صفحہ ۶۲۹)

اور عید کے چاند میں اگر آسمان غبار آلود ہو یا بادل ہوں، مطلع صاف نہ ہو تب بھی کم از کم دو گواہوں کی شہادت لازم ہے۔ (بنایہ جلد۳ صفحہ ۶۳۱)

مزید چاند کے مسائل کے وقت اہل علم سے معلوم کریں۔

رمضان المبارک کا چاند دیکھتے تو آپ کیا دعا پڑھتے

حضرت جعفر بن علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ رمضان کا چاند نظر آتا تو اس کی طرف رخ فرما کر یہ دعا پڑھتے۔

”اللهم اهله علينا بالامن والايمان والسلامة والاسلام والعافية العجلة ودفاع الاسقام والعون على الصلاة والصيام وتلاوة القرآن اللهم سلمنا لرمضان ويسلمه لنا وسلمه منا حتى يخرج رمضان وقد غفرت لنا وارحمنا وعفوت عنا.“ (کنز العمال جلد۸ صفحہ ۵۹۰)

مزید چاند کی دعاؤں کو جس میں آپ ﷺ سے منقول تمام دعاؤں کو بسط و تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ عاجز کی کتاب ”الدعاء المسنون“ کو دیکھئے۔

چاند کے متعلق چند اہم مسائل

❊ اگر آسمان پر بادل ہیں یا غبار ہے اس وجہ سے رمضان کا چاند نظر نہیں آیا لیکن ایک دیندار پرہیزگار سچے آدمی نے آکر گواہی دی میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے تو چاند کا ثبوت ہوگیا خواہ مرد ہو یا عورت۔

❊ اگر بدلی کی وجہ سے عید کا چاند دکھائی نہ دیا تو ایک شخص کی گواہی کا اعتبار نہیں چاہے جتنا بڑا معتبر آدمی ہو بلکہ جب دو معتبر اور پرہیزگار مرد یا ایک دیندار مرد اور دو دیندار عورتیں اپنے چاند دیکھنے کی گواہی دیں تب چاند کا ثبوت ہوگا اور اگر ۴ر عورتیں گواہی دیں تو بھی قبول نہیں۔

❊ جو آدمی دین کا پابند نہیں برابر گناہگار رہتا ہے۔ مثلاً نماز نہیں پڑھتا یا روزہ نہیں رکھتا یا جھوٹ بولا کرتا ہے یا اور کوئی گناہ کرتا ہے شریعت کی پابندی نہیں کرتا تو شرع میں اس کی بات کا کچھ اعتبار نہیں۔ چاہے جتنی قسمیں کھا کر بیان کرے بلکہ اگر ایسے دو تین آدمی ہوں ان کا بھی اعتبار نہیں۔

(بہشتی زیور جلد۳ صفحہ۵، بحرالرائق جلد۲ صفحہ۲۶۶)

❊ اگر آسمان بالکل صاف ہو تو دو چار آدمیوں کے کہنے اور گواہی دینے سے چاند ثابت نہ ہوگا۔ چاہے رمضان کا ہو چاہے عید کا البتہ اگر اتنی کثرت سے لوگ اپنا چاند دیکھنا بیان کریں کہ دل گواہی دینے لگے کہ یہ سب کے سب بات بنا کر نہیں آئے ہیں اتنے لوگوں کا جھوٹا ہونا کسی طرح نہیں ہوسکتا تب چاند ثابت ہوگیا۔

کسی نے رمضان شریف کا چاند اکیلے دیکھا سوائے اس کے شہر بھر میں کسی نے نہیں دیکھا لیکن یہ شرع کی پابند نہیں ہے تو اس کی گواہی سے شہر والے تو روزہ نہ رکھیں لیکن خود یہ روزہ رکھے اگر اس کے اکیلے دیکھنے والے نے تیس روزے پورے کر لئے لیکن ابھی عید کا چاند نہیں دکھائی دیا تو اکتیسواں بھی رکھے اور شہر والوں کے ساتھ عید کرے۔ (بہشتی زیور جلد۳ صفحہ۶)

❊ اگر کسی نے عید کا چاند اکیلے دیکھا اس لئے گواہی کا شریعت نے اعتبار نہیں کیا تو اس دیکھنے والے آدمی کو بھی عید کرنا درست نہیں ہے۔ صبح کو روزہ رکھے اور اپنے چاند دیکھنے کا اعتبار نہ کرے اور روزہ نہ توڑے۔

(بہشتی زیور جلد۳ صفحہ۶)

شرعی طور پر چاند کے ثابت ہونے کے مختلف طریقوں کا بیان

عموماً چاند کے متعلق غلطیاں ہو جاتی ہیں مسئلہ باریک اور دقیق ہونے کی وجہ سے غیر عالم اسے سمجھ نہیں پاتے اور دخل دے کر گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اور ہر جگہ عالم محقق ملتے نہیں بعض جگہوں پر لوگ ہلال کمیٹی برائے نام وشہرت کے بنا لیتے ہیں اور اس مسئلہ میں ان کو شرعی واقفیت اور بصیرت نہیں ہوتی پھر بھی اس میں پڑ کر بلاوجہ گناہ کماتے ہیں۔ اس لئے مختصر طور پر اہل

علم اور اہل فہم اور کچھ دینی بصیرت اور معلومات رکھنے والوں کے لئے چاند کے ثبوت کے شرعی مسائل ذکر کئے جاتے ہیں تا کہ وقت پر رہنمائی حاصل ہو سکے۔

ورنہ اصل تو یہ ہے کہ محقق عالم سے رجوع کیا جائے اور ان کے حوالے کیا جائے۔

رؤیت ہلال کے ثبوت کا پہلا طریقہ:

رؤیت عامہ یعنی عام لوگوں کا یا جم غفیر کا چاند دیکھنا یہ رمضان وعید الفطر کے چاند کے ثبوت کا قطعی فیصلہ ہے اس کے بعد قانون شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔

"وقیل بلاعلة جمع عظیم یقع العلم الشرعی وهو غلبة الظن بخبرهم وهو مفوض الی رای الامام من غیر تقدیر بعدد علی المذهب." (درمختار جلد۲ صفحہ ۱۲۶)

دوسرا طریقہ:

اگر مطلع (چاند کے نظر آنے کہ آسمان میں جگہ) ابر آلود ہو (صاف نہ ہو غبار سے بھرا ہو) اس وجہ سے رؤیت عامہ نہ ہو سکے تو ثبوت رمضان کا فیصلہ ایک دیندار پابند شریعت مسلمان مرد یا عورت کے بیان پر کیا جا سکتا ہے۔

"للصوم مع علة کغیم وغبار خبر عدل ولو کان العدل قنا او انثٰی او محدوداً فی قذف تاب" (درمختار جلد۲ صفحہ۱۲۳)

وبرائے شہادت ماہ رمضان اگر آسمان ابر یا مانند آں دارد یک مرد یا زن عادل کافی است حر باشد یا رقیق۔

(مالا بد منہ صفحہ۹۳، نور الایضاح صفحہ۱۴۹)

البتہ ہلال عید کے لئے با قاعدہ شہادت کی ضرورت ہے یعنی دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں، جو مسلمان اور بظاہر پابند شریعت ہوں اور قاضی شرعی یا مفتی کے سامنے چاند دیکھنے کی شہادت دیں اور قاضی و مفتی اس کی شہادت قبول کریں تو اس سے بھی چاند ثابت ہو جاتا ہے۔

تیسرا طریقہ:

'وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ اشهد" (درمختار جلد۲ صفحہ۱۲۴)

وبرائے شہادت شوال دریں چنیں حال در مرد و حر عادل یا یک مرد و زن امراء عدول بالفظ شہادت شرط است۔ (مالا بد منہ صفحہ۹۳، نور الایضاح صفحہ۱۴۹)

چوتھا طریقہ:

شہادت علی قضاء القاضی، قاضی یا مفتی کی مجلس میں شرعی شہادت پیش ہو اور مجلس میں دو دیندار پابند شرع

مسلمان شروع سے آخر تک حاضر ہوں اور پھر وہ کسی دوسرے مقام کے قاضی یا مفتی کے سامنے حاضر ہو کر شہادت دیں کہ فلاں مقام پر قاضی یا مفتی کی مجلس میں ہمارے سامنے رؤیت ہلال کی شہادت پیش ہوئیں اور ان کی شہادتوں کی ساعت کے بعد قاضی یا مفتی نے رؤیت ہلال کا فیصلہ کر دیا تو یہ بھی ثبوت ہلال رمضان اور عید میں معتبر ہے اور ان کی شہادت پر رؤیت ہلال کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ (درمختار جلد ۲ صفحہ ۱۲۸)

پانچواں طریقہ:

کتاب القاضی الی القاضی۔ ایک جگہ کے قاضی یا مفتی کے سامنے شرعی شہادت پیش ہوئی اور اس نے رؤیت ہلال کا فیصلہ کر دیا۔ اب وہ دوسرے مقام کے قاضی یا مفتی کے نام دو دیندار مسلمانوں کے سامنے خط لکھے کہ میرے سامنے شرعی شہادت پیش ہوئی جس کی بنا پر میں نے رؤیت ہلال کا فیصلہ کر دیا اور اس پر اپنے دستخط و مہر لگائے اور ان کو سنا کر بند کر کے مہر لگا کر ان کے حوالے کر دے دونوں شخص وہ خط لے کر دوسرے مقام کے قاضی یا مفتی کے پاس جائیں اور گواہی دیں کہ یہ فلاں مفتی یا قاضی کا مکتوب (خط) ہے اس نے ہمارے سامنے لکھا اور پڑھا ہے اور ہمارے حوالہ کیا ہے کہ ہم آپ تک یہ مکتوب پہنچا دیں۔ تو دوسری جگہ کا قاضی یا مفتی اس کو منظور کر کے اعلان کرا سکتا ہے یہ بھی ثبوت ہلال کے لئے حجت ہے مگر یہ حجت اسی وقت ہے جب کہ وہ دونوں شخص گواہی دیں کہ فلاں نے یہ مکتوب (چاند کا خط) ہمارے سامنے لکھا پڑھا ہے اور ہمارے حوالہ کیا ہے۔ اگر اس طرح شہادت نہیں دیتے محض ایک خط (چٹھی رقعہ) کی حیثیت سے پہنچا دیتے ہیں تو اس کی حیثیت ایک معمولی خط جیسی ہوگی۔ (اس سے چاند کی رؤیت ثابت نہ ہوگی)۔

چھٹا طریقہ:

خبر مستفیض: یہ بھی ثبوت ہلال کے لئے حجت ہے خبر مستفیض کے متعلق علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

"اعلم ان المراد بالاستفاضة تواتر الخبر من الواردين من بلدة الثبوت الى البلدة لم يثبت بها الخبر الاستفاضة"

یعنی جان لو کہ استفاضہ سے مراد وہ خبر ہے جس کو بکثرت اس شہر سے آنے والے بیان کریں جہاں رؤیت ثابت ہو چکی ہے۔ اور ایسی جگہ آکر بیان کریں جہاں ہنوز (اب تک) رؤیت ثابت نہیں ہوئی محض افواہ کافی نہیں۔ (حاشیہ بحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۲۷۰)

علامہ رحمتی خبر مستفیض کے متعلق فرماتے ہیں:

"(تنبيه) قال الرحمتی معنى الاستفاضة ان تاتی من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤية لا مجرد

الشیوع من غیرھم عن اشاعه.''

استفاضہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں چاند ہوا ہے وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں۔ ہر جماعت یہ خبر دے کہ اس شہر کے مسلمانوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے۔ محض خبر کا پھیل جانا یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کون اس کا راوی (نقل کرنے والا) ہے کس نے یہ بات چلائی ہے۔ خبر مستفیض نہیں۔ (شامی جلد۲ صفحہ۱۲۹، کتاب الصوم)

پس اس سے رؤیت ثابت نہ ہوگی۔

بہر حال خبر مستفیض سے بھی ہلال رمضان وعید کا ثبوت ہو جاتا ہے مگر یہ ضروری ہے کہ خبر کی نوعیت ایسی ہو کہ صاحب بصیرت معاملہ فہم اشخاص کو اس کی صداقت کا یقین ہو جائے محض افواہ اور شہرت ہو جانا جب کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اصل خبر دینے والا کون ہے کافی نہیں۔

ریڈیو

ریڈیو کی خبر ایک اعلان کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ اعلان اگر رؤیت ہلال کی باضابطہ کمیٹی کی جانب سے ہو جو چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا فیصلہ کرتی ہے یا کسی ایسے شخص کی جانب سے ہو جس کو وہاں کے مسلمانوں نے قاضی یا امیر شریعت کی حیثیت سے مان رکھا ہو اور باضابطہ شہادت لے کر فیصلہ کیا جاتا ہو اور اعلان کرنے والا خود قاضی یا امیر شریعت یا رؤیت ہلال کمیٹی کا صدر یا کمیٹی کا معتمد مسلم نمائندہ ہو تو مقامی کمیٹی یا قاضی یا امیر کے لئے جائز ہوگا کہ وہ اس پر اعتماد کر کے رؤیت ہلال کا فیصلہ کر دے۔

محض ریڈیو کا اعلان کافی نہیں مقامی محقق علماء کا قبول اور تسلیم ضروری ہے۔

شرعی قاضی یا مستند علماء کرام کی مجلس یا وہ چاند کمیٹی جن کا فیصلہ مسلمان تسلیم کرتے ہوں۔ یہ لوگ باقاعدہ شہادت لے کر چاند کا فیصلہ کریں اور اس فیصلہ کو شرعی قاضی یا علماء کی مجلس یا چاند کمیٹی کا صدر یا ان کا معتمد نمائندہ بذریعہ ریڈیو نشر کرے اور دوسری جگہ کے علماء کرام اسے منظور رکھیں تو اس پر عمل کرنا درست ہے۔ عوام کی منظوری کافی نہیں بلکہ ان کی دخل اندازی اور اہل علم سے الجھنا روا نہیں۔ (ماخوذ فتاویٰ رحیمیہ جلد۵ صفحہ۱۸۲، ۱۹۹)

دیکھئے قبول کرنے اور نہ کرنے کی ذمہ داری اہل علم پر ہے عام لوگوں پر نہیں۔ مگر چاند کے مسئلہ میں عام لوگ ہی بڑھ کر مسئلہ کو اپنے قبضہ میں لیتے ہیں اور خود ہی فیصلہ کرتے ہیں۔

چاند دیکھنے والے ٹیلیفون سے خبر دیں تو بالکل معتبر نہیں

عید کے چاند کے ثبوت کے لئے چونکہ شہادت ضروری ہے اور شہادت کے لئے شاہد کی حاضری ضروری ہے اس لئے اس میں فون یا خط کی خبر کافی نہ سمجھی جائے گی اگرچہ آواز پہچان لی جائے اور بولنے والا ثقہ اور قابل شہادت ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد۵ صفحہ۱۸۸)

شہادت کہاں معتبر ہے اور کہاں نہیں

* شہادت میں خط. ٹیلی گراف، ٹیلی فون وغیرہ کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں۔ (احسن الفتاویٰ جلد۴ صفحہ ۴۲۰)

شہادت کی شرائط سے معلوم ہوا کہ ٹیلی گراف، ٹیلی فون، ریڈیو، وائرلیس وغیرہ آلات جدیدہ کے ذریعہ شہادت (اسی طرح چاند کی گواہی) نہیں ہوسکتی۔ اس لئے شہادت میں روبرو حاکم کے پاس مجلس حکم میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ (احسن الفتاویٰ جلد۴ صفحہ ۴۱۸)

رؤیت ہلال کے سلسلہ میں عالم مفتی کے فیصلے کا مقام

جہاں مسلم حاکم موجود نہ ہو یا وہ فیصلہ شرعی نہ کرتا ہو وہاں اگرچہ جمیع معاملات ہیں تو ثقہ عالم، قاضی کے قائم مقام نہیں ہوسکتا البتہ رؤیت ہلال وغیرہ بعض جزئیات میں اس کا فیصلہ حکم قاضی کے مقام ہو جائے گا۔

(احسن الفتاویٰ جلد۴ صفحہ ۴۶۷)

* ہر قاضی کا فیصلہ اس کی حدود تک محدود ہے۔

ایک قاضی کے فیصلے کی خبر محض (بلا شرط شہادت علی القضاء) دوسرے قاضی کے لئے موجب عمل بلکہ مجوز عمل نہیں۔ (احسن الفتاویٰ جلد۴ صفحہ ۴۶۷)

قاضی وغیرہ (مفتی) پر لازم نہیں کہ چاند کی تلاش میں نکلے یا خبر کے پیچھے لگا رہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ صفحہ ۱۹۰)

چند متفرق مسائل

* اگر کسی نے رمضان کا چاند دیکھ کر قاضی (یا مفتی) کے یہاں شہادت دی۔ قاضی نے اس کی شہادت قبول نہ کی اور اس نے اپنی رؤیت کی بنا پر روزہ رکھ لیا۔ پھر تیس روزے پورے ہونے پر رؤیت نہ ہوئی (چاند کا ثبوت نہ ہوا) تو یہ شخص اکتیسواں روزہ بھی رکھے گا اور دوسروں (عام لوگوں) کے ساتھ عید کرے گا۔

(احسن الفتاویٰ صفحہ ۴۲۹)

* جہاں آسمان ہمیشہ ابر آلود رہتا ہو، مطلع صاف نہ رہتا ہو، اور چاند کی رؤیت نہ ہوتی ہو، جیسے برطانیہ وغیرہ یہاں کا حکم یہ ہے کہ کسی ایسے ملک کے ریڈیو (خبر) پر اعتماد کیا جائے جس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہاں ضوابط شرعیہ کے مطابق رؤیت ہلال کا فیصلہ ہوتا ہے خواہ یہ ملک کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے علاقے کے کسی معتبر عالم سے بذریعہ ٹیلی فون معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ بشرطیکہ آواز کی پہچان یا دوسرے ذرائع سے یہ معلوم ہو جائے کہ ٹیلیفون پر کون بول رہا ہے۔ بندہ نے اختلاف مطالع پر انفراداً واجتماعاً بارہا غور کیا ہر مرتبہ یہی نتیجہ نکلا کہ عندالاحناف بلاد بعیدہ میں بھی اختلاف مطالع معتبر ہے۔ اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔ (احسن الفتاویٰ جلد۴ صفحہ ۴۲۶)

❊ اگر کسی شخص نے عید کا چاند دیکھا۔ قاضی کے پاس جا کر اس نے گواہی دی لیکن قاضی نے کسی دلیل شرعی کی وجہ سے رد کر دیا تو اس پر روزہ رکھنا واجب ہے۔ (احسن الفتاویٰ جلد۴ صفحہ ۴۲۸)

❊ اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ یا جدہ میں تھا وہاں رمضان کا پہلا دن جمعہ کو ہوا کہ جمعرات کو چاند کا ثبوت ہوا۔ یہ شخص پھر کچھ دن گزار کر ہندوستان آیا یہاں جمعہ کو چاند ہو کر سنیچر کو روزہ ہوا۔ اسی طرح عید کا چاند بھی ایک دن بعد نکلا۔ ہندوستان کا اعتبار کرتا ہے تو اکتیس روزے ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ شخص ہندوستان کے اعتبار سے ہی رمضان اور عید کرے گا خواہ اس کے روزے اکتیس ہو جاویں۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد۲ صفحہ ۱۸۱)

❊ ہندوستان سے ایک شخص جہاز سے مکہ، جدہ گیا وہاں ایک دن پہلے چاند ہو گیا تھا۔ تو یہ شخص وہاں کی موافقت کرے گا اور ان کے ساتھ عید کرے گا اور اگر ان کا روزہ ۲۸ رہا تو عید کے بعد ایک روزہ رکھے گا۔

(فتاویٰ رحیمیہ جلد۲ صفحہ ۱۸۱)

❊ چاند دیکھ کر یہ کہنا کہ چاند بہت بڑا ہے کل کا معلوم ہوتا ہے بری بات ہے حدیث میں آیا ہے کہ یہ قیامت کی نشانی ہے جب قیامت قریب ہوگی تو لوگ ایسا کہا کریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ چاند کے بڑے چھوٹے ہونے کا بھی کچھ اعتبار نہ کرو۔ نہ ہندوؤں کی اس بات کا اعتبار کرو کہ آج دوج ہے آج ضرور چاند ہے۔ شریعت میں یہ سب باتیں واہیات ہیں۔ (بہشتی زیور جلد۳ صفحہ ۶)

مزید تفصیل کے لئے فقہی کتابیں دیکھئے۔ یا کسی محقق عالم و مفتی سے رجوع کیجئے۔



روزہ رمضان المبارک کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ شمائل وطریق مبارک کا بیان

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے ماہ رمضان کا روزہ رکھتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے رمضان کے علاوہ پورے ماہ کا روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ (بخاری صفحہ ۲۶۴، نسائی صفحہ ۳۲۱، ۳۰۶)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی مہینہ کا پورے کا پورا مہینہ روزہ نہیں رکھا۔ (ابوداؤد صفحہ ۳۱۹)

حضرت عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے متعلق پوچھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا آپ روزہ رکھتے رہتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ روزہ ہی رکھیں گے۔ اور (کبھی ایسا ہوتا کہ) نہ رکھتے تو ہم کہتے کہ اب افطار ہی کریں گے پھر فرمایا کہ آپ جب سے (مدینہ) تشریف لائے سوائے رمضان کے آپ نے پورے مہینہ کا روزہ کسی ماہ میں نہیں رکھا۔
(مسلم صفحہ ۳۶۴، نسائی صفحہ ۳۲۱، ترمذی صفحہ ۱۵۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ (اس طرح) رکھتے کہ ہم لوگ کہتے کہ آپ کا اب افطار (روزہ نہ رکھنے کا) ارادہ نہیں ہے۔ پھر آپ روزہ نہ رکھتے کہ ہم لوگ کہنے لگتے کہ اب آپ روزہ رکھیں گے ہی نہیں۔ اور مدینہ تشریف لانے کے بعد سے آپ نے سوائے رمضان کے پورے ماہ کا روزہ نہیں رکھا۔ (بخاری صفحہ ۲۶۴، مسلم صفحہ ۳۶۵، شمائل صفحہ ۲۰)

علامہ مناوی نے ذکر کیا کہ ہجرت کے دوسرے سال شعبان میں ماہ رمضان کا روزہ فرض کیا گیا اس لئے ہجرت کے بعد رمضان کا روزہ فرض ہوا۔

ملا علی قاری نے شرح شمائل میں بیان کیا کہ آپ نے مکمل پورے ماہ کا روزہ رمضان المبارک کا رکھا ہے۔ دوسرے ماہ میں روزے رکھتے تو پورے نہ رکھتے تھے ہاں اکثر ایام روزہ رکھتے۔ اس حدیث کے تحت ملا علی قاری نے ذکر کیا ہے کہ ہر ماہ میں کچھ نہ کچھ روزے رکھنا مستحب ہے۔ (جمع الوسائل صفحہ)

یعنی آپ کا کوئی ماہ روزے سے خالی نہ جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر ماہ خواہ ایام بیض ہو یا اور کوئی دن روزہ رکھنا سنت ہے اور مہینہ کو روزے سے خالی کرنا خلاف مستحب ہے۔ چنانچہ اللہ کے مقرب بندے اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

شرح مہذب میں علامہ نووی نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ۹ رسال رمضان کے روزے رکھے ہیں۔
(شرح مہذب صفحہ ۲۵۰)

آپ ماہ مبارک کے آنے کی بشارت دیتے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو رمضان المبارک کے آنے کی بشارت دیتے اور فرماتے تمہارے پاس ایک مبارک مہینہ آ رہا ہے۔ اللہ پاک نے اس کے روزوں کو فرض کیا ہے۔ اس میں جنت کے دروازے کھول دیتے ہیں جہنم کے دروازے بند کر دیتے ہیں۔ شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو اس کے خیر سے محروم ہوا وہ ساری بھلائی سے محروم ہوا۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۸۴، مرتب جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۶)

رمضان آنے سے قبل رجب میں دعا کرتے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب رجب کا مہینہ آتا تو آپ یہ دعا فرماتے

"اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْ رَمَضَانَ"

"اے اللہ رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما۔ اور رمضان میں برکت عطا فرما۔"

(مسند احمد مرتب صفحہ ۲۳۱)

بزار اور طبرانی کی روایت میں بلغنا رمضان ہے یعنی اے اللہ ہمیں رمضان تک پہنچا رجب سے ہی رمضان پانے کی دعا فرماتے۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۲۳۱)

آپ رمضان المبارک کے آنے پر یہ دعا سکھلاتے تھے

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جب رمضان آتا تو یہ دعا ہم لوگوں کو سکھلاتے تھے۔

"اللهم سَلِّمْنِيْ لرمضان وسلم رمضان لی وسلمه لی متقبلا."

(کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۵۸۴)

تَرجَمۃ: "اے اللہ ہمیں سلامتی عطا فرما رمضان میں اور سلامتی عطا فرما رمضان کو مجھ سے اور اسے میرے لئے سلامتی کے ساتھ قبول فرما۔"

آپ ماہ مبارک میں قیدیوں کو چھوڑ دیتے سائل کو واپس نہ فرماتے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا تو ہر قیدی کو آزاد فرما دیتے اور ہر سائل کو نوازتے۔ (ابن سعد جلد ا صفحہ ۹۹، سبل الہدیٰ جلد ۸ صفحہ ۴۱۰)

فَائِدَہ: ماہ مبارک کی برکت سے آپ قیدیوں کو رہا فرما دیتے اور دیگر عبادت کی طرح صدقہ خیرات بھی عام دنوں سے زائد فرماتے۔

شعبان کے آخر میں رمضان کی فضیلت اور اہمیت پر وعظ فرماتے

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دنوں میں تقریر فرمائی۔ (تقریر میں) آپ نے فرمایا تمہارے سامنے ایک بڑا مبارک مہینہ آ رہا ہے۔ اس میں ایک رات ہے جو ہزار ماہ سے افضل ہے۔ اس ماہ میں اللہ پاک نے روزوں کو فرض قرار دیا ہے اور اس کی تراویح (تطوع) سنت جس نے اس ماہ میں کئی نفل عبادت کی گویا اس نے اس ماہ کے علاوہ میں فرض ادا کئے۔ (یعنی ۷۰ فرض کے ادا کرنے کا ثواب ملے گا۔ یہ ماہ صبر (مشقت عبادت) کے برداشت کا ہے۔ اس کا ثواب جنت ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کا مہینہ ہے ایسا مہینہ ہے جس میں مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔

جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا اس کے لئے یہ گناہوں کی معافی کا باعث ہوگا اور جہنم سے خلاصی کا اور اسے بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اسے اور اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اس پر حضرات صحابہ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ہم میں سے ہر ایک تو اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ افطاری کرائے۔ (چونکہ وہ زمانہ زیادہ غربت کا تھا) آپ نے فرمایا اس شخص کو بھی ثواب ملے گا جس نے ایک کھجور سے یا ایک گھونٹ پانی سے یا ایک گھونٹ دودھ سے افطار کرایا۔ یہ ایسا مہینہ ہے جس کا اول حصہ (پہلا عشرہ) رحمت کا ہے، دوسرا حصہ مغفرت کا ہے، اور تیسرا حصہ جہنم سے خلاصی کا ہے۔ جو غلام (اور نوکر) کے ساتھ تخفیف (کام کے بوجھ کو ہلکا کرنا) کا معاملہ کرے گا اللہ اسے معاف کرے گا اور جہنم سے خلاصی مرحمت فرمائے گا۔ اس میں چار چیزوں کو کثرت سے کیا کرو۔ جس میں دو تو وہ ہیں جس سے تمہیں تمہارے رب کی رضا مندی حاصل ہوگی اور دو تو ایسی چیز ہیں کہ ان کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ بہرحال وہ دو امور جس سے تم اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرو گے ایک تو لا الہ الا اللہ اور استغفار کی کثرت ہے۔ اور بہرحال وہ دو امور جس کے بغیر چارہ نہیں وہ جنت کا سوال (اور اس کی دعاء) ہے اور جہنم سے پناہ مانگنا ہے۔ جس نے کسی روزہ دار کو سیراب کیا (پانی وغیرہ پلایا) اسے اللہ پاک میرے حوض سے سیراب کرے گا، جس کے بعد اسے پیاس محسوس نہیں ہوگی یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(ترغیب جلد ۲ صفحہ ۹۵، ابن خزیمہ، ابن حبان، بیہقی)

آپ ﷺ کی عادت طیبہ تھی کہ اہم اہم موقعوں پر وعظ وخطاب کے ذریعہ سے اصحاب کو خبردار کرتے اور متنبہ کرتے احکام وفضائل کی نشاندہی فرماتے۔

رمضان کی آمد پر اس کی فضیلت بیان فرما کر متوجہ فرماتے

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بیان فرمایا رمضان آگیا تمہارے پاس جو مہینہ برکتوں والا ہے اللہ پاک اس میں رحمت نازل فرماتے ہیں گناہ معاف فرماتے ہیں دعائیں قبول فرماتے ہیں۔ اللہ پاک تمہارے تنافس کو دیکھتے ہیں (ایک دوسرے پر عبادت میں سبقت) اور ملائکہ پر فخر کرتے ہیں۔ پس اللہ کو اپنے نفس کی بھلائی دکھلاؤ۔ بدبخت وہ ہے جو اس مہینہ میں بھی رحمت خدا سے محروم رہ گیا۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۲۳۵)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا لو رمضان کا مہینہ آگیا اگر لوگ جان لیں کہ رمضان میں کیا (برکتیں اور خوبیاں) ہیں تو تمنا کریں کہ تمام سال رمضان رہے۔
(بلوغ الامانی جلد ۹ صفحہ ۲۳۶)

آپ عبادتِ رمضان کی خصوصیت سے تاکید فرماتے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ رمضان میں قیام (تراویح کی عبادت) کی ترغیب دیتے اور فرماتے کہ بغیر فرض فرماتے ہوئے کہ جو رمضان میں تراویح پڑھے گا ایمان اور خلوص وثواب کی نیت سے اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (الفتح الربانی صفحہ ۲۲۰)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اور دنوں کے مقابلہ میں ماہ مبارک میں چونکہ ثواب زیادہ ہوتا ہے اس لئے عبادت زیادہ کرے۔ تراویح جو رمضان کی مخصوص عبادت ہے اس کا زیادہ اہتمام کرے اس کی خوب پابندی کرے۔ گو مشقت کی وجہ سے فرض نہیں کی گئی۔

اور دنوں کی بہ نسبت رمضان المبارک میں بہت زیادہ عبادت کرتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جس قدر رمضان المبارک میں عبادت کرتے اس قدر غیر رمضان میں نہ کرتے۔ (مسلم صفحہ ۳۷۳، مسند احمد، ترمذی صفحہ ۱۶۴، ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۷۷)

رمضان المبارک میں عبادت کا ثواب بڑھا دیا جاتا ہے بہ نسبت اور دنوں کے اس میں حلاوت اور ذوق زیادہ محسوس ہوتا ہے شیاطین کے قید کی وجہ سے اس کا زیادہ اثر نفس پر نہیں ہوتا اس لئے عبادت کی جانب کچھ میلان ہوتا ہے۔ اس لئے ماہ مبارک میں زیادہ سے زیادہ عبادت کے لئے فارغ کر لینا چاہئے۔ آپ ﷺ باوجودیکہ معصوم اور مغفور تھے اس ماہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ اور

دنوں میں تو آپ سحر کے وقت سوتے بخلاف رمضان کے آخر رات سحری تک عبادت کرتے رہتے۔
(فتح الباری صفحہ ۱۸)

اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ آپ رمضان کے شروع دنوں میں کم سویا کرتے تھے اور آخر عشرہ میں تو سونا بالکل بند کر دیتے تھے گھر کا بستر ہی اٹھ جاتا تھا۔ مسجد میں آجاتا تھا۔ علامہ نووی نے بیان کیا کہ اس میں عبادت کا شغل زیادہ رکھنا مستحب ہے۔ شرح مشکوٰۃ میں بھی ہے اس ماہ میں کثرت سے عبادت کرنا مستحب ہے۔ (مرقاۃ صفحہ ۱۳۲)

امت کے صلحاء اور اتقیاء کا یہ تعامل رہا ہے کہ اس ماہ کو عبادت اور اعتکاف کے لئے فارغ کر لیتے تھے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ پورے ماہ کا یا اخیر عشرہ کا اعتکاف کرے۔

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپ رمضان میں ہر قسم کی عبادتوں میں زیادتی فرما دیتے۔ خوب کثرت سے تلاوت قرآن، نماز، ذکر، صدقہ خیرات احسان اور اعتکاف فرماتے۔ (زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۳۲۱)

آخیر عشرہ میں آپ کا بستر اٹھ جاتا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب رمضان کا آخر عشرہ آتا تو آپ کا بستر اٹھ جاتا۔ عورتوں سے الگ ہو جاتے۔ اور رات کا کھانا سحر کے وقت ہی میں کھاتے۔ (مجمع صفحہ، سبل الہدی جلد ۸ صفحہ ۴۳۹)

فائدہ: بستر اٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ سونے کا حساب ختم ہو جاتا کثرت عبادت کی وجہ سے سونے کا موقعہ نہ ملتا۔ مغرب وعشاء کے درمیان سوتے نہیں۔ تراویح کے بعد تہجد شروع فرما دیتے۔ پھر سحری کا وقت آجاتا۔ سونے کا وقت آپ کو ملتا کہاں۔

رمضان المبارک میں آپ رات کا کھانا نہ کھاتے صرف سحری کھاتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب رمضان آتا تو آپ (شروع رمضان میں کچھ سوتے) اور جب آخری عشرہ آجاتا تو ازار بند مضبوط باندھ لیتے اہل خانہ سے علیحدہ ہو جاتے مغرب وعشاء کے درمیان غسل فرماتے۔ رات کو نہ کھا کر سحری کھاتے۔ (سبل الہدی جلد ۸ صفحہ ۴۴۱)

عبادت کی مشغولیت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کا موقع نہیں ملتا۔ یا اس وجہ سے کہ دن بھر بھوکے رہنے کی وجہ سے رات میں جب کھایا جاتا ہے تو سستی ہوتی ہے۔ کسل وسستی کے احتمال سے آپ نہ کھاتے ہلکے پیٹ میں عبادت کے اندر آسانی ہوتی ہے۔ اسی عبادت کے شغف اور اہتمام کی وجہ سے آپ رات کا کھانا نہ کھاتے اللہ کے برگزیدہ بندے ماہ مبارک میں کم کھاتے ہیں اور عوام کا کھانا رمضان میں عام دنوں کی نسبت بڑھ جاتا ہے۔ ذکر وتلاوت وعبادت تو نہیں بڑھتی مگر کھانا اور اس کے انواع واقسام بڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ

افطاری وسحری میں کھانے کی قسموں اور عمدہ سے عمدہ انواع کو دیکھئے۔

رمضان کے اخیر عشرہ میں آپ ہمہ تن عبادت میں مشغول ہوجاتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ رمضان المبارک کے دو عشرے بیس دنوں میں تو عبادت بھی کرتے اور سوتے بھی۔ اور جب آخری عشرہ ہوتا تو خوب عبادت کرتے اہل خانہ سے علیحدہ ہوجاتے اور ہمہ تن متوجہ ہوجاتے۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۱۴۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب عشرہ اخیرہ داخل ہوتا تو ساری رات عبادتوں میں لگ جاتے۔ اہل خانہ کو بھی جگاتے اور اہل خانہ سے الگ ہوجاتے۔ (مسلم صفحہ ۳۷۲، ابوداؤد صفحہ ۳۳۴، نسائی، ترمذی صفحہ ۱۶۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب رمضان (اخیر عشرہ آتا) تو عورتوں سے علیحدہ ہوجاتے۔ بستر پر (سونے کے لئے) آتے ہی نہیں یہاں تک کہ رمضان ختم ہوجاتا۔

(کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۶۳۲)

آپ ﷺ رمضان المبارک کی ۲۱ ر تاریخ سے عبادت میں ہمہ تن متوجہ ہوجاتے۔ (کشف الغمہ صفحہ ۲۱۳)

فَائِدَۃ: آپ ﷺ تو عبادت الٰہی میں ممتاز تھے۔ ہمہ وقت عبادت ذکر الٰہی میں وقت گزرتا تھا۔ آپ راس العباد تھے ہمیشہ طویل طویل نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ عام دنوں کی بات تھی چنانچہ آپ عام دنوں میں جتنی عبادت کیا کرتے تھے اس سے زائد رمضان المبارک میں کیا کرتے تھے اور جتنی رمضان المبارک کے دو عشرے میں کیا کرتے تھے اس سے زائد اور اہتمام و مبالغہ کے ساتھ اخیر عشرہ میں کیا کرتے تھے۔ اخیر عشرہ میں انہماک عبادت اور شدت عبادت کی وجہ سے بستر پر آرام نہیں فرماتے تھے۔ آرام و نیند چھوڑ دیتے تھے۔ اہل خانہ بیویوں سے تعلق ربط و ضبط ان سے ملنا اور بستر پر جانا چھوڑ دیتے تھے۔ حتیٰ کہ گھر جانا بند کردیتے مسجد میں معتکف ہو جاتے تھے۔

روایت میں آخیر عشرہ کے بارے میں لکھا ہے۔ شد المئزر جس کا ترجمہ ازار بند مضبوطی سے باندھ لینا ہے۔ اس کے مفہوم اور مرادی معنی متعدد بیان کئے گئے ہیں۔ ① ہمہ تن متوجہ ہونا۔ ② خوب کوشش اور جدوجہد کرنا۔ ③ عادت سے زائد عبادت میں کوشش کرنا۔ ④ پورے طور پر فارغ ہونا۔ ⑤ عورتوں کے تمام متعلقہ امور سے اجتناب اور علیحدگی اختیار کرنا۔ (مرقاۃ جلد ۴ صفحہ ۳۲۰)

حاصل کلام یہ کہ آپ ﷺ عام دنوں کے مقابلہ میں رمضان المبارک میں زیادہ خصوصاً اخیر عشرہ میں زیادہ شدت اور مبالغہ اختیار کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رمضان اور اخیر عشرہ میں زیادہ عبادت کرنا سنت ہے۔ علامہ نووی نے رمضان کے عشرہ اخیرہ میں عبادت کی زیادتی کو مستحب قرار دیا ہے۔ اور راتوں کو عبادت سے آباد

رکھنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ (شرح مسلم صفحہ ۳۷۲)

اور آپ سے ثابت ہے۔ بس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رمضان اور غیر رمضان میں ہمارے معمولات یکساں رہتے ہیں۔ یہ غلط اور سنت (گو ضروری نہیں) کے خلاف ہے۔ اسے فخریہ بیان کرنا نادانی اور جہالت کی بات ہے۔

رمضان کے اخیر عشرہ میں اہل خانہ کو عبادت کی انتہائی تاکید فرماتے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ آخری عشرہ میں گھر والوں کو جگاتے ہر چھوٹے بڑے کو جو نماز (عبادت) کے لائق ہوتا۔ (طبرانی، کنز العمال جلد ۹ صفحہ ۶۲۱، مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۳۲)

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان میں عام دنوں کی طرح عبادت فرماتے اور جب اخیر عشرہ ہوتا تو خوب عبادت فرماتے۔ (ترمذی صفحہ ۱۶۴)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اور آپ کے جانثار صحابہ آپ کی اتباع میں اور دنوں سے زائد رمضان اور اخیر عشرہ میں زیادہ اہتمام اور کثرت سے عبادت تلاوت فرماتے۔ اس سے ان لوگوں کے قول اور عمل کی صراحۃً تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں ہم لوگ رمضان اور غیر رمضان میں برابر عبادت کرتے ہیں۔ حیرت ہے خود بھی اہتمام نہیں کرتے اور جو لوگ عبادت و تلاوت کا اہتمام اعتکاف کا التزام کرتے ہیں ان کو کہتے ہیں بس رمضان میں اس کے بعد یہ سب ختم۔ یہ جہالت اور ان جیسی احادیث سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہے۔ جب آپ ﷺ نے اور آپ کے اصحاب نے ماہ مبارک اور اخیر عشرہ میں زائد اور مبالغہ سے عبادت کی ہے تو اس طریق مسنون پر رد کیسا۔ طریق مسنون پر فقرہ کسنا اور رد کرنا کفر ہے۔ اللہ کی پناہ۔

آخیر عشرہ میں عورتوں سے علیحدگی اختیار فرمالیتے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب رمضان کا آخیر عشرہ ہوتا تو کمر کس لیتے عورتوں سے علیحدہ ہو جاتے۔ (بیہقی، کنز العمال جلد ۹ صفحہ ۶۳۱، ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۷۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ جب رمضان المبارک کا عشرہ اخیرہ داخل ہوتا تو رات بھر عبادت کرتے اور اپنے اہل کو بھی بیدار فرماتے اور ازار مضبوط باندھ لیتے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد صفحہ)

فائدہ: رمضان المبارک میں عبادت کے اہتمام کی وجہ سے ایسا کرتے باوجودیکہ یہ مشاغل آپ کے لئے عبادت میں حرج پیدا نہیں کرتے تھے۔ مگر پھر بھی آپ مبالغہ اور اہتمام اور بالکل فارغ البالی کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ جس میں امت کو بھی اس بات کی تاکید ہے کہ وہ اور دنوں کی بہ نسبت رمضان میں عبادت و تلاوت کا زیادہ اہتمام کریں اور اپنے احباب اور متعلقین کو اس کی ترغیب دیں۔ علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں

کہ حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ عشرہ اخیرہ میں حرص یعنی مبالغہ اور اہتمام کے ساتھ راتوں کو عبادت سے معمور رکھے اہل خانہ اور اس کے متعلقات سے علیحدہ رہے۔ خود بھی عبادت کرے اور اہل خانہ سے بھی کرائے۔

(نیل الاوطار جلد۴ صفحہ ۲۷)

رمضان المبارک میں قرآن پاک کا شغف زیادہ ہو جاتا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر سال حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ قرآن پاک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش فرماتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی۔ اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو مرتبہ پیش کیا ہے۔

(بخاری صفحہ، مشکوۃ صفحہ، فتح الربانی جلد ا صفحہ ۲۲۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رمضان کی ہر شب میں آپ کے ساتھ قرآن پاک کا دور فرماتے۔

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سال میں جس قدر قرآن پاک کا نزول ہوتا۔ رمضان پاک میں پورا نازل شدہ قرآن پاک حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو سناتے۔ پھر آپ سن کر حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سناتے۔ بخاری کی روایت میں ہے فید ارسہ القرآن جس کا مطلب سننا اور سنانا ہے۔ جسے ہماری زبان میں دور کہا جاتا ہے۔ ہر سال تو ایک مرتبہ دور فرماتے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال دو مرتبہ دور فرمایا اور اس وجہ سے فرمایا تا کہ قرآن پاک پختہ ہو جائے اور رمضان المبارک میں قرآن پاک کا شغف زیادہ رہے اور بھی اس کے علاوہ دوسرے علمی مصالح تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حفاظ کرام جو مل کر دور کرتے ہیں سنت ہے اور یہ کہ رمضان المبارک میں چونکہ قرآن پاک نازل ہوا ہے رمضان کو قرآن سے قرآن کو رمضان سے بہت مناسبت ہے اس لئے رمضان میں تلاوت کا اہتمام زیادہ سے زیادہ ہو۔ دیگر اذکار وظائف کے مقابلہ میں تلاوت قرآن پاک کو افضلیت حاصل ہے۔ رمضان میں اس کا نور اور اس کی حلاوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ دیگر زمانے کے اعتبار سے دل اور زبان اسے زیادہ قبول کرتی ہے۔ اس لئے تراویح کو ماہ رمضان کی راتوں میں مشروع کیا گیا۔

لہٰذا رمضان المبارک میں سب سے زیادہ اور کثرت سے تلاوت کا اہتمام رہنا چاہئے گھر میں عورتوں اور بچوں کو اس کی تاکید کرنی چاہئے کہ التزام کے ساتھ روزانہ اور رمضان میں تلاوت کا زائد اہتمام کیا کریں۔

افسوس کہ آج روزانہ تو دور کی بات رمضان المبارک کے مہینہ میں بھی اس کا اہتمام نہیں ہوتا بسا اوقات شروع رمضان میں کچھ جوش کی وجہ سے قرآن پڑھ لیا جاتا ہے پھر چند دن کے بعد معاملہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے گویا اس کی اہمیت اور ضرورت ہی نہیں۔

روزہ کی نیت فجر سے قبل کرنا

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے جس نے فجر سے پہلے نیت نہیں کی (فرض روزہ کی) اس کا روزہ نہیں۔ (نسائی صفحہ ۳۲۰، سنن کبریٰ صفحہ ۲۰۳، ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۳، دار قطنی صفحہ ۱۴۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے فجر سے قبل روزہ کی نیت نہیں کی اس کا روزہ نہ ہوگا۔ (دار قطنی صفحہ ۱۷۳، سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۰۳)

خیال رہے کہ جو روزے متعین نہیں ہیں اس میں بندے کو اختیار ہے خواہ اس دن رکھے یا نہ رکھے ایسے روزوں کے متعلق یہ حکم ہے کہ اس کی نیت فجر سے قبل کی جائے جیسے رمضان کے قضاء روزے، نذر مطلق کے روزے اور کفارہ قسم وغیرہ کے روزے۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۱۱)

نفل روزے کا ارادہ نصف النہار سے قبل نہ کھانے کی صورت میں درست ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور فرماتے کیا تمہارے پاس کچھ کھانا ہے؟ جب میں کہتی نہیں تو آپ فرماتے میرا روزہ۔ (روزہ کا ارادہ کرلیا)۔
(مسلم صفحہ ۳۶۴، ابوداؤد صفحہ طحاوی جلد ۱ صفحہ ۳۲۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کرتے ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اہل خانہ کے پاس چاشت کے وقت آتے اور پوچھتے کچھ کھانا ہے۔ پس اہل خانہ کہہ دیتے کہ نہیں ہے تو فرماتے میرا روزہ ہے (میں نے روزہ رکھ لیا)۔ (طحاوی صفحہ ۳۲۶)

ام درداء کہتی ہیں کہ حضرت ابودرداء تشریف لاتے اور پوچھتے تمہارے پاس کھانا ہے پس اگر کہہ دیا جاتا نہیں تو فرماتے میرا روزہ ہے۔ (طحاوی صفحہ ۳۲۶)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ نفل روزے میں اگر رات یا صبح صادق سے قبل نیت نہیں کی تھی اور نصف نہار شرعی (مثلاً چاشت کے وقت تک) کچھ نہیں کھایا اور روزے کا ارادہ کرلیا تو شرعاً جائز ہے۔
(اعلاء السنن جلد ۹ صفحہ ۱۱۱)

امام طحاوی نے روایت مذکورہ سے اور وہ جو آپ نے عاشورہ کے دن اعلان کروایا تھا کہ جس نے نہیں کھایا ہے وہ روزہ رکھ لے اور نہ کھائے اس سے ثابت کیا ہے کہ نفل روزہ نصف نہار شرعی سے قبل ارادہ کرکے رکھا جا سکتا ہے۔ (طحاوی جلد ۱ صفحہ ۳۲۶)

علامہ نووی نے حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شرح میں لکھا ہے کہ جمہور کا مسلک ہے کہ نفل روزہ نصف نہار سے قبل درست ہے۔ (شرح مسلم صفحہ ۳۶۴)

روزہ کی حالت میں کوئی کھانا یا پینے کی چیز پیش کرتا تو آپ کیا کرتے

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے انہوں نے کھجور اور گھی پیش کیا۔ تو آپ نے فرمایا گھی کو اپنے مشکیزہ میں لے جا کر رکھو اور کھجور اس کے برتن میں لے جا کر رکھو میں روزے سے ہوں۔ (بخاری صفحہ ۲۶۶، مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۱)

پس گھر کے ایک کنارے میں نفل نماز پڑھ دی ام سلیم اور گھر والوں کے لئے دعا فرمادی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کو کھانے کے لئے بلایا جائے تو اگر وہ روزے سے ہو تو کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں۔ (مسلم صفحہ، مشکوٰۃ صفحہ)

حضرت عبداللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کو کھانا یا پینا پیش کیا جائے اور تم روزے سے ہو تو کہہ دو میں روزے سے ہوں۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۶۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ روزہ دار کو جب کوئی کھانے کے لئے بلائے تو اس کے لئے برکت کی دعا کردے۔ (اور کھا کر روزہ نہ توڑے)۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۰)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی نے کھانا بنایا آپ کی اور آپ کے اصحاب کی دعوت کی۔ کھانے کے موقع پر ایک صاحب الگ ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیوں؟ کہا میں روزے سے ہوں۔ آپ نے فرمایا تمہارے بھائی نے اہتمام کیا کھانا بنایا پھر تم کہتے ہو میں روزہ دار ہوں کھاؤ اس کے بدلہ دوسرے دن روزہ رکھ لینا۔ (مرقات جلد ۴ صفحہ ۳۱۰، دار قطنی صفحہ)

فائدہ: روزہ دار کو کوئی صاحب کھانے کے لئے بلائے تو ان سے عذر کردے کہ میرا روزہ ہے۔ روزہ نہ توڑے۔ اس کے حق میں دعا کردے، بیان کرنے میں شرمائے اور لحاظ نہ کرے کہ میں روزہ سے ہوں۔

اگر روزہ فرض ہے تب تو معذرت کردے اور دعا کردے۔ اور اگر نفل ہے تب بھی معذرت کردینا بہتر ہے، اور اس کے حق میں برکت کی دعا کردے۔ اور دعا کا سنت طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کے گھر میں نفل نماز پڑھ دے کہ نماز مستقل باعث برکت ہے۔

اگر کسی کا مہمان روزہ کی حالت میں ہوگیا اور میزبان کھانے پر اصرار کر رہا ہے۔ اور روزہ نفلی ہے تو ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ وہ میزبان کے کہنے پر کھا سکتا ہے۔ (مرقات جلد ۴ صفحہ ۳۰۹)

اور اگر روزہ فرض یا واجب ہے تو توڑنا ناجائز ہے۔ (شرح مسلم صفحہ ۳۶۴)

خیال رہے کہ بعض روایتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنا روزہ بیان کر کے معذرت کردے اور دعا دے۔ اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کھانے پر اور بلانے پر لبیک کہے۔ لہٰذا دونوں حدیث پاک کی

رعایت کرتے ہوئے یہ بات واضح ہوتی ہے اگر نہ کھانے پر مہمان کو تکلیف ہوتی ہو اور اس کا اصرار ہو اس نے کھانے کا اہتمام کیا ہو تو اس کی رعایت اور اکرام میں روزہ توڑ کر شریک ہو جائے اور بعد میں اس کی قضا کرے۔ مرقاۃ المفاتیح میں ہے کہ مہمان کو تکلیف ہو تو روزہ توڑ دینا مستحب ہے۔ (جلد ۷ صفحہ ۱۰۹، شرح مسلم صفحہ ۳۶۳)

مزید اس میں ہے کہ روزہ کا چھپانا افضل ہے مگر کھانے کے لئے بلانے پر اظہار کر دینا بہتر ہے کہ میرا روزہ ہے۔ (جلد ۷ صفحہ ۱۰۹)

روزہ دار کے سامنے کھایا تو روزہ دار کو ثواب

حضرت ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ کچھ لوگ اس وقت روزے سے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ دار کے سامنے کھایا جائے۔ تو اس پر ملائکہ رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ (ابن عبدالرزاق جلد ۴ صفحہ ۳۱۳)

عبیداللہ بن عمر کی روایت میں ہے کہ روزہ دار کے سامنے جب کھایا جائے تو فرشتے اس پر رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ (مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ ۳۱۲، ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۸۶)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور آپ کھانا کھا رہے تھے آپ نے فرمایا کھانا ہے اے بلال۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں روزے سے ہوں اے اللہ کے رسول۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم لوگ اپنا رزق یہاں (دنیا میں) کھا رہے ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باقی رزق جنت میں ہے، سمجھا اے بلال، روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح کرتی ہیں جب تک ان کے سامنے کھایا جاتا ہے۔ فرشتے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں۔ (بیہقی فی الشعب، مشکوٰۃ صفحہ)

فائدہ: روزہ دار کے سامنے کوئی شخص کھانا کھائے گا تو طبیعت انسانی کے اعتبار سے یہ بھوکا ہے۔ اسے کھانے کی ضرورت ہے اہ اکا نفس اس کھانے کی جانب مائل ہوگا۔ کھانے کے مزے اور لذت اور حظ سے اس کا دل متاثر ہوگا۔ مگر پھر بھی روزہ کی وجہ سے وہ صبر کر رہا ہے اور اللہ پاک کے حکم کے امتثال میں وہ رکا ہوا ہے۔ اس صبر کے بدلے اسے یہ مقام ملا کہ اس کی ہڈیاں تسبیح ادا کرتی ہیں اور فرشتے اس کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔

ملا علی قاری نے مرقات میں لکھا ہے کہ صبر عن الطعام کی وجہ سے یہ فضیلت حاصل ہوئی۔

بھول سے کھا پی لینے پر قضا کا حکم نہ فرماتے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا

اے اللہ کے رسول میں نے بھولے سے کھا پی لیا اور میرا روزہ تھا۔ آپ نے فرمایا اللہ نے تم کو کھلایا پلایا۔

(نسائی، دار قطنی، حاکم، سنن کبریٰ صفحہ)

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جس نے بھولے سے کھا پی لیا اور روزے سے ہو تو وہ اپنا روزہ پورا کرے اللہ پاک نے اسے کھلایا پلایا۔ (یعنی نہ توڑے اور نہ قضا کرے)۔

(ترمذی صفحہ، ابن ماجہ صفحہ، سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۲۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا بھولے سے جس کا روزہ رمضان میں ٹوٹ جائے تو اس پر نہ قضا ہے اور نہ کفارہ۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۲۲۶)

فَائِدَہ: خیال رہے کہ بسا اوقات روزے میں بالکل خیال نہیں ہوتا غفلت اور بھوک سے کچھ کھا پی لیتا ہے۔ یا کچھ منہ میں ڈال لیتا ہے سوحتیٰ کہ اگر پورا کھانا بھی کھا لیا اور بالکل خیال نہ آیا اور جب کھا لیا تب خیال آیا۔ ان تمام صورتوں میں اس کا روزہ نہ ٹوٹا اور نہ اس پر قضا واجب ہے۔

ایسی صورت میں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ لاؤ روزہ تو ٹوٹ ہی گیا کھا لیں سو یہ درست نہیں اس کا روزہ نہیں ٹوٹا اللہ پاک نے بھول اور نسیان سے ہونے والی باتوں کو معاف فرما دیا ہے۔ ہاں! اگر دوبارہ کھا لے گا تو گناہ ہوگا قضا کرنی پڑے گی۔

نفل روزہ توڑنے پر قضا کا حکم فرماتے

حضرت ابو سعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کھانا بنایا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی دعوت کی تو ایک آدمی نے کہا میں تو روزے سے ہوں تو آپ نے فرمایا تمہارے بھائی نے کھانا بنایا تمہاری دعوت کی روزہ توڑ دو۔ اس کی جگہ قضا رکھ لو۔ (مسند طیالسی مرتب جلد۱ صفحہ۱۹۱)

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ میں اور حضرت حفصہ دونوں نفلی روزے سے تھیں ہمارے پاس ہدیۃً کھانا آیا تو ہم نے روزہ توڑ دیا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تشریف لائے تو ہم نے آپ سے (واقعہ بیان کیا) اور پوچھا تو آپ نے فرمایا تم دونوں روزے کی قضا کرو۔

(ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۲۹، طحاوی جلد۱ صفحہ۳۵۴، بزار صفحہ۴۹۶، سنن کبریٰ صفحہ۲۸۰)

عروہ نے حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت کی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جو نفل روزہ رکھ کر توڑ دے اس کی قضا کرے۔ (طحاوی صفحہ۳۵۴)

آپ نفل روزہ توڑتے تو قضا فرماتے

حضرت ثوبان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ذکر کرتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے رمضان کے علاوہ میں روزہ رکھا میرا خیال

ہے کہ قے کی وضو کیا اور روزہ توڑ دیا۔ تو میں نے آپ کو یاد دلایا کہ آپ روزے سے نہیں تھے کیا۔ فرمایا ہاں مگر قے کی اور روزہ ٹوٹ گیا پھر میں نے دوسرے دن سنا، آپ فرمارہے تھے (روزہ رکھنے کی وجہ بتاتے ہوئے) کل ٹوٹے روزہ کی قضا ہے۔ (بزار، کشف الاستار جلد۱ صفحہ ۴۹۷)

انس بن سیرین سے منقول ہے کہ انہوں نے عرفہ کے دن روزہ رکھا، سخت پیاس لگی تو روزہ توڑ دیا۔ تو متعدد صحابہ کرام سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے حکم دیا کہ قضا کرو۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے کہ وہ روزے کی قضا کا حکم دیتے تھے۔

(سنن کبریٰ صفحہ ۲۸۱)

حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ جب آدمی سحری کھالے تو اس پر روزہ واجب ہے اگر توڑ دے تو اس پر قضا لازم ہے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۰)

فائدہ: خیال رہے کہ اگر نفل روزہ کسی وجہ سے خواہ بلا عذر ہی نیت کر کے رکھنے کے بعد توڑ دیا تو اس کی قضاء احناف کے نزدیک لازم ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے کہ نفل روزہ رکھ کر توڑ دے تو اس کی قضا رکھے۔

(فتح القدیر جلد۲ صفحہ ۳۶۱)

اگر کسی کا فرض یا واجب روزہ رہ جائے اور انتقال کر جائے تو

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کوئی انتقال کر جائے اور اس کے ذمہ رمضان کے مہینہ کا روزہ باقی رہ جائے تو آپ نے فرمایا ہر مسکین کو اس کے بدلے کھانا کھلائے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اس شخص کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مر جائے اور اس پر رمضان کا روزہ رہ جائے اور وہ اس کی قضا نہ کر سکا۔ تو اس کی جانب سے ہر دن کے بدلے نصف صاع گیہوں کسی کو دے۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۲۵۴)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے اور اس پر رمضان کی قضاء ہو تو اس کی جانب سے نصف صاع گیہوں (ہر روزہ کے بدلہ مسکین وفقیر کو) دیا جائے۔

(ابن عبدالرزاق جلد۲ صفحہ ۲۳۹)

فائدہ: خیال رہے کہ ایسا شخص جو مرض یا انتہائی بڑھاپے کے ضعف ونقاہت کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکا تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ وصیت کر جائے کہ اس کی جانب سے ہر روزہ کا فدیہ نصف صاع گیہوں یا ایک مسکین کو دونوں وقت کھانا کھلا دیا جائے۔ (ہدایہ فتح القدیر جلد۲ صفحہ ۳۵۷)

احناف کے نزدیک اس کے بدلہ روزہ رکھنا درست نہیں بلکہ فدیہ ادا کرنا ہوگا۔ اگر میت نے وصیت نہیں کی

ہے تو ایسی صورت میں ان کے وارثین کو فدیہ ادا کرنا لازم نہیں اگر وہ ادا کر دیں تو وارثین کا تبرع اور احسان ہے۔ نیز یہ کہ وصیت کر گیا ہے تو مال وراثت کی ایک تہائی میں سے یہ فدیہ ادا ہوگا۔ چونکہ تہائی سے زائد پر وارثوں کا حق وابستہ ہوگیا۔

روزہ اور نماز میں نیابت نہیں

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی کسی کی جانب سے روزہ رکھ سکتا ہے یا کسی کی جانب سے نماز پڑھ سکتا ہے تو انہوں نے جواب دیا نہ کسی کی جانب سے کوئی روزہ رکھ سکتا ہے اور کوئی کسی کی جانب سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ (موطا امام مالک صفحہ، مشکوٰۃ صفحہ ۱۷۸)

رمضان المبارک کے چھوٹے ہوئے روزہ کی نیت قضا کب بہتر ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے رمضان کا روزہ چھوٹ جاتا (سفر جہاد کی وجہ سے) تو آپ اس کی قضاء عشرہ ذی الحجہ میں ادا کرتے۔ (کنز العمال صفحہ ۵۹۶)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ رمضان کے چھوٹے ہوئے روزہ کی قضاء عشرہ ذی الحجہ میں ادا کرنے میں کوئی حرج محسوس نہ فرماتے۔ (سنن کبریٰ، کنز العمال صفحہ ۵۹۶، ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۷۴)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں رمضان المبارک کی قضا کے لئے عشرہ ذی الحجہ سے کوئی دن مجھے زیادہ پسند نہیں۔ (بیہقی، کنز العمال صفحہ ۵۹۷)

فائدہ: عشرہ ذی الحجہ کی بڑی فضیلت ہے۔ اس میں ایک دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر اور ایک رات کی عبادت شب قدر میں عبادت کرنے کی طرح ہے اس لئے رمضان کے روزوں کی ثواب کے اعتبار سے کچھ تلافی ہو جاتی ہے۔

خیال رہے کہ سفر جہاد میں چونکہ روزہ رکھنا بہتر نہیں ہے سفر جہاد کے موقعہ پر آپ ﷺ کا روزہ چھوٹ جاتا تو آپ اسی عشرہ میں رکھنا پسند فرماتے تھے۔ اس عشرہ کی فضیلت کی وجہ سے ویسے بہتر تو یہ ہے کہ اگر رمضان کا روزہ کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے چھوٹ جائے تو عید کے بعد فوراً ادا کر دے۔ موقعہ، فرصت، مرض اور موت کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ کسی کے ذمہ رمضان کی قضا رہ جائے تو وہ عید کے دوسرے دن سے رکھنا شروع کرے جس نے عید کے دوسرے دن سے روزہ رکھا اس نے گویا رمضان میں روزہ رکھا۔ (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۵۹۷)

اس میں دراصل عورتوں کو تاکید ہے کہ حیض وغیرہ کی وجہ سے ان کے روزے رہ جائیں تو عید کے بعد سے ان کی قضا شروع کر دے کہ رمضان کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ بھی گویا مثل رمضان کے ہے۔ تاخیر نہ کرے

بسا اوقات تاخیر کی وجہ سے ٹلتا رہتا ہے اور کسل وغفلت کی وجہ سے تاخیر ہوتی جاتی ہے بسا اوقات دوسرا رمضان آجاتا ہے اور ادا کی نوبت نہیں آتی اس لئے قضاء میں جلدی بہتر ہے۔

رمضان المبارک میں اور روزہ کی حالت میں زبان کی حفاظت کی تاکید فرماتے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جب تم میں سے کوئی روزہ سے ہوتو زبان سے خواہشات نفس اور جہالت کی باتیں نہ کرے۔ اور اگر کوئی کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں۔

(ابن ابی شیبہ صفحہ ۴، ابن خزیمہ صفحہ ۲۴۰)

فائدہ: شرح مسند میں ہے کہ فرض روزہ ہوتو زبان سے کہہ دے اور نفل روزہ ہوتو دل میں کہہ کر الگ ہو جائے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے لوگوں کے گوشت کو کھایا۔ غیبت کی اس نے روزہ ہی نہیں رکھا۔ یعنی روزہ کا ثواب ہی نہیں پایا۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۴)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے روزہ صرف کھانے پینے سے بچنے کا نام نہیں ہے بلکہ جھوٹ بیکار اور لغو باتوں سے بچنے کا نام ہے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ کھانے پینے سے بچنے کا نام نہیں روزہ لغو اور واہیات امور سے بچنے کا نام ہے۔ (ابن خزیمہ، ابن حبان، ترغیب صفحہ ۱۴۸)

خدائے پاک کو ایسے روزے کی ضرورت نہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جھوٹ نہ چھوڑے اور جھوٹے اعمال سے نہ بچے تو اللہ کو ایسوں کی کوئی پرواہ نہیں گو وہ روزہ رکھیں۔

(ترمذی صفحہ ۱۵۰، بخاری صفحہ ۲۵۵، ابوداؤد صفحہ ۳۳۲، نسائی، ابن خزیمہ جلد ۴ صفحہ ۲۴۱)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ روزے کو نامناسب امور سے بچائے تاکہ روزے کا مقصد حاصل ہو تقویٰ اور انابت کے ساتھ یہ فریضہ ادا ہو۔

بہت سے روزہ داروں کو سوائے بھوک کے اور کچھ حاصل نہیں

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ ان کو روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہے۔ اس طرح رات کو جاگنے والے بہت سے ایسے ہیں کہ ان کو بیداری کے علاوہ کچھ حاصل نہیں (ترغیب جلد ۲، صفحہ ۱۴۸، دارمی، مشکوٰۃ صفحہ ۱۷۷، ابن خزیمہ صفحہ ۲۴۲)

مطلب یہ ہے کہ روزہ رکھے تو گناہوں اور نامناسب امور سے اور ان امور سے بچنے کا اہتمام کرے جو

روزے کے مقصد کے خلاف اور گناہ کا باعث ہیں۔ زبان، آنکھ، ہاتھ، پیر ان سے روزہ کا ثواب متاثر نہ ہو۔ یہ تو ایسا ہی ہوا ایک جانب محنت و مشقت سے مال حاصل کیا اور دوسری جانب اسے ضائع و برباد بھی کر دیا۔ ایک جانب مقوی اور عمدہ غذائیں کھائیں اور دوسری جانب کاشتک پی لیا۔ تو جتنا فائدہ اور نفع اس غذا سے حاصل نہ ہوا ہوگا اس سے زائد نقصان ضعف و نقاہت کا حاصل ہوگیا۔ اسی طرح عبادت کے ساتھ گناہ کے تلوث سے کہ عبادت کے ثواب سے زائد گناہ کا اثر ہوگیا۔ عموماً لوگ اس امر کو سمجھتے نہیں کچھ عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ اس سے زائد کہیں گناہ۔ دیکھیے کچھ لوگ مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں اور شور و شغب دنیاوی باتیں کرتے ہیں ثواب سے زائد گناہ کما کر جاتے ہیں۔

روزہ اس وقت تک ڈھال ہے جب تک اسے پھاڑے نہ

حضرت ابوعبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا روزہ اس وقت تک ڈھال ہے جب تک کہ اسے پھاڑ نہ دے۔

ایک روایت میں ہے کہ پوچھا گیا وہ کس سے پھٹ جاتا ہے فرمایا جھوٹ اور غیبت سے۔

فَائِدَۃ: مطلب یہ ہے کہ جس طرح پھٹنے سے چیز برباد اور فاسد ہو جاتی ہے اس کا فائدہ اور نفع جاتا رہتا ہے۔ اسی طرح سے روزہ میں جھوٹ اور غیبت اسی طرح اور دوسرے گناہوں سے نہ بچنے کی وجہ سے اس کا ثواب اور نفع برباد ہو جاتا ہے کہ روزہ کا مقصد ہی تقویٰ اور گناہوں سے بچنا ہے اور جب یہ مقصد ہی حاصل نہ ہوا تو روزہ بے فائدہ لاحاصل رہا۔

روزے کا مقصد گناہوں سے بچنا ہے

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کھانے پینے سے بچنے کا نام روزہ نہیں ہے بلکہ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ (مسند طیالسی مرتب صفحہ ۱۸۸، الفت صفحہ ۷۸)

فَائِدَۃ: روزہ کا مقصد ہی تقویٰ اور انابت الی اللہ حاصل کرنا ہے۔ اگر مقصد حاصل نہیں تو روزہ کا کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں۔ قرآن پاک نے بھی اس کا مقصد تقویٰ حاصل ہونا ذکر ہے۔

گرمی کی وجہ سے منہ خشک ہونے پر کلی کرنے کی اجازت

معمر نے بیان کیا کہ حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی منہ میں پانی لیتے تھے اور پھر کلی کر کے پھینک دیتے تھے۔

(ابن عبدالرزاق صفحہ ۲۰۶)

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ روزہ دار منہ میں پانی لے پھر اسے پھینک دے (یعنی منہ تر ہونے کے بعد اسے پھینک دے) فرمایا کوئی حرج نہیں۔ (ابن عبدالرزاق صفحہ ۱۱)

فَائِدَة: امام بخاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے صحیح بخاری میں حضرت حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ روزہ دار کو ٹھنڈک کے لئے کلی کرنا درست ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر منہ خشک ہو جائے اور گرمی کی وجہ سے منہ چپکنے لگے تو منہ میں پانی بھرنا اور کلی کرنا اور پھینک دینا درست اور اس کی اجازت ہے، ابراہیم نخعی اور عکرمہ نے کہا ماں کوئی چیز چبا کر بچے کے منہ میں دے تو یہ درست ہے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۴۹)

اسی طرح علامہ عینی نے بیان کیا چھوٹے بچوں کو کوئی چیز چبا کر دے اسی طرح کوئی چیز زبان پر رکھ کر چکھے اس کا اثر حلق تک نہ جائے اور چکھنے کی ضرورت ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ شوہر والد وغیرہ نمک کی کمی بیشی پر بگڑیں تو صرف ذرا سا چکھ کر نمک معلوم کر لینا عورتوں کے لئے درست ہے بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے، علامہ عینی نے محیط کے حوالے سے لکھا ہے کہ روزہ دار کو چکھنا کسی شئے کا مکروہ ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۲)

روزہ کی حالت میں منہ اور ناک میں پانی ڈالنے میں احتیاط کرے

لقیط بن صبرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرو ہاں مگر روزے سے ہو۔ (تو مبالغہ نہ کرو)۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۶۱)

بسا اوقات کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنے سے حلق کے نیچے اور ناک کے اوپر پانی آجاتا ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس لئے روزہ کی حالت میں احتیاطاً منع کیا گیا ہے، ہاں اگر روزہ نہ ہو تو پھر مبالغہ کرنا بہتر ہے۔

روزہ کی حالت میں آپ سرمہ لگا لیتے

حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ روزہ کی حالت میں سرمہ لگا لیتے۔

(ابن ماجہ صفحہ ۱۲۱)

حضرت ابو رافع سے بھی روایت ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ روزہ کی حالت میں سرمہ لگاتے۔ (مجمع صفحہ)

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا ذکر کرتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رمضان کے زمانہ میں اثمد سرمہ لگائے ہوئے حضرت حفصہ کے گھر سے نکلے۔ (مسند ابو یعلی، سبل الہدیٰ جلد ۸ صفحہ ۴۲۰)

فَائِدَة: رمضان یا غیر رمضان میں روزے کی حالت میں سرمہ لگانے میں شرعاً کوئی قباحت اور حرج نہیں اور نہ اس سے روزے میں کوئی کراہت آتی ہے اگر کراہت ہوتی تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کیسے لگاتے، کہ اللہ کے برگزیدہ بندے انبیاء مرسلین کا کوئی کام مکروہ نہیں ہوتا بلکہ مستحسن اور بہتر ہوا کرتا ہے۔

سخت گرمی کی وجہ سے سر پر ٹھنڈا پانی بہا لیتے تھے

مسند احمد و ابوداؤد میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ شدت گرمی کی وجہ سے سر پر پانی روزہ کی حالت میں بہا رہے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق مروی ہے کہ وہ روزے کی حالت میں (شدت گرمی سے) کپڑا بھگو کر اپنے اوپر ڈال لیتے۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۴۰، مشکوٰۃ صفحہ ۱۷۷، سبل الہدیٰ جلد ۸ صفحہ ۴۲۳، ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۴۱)

ابن سیرین کہا کرتے تھے کہ کوئی حرج نہیں کہ روزہ کی حالت میں کپڑے کو بھگو کر اپنے سر پر ڈال لے۔

(ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۴۰)

ابوبکر بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مقام عوج میں تھے اور روزہ کی حالت میں اپنے سر پر پانی ڈال رہے تھے۔ (ابن عبدالرزاق جلد ۴ صفحہ ۲۰۶، عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۱)

ابن سیرین نے ذکر کیا کہ کپڑا تر کر کے سر پر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، عثمان بن العاص اپنے سر پر پانی ڈالا کرتے تھے۔ ابو عثمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ کپڑے کو تر کر کے سر پر ڈال لیا کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری جلد ۱ صفحہ ۱۱)

رمضان اور روزہ میں آپ مسواک فرماتے

عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ آپ مسواک فرما رہے تھے۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۳۵)

ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بے شمار مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ میں مسواک کرتے دیکھا۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ بکثرت دیکھا اور ہر وقت صبح و شام و دوپہر دیکھا کہ آپ مسواک کرتے ہیں۔

(ترمذی صفحہ ۱۵۴)

روزہ دار کے لئے مسواک اچھی چیز

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ دار کے لئے مسواک ایک اچھی عادت ہے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ مسواک اچھی اور محمود شئی ہے اس کا کرنا روزہ کی حالت میں بہتر ہے منہ کی بدبو اور چپچپاہٹ دور ہوتی ہے منہ میں نظافت پیدا ہوتی ہے۔

روزہ کی حالت میں ہر وقت مسواک کی اجازت

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے عاصم ابن احول سے پوچھا، روزہ دار مسواک کر سکتا ہے انہوں نے کہا ہاں

پھر میں نے پوچھا تر شاخ سے یا خشک سے کہا ہر ایک سے، پھر پوچھا دن کے شروع میں یا اخیر میں کہا، دونوں وقت میں نے کہا آپ کس سے کہہ رہے ہیں، کہا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ (دارقطنی صفحہ ۲۰۲، تلخیص الجبیر صفحہ ۷۹)

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ دن کے شروع یا اخیر میں روزہ دار کو مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(ابن عبدالرزاق صفحہ ۲۰۳)

حسن بصری نے کہا آخری دن میں بھی مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں وہ تو نظافت ہے، شروع دن میں بھی کرو آخر دن میں بھی کرو حضرت ابن عمیر ظہر کی نماز کے لئے جاتے تو مسواک کرتے ہوئے جاتے۔

(ابن عبدالرزاق صفحہ ۲۰۲)

روزہ نہ رکھنے پر سخت وعید بیان فرماتے ساری زندگی روزہ رکھے تب بھی تلافی نہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بلا رخصت کسی عذر و مرض کے (سستی و تغافل) سے روزہ نہیں رکھا اگر وہ زندگی بھر بھی روزہ رکھے گا تو اس کی تلافی نہ ہوگی۔ (اس کا نقصان پورا نہ ہوگا)۔ (ابوداؤد صفحہ ۳۲۶، ترمذی صفحہ ۱۵۳، ابن ماجہ صفحہ ۱۲۰، بخاری صفحہ ۲۵۹)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ بلا کسی شرعی معقول عذر کے روزہ قضا کر دیا اور اگر بعد میں اسے ادا بھی کر دیا تب بھی رمضان کا ثواب نہیں پائے گا۔ حتیٰ کہ ساری زندگی بھی روزہ رکھتا رہے گا تب بھی ایک روزہ کے بھی تلافی نہ ہوگی کہ رمضان کی رحمتوں اور برکتوں کا خصوصی ثواب نہیں پائے گا۔

روزہ چھوڑنا کفر ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنیاد اور اساس ۳ امور ہیں۔ اسی پر اسلام کی بنیاد قائم ہے جو ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑ دے گا وہ کافر ہے اور حلال الدم ہے کلمہ توحید کی شہادت، فرض نماز، رمضان کا روزہ، ایک روایت میں ہے کہ جو ان میں سے کسی کو بھی چھوڑ دے گا کافر ہے اس کی کوئی عبادت مقبول نہیں۔ (ترغیب جلد ۲ صفحہ ۱۱۰)

فائدہ: اللہ اللہ کتنی سخت وعید ہے کتنے لوگ ایسے ہیں جو بہانہ بنا کر روزہ نہیں رکھتے ہیں وہ اسلام سے عاری ہیں گویا کافر ہیں اس کے چھوڑنے پر کتنی سخت سزا پائیں گے۔ دنیا میں خدا کی ناراضگی کا یہ حال ہے کہ اس کی عبادت مقبول نہیں۔

حد درجہ بوڑھے ضعیف و کمزوروں کو روزہ کے بجائے فدیہ کی گنجائش

حضرت مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وعلی الذین یطیقونہ کی تفسیر میں

فرماتے تھے کہ اس سے مراد وہ شیخ کبیر ہے جو روزے کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزے کے بدلے مسکین کو نصف صاع گیہوں دیدے۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۷۱، ابن عبدالرزاق صفحہ ۲۲۱)

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ انتہائی بوڑھوں کو اس کی اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر ایک دن روزے کے بدلے مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ اس صورت میں ان پر قضا نہیں۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۲۷۱)

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت میں ہے کہ جو بوڑھا ضعیف روزہ نہ رکھ سکے وہ ہر دن روزے کے بدلے نصف صاع گیہوں فقیر کو دے دیا کرے۔ (یا اس کی قیمت) (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۷۱)

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وفات سے پہلے روزہ رکھنے کے لائق نہیں تھے تو انہوں نے روزہ نہیں رکھا اور اس کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلایا۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۶۷)

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں انتہائی بوڑھا شخص اور بوڑھی عورت جو روزہ نہیں رکھ سکتے ہوں وہ ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ یہی حضرت علی، ابن عباس، ابن عمر وغیرہ دیگر صحابہ کرام کا قول ہے اور کسی سے بھی اس کی ممانعت منقول نہیں ہے لہٰذا یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۵۶)

فَائِدَہ: فدیہ کی گنجائش اور اجازت کمزور بوڑھوں کو ہے، اگر ایسا جوان یا ادھیڑ عمر کا ہے یا انتہائی بڑھاپا نہیں ہے مگر کسی مرض اور دوا کی ضروری ایسی ترتیب ہے کہ اس کے نہ کرنے اور کھانے سے ہلاکت کا خطرہ ہے تو وہ فدیہ نہیں دے گا۔ بلکہ صحت اور کچھ طاقت آنے کے بعد روزہ کی قضا کرے گا۔

خیال رہے کہ بوڑھے سے مراد ایسا بوڑھا ہے جو نہ اس وقت طاقت رکھتا ہو اور نہ آئندہ طاقت کی امید ہو اس کا ضعف اور اس کی کمزوری دن بدن بڑھتی جارہی ہو تب وہ فدیہ دے سکتا ہے۔ یا ایسا بوڑھا نہیں روزہ رکھ سکتا ہے یا اس وقت تو کمزور ہے مگر بعد میں طاقت آسکتی ہے۔ کسی مرض کی وجہ سے کمزوری آگئی تو وہ بعد میں قضا رکھے گا۔ (فتح القدیر صفحہ ۳۵۷)

اور اگر انتہائی کمزور بوڑھا ہے اب صحت و طاقت لوٹنے کی کوئی امید نہیں تو اسے فدیہ دینا درست ہے۔ اور اگر کوئی ایسا ضعیف کمزور ہے کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا ہے تو وہ فدیہ نہیں دے گا بلکہ وہ جاڑے میں قضا رکھے گا۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۵۷)

آپ نے خوف اور ضرر کی وجہ سے حاملہ اور مرضعہ کو نہ رکھنے کی اجازت دی ہے

حضرت انس بن مالک الکعبی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزہ اور نصف نماز اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں سے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے۔

(ترمذی صفحہ ۱۵۲، ابوداؤد صفحہ ۳۲۷)

فَائِدَہ: ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر میں ہے کہ اگر حاملہ عورت روزہ رکھنے میں (کمزوری کے ضرر سے) اپنے اوپر یا اپنے بچے پر خوف اور نقصان کا یقین ہو تو ایسی صورت میں اس وقت روزہ نہ رکھے گی بعد میں قضا کرے گی۔

اسی طرح بچے کو دودھ پلانے والی عورت روزہ رکھنے سے دودھ نہ ہونے اور خشک ہو جانے کے خوف سے بچے کے بھوکے ہونے پر نقصان اور ضرر سمجھتی ہو تو اس وقت روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بعد میں قضا کرے گی۔ بعض فقہاء نے بھی قید یہ لگائی ہے کہ شوہر غریب ہو عورت کے دودھ کے علاوہ خارجی دودھ باہر کا دودھ غربت کی وجہ سے نہ پلا سکتا ہو تو عورت رمضان کا روزہ اس وقت نہ رکھ کر قضا کر سکتی ہے۔ احناف کے یہاں فدیہ جائز نہیں بہر صورت قضاء ہی کرے گی۔ (فتح القدیر جلد۲ صفحہ ۳۵۵)

عورتیں حیض و نفاس کی وجہ سے روزہ نہ رکھیں گی بعد میں قضا کریں گی

حضرت معاذہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا سے پوچھا کیا مسئلہ ہے حائضہ روزہ کی قضاء کریں گی اور نماز کی قضاء نہ کریں گی اس پر حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا نے فرمایا ایسا ہوتا تھا حضور پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے زمانہ میں تو آپ روزہ کی قضاء کا حکم دیتے تھے اور نماز کی قضاء کا حکم نہ دیتے تھے۔

فَائِدَہ: خیال رہے اگر عورت کو ماہواری آجائے، یا بچہ کی ولادت کے بعد نفاس کا خون جاری ہو جائے، تو عورت حیض کے ایام میں اور نفاس کے دنوں میں روزہ اور نماز ادا نہ کریں گی نماز تو بالکل ان دنوں کی معاف اور ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۷۳)

البتہ روزے کی قضاء کرنی پڑے گی، نماز کی قضاء میں مشقت اور پریشانی ہے اس لئے معاف کر دی گئی بخلاف روزہ میں پریشانی نہیں اس لئے اس کو بعد میں پاکی کے دوران پورا کرنا ہوگا، خیال رہے کہ بیماری کا خون جسے استحاضہ کہتے ہیں، جو عادت کے ایام سے یا دس دنوں سے زائد ہو جائے ان دنوں میں روزہ اور نماز دونوں ادا کرنی ہوگی مزید اس قسم کے مسائل پیچیدہ ہوتے ہیں کسی اچھے عالم سے پوچھ کر عمل کیا جائے یا کسی معتبر کتاب میں دیکھ لیا جائے۔

بچوں کو روزے کی عادت ڈلواتے

حضرت معوذ بن عفراء رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کی روایت ہے کہ ہم لوگ چھوٹے بچوں کو روزہ رکھواتے ہم لوگ مسجد جاتے تو ان کے لئے کھلونے کا انتظام کر دیتے جو اون سے بنا ہوا ہوتا۔ اگر وہ کھانے کے لئے روتے تب بھی ہم ان کو افطاری کے وقت کھانا دیتے۔ (مسلم صفحہ ۳۶۰، بخاری صفحہ ۲۶۳، عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۷۰)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ بچے اگر کھانا مانگتے تو ہم ان کو کھلونا دیتے جس سے وہ کھانا بھول جاتے

یہاں تک کہ ان کا روزہ پورا ہوجاتا۔ (مسلم صفحہ ۳۶۰)

فائدہ: آپ ﷺ کے زمانہ میں نابالغ چھوٹے بچوں کو روزہ رکھوایا جاتا تھا، علامہ عینی نے ذکر کیا ہے کہ علماء کی ایک جماعت نے اسے مستحب سمجھا ہے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بچوں کو عادت ڈالنے کے لئے روزہ کا حکم دیا جائے گا۔

سات اور دس سال کے بچوں کو روزہ رکھنے کو کہا جائے گا تاکہ عادت ہو جیسے کہ نماز کے بارے میں۔

(عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۷۰)

چنانچہ امام بخاری نے صوم الصبیان باب قائم کر کے اس کی توضیح کی ہے کہ بچوں کو بھی روزے کی عادت ڈالنے کے لئے بلوغ سے قبل مشق کرائی جائے، اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ بچوں کو شروع سے عبادت کی برکت کے لئے عادت ڈالی جائے۔ (عمدہ صفحہ ۱۱)

خیال رہے، بچوں کو شروع سے دین وعبادت کی تعلیم کی جائے گی اس کا مزاج بنایا جائے گا تو بعد میں چل کر ان کا یہ مزاج باقی رہے گا، اسی وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ جن خاندان اور گھرانوں کے بچوں کا مزاج دین و عبادت پر بنایا جاتا ہے، شروع سے نماز روزے تلاوت کے عادی ہوتے ہیں بعد میں ان کی عادت بڑے ہو کر رنگ لاتی ہے اور بعد میں باوجود خلاف ماحول کے دین پر کچھ نہ کچھ باقی رہتے ہیں، اور جن خاندان اور گھرانوں میں بچے دینی اعتبار سے آزاد رہتے ہیں وہ بعد میں بڑے ہو کر بھی دین سے بیزار اور آزاد رہتے ہیں، پھر بڑی مشکل سے دینی مزاج بنتا ہے، اس لئے اہل اسلام کو چاہئے کہ وہ اپنی نسلوں میں دین باقی رکھنے کے لئے شروع سے ہی بچوں کی تربیت عبادت پر کریں تاکہ بڑے ہو کر یہ دینی مزاج کے حامل ہوں۔

ناپاکی یا جنابت کی حالت میں صبح صادق ہوجائے تو روزہ فاسد نہیں

حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کو جنابت کی حالت میں صبح ہوجاتی آپ غسل فرماتے روزہ رکھتے۔ (ابن عبدالرزاق صفحہ ۱۸۰، بخاری صفحہ ۲۵۸)

حضرت عقبہ بن عامر فضالہ بن عبید کہتے ہیں کہ آپ ﷺ جنابت کی حالت میں ہوتے پھر غسل فرماتے روزہ رکھتے۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۵۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص آکر آپ کے دروازہ پر کھڑا ہوگیا اور کہا اے اللہ کے رسول میں صبح ناپاک ہوگیا، اور روزہ کا ارادہ رکھتا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا میں بھی روزہ رکھتا ہوں اور صبح ناپاک ہوجاتا ہوں تو غسل کر لیتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں۔ (ابوداؤد صفحہ ۳۲۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جنابت کی حالت میں آپ کو صبح صادق ہوجاتی اور آپ روزے

سے ہوتے۔ (ابن خزیمہ جلد۴ صفحہ ۲۴۹)

فائدہ: علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ازواج مطہرات سے جنابت کی حالت میں ہوتے تو فجر، صبح صادق کے بعد غسل فرماتے۔ (زاد صفحہ)

مزید اس سے معلوم ہوا کہ رمضان کی راتوں میں بیوی سے ملنے میں کوئی قباحت اور کراہت نہیں کہ آپ کا فعل ان امور سے پاک ہوتا ہے ہاں البتہ عشرا خیرہ میں حظ نفس کو قربان کرنا اور عبادت میں لگنا سنت ہے۔

احتلام ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

زید بن اسلم نے ایک صحابی رسول سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا احتلام سے روزہ نہیں فاسد ہوتا۔ (ابوداؤد صفحہ ۳۲۳، ابن خزیمہ جلد۴ صفحہ ۲۳۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ۳ چیزوں سے روزہ دار کا روزہ نہیں ٹوٹتا پچھنہ لگانے سے، قئے، اور احتلام سے۔ (ترمذی صفحہ ۱۵۲)

عطا بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ۳ چیزوں سے روزہ دار کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

احتلام، قئے، اور خون فاسد نکلوانے سے۔ (ابن خزیمہ جلد۴ صفحہ ۲۳۵)

فائدہ: علامہ عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں جس نے روزہ کی حالت میں غسل واجب کو صبح صادق کے بعد تک مؤخر کیا خواہ قصداً یا نیند کی وجہ سے یا بھول کر اس کا روزہ بالکل صحیح رہا، کوئی کراہت نہیں۔ (جلد۱۱ صفحہ ۶)

ہاں البتہ اتنی تاخیر کی کہ نماز فجر کا وقت نکل گیا تو اس کا گناہ ہوگا کہ فرض نماز کا ادا کرنا وقت پر لازم ہے وقت سے مؤخر کرنا گناہ کبیرہ ہے۔



افطار اور سحری کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ شمائل اور طریق مبارک کا بیان

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈوبتے ہی افطار فرماتے

قطبہ بن قتادہ دوسی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہی سورج ڈوبتا افطار فرماتے۔

(مرتب مسند احمد صفحہ، مجمع الزوائد صفحہ ۱۵۷)

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی جاتی کہ سورج ڈوب گیا تو آپ افطاری فرماتے۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۵۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور لے کر سورج ڈوبنے کا انتظار فرماتے رہتے اور جیسے ہی سورج ڈوبتا اسے منہ میں ڈال لیتے۔ (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۶۱۴)

سورج کو دیکھنے کے لئے بلندی پر ایک آدمی کو مقرر فرما دیتے

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے ہوتے تو ایک آدمی کو کسی اونچی اور بلند زمین پر مقرر فرما دیتے۔ (جو سورج کے ڈوبنے پر نگاہ رکھتا) جب یہ کہہ دیتا کہ سورج ڈوب گیا تو آپ افطار کرتے۔ (مجمع الزوائد صفحہ، سبل الہدیٰ جلد ۸ صفحہ ۴۱۴)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ سے ہوتے تو کسی کو یہ حکم دیتے کہ وہ کسی اونچی جگہ چڑھ کر دیکھے جب وہ خبر دیتا کہ سورج غروب ہوگیا ہے تو افطار کرتے۔

(ابن خزیمہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۵)

فائدہ: خیال رہے کہ یہ امور اس وقت تھے جب کہ جنتری کے ذریعہ حساب غروب وطلوع کا متیقن نہیں تھا تو کسی اونچی جگہ سے اس کا علم حاصل کیا جاتا تھا۔ آج یہ کام جنتری اور نظام الاوقات کے مرتبین نے کرلیا۔ لہٰذا معتبر جنتری اور نظام الاوقات پر اعتبار کرکے روزہ کھول لیا جائے۔

افطاری میں جلدی کی تاکید فرماتے

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیشہ ہماری امت بھلائی پر رہے گی جب تک وہ افطار میں جلدی کرے گی۔ (بخاری صفحہ ۲۶۳، ابن عبدالرزاق جلد۴ صفحہ ۲۲۶)

فائدہ: غروب اور وقت افطار کے بعد تاخیر کرنا منع ہے، ذرا ٹھہر جاؤ، ذرا رک کے رہو، ۳/۴ منٹ رک جاؤ یہ سب احادیث اور سنت کے خلاف ہیں۔ جب غروب متحقق اور متیقن ہو جائے تو پھر ٹھہرنا اور تاخیر کرنا منع ہے۔

افطاری سامنے ہوتی اور آپ غروب کے انتظار میں رہتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے تھے۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ کھجور لئے ہوئے سورج ڈوبنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ بس جیسے ہی سورج ڈوبا آپ نے منہ مبارک میں ڈال دیا۔

(کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۶۱۴)

حضرت رجاء کہتے ہیں میں رمضان المبارک میں افطاری کے وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تھا ان کے سامنے کھانے کی چیزیں (افطاری) رکھی گئیں۔ پھر انہوں نے انتظار کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ غروب شمس کا انتظار کرو۔ جب اطلاع ملی کہ سورج ڈوب گیا تو فرمایا افطار کرو چنانچہ ہم لوگوں نے نماز سے قبل افطار کر لیا۔ (ابن عبدالرزاق جلد۴ صفحہ ۲۲۷)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ غروب شمس افطاری کے وقت سے پہلے افطار کا انتظام کرے اور افطاری کا سامان سامنے رکھ کر غروب شمس کا انتظار کرے اور بجائے اِدھر اُدھر باتوں کے دعائیں کرتا رہے کہ افطاری کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ عموماً لوگ افطاری کے انتظام میں یہ دعا کا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں۔ خصوصاً عورتوں کو ان امور کی اہمیت ہی نہیں، ان کو بھی تاکید کی جائے افطاری کے وقت سے کچھ پہلے اطمینان سے بیٹھ کر دعاؤں میں لگیں۔ اور افطاری کے انتظام سے ۵/ منٹ پہلے فارغ ہو جائیں۔

افطاری سامنے رکھ کر انتظار کی یہ حکمت ہے کہ اے اللہ یہ تیری بخشی ہوئی ساری مختلف قسم کی نعمتیں ہیں مگر چونکہ تیرا حکم نہیں ہے اس لئے استعمال نہیں کر رہے ہیں۔ تیرے حکم کے انتظار میں ہیں جیسے ہی تیرا حکم ہوگا ہم اسے استعمال کرنے لگیں گے۔

افطاری مغرب کی نماز سے قبل سنت ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز (مغرب) نہ پڑھتے جب تک کہ آپ افطار نہ فرمالیتے خواہ پانی کا ایک گھونٹ سہی۔

(ابن خزیمہ صفحہ ۲۷۶، ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۱۰۷، مجمع الزوائد جلد۳ صفحہ ۱۵۸، مسند ابی یعلی، ترمذی صفحہ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب روزے سے ہوتے تو نماز اس وقت تک نہ پڑھتے جب تک کہ تازہ کھجور اور پانی نہ لے آتے۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۵۹، سنن کبریٰ جلد ۵ صفحہ ۲۳۹)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب سے پہلے افطاری فرماتے تھے۔

(کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۶۱۴، ابوداؤد صفحہ ۳۲۱)

ابورجاء کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس رمضان میں افطاری کے موقعہ پر تھا۔ افطاری کا کھانا لاکر رکھا جاتا۔ سورج پر نظر رکھتے اور افطار کا حکم دیتے۔ جب کہتے سورج ڈوب گیا فرماتے کھاؤ پھر فرماتے ہم لوگ نماز سے پہلے افطاری کرتے۔ (ابن عبدالرزاق صفحہ ۲۲۷)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ روزہ غروب شمس ہوتے ہی افطار کرلیا جائے اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی جائے۔ چونکہ افطار کی عجلت اور غروب ہوتے ہی بلا تاخیر کرنے کی تاکید فضیلت اور حکم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ پہلے نماز پڑھنا پھر افطاری کرنا آپ کی عادت مسنونہ کے خلاف ہے اور غروب کے بعد افطاری میں تاخیر کرنا مکروہ وممنوع ہے۔ اسی وجہ سے نماز سے قبل افطاری کرنے پر محدثین نے باب قائم کیا ہے۔ علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپ نماز سے پہلے افطار فرماتے تھے۔ (زاد جلد ۱ صفحہ ۳۳۳)

غروب ہوتے ہی افطار کی تاکید

ام حکیم بنت وداع رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے افطار جلدی کرو اور سحری ذرا تاخیر سے کرو۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۵۸)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رات (شام) آجائے دن چلا جائے اور سورج ڈوب جائے تو روزہ دار افطار کرے۔ (ابن عبدالرزاق صفحہ ۲۲۷)

مطلب یہ ہے کہ جیسے سورج غروب ہو جائے خواہ دیکھ کر یا مشاہدہ سے یا اس دور میں معتبر جنتری کے اعتبار سے تو فوراً روزہ کھول لے اور یہ نہ سوچے کہ ذرا اور وقت ہو جائے۔ ذرا تارا نظر آجائے کچھ لوگ چاند کی روشنی کے انتظار میں رہتے ہیں یہ سب امور جہالت کے امور ہیں۔ پس سورج غروب ہوا روزہ حلال ہوا اپنی جانب سے اضافہ کرنا منع ہے۔ یقین غروب کے بعد شبہ کرنا اور تاخیر کرنا خلاف شرع ہے۔

امت کی بھلائی افطار جلدی کرنے پر

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک لوگ افطار میں جلدی کریں گے اس وقت تک بھلائی میں رہیں گے۔ (بخاری، مسلم، ابن خزیمہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۵)

دین کا غلبہ اس وقت تک جب تک افطاری میں جلدی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین اس وقت تک غالب رہے گا جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے کہ یہود ونصاریٰ افطاری میں تاخیر کرتے ہیں۔

افطاری میں جلدی کرنا اللہ کو پسندیدہ اور محبوب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں میرے نزدیک محبوب بندہ وہ ہے جو افطاری میں جلدی کرنے والا ہو۔ (ترمذی، ابن خزیمہ، ترغیب صفحہ ۱۴۰)

فائدہ: یہ حدیث قدسی ہے یعنی آپ کی زبان خدائے تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے۔ اس سے افطار کے جلدی کرنے کی تاکید اور اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا جو لوگ کہتے ہیں ذرا ٹھہر وابھی تو غروب ہی ہوا ہے اتنی جلدی کیا ہے یہ غلط ہے تاروں کے طلوع کا انتظار کرنا افطاری میں ممنوع ہے۔ یہ اہل سنت والجماعۃ کے مسلک کے خلاف شیعہ کا مسلک ہے۔

تاروں کے طلوع کا انتظار کرنا افطاری میں ممنوع ہے

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک ہماری امت سنت پر قائم رہے گی جب تک کہ افطاری میں تاروں کے نکلنے کا انتظار نہ کرے گی۔

(ابن خزیمہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۵، ابن حبان، ترغیب صفحہ ۱۴۰)

فائدہ: ان روایتوں میں افطاری کے جلدی کرنے کی تاکید وترغیب اور اس کے خلاف ذرا تاخیر پر مختلف قسم کی مذمت ہے۔

افطار میں جلدی کرنا اللہ کو پسند، خدا کے رسول کو پسند، امت کی بھلائی امت کا غلبہ وغیرہ احادیث میں مذکور ہے، اسی وجہ سے جلدی کرنا سنت اور تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ افطار میں جلدی کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ یقینی طور پر جب سورج کا غروب ہونا متحقق ہو جائے تو فوراً افطاری کرے اب کچھ اور انتظار کرنا مثلاً چاند میں روشنی آجائے، تاریکی کی ابتداء ہو جائے۔ یا ۲/۳ منٹ دفع شبہ کے لئے احتیاط کے نام سے ٹھہر جائے یا ذرا کوئی ایک تارہ نظر آجائے۔ وغیرہ اس بہانے ذرا بھی تاخیر نہ کرے۔ غروب متحقق ہو جانے کے بعد ذرا بھی تاخیر خلاف سنت ہے۔ البتہ شیعہ حضرات کے یہاں تاروں کے طلوع پر افطاری کا وقت ہوتا ہے۔

آپ تازہ کھجور سے افطار فرماتے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب تازہ کھجور ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تازہ کھجور سے افطار

فرماتے۔ اور اگر تازہ نہ ہوتا تو چھوہارے سے افطار فرماتے۔ (مجمع، سبل الہدیٰ صفحہ ۳۰۵)

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ چند تازہ کھجور سے نماز سے قبل افطاری فرماتے۔

(ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۱۶۴)

آپ خشک چھوہارے سے بھی افطار فرماتے

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ اگر رطب ''تازہ کھجور'' نہ ہوتا تو آپ ﷺ خشک کھجور چھوہارے سے افطار فرماتے۔ اگر یہ بھی نہ ہوتا تو چند گھونٹ پانی سے افطار فرماتے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

فَائِدَہ: علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی عادت طیبہ تھی کہ تازہ کھجور سے افطار فرماتے۔ یہ نہ ملتا تو چھوہارے سے یہ بھی نہ میسر ہوتا تو پانی کے چند گھونٹ سے۔ (زادالمعاد)

آپ دودھ سے بھی افطاری کرتے

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب روزہ سے ہوتے تو دودھ سے روزہ کھولتے۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۱۵۹)

فَائِدَہ: دودھ چونکہ غذا اور مشروبات دونوں کا کام کرتا ہے اور اطیب الغذا ہے اس لئے اس سے بھی افطار کرنا بہتر ہے۔

آپ کھجور یا چھوہاروں کے طاق عدد سے افطار کرتے

حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نماز سے قبل افطار فرماتے۔ آپ کھجور کے موسم میں تازہ کھجور سے افطار کرتے۔ اگر تازہ کھجور کا زمانہ نہ ہوتا تو خشک چھوہارے سے افطار فرماتے۔ اور ان کھجوروں کی تعداد طاق عدد میں ۳/۵/۷ عدد لیتے۔

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپ کی عادت تازہ کھجور سے افطار کرنے کی تھی اگر تازہ نہ ملتا تو خشک سے۔

(سبل الہدیٰ جلد ۸ صفحہ ۴۱۶)

اگر یہ بھی میسر نہ ہوتا تو پانی کے چند گھونٹ سے۔

کھجور یا چھوہارا نہ ہو تو خالص پانی سے افطار مسنون ہے

حضرت سلمان ابن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی افطار کرے تو کھجور سے کرے کہ یہ برکت ہے اگر کھجور نہ پائے تو پانی سے کہ یہ پاک ہے۔

(ابوداؤد، ترمذی، ترغیب صفحہ ۱۴۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پہلے کھجور سے ورنہ چھوہارے سے اگر یہ بھی نہ ہوتا تو پانی کے چند گھونٹ سے افطار فرماتے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ترغیب جلد۲ صفحہ۱۴۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم کھجور پاؤ تو اسی سے افطار کرلو اگر نہ پاؤ تو پانی سے افطار کرلو کہ یہ پاک نظیف ہے۔ (ابن خزیمہ صفحہ ۲۷۸)

آپ آگ سے پکی چیزوں سے افطار شروع نہ فرماتے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور سے افطار فرماتے یا پھر ایسی چیز سے جو آگ سے پکی نہ ہو۔ (مثلاً پانی دودھ چھوہارہ)۔ (مسند ابی یعلی، مجمع صفحہ۱۵۸، سبل الہدیٰ جلد۸ صفحہ۴۱۵، ترغیب صفحہ۱۴۲۰)

فائدہ: پکی چیز سے افطار کرنا گو جائز ہے مگر سنت کے خلاف ہے آپ کھجور دودھ پانی سے افطار کا آغاز کرتے۔

ارباب تحقیق نے بیان کیا کہ خصوصاً گرمی کے زمانہ میں نہ کھانے اور پینے کی وجہ سے معدہ اور جگر میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے خصوصاً جگر میں اس لئے بہتر یہ ہے کہ سب سے پہلے پانی کے چند گھونٹوں سے جگر اور معدہ کو تر کرلیا جائے تب پیٹ میں کوئی غذا ڈالی جائے۔

سورج ڈوبنے سے قبل اگر دھوکے سے افطار کرلیا تو

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں رمضان کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا۔ انہوں نے بھی اور لوگوں نے بھی (کہ سورج ڈوب گیا) افطار کرلیا۔ پھر موذن جب اذان دینے کے لئے اوپر چڑھا تو کہا سورج نہیں ڈوبا ہے۔ تو حضرت عمر نے فرمایا جس نے افطار کرلیا وہ اس دن کی قضاء رکھے۔

(کنز العمال جلد۸ صفحہ۶۰۰، سنن کبریٰ صفحہ۲۱۷)

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ہم نے نبی پاک کے زمانہ میں بدلی کے دن روزہ افطار کرلیا پھر سورج نکل آیا (اس حدیث کے راوی) حشام کہتے ہیں کہ پھر قضا کا حکم دیا گیا۔

(دار قطنی جلد۲ صفحہ۲۱۴، سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۲۱۷، ابوداؤد صفحہ۳۲۲، بخاری صفحہ۲۶۳)

مجاہد نے کہا کہ رمضان میں افطاری کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ سورج ابھی نہیں ڈوبا ہے تو اس دن کے روزے کی قضا لازم ہوگی۔ (ابن عبدالرزاق جلد۴ صفحہ۱۷۷)

اگر بھولے سے کھالے پی لے تو معاف ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا میں

روزے سے تھا بھول کر کھا پی لیا آپ نے فرمایا چلو اللہ نے کھلایا پلا دیا روزہ پورا کرلو۔ (قضایا توڑنے کی ضرورت نہیں) (ابوداؤد صفحہ۳۲۶، سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۲۲۹، کنز العمال جلد۸ صفحہ۶۰۲، دارقطنی جلد۲ صفحہ۱۷۹)

حضرت ابوہریرہ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا بھول کر کھالے پی لے تو روزہ پورا کرلے۔ کہ اسے اللہ پاک نے کھلایا پلایا۔ (بخاری صفحہ۲۵۹)

ابن جریج نے حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی بھولے سے کھا پی لے تو وہ روزہ پورا کرے۔ قضا کی ضرورت نہیں کہ اللہ پاک نے اسے کھلایا پلایا۔ (ابن عبدالرزاق صفحہ۱۷۳)

افطاری کے موقعہ پر آپ کیا دعائیں فرماتے

❶ معاد بن زہرہ کی حدیث میں آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب افطار فرماتے تو یہ دعا پڑھتے "اللهم لك صمت وعلى رزقك افطرت"

ترجمہ: "اے اللہ میں نے آپ ہی کے لئے روزہ رکھا اور آپ ہی کے رزق پر افطار کر رہا ہوں۔"

(ابوداؤد، ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۱۰۰)

❷ طبرانی کی ایک حدیث میں اس کے بعد فتقبل انك انت السميع العليم بھی ہے۔

(سبل الہدیٰ جلد۸ صفحہ۴۱۶)

❸ حضرت انس رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ کی روایت میں ہے کہ آپ جب افطار فرماتے تو یہ دعا پڑھتے۔ باسم الله اللهم لك صمت وعلى رزقك افطرت۔ (مجمع الزوائد)

❹ حضرت ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افطار کے وقت یہ دعا فرماتے اللهم لك صمنا وعلى رزقك افطرنا فتقبله منا انك انت السميع العليم۔

(مجمع صفحہ۱۵۶، ابن سنی صفحہ۴۳۰)

اے اللہ ہم نے روزہ آپ ہی کے لئے رکھا آپ ہی کے رزق پر افطار کیا بس اسے ہماری جانب سے قبول کیجئے آپ سننے والے جاننے والے ہیں۔

❺ حضرت ابن عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب افطار فرماتے تو یہ دعا پڑھتے۔ ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر انشاء الله پیاس چلی گئی رگیں تر ہوگئیں ثواب ثابت ہوگیا انشاء اللہ۔ (ابوداؤد صفحہ۲۲۱)

❻ حضرت معاذ بن زہرہ فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افطار کے وقت یہ دعا فرماتے۔ الحمد لله الذی اعاننی فصمت ورزقنی فافطرت۔ (ابن سنی صفحہ۴۲۹، اذکار نووی صفحہ۱۶۲)

تعریف اللہ کی کہ اس نے اعانت کی تو روزہ رکھا رزق عطا کیا تو افطار کیا۔

۷ حضرت ابن ابی ملیکہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بوقت افطار یہ دعا نقل کی ہے۔ اللھم انی اسئلك برحمتك اللتی وسعت کل شیء ان تغفر لی۔ اے اللہ میں آپ سے اس رحمت کا سوال کرتا ہوں جو ہر شئے پر وسیع ہے یہ کہ میری مغفرت فرما دیجئے۔

(ابن سنی صفحہ ۴۳۳، اذکار صفحہ ۱۶۲، حصن صفحہ ۲۴۶)

۸ اگر کسی دوسرے کے یہاں افطار کرے تو یہ دعا پڑھے:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے کے یہاں افطار فرماتے تو یہ دعا پڑھتے۔ افطر عندکم الصائمون واکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملائکۃ۔

(ابن سنی صفحہ ۴۴۳، الدعاء المسنون صفحہ ۲۹۰)

روزہ رکھنے والے آپ کے یہاں افطاری کریں نیک لوگ کھانا کھائیں فرشتے دعا رحمت کریں۔

کیا موجودہ دور کی افطاری خلافِ سنت اور روزے کے مقاصد کے خلاف ہے

مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے پیٹ بھر کھانے سے زیادہ کوئی برتن (پیٹ) برا نہیں کہ اسے تو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو طاقت دے اگر بہت ہی ضروری ہو تو پھر پیٹ کے ۳/ حصے کرے، ایک کھانے کے لئے ایک پانی کے لئے ایک سانس کے لئے (یعنی جتنے میں پیٹ بھرتا ہے اس کا ایک تہائی کھائے)۔ (ترغیب صفحہ ۱۳۶، ترمذی، احمد، حاکم، ابن ماجہ، اتحاف السادہ صفحہ ۲۱۸)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں ثرید کھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور میں ڈکار لینے لگا آپ نے فرمایا اس ڈکار سے (جو خوب پیٹ بھر کھانے سے) بچو، بیشتر وہ لوگ جو دنیا میں پیٹ بھر کر اور آسودہ ہو کر کھانے والے ہیں قیامت کے دن بیشتر بھوک (کے عذاب) میں ہوں گے۔

(حاکم، ترغیب جلد ۲ صفحہ ۱۳۷)

ایک روایت میں ہے کہ وہ طویل بھوک کی سزاء میں ہوں گے۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت ابو جحیفہ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا صبح کھاتے تو شام میں نہیں کھاتے، شام میں کھاتے تو صبح نہیں کھاتے۔ (ترغیب صفحہ ۱۳۷)

فائدہ: خیال رہے کہ موجودہ دور میں جو افطاری کا رواج ہے کہ مختلف انواع اقسام کے پھل فروٹ اور کھانے پینے کی چیزیں ہوتی ہیں اور خوب پیٹ بھر کر افطاری ہوتی ہے۔ اور دن بھر کے بھوک اور نہ کھانے کی کسر افطاری میں نکال لی جاتی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت مذمت اور اس پر سخت تنقید کی ہے اور اس سے منع کیا ہے۔ بعض علاقوں میں دیکھا گیا ہے کہ افطاری کے موقع پر انواع و اقسام کے کھانوں کا اور مشروبات کا

اس قدر انتظام ہوتا ہے کہ کھاتے کھاتے جی بھر جاتا ہے۔ دستر خوان پر کافی مقدار میں سامان بچ جاتا ہے خوب کس کر دن بھر کی کسر پوری کر لی جاتی ہے بسا اوقات پیٹ بھاری ہو جاتا ہے۔ نماز میں تعب ہوتا ہے نوافل تو دور فرض سنت کا ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ روزے کے مقصد کے بالکل خلاف ہے اور اس سے روزہ کا فائدہ روحانی مرتب نہیں ہوتا۔ امام غزالی روزے کے پانچویں آداب کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

"الخامس ان لا یکثر من الطعام الحلال وقت الافطار بحیث یمتلی جوفه"

(شرح احیاء جلد ۴ صفحہ ۲۱۸)

یعنی پانچواں ادب روزے کا یہ ہے کہ افطاری کے وقت حلال روزی سے بھی کھانوں کی کثرت نہ کرے اور پیٹ نہ بھرے۔

آج کل جو ماہ رمضان میں کھانے کی ترتیب ہے اسے دیکھا جائے تو اور دنوں کی نسبت اس میں زیادتی ہی ہے کمی نہیں عمدگی اور بہترائی الگ، دن کے کھانے کی کسر تو سحری میں نکال لی جاتی ہے اور دنوں میں نمکین اور میٹھے کا اہتمام نہیں مگر سحری میں اس کا اہتمام ہوتا ہے۔ ناشتہ جو اور دنوں میں ہلکا ہوتا ہے اور مختلف انواع واقسام کے نہیں ہوتے ہیں اس کے بدلے افطار میں دیکھئے کتنا اہتمام ہوتا ہے کہ کھاتے کھاتے مسبوق ہو جاتے ہیں یا جماعت جاتی رہتی ہے۔ تو ناشتہ کی مع زیادتی کے کسر نکال لی گئی افطاری میں۔ رات کا کھانا تو علی حالہ رہا، مزید تراویح کے بعد بھی کھانے کا کچھ اہتمام ہوتا ہے تو اب بتائیے کہ اور دنوں کے مقابلے میں رمضان میں کھانے کی لذتوں کا زیادہ اہتمام ہوا کہ نہیں جو روزے کے روحانی مقصد کے خلاف ہے۔ اسی پیٹ بھرے اور بھاری ہونے کی وجہ سے نماز اور تراویح میں کسل پیدا ہوتا ہے بجائے عبادت کے اِدھر اُدھر پاخانے پیشاب خانہ میں وقت گزرتا ہے۔ عبادت تلاوت میں کسل وسستی پیدا ہوتی ہے اسی وجہ سے امام غزالی نے اس پر نکیر فرمائی ہے اور اس پر متنبہ کیا ہے۔ موجودہ دور میں افطار پارٹی جو ایک جشن کی طرح کی جاتی ہے غیر شریک ہوتے ہیں یا غیر کی جانب سے ہوتی ہے خلاف شرع ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سحری کھا کر روزہ رکھتے

زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی پھر نماز فجر کے لئے کھڑے ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا اذان اور سحری کے درمیان کتنا فاصلہ تھا۔ کہا ۵۰ آیات کی مقدار۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سحری کھا رہے تھے تو آپ نے فرمایا سحری برکت ہے اللہ پاک نے تمہیں (امت کو سہولت کے پیش نظر) نوازا ہے۔

اسے مت چھوڑ۔ (مسند احمد صفحہ ۳۷۰، نسائی)

سحری کو آپ برکتی کھانا فرماتے

عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سحری کھانے کے لئے بلاتے ہوئے فرمایا آؤ برکتی کھانے کی طرف۔ (ابن خزیمہ، ابوداؤد صفحہ ۳۲۰، کنز العمال صفحہ ۶۲۹، سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۳۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سحری کے لئے بلاتے ہوئے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مبارک کھانا کہا ہے۔ (کنز العمال صفحہ ۶۳۸)

سحری کھانے والوں پر خدائے پاک اور حضرات ملائکہ کی دعا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحری کل کا کل برکت ہے اسے نہ چھوڑو خواہ پانی کا ایک گھونٹ سہی اللہ پاک اور اس کے ملائکہ سحری کھانے والوں پر برکت کی دعا کرتے ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۵۳)

ایک روایت میں ہے کہ سحری کھانے والوں پر آپ نے دعاء رحمت فرمائی۔ (مجمع جلد ۳ صفحہ ۱۵۴)

سحری ذرا تاخیر سے کھانا بہتر ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبوت کے سترہویں خیر (امور برکت) میں سے یہ ہے کہ سحری میں تاخیر کرے اور افطار میں جلدی کرے۔ (کنز جلد ۸ صفحہ ۶۲۹)

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحری آخری شب میں کھایا کرو یہ مبارک کھانا ہے۔ (کنز العمال صفحہ ۵۲۴، مجمع الزوائد صفحہ ۱۵۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا ہے کہ افطار میں ذرا جلدی اور سحری میں تاخیر (آخری شب کے قریب کھایا) کریں۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۲۳۸)

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں سحری تاخیر سے آخر وقت میں کھانا سنت ہے۔

سحری کا وقت کب ختم ہوتا ہے

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو حضرت بلال کی اذان سحری سے نہ روکے اور نہ صبح (کی وہ روشنی جو آسمان میں) لمبائی کی جانب ہوتی ہے بلکہ وہ روشنی جو آسمان میں چوڑائی کی جانب ہوتی ہے۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۵۰، ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۷)

ابوموسیٰ نے کہا فجر وہ نہیں ہے جو لمبائی کی صورت میں ہوتی ہے بلکہ وہ ہے جو چوڑائی کی صورت میں ہوتی

ہے عامر اور عطاء رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی نے کہا فجر وہ ہے جو چوڑائی میں ہو جس کے بعد لالی ہوتی ہے۔ (ابن ابی شیبہ ایضاً)

فَائِدَہ: امام ترمذی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ تمام علماء کا اس پر عمل ہے کہ روزہ رکھنے والے کو کھانا پینا اس وقت تک حرام نہیں ہوتا جب تک کہ وہ فجر جو چوڑائی میں آسمان کی جانب پھیلی ہوئی نمودار نہ ہو جائے جس کے بعد سرخی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ (ترمذی صفحہ ۱۵۰)

جب صبح صادق کی ابتداء ہو جائے تو سحری کا وقت ختم اور روزہ کی ابتدا ہو جاتی ہے

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا فجر کی دو حالتیں ہیں پہلی فجر نہ اس سے کھانا حرام ہوتا ہے اور نہ نماز جائز ہوتی ہے اور دوسری فجر (جسے فجر صادق کہتے ہیں) اس سے کھانا ممنوع اور نماز جائز ہو جاتی ہے۔ (ابن خزیمہ صفحہ ۲۱۰، سنن کبریٰ صفحہ ۲۱۱)

فَائِدَہ: فجر دو ہیں ایک فجر کاذب ایک فجر صادق روزہ کی ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔ اس وقت سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور نماز فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ یہ آسمان کی چوڑائی سے شروع ہو کر بڑھتا رہتا ہے اسی کے بڑھنے سے اسفار ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی حدیث میں ہے صبح صادق وہ نہیں ہے جو لمبائی سے نمودار ہو بلکہ وہ ہے جو آسمان کی چوڑائی میں ہوتا ہے۔ (جس کے بعد آہستہ آہستہ اسفار شروع ہو جاتا ہے)۔ (ابن خزیمہ صفحہ ۲۱۰)

فَائِدَہ: ابن ہمام لکھتے ہیں کہ فجر سے مراد وہ فجر ہے جو افق آسمان میں چوڑائی میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ (فتح القدیر صفحہ ۳۲۶)

اسے ہی صبح صادق کہا جاتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے بعد آہستہ آہستہ صبح کی ہلکی ہلکی روشنی بڑھنے لگ جاتی ہے اور افق پر سفیدی کے بعد طلوع شمس کی علامت سرخی شروع ہو جاتی ہے۔ ابراہیم نخعی نے بیان کیا فجر کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ فجر ہے جس کی روشنی لمبائی میں رہتی ہے اس سے نہ فجر کی نماز جائز ہوتی ہے اور نہ سحری ممنوع ہوتی ہے دوسرا وہ فجر ہے جو چوڑائی میں ہے (جس کے بعد لالی آتی ہے) اس سے نماز جائز ہوتی ہے اور سحری ممنوع۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۷)

سحری اور روزہ دار کے کھانے کا حساب نہیں

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ۳ کھانے جو کھائے جائیں ان کا حساب نہیں اگر اللہ پاک نے چاہا اگر وہ حلال ہوں، روزہ دار کے کھانے پر، سحری کھانے پر، راہ خدا میں سرحد کی حفاظت کرنے والے کے کھانے پر۔ (بزار کشف الاستار جلد ۱ صفحہ ۴۶۴)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ یہ کھانا چونکہ عبادت کے لئے ہے اور اتباع سنت کی وجہ سے کھایا جارہا ہے اس وجہ سے عام حساب سے جو نعمتوں کے بارے میں کیا جائے گا جس کا ذکر قرآن پاک کی آیت ﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ میں ہے کہ تم سے تمام نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا جس کے تحت آپ ﷺ نے فرمایا روٹی اور ٹھنڈے پانی کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا اسی طرح سحری اور سرحدی مجاہد کے کھانے پر سوال نہ ہوگا۔

سوال کا مفہوم یہ ہے کہ کیا کیا کھایا اور اس کا کیا حق ادا کیا وغیرہ ذلک۔ اسی طرح بعض حدیث میں ہے کہ مہمان کے کھانے پر جو میزبان کھلائے اس کا بھی حساب نہ ہوگا۔

آپ سحری آخری وقت کے قریب کھاتے اور یہی سنت ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا روزہ رکھوں گا لاؤ کچھ کھلاؤ، چنانچہ کھجور اور ایک برتن میں پانی لے کر حاضر ہوا اور حضرت بلال (سحری کی) اذان دے چکے تھے۔ آپ نے فرمایا دیکھو کوئی آدمی ہے جو میرے ساتھ کھائے تو میں نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا لیا۔ وہ آگئے تو انہوں نے کہا میرا روزے کا ارادہ ہے میں ستو کے چند گھونٹ پی چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا میرا بھی روزہ کا ارادہ ہے چنانچہ انہوں نے آپ کے ساتھ سحری کھائی۔ پھر کھڑے ہوئے دو رکعت (تہجد کی نماز) پڑھی پھر نماز کے لئے گئے۔ (نسائی، سبل الہدیٰ صفحہ ۴۱۷)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے گھر میں سحری کرتا پھر اس کے بعد جلدی کرتا (مسجد نبوی جانے کے لئے) تاکہ میں آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤں۔ (بخاری، سبل الہدیٰ صفحہ ۴۱۸)

حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ سحری کھاتے پھر نماز پڑھنے کے لئے جاتے۔ (مجمع الزوائد، سبل الہدیٰ جلد ۸ صفحہ ۴۱۸)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ ہم سحری کھاتے پھر نماز کے لئے جاتے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا نماز اور سحری کے درمیان کتنا فاصلہ ہوتا ہے کہا اتنا جتنے میں ۵۰/ آیتیں قریب پڑھ لے۔ (بخاری صفحہ ۴۱۷، ترمذی، نسائی)

حضرت سالم حذیفہ کے غلام ذکر کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ماہ رمضان میں چھت پر تھے اور وہ نماز (تہجد) پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے آکر کہا اے خلیفہ رسول کیا سحری نہیں کھائیں گے۔ تو انہوں نے اشارہ کیا (رکو)۔ دو مرتبہ ایسا ہی کہا پھر تیسری مرتبہ کہا لاؤ سحری چنانچہ کھایا پھر دو رکعت نماز پڑھی پھر مسجد میں داخل ہوئے تو تکبیر کہی گئی۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۱۵۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ افطاری میں جلدی اور سحری میں تاخیر فرماتے۔

(ابوداؤد، ترمذی)

فائدہ: ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں فقہاء امت نے سحری کو تاخیر سے کھانا مستحب قرار دیا ہے۔ علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ سحری میں تاخیر مستحب ہے۔ (صفحہ ۳۷۳)

اور تاخیر سے مراد رات کا چھٹا آخری حصہ ہے۔ (فتح القدیر جلد ۳ صفحہ ۳۷۳)

آپ سحری کھانے کی تاکید فرماتے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا سحری کھاؤ اس میں برکت ہے۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۲۳۶)

ابوالولید جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہیں کہتے ہیں کہ سحری کیا کرو خواہ ایک گھونٹ پانی سہی۔

(ابن عبدالرزاق صفحہ ۲۲۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا دن کے روزے پر سحری سے مدد سہولت حاصل کرو۔ (صحیح ابن خزیمہ صفحہ ۲۱۴، ترغیب جلد ۲ صفحہ ۱۳۸)

ہمارے اور یہود و نصاریٰ کے روزے کے درمیان سحری کا فرق ہے

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہمارے اور یہود و نصاریٰ کے روزوں کے درمیان سحری کا فرق ہے۔

(مسلم، ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۵، ابوداؤد صفحہ ۳۲۰، سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۳۶، ابن عبدالرزاق صفحہ ۲۲۹)

سحری کھانا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہماری جماعت انبیاء کو حکم دیا گیا ہے افطار میں جلدی اور سحری کھانے میں تاخیر (ذرا دیر) کیا کریں۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۳۸، مجمع الزوائد)

حضرت مجاہد کہتے ہیں سحری تاخیر سے کھانا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے خصائل میں سے ہے۔

(ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۱۱)

فتح القدیر میں ہے کہ ۳/امور انبیاء کرام علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہیں۔

1. افطاری میں جلدی۔
2. سحری میں تاخیر۔

۴ مسواک۔ (جلد۲ صفحہ۳۷۳)

سحری میں کسی میٹھی چیز کا استعمال بہتر ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل ترین سحری کھجور ہے۔
(سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۲۳۷، مجمع الزوائد جلد۳ صفحہ۱۵۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے مؤمن کے لئے بہترین سحری کھجور ہے۔ (ترغیب جلد۲ صفحہ۱۳۹)

فَائِدَہ: پس معلوم ہوا کہ کسی میٹھی چیز کا تھوڑا ہی ہونا اولیٰ ہے چنانچہ صالحین کا معمول بھی ہے۔



شب قدر کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا بیان

آپ شب قدر کو تلاش فرماتے اور حاصل کرنے کا حکم دیتے

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے شب قدر دکھا دی گئی تھی (کہ کس رات میں ہے) پھر بھلا دی گئی، سوائے آخر کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (بخاری صفحہ ۲۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب قدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (بخاری صفحہ ۲۷، ترمذی صفحہ ۱۶۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف فرماتے، اور فرماتے کہ شب قدر رمضان کے اخیر عشرہ میں تلاش کرو۔ (بخاری صفحہ ۲۷۱، سنن کبریٰ صفحہ ۳۰۷)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رات مجھے (خواب میں) دکھا دی گئی تھی، پھر بھلا دی گئی، (میں نے خواب میں دیکھا) شب قدر کی صبح میں بارش کی وجہ سے بھیگی زمین میں سجدہ کر رہا ہوں سوائے عشرہ اخیرہ کی ہر طاق رات میں تلاش کرو۔ (بخاری صفحہ ۲۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے شب قدر دکھائی گئی تھی، پھر مجھے گھر والوں نے جگا دیا، تو میں اسے بھول گیا پس اسے اخیر عشرہ میں تلاش کرو۔

(سنن کبریٰ صفحہ ۳۰۸، ابن خزیمہ صفحہ ۳۲۳)

فائدہ: ان تمام روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ شب قدر رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے، آپ اسی شب قدر کے اہتمام کی وجہ سے اعتکاف فرماتے، بستر اور بیویوں سے الگ رہ کر عبادت میں مشغول رہتے۔

اور ازواج مطہرات کو بھی عشرہ اخیرہ میں جگاتے جاگنے کی تاکید فرماتے، اصحاب کو بھی شب قدر کی عبادت کی ترغیب دیتے اور اس کی تلاش و جستجو کا حکم فرماتے، اور اس کی اہمیت سے آگاہ فرماتے۔ امام ترمذی نے سنن میں ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب قدر کے متعلق منقول ہے کہ وہ ۲۱/۲۳/۲۵/۲۷/ ۲۹ اور رمضان المبارک کی آخری رات میں ہوتی ہے، اسی وجہ سے امام بخاری نے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے پر

باب قائم کیا ہے۔

ان راتوں میں شب قدر کا احتمال ذکر فرماتے اور عبادت کا حکم فرماتے

حضرت ابن مسعود کی ایک روایت میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا اسے ۱۷؍۲۱؍۲۳؍ کی رات میں تلاش کرو۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۳۱۰)

حضرت عبداللہ بن انیس نے نبی پاک ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اسے ۲۳؍ کی رات میں تلاش کرو۔ (طحاوی صفحہ ۵۱)

ابن انیس کی ایک روایت میں ہے کہ مجھے میرے والد نے جب میں چھوٹا سا تھا شب قدر کے متعلق معلوم کرنے کے لئے بھیجا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا ۲۳؍ کی شب میں ہے۔ (طحاوی صفحہ ۵۱)

چنانچہ اس کے راوی انیس کے لڑکے کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) میرے والد عصر کی نماز پڑھ کر (مغرب سے قبل) مسجد میں داخل ہوتے پھر اس وقت تک نہ نکلتے جب تک کہ صبح نہ ہو جاتی، پھر نکلتے اور ان کی سواری کا جانور مسجد کے دروازے پر رہتا پھر سوار ہو کر اپنے گھر تشریف لاتے۔ (ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۳۳۵)

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اسے ۲۹؍۲۷؍۲۵؍ ویں شب میں تلاش کرو۔ (طحاوی صفحہ ۵۲، ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۳۳۴)

امام ترمذی نے ذکر کیا ہے کہ اکثر و بیشتر روایتوں میں ہے کہ وہ اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں ہے۔

(ترمذی صفحہ ۱۶۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا شب قدر ۲۷؍ یا ۲۹؍ کی رات میں ہے، فرشتے اس شب میں سنگریزے سے بھی زائد تعداد میں زمین پر اترتے ہیں۔ (ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۳۳۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اسے ۲۷؍ کی رات میں تلاش کرو۔

(طحاوی صفحہ ۵۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ۲۷؍ کی رات میں عبادت کریں۔ حضرت معاویہ ذکر کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا شب قدر ۲۷؍ کی رات میں ہے۔

(سنن کبریٰ صفحہ ۳۱۲، طحاوی صفحہ ۵۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور کہا میں بوڑھا اور بیمار شخص ہوں میرے لئے راتوں میں جاگنا بہت مشکل ہے، مجھے کوئی رات بتا دیجئے شاید شب قدر کی توفیق مل جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم پر ۲۷؍ ویں رات لازم ہے۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۳۱۳)

امام ترمذی نے سنن میں بیان کیا کہ حضرت ابن قیم کہا کرتے تھے کہ وہ ۲۷ر کی رات ہے اسی طرح امام شافعی کے قول کو نقل کرتے ہوئے کہا کہ روایتوں میں قوی روایات ۲۱ر کی ہے۔ (ترمذی صفحہ ۱۶۴)

شب قدر کے پائے جانے کی علامتیں

حضرت ابی ابن کعب سے مروی ہے کہ اس رات کی صبح کو سورج طلوع ہوتا ہے تو اس میں کرنیں اور شعائیں نہیں ہوتیں۔ (مثل چاند کے مثل ہوتا ہے)۔ (مسلم، عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۴)

عبادت بن صامت کی مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر دن شیطان کی دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے، مگر شب قدر کی صبح ایسا نہیں ہوتا۔ بلا شیطان کے طلوع ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے شب قدر دکھا دی گئی تھی پھر بھلا دی گئی وہ اخیر عشرہ تھا۔ (اس کی کوئی رات تھی) البتہ کچھ علامتوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ رات خوشنما روشن معلوم ہوتی ہے نہ سردی (سخت) گرمی ہوتی ہے۔ گویا چاند تاروں کے درمیان نمایاں رہتا ہے۔ شیاطین نہیں نکلتے۔ یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے۔

فَائِدَۃٌ: مطلب یہ ہے کہ رات بڑی اچھی معلوم ہوتی ہے آسمان پر تارے اور چاند نمایاں نظر آتے ہیں تیز آندھی تیز گرمی سخت سردی نہیں ہوتی۔ موسم کا اعتدال رہتا ہے۔ جبرئیل کی آمد و برکت سے اس رات شیاطین نہیں نکلتے اور نہ اس کے اثرات ہوتے ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث میں ہے کہ اس رات چاند صاف نمایاں ہوتا ہے۔ نہ گرمی نہ سردی اور نہ تارے اس رات ٹوٹتے ہیں یعنی شیاطین پر رجم نہیں ہوتا چونکہ اس رات شیاطین نہیں نکل پاتے۔

علامہ عینی نے بیان کیا کہ اس کی علاموں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی صبح کو سورج صاف شفاف بلا کرنوں کے طلوع ہوتا ہے۔ مثل چاند کے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۳۴)

ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اس رات نہ گرمی نہ سردی اور سورج بلا شعاع اور کرنوں کے نکلتا ہے۔ (صفحہ ۳۹۰)

جابر بن سمرہ اور ابو سعید کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات ہلکی سی بارش بھی ہوتی ہے۔ اور ہلکی سی ہوائیں بھی چلتی ہیں۔

طبری نے بیان کیا کہ اس رات درخت اور تمام چیزیں سجدہ ریز ہو جاتی ہیں اور جھک جاتی ہیں بیہقی نے اوزاعی کے طریق سے نقل کیا ہے کہ اس رات سمندر کا پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری)

مگر خیال رہے کہ یہ علامتیں ہر ایک کو محسوس نہیں ہوتی ارباب کشف خواص اولیاء ہی اس سے واقف ہو

سکتے ہیں۔

شب قدر کی بعض خصوصیتیں

❶ اس رات کی عبادت کا ثواب اور فضیلت ہزار راتوں کی عبادت سے زائد ثواب رکھتا ہے۔ یعنی جس کی عبادت شب قدر کی رات میں ہو جاتی ہے اور اس رات شب قدر ہوگئی تو اسے عبادت کا ثواب ہزار راتوں کی عبادت سے زائد ملتا ہے۔ کیا خوش نصیب ہے وہ جسے یہ رات مل جائے۔ (سورہ قدر)

شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ جس طرح اس رات کی عبادت کا ثواب ایک ہزار رات سے زائد ہے اسی طرح اس رات گناہ اور معصیت کی سزا بھی ایک لاکھ گناہ اور معصیت سے زائد ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۷ صفحہ ۱۲۱)

❷ اس رات اللہ جل شانہ نے عالم اور بندوں کے حق میں فیصلے ہوتے ہیں (مثلاً موت حیات رزق کے فیصلے وغیرہ)۔

اس رات تورات، زبور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحائف اور قرآن پاک کا نزول ہوا۔ اسی رات اللہ پاک نے جنت میں باغ اور پودوں کی ابتدا کی۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۴)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات شب قدر ہوتی ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی (مخصوص) جماعت کے ساتھ اترتے ہیں اور کھڑے بیٹھے اس بندے پر جو اللہ کا ذکر کر رہا ہو دعا کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ، بیہقی فی الشعب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس رات بہت کثیر تعداد میں ملائکہ زمین پر تشریف لاتے جن کی مقدار (گویا کہ) سنگریزوں کی طرح ہوتی ہے۔ (یعنی لاتعداد فرشتے آتے ہیں) جس طرح سنگریزے کثیر تعداد میں ہوتے ہیں ان کو کوئی گن نہیں سکتا اسی طرح حضرات ملائکہ کو۔

(عمدۃ القاری جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۴)

ابن ہمام نے فتح القدیر میں بیان کیا ہے کہ اس رات نہ سخت گرمی ہوتی اور نہ سخت سردی۔

(ابن خزیمہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۰)

ابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس رات شیاطین نہیں پھیلتے ہیں اور نہ کوئی بیماری (دنیا میں) بھیجی جاتی ہے۔ (یہ اس رات کے اکرام میں ہے)۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۱)

حضرت ضحاک نے کہا اس رات ہر توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کی جاتی ہے۔ آسمان کے دروازے غروب شمس سے طلوع فجر تک کھول دیئے جاتے ہیں۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۱)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس رات میں نہ سخت تیز سردی

ہوتی ہے اور نہ سخت شدید گرمی، چاند تاروں کے درمیان نمایاں ہوتا ہے اس رات شیاطین فجر تک نہیں نکلتے۔

(ابن حبان، عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۴)

حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ اس رات میں انوار بکثرت ظاہر ہوتے ہیں۔ فرشتوں کی جانب سے سلام و خطاب ہوتا ہے۔ (فتح الباری صفحہ ۲۶۶)

شب قدر کے موقع پر آپ کیا دعا پڑھتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے پوچھا اگر میں شب قدر پاؤں تو کیا دعا پڑھوں آپ نے فرمایا یہ پڑھو:

"اللھم انك عفو تحب العفو فاعف عنی"

(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۲، نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۲۷۱، مسند احمد)

فائدہ: خیال رہے کہ اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تمام عبادتیں نوافل تلاوت ذکر و استغفار درود پاک اور دعاؤں وغیرہ کا وردر کھے اور ان میں مصروف رہے، اور کثرت سے معافی اور مغفرت کی دعا کرے اور اس دعا کا کثرت سے کرنا مسنون ہے۔ حدیث پاک میں اس دعا کے علاوہ شب قدر کا کوئی خاص عمل اور ذکر ثابت اور مذکور نہیں۔ لہٰذا اپنے ذوق اور انس کے اعتبار سے عبادت اور تلاوت میں لگا رہے۔

شب قدر کے متعلق اختلاف اور اس کی تفصیل

شب قدر کے متعلق علماء کی مختلف رائے ہے، جو احادیث و آثار و اقوال سے ثابت ہے۔ ان کا خلاصہ ذیل میں پیش ہے۔

1. تمام سال دائر رہتی ہے۔ یعنی سال بھر ہو سکتی ہے۔ ابوبکر رازی اور قاضی خاں نے امام ابوحنیفہ کا یہی قول بیان کیا ہے۔ کبھی رمضان میں کبھی رمضان کے علاوہ میں ہوتا ہے۔ ابن عباس ابن مسعود عکرمہ وغیرہ کے قول سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۱)

حافظ ابن حجر نے احناف کا مشہور قول یہی لکھا ہے۔ (فتح الباری صفحہ ۲۶۲)

شرح احیاء میں حضرات صاحبین کا بھی یہی قول ذکر کیا ہے۔ (اتحاف جلد ۴ صفحہ ۳۸۸)

مشکوٰۃ کی شرح مرعاۃ المفاتیح میں زرقانی کے حوالہ سے ہے کہ پورے سال میں دائر رہنا مالکیہ اور احناف کا مشہور قول ہے۔

ابن حاجب نے کہا کہ مالکیہ کا (ایک قول) رمضان میں خاص ہونے کا بھی ہے۔ بحر الرائق نے خانیہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مشہور قول یہی ہے کہ پورے سال دائر رہتی ہے۔ کبھی رمضان میں

کبھی رمضان کے علاوہ میں۔(مرعاۃ المفاتیح جلدے صفحہ۱۱۹)

علامہ عینی نے اس قول کورد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رمضان کے علاوہ میں نہیں ہوتی اسی طرح علامہ شوکانی نے بھی اسے قبول نہیں کیا۔(عمدۃ القاری جلدا۱ صفحہ۱۳۲، مرعاۃ المفاتیح صفحہ۱۱۹)

۲ رمضان المبارک کے پورے ماہ میں دائر رہتی ہے، یعنی تینوں عشروں میں ہوتی رہتی ہے۔(فتح الباری صفحہ)

حضرات صاحبین کا قول ہے کہ رمضان المبارک کی کسی رات میں متعین ہے مگر مبہم ہے۔(مرعاۃ صفحہ۱۱۹)

شرح احیاء میں ہے کہ ہمارے کتب احناف میں یہ مذکور ہے کہ وہ رات رمضان المبارک میں ہی ہوتی ہے یہ نہیں معلوم کہ کون سی رات ہے مقدم موخر ہوتی رہتی ہے۔(اتحاف السادۃ صفحہ۳۸۸)

حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ رمضان ہی کی کسی رات میں ہونا یہ قول ابن عمر کا ہے جسے ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے، ابوداؤد میں بھی مرفوعا اس کے متعلق روایت ہے، کہ آپ سے پوچھا گیا شب قدر کے متعلق تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ پورے رمضان میں رہتی ہے۔(ابوداؤد صفحہ اتحاف السادۃ صفحہ۳۸۸، مرعاۃ صفحہ۱۱۹)

یہی قول ابن منذر، محاملی اور بعض شوافع کا ہے، علامہ سبکی نے شرح منہاج میں اسی کو راجح قرار دیا ہے، حنابلہ کا قول بھی اس کی نشاندہی کرتا ہے، ابن قدامہ نے بیان کیا کہ شب قدر کو پورے رمضان میں تلاش کرنا مستحب ہے۔(مرعاۃ صفحہ۱۱۹)

شرح احیاء میں ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت اسی کی طرف گئی ہے۔

شوافع کے یہاں بھی ہے کہ اسے تمام رمضان تلاش کرے، ہاں اخیر عشرہ میں متیقن ہے۔

(اتحاف السادۃ جلدا۱ صفحہ۳۸۸)

سورجی نے شرح ہدایہ میں امام صاحب کا یہی قول نقل کیا ہے کہ رمضان میں ہوتی ہے اور آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے۔(مرعاۃ صفحہ۱۱۹)

۳ رمضان المبارک کی پہلی رات ابن رزین عقیلی نے بعض صحابہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔(اتحاف صفحہ۳۸۸ عمدۃ القاری)

حافظ ابن حجر نے اسے حضرت انس کا قول ذکر کیا ہے۔(فتح الباری صفحہ......)

۴ رمضان کی ۱۷ کی شب میں، حضرت ابن زبیر کی یہی رائے ہے(فتح الباری صفحہ......)شرح احیاء میں ہے کہ حضرت زید بن ارقم، حضرت ابن مسعود اور حضرت حسن بصری کی یہی رائے ہے۔معجم طبرانی میں زید بن ارقم سے مروی ہے مجھے کوئی شک نہیں کہ یہ ۱۷ ار میں ہوتی ہے، کہ اسی میں قرآن نازل ہوا ہے۔اور اسی دن معرکہ بدر ہوا تھا۔(اتحاف صفحہ۳۸۹)

۵ اٹھارہ کی رات کو۔(فتح الباری صفحہ۲۶۳، عمدۃ القاری صفحہ)

❻ رمضان کے نصف شب میں۔ (یعنی ۱۵ر کی رات)۔ (فتح الباری صفحہ ۲۶۳)

❼ ۱۹ر کی رات کو حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے یہی منقول ہے۔ طبرانی نے زید بن ثابت اور حضرت ابن مسعود کا ایک قول ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری صفحہ ۲۶۳، عمدۃ القاری، اتحاف السادۃ صفحہ ۳۸۹)

❽ ۲۱ر کی رات حضرت ابوسعید کی حدیث صحیح سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ اس رات ہلکی سی بارش ہوئی تھی اور بھیگی مٹی میں سجدہ کیا تھا، وہ شب قدر کی علامت جوخواب میں بتائی گئی تھی وہ اسی رات پائی گئی تھی۔

(اتحاف السادۃ صفحہ ۳۸۹)

حافظ نے بیان کیا کہ عشرہ اخیرہ کی پہلی رات ہے امام شافعی اور حضرات شوافع کی ایک جماعت اسی جانب گئی ہے۔ (فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۶۸)

ایک قول ہے کہ مہینہ ۳۰ر دن کا ہو تو ۲۰ر کی شب اگر مہینہ ۲۹ر کا ہو تو ۲۱ر کی شب۔ (فتح الباری، مرعاۃ المفاتیح صفحہ ۱۲۰)

ابن حزم کی بھی یہی رائے ہے، انہوں نے مختلف احادیث کو تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے۔ (فتح الباری صفحہ ۲۶۹)

❾ ۲۲ر کی شب میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن انیس کی روایت سے مستفاد ہوتا ہے۔ (فتح الباری صفحہ ۲۶۹)

❿ ۲۳ر کی شب میں۔ یہ بکثرت صحاح روایت سے ثابت ہے۔ شرح احیاء میں ہے کہ صحابہ کی ایک کثیر جماعت کا یہ قول ہے، مسلم میں حضرت عبداللہ بن انیس کی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ خواب میں شب قدر دکھائی گئی کہ بارش ہوئی اور بھیگی مٹی پر سجدہ کیا گیا، سو یہ واقعہ جس رات پیش آیا تھا وہ ۲۳ر کی رات تھی۔ (اتحاف السادۃ صفحہ ۱۲۰)

صحابہ کے ساتھ تابعین کی ایک جماعت اسی جانب گئی ہے۔ (مرعاۃ صفحہ ۱۲۰)

علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ حضرت ایوب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۲۳ر کی رات کو غسل فرماتے خوشبو لگاتے ابوزید نے ذکر کیا کہ حضرت ابن عباس اپنے گھر والوں کو ۲۳ر کی شب بیدار کرتے اور جگایا کرتے تھے۔ ابن مسیب بھی اسی رات کے قائل ہیں مکحول سے منقول ہے کہ وہ ۲۳ر کی رات شب قدر جانتے تھے۔

(نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۲۷۶)

⓫ ۲۴ر کی شب کو حضرت ابوسعید سے مرفوعاً روایت ہے جسے مسند طیالسی نے ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری صفحہ ۲۶۴ مرعاۃ صفحہ ۱۲۰)

مسند احمد حضرت بلال کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ۲۴ر کی رات شب قدر کی رات ہے۔

(اتحاف صفحہ ۳۹۰ فتح)

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس سے موقوفاً روایت ہے کہ شب قدر ۲۴ر کی رات میں تلاش کرو۔ (اتحاف صفحہ ۳۸۹)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ (اتحاف صفحہ۳۸۹، فتح الباری صفحہ۲۶۴، مرعاۃ صفحہ۱۲۰)

⓬ ۲۵ر کی شب کو اسے ابن عربی نے شرح ترمذی میں نقل کیا ہے ابن جوزی نے بھی اسے ذکر کیا ہے۔ (اتحاف صفحہ۳۹۰، فتح الباری صفحہ)

⓭ ۲۶ر کی شب میں ہوتی ہے۔ قاضی عیاض مالکی نے اسے ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری)

⓮ ۲۷ر ویں کی شب۔

صحابہ کرام تابعین عظام اسلاف کرام کے ایک جم غفیر کا قول ہے۔

حافظ ابن حجر نے اسے جمہور کا قول اور رائے بیان کیا ہے۔ عوام وخواص کا بھی اسی پر عمل ہے۔ امت کا تعامل اسی پر ہے۔ اس شب میں عبادت واعتکاف کا بھی اہتمام نسلاً بعد نسل یعنی تعامل چلا آرہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب کو اس میں شب قدر ہونے کا اتنا یقین تھا کہ وہ قسم کھا کر کہا کرتے تھے۔ (فتح الباری صفحہ......)

شرح احیاء میں ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں زر ابن حبیش سے مروی ہے کہ حضرت عمر حضرت حذیفہ اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت اس میں کوئی شک نہیں کرتی تھی کہ یہ شب شب قدر ہے۔ نووی نے شرح مہذب میں کہا کہ احادیث صریحہ اس پر وارد ہے کہ ۲۷ کی رات شب قدر ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوداؤد میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۲۷ر کی رات شب قدر کی رات ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عمر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے کہ جو شب قدر کو تلاش کرنا چاہے وہ ۲۷ر کی رات میں اسے تلاش کرے۔ (اتحاف صفحہ۳۹۰)

مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہم لوگوں نے آپس میں شب قدر کا ذکر کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا اس رات کا چاند جب طلوع ہوتا ہے تو گویا تھال کا ایک کنارہ ہوتا ہے۔ اس پر ابوالحسن الفارسی نے کہا ۲۷ کی شب میں ایسا ہی چاند طلوع ہوتا ہے۔ طبرانی نے بھی حضرت ابن مسعود سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا جانے پر جواب میں ۲۷ کی شب ذکر کیا ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عمر سے مسلم میں اور مسند احمد میں جابر بن سمرہ سے طبرانی میں معاویہ سے ابوداؤد میں صراحۃً روایت شب قدر ہونے کا منقول ہے۔

حلیہ میں علامہ شاشی نے اکثر علماء کی یہی رائے نقل کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ امام احمد اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہ قول ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح جلد۷ صفحہ۱۲۰، فتح الباری صفحہ۲۶۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک حکیمانہ اور لطیفانہ قول ۲۷ کے شب میں ہونے کا ذکر کیا ہے۔

جسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں علامہ زبیدی نے شرح احیاء میں نقل کیا ہے۔ حافظ نے بیان کیا کہ حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے صحابہ کرام کی جماعت کو بلایا اور ان سے شب قدر کے بارے میں پوچھا تو تمام صحابہ کرام نے اتفاق کرتے ہوئے کہا وہ عشرہ اخیرہ میں ہے۔ حضرت ابن عباس نے حضرت عمر سے کہا مجھے اس کے بارے میں علم ہے وہ کون سی رات ہے حضرت عمر نے فرمایا بتاؤ وہ کون سی رات ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ عشرہ اخیرہ سات دن گزرنے پر یا ۷/دن باقی رہنے پر (یعنی ۲۷ یا ۲۳، کی رات) اس پر حضرت عمر نے پوچھا تم نے کہاں سے اسے جانا۔ ابن عباس نے فرمایا اس سے کہ اللہ پاک نے ۷/آسمان کو پیدا کیا ۷/زمین کو پیدا کیا۔ ۷/دن کو پیدا کیا انسان بھی ۷/اجزاء سے پیدا ہوا۔ اس کا رزق بھی ۷/میں دائر ہے۔ ۷/عضو پر سجدہ کرتا ہے۔ طواف بھی ۷/رمی جمرات بھی سات، اس قسم کی بہت سی چیزوں کو ذکر کیا۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا تم نے وہ سمجھا جو میں نے نہیں سمجھا۔ ابن نعیم کی حلیہ میں ہے کہ حضرت عمر نے اسے پسند کیا۔ (فتح الباری صفحہ ۲۶۲، اتحاف صفحہ ۳۹۰)

محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل میں اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے اس کا اضافہ کیا ہے کہ اللہ پاک نے نسبی اور صہری رشتہ بھی ۷/رکھا ہے۔ پھر حرمت علیکم کی آیت تلاوت کی۔ فتح الباری اور شرح احیاء میں ذکر کیا ہے کہ اس سورہ مبارکہ کی تعداد کلمات بھی ۲۷ ہے۔ جس سے ۲۷ کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ (شرح احیاء صفحہ ۳۹۱)

⑮ ۲۹/کی شب۔ اسے ابن عربی نے ذکا کیا ہے، (فتح الباری صفحہ، شرح احیاء صفحہ ۳۹۱، مرعاۃ صفحہ ۱۲۱) ۳۰ کی رات قاضی عیاض اور سروجی نے ذکر کیا ہے، حضرت معاویہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ اور حضرت ابوہریرہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کا بھی یہی قول ہے۔ (فتح الباری صفحہ شرح احیاء صفحہ ۳۹۰)

⑯ عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں سے کسی رات میں ہوتی ہے، بکثرت صحیح احادیث میں ذکر ہے کہ عشیرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں ہوتا ہے، یہی محقق قول ہے، اسی میں اکثر شب قدر ہوتی ہے، حضرت جبرئیل عَلَيْهِ السَّلَام نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے اس کی صراحۃً بھی فرمائی۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا جو اسے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرے گا، خطاء نہیں کرے گا ضرور پائے گا۔ (اتحاف صفحہ ۳۹۱)

حافظ نے اسی کو راجح قول قرار دیا ہے۔ (نیل الاوطار صفحہ ۲۷۴) علامہ شوکانی نے بھی اسے ارجح کہا ہے۔ (نیل صفحہ ۲۷۵)

امام شافعی سے منقول ہے کہ قیامت تک یہ عشرہ اخیرہ میں دائر رہتی ہے۔

(عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۱، نیل الاوطار صفحہ ۲۷۵)

⑰ عموماً ۳/موقعوں پر ہوتی ہے۔ شروع رمضان، یا اخیر رمضان طاق راتوں میں، جیسا کہ ابوالعالیہ کی مرفوع

روایت میں ہے۔ (فتح الباری جلد۴ صفحہ ۲۶۷)

۱۸ ۲۱ر اور ۲۳ر کی شب میں بیہقی نے امام شافعی سے معرفۃ میں نقل کیا ہے کہ اقوی الروایات ۲۱ر اور ۲۳ر کی رات ہے۔ (شرح احیاء جلد۴ صفحہ ۳۹۱)

۱۹ ہر سال رمضان میں ادلتی بدلتی رہتی ہے۔ اگر کسی رمضان میں ۲۱ر کو ہوئی ہے تو دوسرے سال ۲۱ر کو نہ ہوگی کسی اور تاریخ میں ہوگی، مصنف ابی شیبہ میں حضرت ابوقلابہ سے اسی طرح منقول ہے، امام مالک سفیان ثوری امام احمد، اسحاق ابوثور وغیرہ کا یہی قول ہے، ابن عبدالبر نے الاستذکار میں امام شافعی کی طرف بھی اس کی نسبت کی ہے، امام مزنی، ابن خزیمہ، اور امام نووی کے نزدیک بھی یہی مختار ہے، ابن دقیق العید نے تمام روایتوں کے درمیان موافقت کی وجہ سے اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ (شرح احیاء صفحہ ۳۹۱، مرعاۃ جلد۴ صفحہ ۱۲۱)

۲۰ صرف عشرہ اخیرہ میں منتقل ہوتی رہتی ہے، اخیر عشرہ کی کبھی کسی رات میں کبھی کسی رات میں۔ (شرح احیاء)

۲۱ پورے مہینہ میں ادلتی بدلتی رہتی ہے، حنابلہ کا یہی قول ہے، اسی لئے ابن قدامہ نے کہا پورے رمضان میں طلب وجستجو مستحب ہے، البتہ عشرہ اخیرہ میں اور اس سے زائد طاق رات میں زیادہ واقع ہوتی ہے۔

(شرح احیاء)

۲۲ ۲۵ر/۲۷ر/۲۹ر کی راتوں میں سے کسی رات میں ہوتی ہے، یہ قول امام مالک کا ہے۔ (شرح احیاء صفحہ ۳۹۱)

قول محقق

اخیر عشرہ کی کسی طاق رات میں بہت کثرت سے واقع ہوتی ہے، کبھی کبھی اس کے علاوہ میں ہوتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث بخاری ومسلم میں ہے، عشرہ اخیرہ میں اسے تلاش کرو۔

خیال رہے کہ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں، جو انہیں اقوال سے شامل ہوکر احتمالاً نکلے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اقوال ذکر کیے ہیں، علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں ۴۷ر قول اور احتمالات ذکر کیے ہیں شرح احیاء میں علامہ زبیدی نے ۱۸ر قول ذکر کیے ہیں، یہ سب احتمالی اقوال ہیں، جو ایک دوسرے کو شامل کرنے سے بنتے ہیں۔ ان میں اصل اور بنیادی اقوال دس ہیں جو ذکر کیے گئے۔

شب قدر کے سلسلہ میں مختلف اقوال ہونے کی ایک معقول وجہ یہ بھی ہے کہ جس نے جس رات شب قدر میں ہونا علامتوں کے ذریعہ سے بار بار اور محسوس کیا اس رات کا شب قدر ہونا ذکر کر دیا۔

حافظ نے بیان کیا کہ علامتوں سے کسی کو شب قدر ہونا معلوم ہو جائے تو اسے چھپانا بہتر ہے لوگوں کو اپنا کشف نہ بیان کرے۔ (فتح الباری جلد۴ صفحہ ۲۶۶)

اعتکاف کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اسوہ اور طریق مبارک کا بیان

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عشرہ اخیرہ کا اعتکاف فرماتے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف فرماتے۔

(بخاری صفحہ ۲۷۱، صحاح ستہ مسلم صفحہ ۳۷۱، ابوداؤد صفحہ ۳۳۴)

تاحین حیات اعتکاف فرماتے رہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف تاوقت وفات ہمیشہ فرماتے رہے، اس کے بعد آپ کی بیویاں اعتکاف کرتی رہیں۔ (بخاری صفحہ ۲۷۱، ترمذی صفحہ ۱۶۴)

فائدہ: اعتکاف بڑی اہم ترین عبادت ہے، بندہ کا اپنے مالک کے در اور چوکھٹ پر اس کی رضا اور خوشنودی اور اپنی معافی کے لئے پڑا رہنا اعتکاف کے مقاصد میں ہے، اسی طرح شب قدر کا حصول اس کے اولین مطالب میں سے ہے، اس سے اعتکاف کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اعتکاف فرمایا اور اس پر مواظبت فرمائی، آپ جب سے مدینہ منورہ تشریف لائے اور ماہ مبارک کی دولت سے نوازے گئے اعتکاف کو نہیں چھوڑا (صرف ایک مرتبہ عذر شدید کی وجہ سے نہیں فرما سکے تھے) نہایت ہی پابندی سے ادا فرماتے رہے اسی وجہ سے فقہاء کرام نے اعتکاف کو سنت موکدہ قرار دیا ہے۔

مگر افسوس کہ جس عبادت کو آپ ہمیشہ دوام اور پابندی سے ادا فرماتے رہے جس سنت کو آپ کے بعد آپ کی بیویوں نے زندہ رکھا، آج امت نے اسے چھوڑ دیا، نظروں سے گرا دیا، بوڑھوں اور بے کار لوگوں کا کام سمجھ رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ ابن شہاب زہری نہایت جرأت و تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں جس کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں چھوڑا، لوگوں نے اسے نظر انداز کر دیا ہے، اس سے بے پرواہی برت لی ہے۔

(عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۷۵)

آپ نے عشرہ اولیٰ کا بھی اعتکاف کیا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے عشرہ کا اعتکاف فرمایا۔ پھر دوسرے کا

اس کے بعد تیسرے عشرہ کا بھی اعتکاف کیا۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۷۶)

فائدہ: شروع عشرہ کا بھی اعتکاف آپ ﷺ نے کیا، اس حدیث پاک سے اس کا ثبوت ہو رہا ہے، گو اس کے ساتھ دوسرے تیسرے عشرہ کا بھی فرمایا، مزید اس کی حکمت آگے آ رہی ہے۔

یہ اعتکاف نفلی ہوگا اور اس پر نفلی اعتکاف کے احکام جاری ہوں گے مثلاً چھوڑ دینے اور توڑ دینے سے قضاء لازم نہیں ہوگی۔

آپ نے ۲۰؍ دن، دو عشروں کا بھی اعتکاف کیا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ہر رمضان میں ایک عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے ۲۰؍ دن کا اعتکاف کیا۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۴۷، الفتح الربانی صفحہ ۲۴۴)

فائدہ: اس روایت سے معلوم ہوا کہ ۲۰؍ دن کا اعتکاف بھی سنت ہے، عادت طیبہ تو آخر عشرہ دس دن کے اعتکاف کی تھی مگر قرب وفات کی وجہ سے آپ نے معمول سے زیادہ کیا ہوگا، دوسری وجہ یہ بھی تھی حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال ایک عشرہ میں ایک دور فرماتے تھے۔ آخری سال دو مرتبہ دور کیا، اس وجہ سے آپ نے دو عشرہ کا اعتکاف کیا۔ (عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۱۵۷، الفتح الربانی جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے بیچ عشرہ کا اور آخری عشرہ کا بھی اعتکاف کیا ہے۔ (الفتح الربانی جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۵)

ابن قیم نے لکھا ہے کہ ہر سال تو آپ دس ہی دن کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے مگر جس سال وفات ہوئی اس سال آپ نے ۲۰ دن کا اعتکاف فرمایا اور قرآن پاک کا دور بھی دو مرتبہ کیا۔ (زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۱۵۷ قدیم)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ آخری عمر میں عبادت، ذکر، تلاوت، نیک عمل میں زیادتی کرے تاکہ آخری انجام بہتر سے بہتر ہو۔

پورے ماہ رمضان کا بھی اعتکاف سنت سے ثابت ہے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک کے پہلے عشرہ کا اعتکاف فرمایا۔ پھر دوسرے کا بھی اعتکاف فرمایا پھر ترکی خیمہ سے جس میں اعتکاف فرما رہے تھے سر باہر نکال کر ارشاد فرمایا، میں نے پہلے عشرہ کا اعتکاف شب قدر کی تلاش میں اور اس کے اہتمام کی وجہ سے کیا تھا، پھر اسی وجہ سے دوسرے میں بھی کیا، پھر مجھے کسی بتانے والے (فرشتہ) نے بتایا کہ وہ رات اخیر عشرہ میں ہے، لہٰذا جو لوگ میرے ساتھ اعتکاف کر رہے ہیں وہ اخیر عشرہ میں بھی اعتکاف کریں۔ مجھے یہ رات دکھائی گئی تھی پھر بھلا دی گئی،

اس کی (شب قدر ہونے کی علامت) یہ ہے کہ میں نے اپنے آپ کو اس رات کی صبح میں کیچڑ میں سجدہ کرتے دیکھا۔ (چھت کچی ہونے کی وجہ سے ٹپک گئی تھی) لہٰذا اب اسے آخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو، راوی کہتے ہیں کہ اس رات بارش (ہلکی سی) ہوئی اور مسجد چھپر کی تھی ٹپکی، میں نے اپنی آنکھوں سے آپ ﷺ کی مبارک پیشانی میں کیچڑ کا اثر اکیس ۲۱ر کی صبح کو دیکھا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۲)

فَائِدَہ: روایت سے معلوم ہوا کہ اس مرتبہ آپ نے پورے ایک ماہ اور تینوں عشروں کا اعتکاف کیا، لہٰذا پورے ماہ کا اعتکاف سنت سے ثابت ہوا، مشائخ اور صوفیاء کرام کے یہاں ایک ماہ کا اعتکاف کیا جاتا ہے، چنانچہ مرید حضرات اپنے مشائخ کے یہاں ان کی صحبت میں بسا اوقات پورے ماہ کا اعتکاف کیا کرتے ہیں۔ محققین مشائخ وصوفیا کا اس پر عمل رہا ہے۔ سنت سے ثابت ہونے کی وجہ سے اسے صوفیاء کا اختراع اور مبالغہ نہیں کہا جا سکتا ہے، یہی حدیث اور روایت اس کی اصل ہے۔ البتہ شروع ۲۰ر دن دو عشروں کا اعتکاف نفلی ہوگا، اور آخری عشرہ کا سنت موکدہ، دونوں کے احکام جداگانہ ہوں گے، فقہی احکام اور فرق کے لئے عاجز کا رسالہ مطبوعہ، آداب الاعتکاف ملاحظہ کیجئے۔

مزید اس روایت سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کا مقصد شب قدر کی تلاش اور اس کی فضیلت کا حصول ہے، اعتکاف کی حالت میں ہمہ وقت چونکہ مسجد میں ہوگا اور بحالت اعتکاف سونا آرام کرنا بھی عبادت ہی شمار ہوتا ہے لہٰذا معتکف شب قدر کی فضیلت کو حاصل کرلے گا۔ اسی لئے آپ ہمیشہ اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

اگر کسی سال آپ اعتکاف نہ کرسکتے تو

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ مقیم (مدینہ میں قیام فرما) ہوتے تو رمضان کے عشرہ اخیرہ کا ضرور اعتکاف فرماتے۔ اگر مسافر ہوتے تو سال آئندہ ۲۰ر یوم کا اعتکاف فرماتے۔

(ابن حبان جلد۵ صفحہ ۲۶۹، کنز العمال صفحہ ۶۳۳، سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۳۱۴)

فَائِدَہ: حالت اقامت یعنی جب مدینہ منورہ میں قیام فرما ہوتے تب تو اعتکاف کبھی ترک ہی نہ فرماتے، ہاں اگر سفر میں ہوتے، جیسا کہ آپ نے فتح مکہ کے موقع پر رمضان المبارک میں سفر کیا تو اسی صورت میں آپ کا اعتکاف چھوٹ جاتا تو آئندہ اس کی تلافی فرماتے اور ۲۰ر دن کا اعتکاف فرماتے، آپ کی عادت طیبہ تھی کہ آپ جو عبادت فرماتے اس میں دوام اور ہمیشگی ملحوظ رکھتے، اور اگر کسی وجہ سے چھوٹ جاتا تو دوسرے وقت میں اس کی تلافی فرماتے ہوئے ادا کرتے، اور دوام اور ہمیشگی کے نور اور برکت کی حفاظت فرماتے چنانچہ تہجد دواماً ادا فرماتے، اگر کسی وجہ سے چھوٹ جاتا تو دن میں اس کی تلافی فرماتے، حالانکہ نوافل ہونے کی وجہ سے دوسرے وقت اس کا ادا کرنا لازم نہ ہوتا، اسی طرح آپ کی عادت طیبہ دواماً اعتکاف کی تھی سفر وغیرہ کی وجہ سے ناغہ ہو جاتا تو سال

آئندہ ادا فرما لیتے۔ علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ تا وفات اعتکاف فرماتے رہے ایک مرتبہ اعتکاف چھوٹ گیا تھا تو اس کی قضاء شوال میں فرمائی۔ (زاد المعاد جلد ا صفحہ ۳۵۷)

بس اس سے معلوم ہوا کہ اگر چھوٹ جانے پر تلافی کرے تو باعث فضیلت ہے، تاکہ ثواب کا دوامی سلسلہ اور اس کے دوام وہمیشگی کے برکات میں وہ باقی رہیں، علماء نے بیان کیا کہ جو ہمیشہ اعتکاف کا عادی رہا ہو اور وہ کسی وجہ سے اعتکاف نہ کر سکا تو مستحب ہے کہ اعتکاف بعد میں کرے۔ یعنی رمضان کے بعد۔

(نیل الاوطار صفحہ ۲۶۴)

ازواج مطہرات کا اس سنت پر رغبت وشوق سے عمل کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ آپ ﷺ ہر رمضان اعتکاف فرمایا کرتے تھے، چنانچہ آپ صبح کی نماز پڑھ کر اعتکاف کی جگہ تشریف فرما ہو جاتے، چنانچہ ایک موقع پر راوی نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اعتکاف کی اجازت چاہی کہ میں بھی اعتکاف کروں چنانچہ ان کو اجازت مل گئی، ان کے لئے مسجد میں ایک قبہ بنا دیا گیا، حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنا تو (انہوں نے بھی اعتکاف کا ارادہ کیا) ان کے لئے بھی قبہ بنا دیا گیا، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارادہ کیا تو ان کے لئے دوسرا قبہ بنا دیا گیا۔

(بخاری صفحہ ۲۷۳)

فائدہ: اس حدیث پاک میں دیکھئے ازواج مطہرات کا کیسا شوق اعتکاف تھا، آپ کی سنت پر کس طرح عملاً راغب تھیں، یہ تھا دینی مزاج اور یہ تھی سچی محبت، کہ محبت کی وجہ سے آدمی محبوب کے طریقہ کی اتباع کرتا ہے، چنانچہ آپ کو دیکھ کر ازواج مطہرات کو بھی شوق ہوا۔

افسوس کہ آج نیکی دیکھ کر نیکی کا شوق نہیں ہوتا، ہاں برائی یا فیشن دیکھ کر تو شوق ہو جاتا ہے، یہ دینی بے رغبتی اور بیزاری کی بات ہے، اسی وجہ سے آج دین کے برکات اور دین پر نصرت خداوندی حاصل نہیں، دنیا دیکھ کر تو دنیا کے طالب ہو جاتے ہیں، مگر دین وعبادت دیکھ کر دین کا شوق نہیں، پیدا ہوتا ہے یہ قلب میں ایمان اور معرفت کے سرایت نہ کرنے کی علامت ہے۔

عورتوں کے لئے بھی اعتکاف سنت ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ رمضان کے آخیر عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی اس کے بعد آپ کی بیویوں نے اعتکاف کیا۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۲۷۱)

فائدہ: اعتکاف عبادت اور تقرب الٰہی اور ثواب کا کام ہے، جس طرح مرد عبادت اور ثواب کے حاصل کرنے کا مکلف ہے، اسی طرح عورت بھی، آپ نے اعتکاف کیا آپ کے ساتھ عورتوں نے بھی اعتکاف کیا آپ کے

بعد بھی عورتوں نے اس سنت پر عمل کیا اس عمل نے ثابت کیا کہ عورتوں کو بھی اس سنت پر عمل کرنا چاہئے۔

مگر افسوس عورتوں میں اعتکاف کی سنت رائج نہیں، یہ عورتوں میں دینداری تقویٰ زہد، رغبت الی الآخرہ اور دینی مزاج نہ ہونے کی وجہ سے ہے، عورتوں میں اعتکاف شاذ نادر ہی رائج ہے، اگر کہیں کرتی ہیں تو بوڑھی بے کار عورتیں کرتی ہیں، حالانکہ عورتوں کے لئے اعتکاف بہت آسان ہے، گھر میں اگر پہلے سے کوئی نماز پڑھنے کی کوئی خاص جگہ متعین ہو تو وہاں بستر لگائے اور بیٹھ جائے، صرف پاخانہ پیشاب کے لئے نکلے باقی اسی جگہ بیٹھی بیٹھی گھر کا کام کاج بھی کر سکتی ہے، اور لڑکیوں کو رہنمائی اور کام کاج کی تعلیم بھی کر سکتی ہے، اس طرح ان کا اعتکاف بھی ہو جائے گا، اور گھر کا کام کاج بھی ہو جائے گا اور اعتکاف جیسی عبادت سے گھر میں خیر و برکت بھی ہو جائے گی اتنی سہولت کے باوجود عورتیں اعتکاف سے غافل ہیں عورتوں کے اعتکاف کے مسائل کے لئے آداب الاعتکاف دیکھئے۔

مستحاضہ عورت بھی اعتکاف کر سکتی ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس بیوی نے اعتکاف کیا جو استحاضہ کی حالت میں تھیں۔ (سنن کبریٰ صفحہ، الفتح الربانی صفحہ ۲۵۷)

فائدہ: استحاضہ وہ خون ہوتا ہے جو حیض کے علاوہ ہوتا ہے، کسی مرض اور رحم کی خرابی کی وجہ سے نکلتا ہے، اس میں چونکہ نماز روزہ سب پڑھا رکھا جاتا ہے، شرعاً یہ عورت پاک کے حکم میں ہے، اس کے ایسی عورت اعتکاف بھی کر سکتی ہے، چنانچہ علامہ عینی نے ذکر کیا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے استحاضہ کی حالت میں اعتکاف کیا تھا۔ (عمدۃ القاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۴)

البتہ استحاضہ کی صورت میں جو عورت اعتکاف کرے گی وہ ہر نماز کے لئے مستقل طور پر وضو بنائے گی، نماز کا وقت گزرنے کے بعد اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ وہ دیگر صحت مند عورتوں کی طرح ایک وضو سے متعدد نمازیں نہیں پڑھ سکتیں۔ ہاں نماز کے بعد اسی وضو سے وقت کے اندر تلاوت اور قرآن کو چھو سکتی ہے، مزید مسائل کسی معتبر عالم سے پوچھ لئے جائیں، عموماً ایسے مسائل سے واسطہ کم پڑتا ہے اور لوگوں کو معلومات نہیں رہتی۔

نیل میں ہے کہ جس طرح مستحاضہ نماز پڑھ سکتی ہے اسی طرح اعتکاف بھی کرے گی۔

(نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۲۷۰)

عورت شوہر کی اجازت سے اعتکاف کرے گی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف کیا، تو انہوں نے بھی اعتکاف کی اجازت حاصل کی، تو آپ نے ان کو اعتکاف کی اجازت دے دی تاکہ آپ کے ساتھ

اعتکاف کریں۔ (ابن خزیمہ صفحہ ۳۴۵، بخاری جلد ا صفحہ ۲۷۴)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ عورت شوہر کی اجازت سے اعتکاف کر سکتی ہے، اس کے لئے اعتکاف کی صورت میں شوہر عورت سے مل نہیں سکتا وغیرہ، اس سے شوہر کا حق استمتاع اور فائدہ موقوف ہوتا ہے، ہو سکتا ہے عمر اور صحت کے اعتبار سے اس کی گنجائش نہ ہو، اس لئے شوہر کی اجازت کی ضرورت ہے فتح القدیر میں ہے عورت شوہر کی اجازت سے اعتکاف کرے گی۔ (ج ۲ صفحہ ۴۰۳)

ہاں اگر بے شوہر والی ہے تو پھر وہ اعتکاف میں خودمختار ہے۔

ادھر شوہر کو بھی چاہئے کہ بیوی اعتکاف کرے تو اسے بخوشی و مسرت اجازت دے جیسا کہ آپ ﷺ نے اجازت دی، دین اور عبادت کے کام ایک دوسرے کو تعاون کی آپ نے تعلیم دی ہے، ایسے بھی شوہر کو اور گھر کے ذمہ دار کو چاہئے کہ گھروں میں اعتکاف کی اس سنت پر جس پر ازواج مطہرات نے عمل کیا، کرنے کی ترغیب دیں خصوصاً ایسی عورت جو بچوں کے جھمیلوں سے آزاد ہوں ان کو ترغیب دیں۔

عورت عدت میں ہو تو اعتکاف نہیں کرے گی

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ مطلقہ عورت اعتکاف کرے گی، کہا نہیں، اور نہ وہ کرے گی جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو۔ (سنن کبریٰ جلد صفحہ ۳۲۳)

اعتکاف کی حالت میں عورت کو ماہواری آجائے تو

حضرت عطاء نے بیان کیا ہے کہ معتکف عورت کو جب ماہواری آجائے تو وہ اعتکاف کو چھوڑ کر گھر چلی آئے گی۔ (ابن عبدالرزاق صفحہ ۳۶۹)

ابن شہاب زہری نے کہا، عورت جب حیض میں آجائے گی تو اعتکاف کی جگہ سے ہٹ کر گھر چلی آئے گی۔ (عبدالرزاق صفحہ ۳۶۸)

فائدہ: اگر عورت گھر کے کسی حصہ میں جہاں متعین کر کے اعتکاف کر رہی تھی اس حالت اعتکاف میں اسے حیض آگیا، تو ایسی صورت میں عورت نہ نماز کے لائق رہی اور نہ روزے کے لائق رہی تو اعتکاف کے لائق بھی نہ رہے گی اور اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اور ایک دن صرف قضا کرنی پڑے گی۔

حالت اعتکاف میں زوجین کا آپس میں خلط مباشرت ممنوع ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں سنت ہے، (یعنی آپ ﷺ کا عمل مبارک) معتکف کے لئے نہ تو مریض کی عیادت کرے۔ نہ جنازہ میں جائے، نہ اپنی زوجہ کو چھوئے اور نہ اس سے مباشرت کرے۔

(ابوداؤد صفحہ ۳۳۵، دار قطنی صفحہ ۲۰۱، نیل صفحہ ۲۶۷)

حضرت عطاء نے کہا کہ معتکف رات دن کے کسی حصہ میں زوجہ کے پاس نہ جائے، اور نہ اس سے ملے، نہ تقبیل کرے نہ مباشرت کرے نہ چھوئے، حتی الامکان اس سے الگ رہے۔ (ابن عبدالرزاق جلد۴ صفحہ۳۶۴)

فائدہ: حالت اعتکاف میں زوجین کا آپس میں ہر قسم کا شہوتی تعلق ممنوع ہے، علامہ عینی نے اس امر پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے کہ معتکف کے لئے عورت سے حظ حاصل کرنا حرام ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ۱۴۲)

اسی وجہ سے عورت کو خوشبو لگانا منع ہے۔ (تا کہ میلان نہ ہو)۔ (ابن عبدالرزاق جلد۴ صفحہ۳۷۰)

خیال رہے کہ روزہ میں تو کچھ توسیع اور گنجائش ہے لیکن اعتکاف میں گنجائش نہیں، مسجد میں تو ان خواہش نفسانی امور کی گنجائش ہی نہیں اگر پاخانہ پیشاب کے لئے گھر جائے تب بھی ان امور سے احتراز واجب ہے، اسی وجہ سے حدیث پاک میں ہے کہ آپ عشرہ اخیرہ میں بیویوں سے بالکل علیحدگی اختیار کر لیتے تھے اور سوائے عام بول چال یا کسی ضروری کام کے علاوہ سے گریز فرماتے تھے۔

معتکف شوہر کے لئے بیوی کی خدمت سنت سے ثابت ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اعتکاف کی حالت میں) مسجد میں ہوتے، میری جانب سر مبارک فرمادیتے میں آپ کے بال مبارک میں کنگھا کر دیتی۔ (بخاری صفحہ۲۷۳، ابوداؤد صفحہ۳۳۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں ہوتے، اپنے سر مبارک کو حجرے کی جانب سے میری طرف فرمادیتے، میں آپ کے سر مباک کو دھودیتی۔ (ابوداؤد صفحہ۳۳۴)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حالت اعتکاف میں ایسی صورت ہو کہ بیوی خدمت کر سکتی ہو تو جائز ہے، مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ معتکف کے جسم کا کوئی حصہ اگر حد مسجد سے باہر ہو جائے تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، مزید اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معتکف کو بدن اور بال صاف اور نظیف رکھنا چاہئے، پراگندہ بال میلے کچیلے کپڑے سے احتراز ضروری ہے، خانہ خدا کا ادب ہے کہ صاف اور بہتر حال میں اچھے کپڑے اور نظیف بدن کے ساتھ رہے۔

معتکف شوہر کے پاس ضرورت پر مسجد میں بیوی کا آنا

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں حالت اعتکاف میں آئیں، کہ آپ رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف فرما رہے تھے، کچھ دیر تک آپ سے بات کی۔ (بخاری صفحہ۲۷۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات میں گفتگو اور باتیں کرتیں جب کہ آپ معتکف ہوئے۔ (ابن خزیمہ جلد۳ صفحہ۳۵۰)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے پاس مسجد میں رات میں گئی تھیں۔

علامہ عینی نے ذکر کیا کہ اس سے ثابت ہوا کہ عورت معتکف شوہر کے پاس مسجد جاسکتی ہے۔ (عمدۃ صفحہ۱۵۲)

احباب، متعلقین، حلقہ اور ارادتمندوں کے ساتھ اعتکاف کرنا سنت سے ثابت ہے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگوں نے (صحابہ کرام کی ایک جماعت نے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ماہ مبارک کے بیچ عشرہ کا اعتکاف کیا، آپ ۲۰ر کی صبح کو ہم لوگ اعتکاف سے باہر آگئے، تو آپ نے ۲۰ر کی صبح کو تقریر فرمائی اور فرمایا کہ مجھے شب قدر دکھادی گئی تھی پھر بھلا دی گئی، اسے عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (بخاری صفحہ ۲۷۲، مسلم صحاح ستہ)

فائدہ: اس روایت میں حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا۔ ہم لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف کیا، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے آپ کے ساتھ اعتکاف کیا۔

لہٰذا اس روایت سے ثابت ہوا کہ احباب اور حلقہ ارادتمندوں کی جماعت کے ساتھ اعتکاف کوئی نئی ایجاد اور بدعت نہیں، اسی وجہ سے مشائخ اور اکابرین کا اعتکاف جو احباب اور متعلقین کی جماعت کے ساتھ ہوتا ہے امر مسنون ہے، بعض لوگ اس قسم کے اجتماعی اعتکاف کو بدعت اور رسم قرار دیتے ہیں یہ درست نہیں، اس روایت سے اس کی تردید اور مشائخ جو کرتے ہیں اس کی تائید ہوتی ہے۔

معتکف مسجد میں کس وقت داخل ہو اور معتکف کا مسجد کس وقت جانا سنت ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشرہ اخیرہ کا اعتکاف فرماتے میں آپ کے لئے خیمہ بناتی (جب اعتکاف میں مکمل اعتکاف میں جانے کا ارادہ فرماتے) تو صبح کی نماز پڑھتے پھر اعتکاف کی جگہ داخل ہوتے۔ (بخاری، مسلم)

مطلب یہ ہے کہ مسجد میں تو داخل ہو جاتے غروب شمس سے پہلے ہی، پھر رات عام معتکفین کے ساتھ مسجد میں رہتے صبح کی نماز کے بعد اپنے خیمے میں جو کھجور کی چٹائیوں سے گھرا ہوتا، تشریف لے جاتے۔

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ تعالیٰ شرح بخاری میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی جگہ جب جاتے، اور تنہائی اختیار کرتے اور لوگوں سے علیحدہ ہوتے تو صبح کے بعد نماز پڑھ کر تشریف لے جاتے، اعتکاف کی ابتداء اول لیل مغرب سے قبل ہے۔

چنانچہ ابوثور کہتے ہیں جب اخیر عشرہ کا اعتکاف کرے تو مغرب سے قبل داخل ہو۔

(عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۸، فتح الباری صفحہ ۲۷۶)

یہی مسلک ائمہ اربعہ اور علماء کی ایک جماعت کا ہے یعنی غروب شمس سے پہلے مسجد میں جائے۔

(فتح الباری صفحہ ۲۷۶)

ائمہ اربعہ امام نخعی اس کے قائل ہیں کہ مغرب سے قبل اعتکاف کے لئے جاتا ہے اور آپ بھی اسی وقت بوقت غروب گئے تھے، البتہ دوسرے دن صبح کے بعد تنہائی اختیار کی تھی جہاں آپ کا معتکف تھا۔ (یعنی بستر وغیرہ)۔ (اعلاء جلد۹ صفحہ ۱۶۰)

علامہ مرتضیٰ حسن نے شرح احیاء میں لکھا ہے کہ ۲۱ ر تاریخ کی غروب شمس سے قبل مسجد میں داخل ہونا ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک ہے، اور آپ جو معتکف میں صبح کی نماز میں داخل ہوئے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے علیحدہ اور تنہائی صبح کی نماز کے بعد اختیار کرتے، یہ مطلب نہیں کہ اعتکاف کی ابتداء کرتے بلکہ مغرب سے قبل ہی مسجد تشریف لے جاتے تھے۔ (اور لوگوں کے ساتھ رات گزار کر معتکف میں صبح داخل ہوتے تھے۔

(اتحاف السادۃ جلد۴ صفحہ ۳۸۶)

پس اس اعتبار سے ایسا کیا جاسکتا ہے کہ ۲۰ ر تاریخ کی مغرب سے قبل مسجد میں داخل ہوجائے اور شب میں تمام لوگوں کے ساتھ عبادت کرے پھر ۲۱ ر کی صبح کو نماز فجر کے بعد کپڑوں سے اپنی جگہ کو گھیر کر اس میں داخل ہو جائے اور عبادت میں مصروف ہوجائے۔

مسجد میں اعتکاف کی جگہ کو چادر وغیرہ سے گھیر لینا مسنون ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف فرماتے تو میں ان کے لئے (مسجد میں) خیمہ بنادیتی۔ (بخاری صفحہ ۲۷۲)

ابولیلیٰ سے منقول ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کیا جس میں جائے اعتکاف کو کھجور کے پتوں سے گھیرا گیا تھا، اسی طرح ایک اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ کے اعتکاف کی جگہ کو کھجور کی پتیوں سے گھیرا گیا تھا اور چٹائی کا دروازہ بنادیا گیا تھا۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۱۷۶، مسند احمد جلد۴ صفحہ ۲۴۷)

حضرت معیقب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے بنے قبہ میں اعتکاف کیا جس کا دروازہ کھجور کی چٹائی کا بنایا گیا تھا، اور لوگ مسجد میں تھے۔ (مجمع طبرانی صفحہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ماہ رمضان میں کھجور کی چھالوں کا حجرہ بنادیا جاتا۔ (ابن خزیمہ جلد۳ صفحہ ۳۵۱)

فائدہ: چونکہ مسجد ایک عام جگہ ہے، لوگوں کی آمد ورفت رہتی ہے، لوگوں کی نگاہیں اعتکاف کرنے والوں پر پڑیں گی وہ دیکھنا چاہیں گے، کیا کرتے ہیں کیا مشغلہ ہے، اس سے بسا اوقات معتکف کے ذہن میں انتشار اور الجھن پیدا ہوتی ہے، ادھر معتکف چاہے گا کہ وہ خدا سے خلوص واعتقاد کے ساتھ مناجات کرے، اس سے الحاح و زاری کرے، وہ یہ چاہے گا کہ میرے اور خدا کے درمیان کوئی حائل نہ ہو، تنہائی اور وحدت چاہے گا، یہ چیز اسے

مسجد میں کیسے نصیب ہوگی، اس لئے ان احوال کی رعایت کرتے ہوئے معتکف کو چادر وغیرہ سے گھیر کر حجرہ کی طرح بنالینا چاہئے، تاکہ اسے تنہائی اور وحدت نصیب ہواور اطمینان سے وہ عبادت الٰہی میں مستغرق رہے، اور جس طرح چاہے خدا سے نیازانہ باتیں کرے، اور رو دھو کر الحاح وزاری کی شکل بنا کر خدا کو خوش کرے۔

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے مسجد میں تمام معتکفین صحابہ کے لئے نہیں گھیرا جاتا تھا بلکہ آپ کے مثل حجرہ گھیر دیا جاتا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ معتکفین کے مقابلہ میں کسی بڑے کا گھیرنا مسنون ہے جس کی ماتحتی میں اعتکاف ہو رہا ہو جیسے شیخ کا مرید کے مقابلے میں، امام یا کسی عالم کا ان کے ماتحتوں کے مقابلہ میں۔

معتکف کا گھیرنا کب اور کس لئے سنت ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشرہ اخیرہ کا اعتکاف فرماتے تو میں آپ کے لئے حجرہ کی شکل (کپڑا گھیر کر) بنادیتی تھی۔ (بخاری صفحہ ۲۷۲، مسند احمد صفحہ ۲۴۲)

ابو لیلیٰ نے بیان کیا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اعتکاف کیا ہے اور کھجور کی چٹائی سے بنے حجرہ میں ہیں۔

حضرت معیقب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی چٹائی سے بنے حجرہ میں اعتکاف کیا ہے جس کا دروازہ بھی کھجور کی چٹائی کا تھا، اور لوگ مسجد میں تھے۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۷۶)

فَائِدَہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں اعتکاف فرماتے تو جہاں آپ اعتکاف فرماتے آپ کی جائے اعتکاف کو خیمہ کے مانند حجرہ نما کر دیا جاتا یا چٹائی گھیر کر چاروں طرف حجرہ نما کر دیا جاتا تاکہ خلوت کا مقام حاصل ہو جائے اور آپ عبادت و مراقبہ میں نہایت اطمینان سے منہمک رہیں، لیکن یہ حجرہ کی شکل صرف آپ کے لئے بنائی جاتی حضرات صحابہ کرام کے لئے نہیں۔

حضرات صحابہ کا مسجد میں بلا جائے اعتکاف کے گھیرے قیام ہوتا تھا۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں معتکف حجرہ کی شکل چادر وغیرہ گھیر کر کر سکتا ہے، چنانچہ امام بخاری نے باب الاخبیۃ فی المسجد قائم کر کے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ یہ درست ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۴۸)

دوسرا یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں اعتکاف کسی بڑے بزرگ اکابر کے ساتھ کیا جا رہا ہو تو ایسا حجرہ صرف ان بڑے بزرگ اور اکابر ہی کا ہو سب کا نہ ہو، جیسا کہ حضرات صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ آپ نے اعتکاف کیا اور حجرہ صرف آپ کے لئے بنا نہ حضرات صحابہ کرام نے اپنے لئے بنایا اور نہ آپ نے بنانے کا حکم و اشارہ کیا نہ انہوں نے آپ سے اس کا تذکرہ یا اجازت چاہی پس معلوم ہوا کہ جماعت میں سے ہر کے لئے یہ سنت و مستحب نہیں، خوب سمجھ لیا جائے۔ مگر جائز ہے۔

مزید علماء محققین شارحین حدیث یہ بھی قید بیان کر رہے ہیں کہ چادروں کے گھیرنے سے مسجد میں تنگی اور پریشانی نہ ہو، چنانچہ شرح مسند احمد میں ہے۔ مالم یقین علی الناس لئلا یقین علی غیرہ صفحہ ۲۲۵ اسی طرح مشکوۃ کی شرح مرعاۃ میں ہے صفحہ ۱۴۴۔

پس معلوم ہوا کہ معتکفین مسجد میں اپنے جائے اعتکاف کو اتنا نہ گھیرے کہ مسجد عام لوگوں کے لئے تنگ ہو جائے اوران کی پریشانی کا اور شکایت کا باعث ہو، چنانچہ اسی پر امت کا عمل بھی ہے کہ جہاں مشائخ بزرگ کی معیت اور صحبت میں اعتکاف کرتے ہیں وہاں صرف ان مقتدی بزرگ کے جائے اعتکاف ہی کو گھیرا اور حجرہ نما بنادیا جاتا ہے۔

جائے اعتکاف میں بستر لگانا سنت سے ثابت ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف فرماتے تو آپ کا بستر لگا دیا جاتا، یا آپ کی چارپائی اسطوانہ توبہ کے قریب لگادی جاتی۔ (ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۲۵۰، مشکوۃ صفحہ ۱۸۲، ابن ماجہ)

فائدہ: علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو آپ کے لئے مسجد میں بستر لگا دیا جاتا، اور مسجد میں ستون توبہ کے قریب آپ کی چارپائی ڈال دی جاتی۔ (کشف الغمہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۲)

چونکہ اس میں ہر وقت مسجد میں رہنا ہوتا ہے سونے اور کھانے وغیرہ کی ضرورت ہی میں پوری کرنی ہوتی ہے بلا بستر کے مسجد میں سونا مناسب نہیں، اس لئے معتکف کے لئے بستر حسب ضرورت گدے تکیہ وغیرہ کا رکھنا جائز ہی نہیں مستحسن ہے۔

مسجد سے باہر جسم کا کوئی حصہ نکالنا درست ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت اعتکاف میں سر مسجد سے باہر نکال دیتے اور میں اسے دھودیتی، اور میں حائضہ ہوتی۔ (ابوداؤد صفحہ ۳۳۴، بخاری صفحہ ۲۷۲)

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیض کی حالت میں ہوتیں جس کی وجہ سے وہ مسجد جا کر آپ کی خدمت نہیں کرسکتی، ادھر آپ کو خدمت کی ضرورت ہوتی، سر دھونے اور صاف کرنے کی ضرورت ہوتی تو آپ سر مبارک کو مسجد سے باہر حجرہ مبارکہ کی جانب کر دیتے، حضرت عائشہ حجرہ میں رہتے ہوئے آپ کے سر مبارک کو دھودیتی تھیں، مزید اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معتکف خدمت دوسرے سے اپنی ضرورت وغیرہ میں لے سکتا ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں، مسجد سے متصل کمرہ ہو تو بیوی بھی کرسکتی ہے، اور یہ کہ جسم کا کوئی حصہ مسجد سے باہر ہو جائے اعتکاف نہیں ٹوٹتا مثلاً سر باہر کر کے جھانکنا۔

معتکف مسجد میں اپنا سامان رکھ سکتا ہے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیچ کے عشرہ

کا اعتکاف کیا، پھر جب ۲۰ رکی صبح ہوئی تو ہم نے اپنے اپنے سامان کو منتقل کرنا شروع کر دیا۔

آپ ﷺ تشریف لائے، اور فرمایا جن لوگوں نے ہمارے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ اپنے اعتکاف کی طرف لوٹ جائیں (پھر اعتکاف اخیر عشرہ کا کریں)۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۲۷۲، ابن خزیمہ صفحہ ۳۵۱)

فائدہ: اعتکاف میں کم از کم دس دن شب لیل قیام رہتا ہے، لہٰذا ضرورت انسانی کے تحت ضروری اور یومیہ استعمال ہونے والے سامان کے مسجد میں رکھنے کی ضرورت ہوگی، جس میں کھانے پینے اور سونے وغیرہ کے سامان ضرور ہوں گے۔

اسی طرح دوا کپڑے صابن وغیرہ، سو معتکف کو ان سامان کے رکھنے کی شرعاً اجازت ہے، کوئی قباحت نہیں، حضرات صحابہ کرام کا آپ ﷺ کے سامنے رکھنا سامان اس کے درست اور مشروع ہونے کی دلیل ہے، اسی وجہ سے محدث ابن خزیمہ نے باب قائم کیا ہے، **الرخصة فى وضع الامتعة ان يحتاج اليها المعتكف فى اعتكافه فى المسجد۔** (صفحہ ۳۵۱)

آپ اعتکاف کی حالت میں صرف پاخانہ پیشاب کے لئے گھر جاتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اعتکاف کی حالت میں جب ہوتے تو گھر سوائے پاخانہ و پیشاب کے تشریف نہ لاتے۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۲۷۲، ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۳۴۸)

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اعتکاف کی حالت میں صرف انسانی ضرورت پاخانہ و پیشاب کے علاوہ گھر تشریف نہ لاتے۔

فائدہ: معتکف کا اصل مقصد مسجد میں محصور ہو کر تقرب الٰہی حاصل کرنا ہے، خدا کے گھر پڑے رہنا یہ ایک مستقبل عبادت اور شان عبدیت و غلامی ہے، اور اس نے نیت کے ذریعہ عہد کیا ہے کہ آپ کے گھر اتنے دن پڑا رہوں گا جب تک کہ ماہ مبارک ختم نہ ہوگا۔ لہٰذا کسی شدید ضرورت کے علاوہ مسجد سے نکلنا اس کے عہد کے خلاف ہوگا۔

اور ایسی شدید ضرورت جو مسجد سے باہر ادا ہوتی ہے وہ پاخانہ پیشاب ہے، لہٰذا معتکف کو پاخانہ و پیشاب کے علاوہ کسی اور گھریلو ضروریات یا عیادت وغیرہ کے نکلنا جائز نہ ہوگا۔

آپ ﷺ صرف پاخانہ پیشاب کے لئے گھر تشریف لاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ معتکف پاخانہ پیشاب کے لئے مسجد سے باہر نکل کر میدان و جنگل میں بھی جا سکتا ہے، اور اپنے گھر کے پاخانہ میں بھی جا سکتا ہے، اور وہاں ٹھہرے نہ فوراً فارغ ہو کر چلا آئے، ہاں وضو کر سکتا ہے، علامہ عینی نے بدائع کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رات دن کسی وقت بھی پاخانہ پیشاب کے علاوہ کھانے پینے سونے اور مریض کی عیادت یا شرکت جنازہ کے

لئے نکلا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، خواہ بھول کر ہی کیوں نہ نکل جائے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۴۵)

اگر پنجگانہ جماعت ہوتی ہو مگر جمعہ نہیں ہوتا ہو تو معتکف جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد جا سکتا ہے اس سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ (بنایہ صفحہ ۴۷)

معتکف مریض کی عیادت نہیں کر سکتا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کی حالت میں ہوتے اور مریض کے پاس سے گزرتے تو گزر جاتے، مڑ کر ان سے حالت و خیریت نہ پوچھتے۔ (ابوداؤد صفحہ ۳۳۵)

عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا سنت (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ) سے ہے کہ اعتکاف کی حالت میں نہ مریض کی عیادت کرے، نہ جنازہ میں حاضر ہو۔ (ابوداؤد صفحہ ۳۳۵)

حضرت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کرتے ہیں کہ معتکف مریض کی عیادت نہیں کر سکتا۔ (موطا امام مالک صفحہ ۹۹)

فائدہ: مریض کی عیادت ثواب عظیم کا باعث ہے، بسا اوقات واجب ہوتا ہے کہ اس کی عیادت اور تیمارداری کرے کم از کم اس کے پاس اس کی خیریت و عافیت معلوم کرے، تسلی دے، دعا کرے، مگر معتکف کے لئے یہ جائز نہیں۔ اس کے ذمہ سے اعتکاف عظیم کے بدلہ معاف ہے اور اسے بحالت اعتکاف فضل و کرم خداوندی سے ان امور کا ثواب ملتا ہے۔ چونکہ معتکف کو صرف پاخانہ پیشاب کے لئے ہی نکلنے کی اجازت ہے۔

جسے ضرورت طبعی اور بشری کہتے ہیں اور یہ مریض کی عیادت اس سے خارج ہے اس لئے مریض کی عیادت کے لئے گیا اور رک کر خیریت و عافیت معلوم کی تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

اس لئے روایت میں ہے آپ گھر پاخانہ پیشاب کے لئے تشریف لے جاتے تو کوئی بیمار ہوتا تو آپ اس کے پاس سے سیدھے گزر جاتے اس کی طرف نہ مڑتے رکتے اور رک کر حالت دریافت نہ فرماتے۔

ہاں گزرتے ہوئے بلا رکے اور ٹھہرے حالت دریافت کی جا سکتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۲)

چنانچہ صحیح ابن خزیمہ میں ہے کہ عروہ اور عمرہ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب مسجد میں (مساجد البیوت میں) اعتکاف کرتی تھیں اور پاخانہ و پیشاب کے لئے نکلتی تھیں تو مریض کی عیادت نہیں کرتی تھیں ہاں مگر یہ کہ گزرتے ہوئے چلتے ہوئے پوچھ لیتی تھیں۔ (جلد ۳ صفحہ ۳۴۸)

نماز کے وضوء کے لئے آپ مسجد سے باہر نکلتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کی حالت میں ہوتے تو گھر

تشریف نہ لاتے ہاں مگر انسانی حاجت پاخانہ پیشاب کے لئے (اور یا) جب وضو کا ارادہ کرتے۔

(مسند احمد الفتح الربانی جلد۱۰ صفحہ۲۴۸)

فَائِدَہ: چونکہ اس زمانہ میں مسجد نبوی میں وضو خانہ نہیں تھا، اور وضو نماز کے لئے ضروری ہے، اس لئے آپ وضو کرنے کے لئے گھر تشریف لے جاتے، اس زمانے میں چونکہ مسجد سے متصل عین مسجد سے خارج وضو خانہ ہوتا ہے، اس لئے گھر کے بجائے مسجد ہی میں وضو کرے۔ خیال رہے کہ جن عبادتوں کے لئے وضو ضروری ہے، اس کے لئے تو مسجد سے خارج وضو خانہ میں جا کر وضو کر سکتا ہے۔ جیسے اشراق اوابین وغیرہ، اسی طرح تلاوت کلام پاک کے لئے بھی معتکف وضو خانہ جا سکتا ہے۔

البتہ وضو ہو اور پھر وضو پر وضو کرنا ہو جو مستحب یا اولیٰ ہے، اس کے لئے اگر وضو خانہ جائے گا تو جائز نہ ہوگا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

بعض روایت میں ہے کہ آپ نے مسجد میں وضو کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بڑے برتن میں وضو کا پانی گرا کر وضو کیا، چونکہ مسجد میں اس کے فرش پر وضو کا پانی گرانا جائز نہیں معتکف کے لئے اس کی اجازت ہے کہ اس طرح وضو کرے کہ وضو کا پانی مسجد میں نہ گرے کسی برتن وغیرہ میں اس کا پانی آئے اور اسے پھر مسجد کے باہر ڈال دے۔

خیال رہے کہ وضو خانہ مسجد کی حد سے خارج ہوتا ہے، بلا ضرورت شرعی جانے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

مردوں کے لئے اسی مسجد میں اعتکاف ہے جہاں جماعت ہوتی ہو

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ اعتکاف نہیں ہے مگر اس مسجد میں جس میں جماعت ہوتی ہو۔ (سنن کبریٰ صفحہ۳۱۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ حضرت نافع نے کہا کہ مجھ کو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مسجد کا وہ مقام دکھایا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۳۱۵)

قتادہ نے کہا کہ حضرت ابن عباس اور حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے اس مسجد میں اعتکاف نہیں جہاں جماعت نہ ہوتی ہو۔ (سنن کبریٰ جلد صفحہ۳۱۶)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مسجد جماعت کے علاوہ کہیں اعتکاف نہیں۔

(عبد الرزاق جلد۴ صفحہ۳۴۷)

شداد نے ذکر کیا کہ ایک شخص خیمہ کی ایک مسجد میں، (جس میں سفر کے موقع پر عارضی طور پر جماعت ہوتی ہے) اعتکاف کیا۔ حضرت ابن مسعود کو اطلاع دی گئی وہ آئے اور اس آدمی کو خیمہ سے نکال باہر کر دیا۔ لوگوں نے اس پر تحسین اور تعریف کی۔ (مسند عبدالرزاق جلد۴ صفحہ۳۴۸)

فَائِدَہ: چونکہ وہ مسجد تھوڑے ہی تھی۔

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں محلوں کی مساجد میں اعتکاف کرنے سے کوئی حرج نہیں اور حضرت سعید بن جبیر نے اپنی قوم کی مسجد میں اعتکاف کیا۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۹۰)

حضرت حذیفہ نے حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کہا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا اعتکاف نہیں مگر تین مسجدوں میں یا مسجد جماعت میں۔ (نیل الاوطار جلد۴ صفحہ۲۶۹)

فَائِدَہ: آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مسجد ہی میں اعتکاف فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے اعتکاف ایسی ہی مسجد میں ہو سکتا ہے جہاں جماعت ہوتی ہو۔ چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے المسجد شرط للاعتکاف۔ (جلد۱۱ صفحہ۱۴۸)

مردوں کے لئے سب سے افضل جگہ اعتکاف کے لئے مسجد حرام ہے۔ پھر مسجد نبوی پھر جامع مسجد پھر وہ مسجد جہاں نمازی زائد ہوں۔ (عمدۃ القاری جلد۱۱ صفحہ۱۴۲)

ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا اسی مسجد میں اعتکاف صحیح ہے جہاں پانچوں نماز جماعت کے ساتھ ہوتی ہو۔ (مرقاۃ جلد۴ صفحہ۳۳۰)

علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں بدائع کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ اعتکاف خواہ نفلی بھی کیوں نہ ہو مسجد جماعت کے علاوہ میں درست نہیں۔ (بنایہ صفحہ۷۴۶)

علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں حافظ کے قول کو نقل کرتے ہوئے کہا کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے۔ (جلد۴ صفحہ۲۶۸)

اعتکاف واجب کی قضا کا حکم فرماتے

حضرت عمر بن الخطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے ذکر کیا کہ یوم جعرانہ کے موقع پر میں نے نذر مانی تھی کہ اعتکاف کروں گا۔ تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جاؤ اعتکاف کرو اور روزہ رکھو۔

(سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۳۱۶)

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک رات اعتکاف کی مسجد حرام میں نذر مانی تھی تو انہوں نے نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا جاؤ اعتکاف کرو۔

(نسائی صفحہ۱۴۷)

فَائِدَہ: اگر اعتکاف کی نذر مانے تو اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے، اگر اس وقت ادا نہ کرے تو بعد میں اس کی قضا واجب رہتی ہے۔ اگر کسی نے ایک دن کے اعتکاف کی نذر مانی تو اس کے ساتھ شب بھی شامل کرنی ہوگی۔ اور صرف رات کا اعتکاف درست نہیں۔ چونکہ اعتکاف واجب کے لئے روزہ ضروری ہے۔ اور رات میں روزہ نہیں ہوتا۔ (فتح القدیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۴)

اسی طرح عشرہ اخیرہ کا اعتکاف کیا اور اعتکاف کسی وجہ سے فاسد ہوگیا تو اس کی قضا ایک دن کی واجب ہوگی چونکہ یہ اعتکاف بھی مثل واجب کے ہے۔ (فتح القدیر صفحہ ۳۹۳)

مزید قضاء کے مسائل آداب الاعتکاف میں بتفصیل سے ملاحظہ فرمائیں۔

عشرہ اخیرہ کے اعتکاف میں مسجد سے کب نکلنا بہتر ہے

حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے اعتکاف کیا پھر وہ مسجد سے عید میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر آئے۔ (استذکار صفحہ ۲۹۴)

امام مالک فرماتے ہیں کہ انہوں نے اہل علم تابعین عظام کی جماعت کو دیکھا کہ وہ عشرہ اخیرہ میں اعتکاف کرتے تھے اور وہ اپنے گھر میں اس وقت تک تشریف نہیں لاتے جب تک کہ وہ عید کی نماز مسلمانوں کے ساتھ پڑھ لیتے۔ (استذکار صفحہ ۲۹۵)

حضرت ابراہیم نخعی نے بیان کیا کہ لوگ (حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام) مستحب سمجھتے تھے کہ شب عید مسجد میں گزاریں اور وہیں سے صبح عید کے لئے نکلیں۔ (استذکار صفحہ ۲۹۶)

فَائِدَہ: خیال رہے کہ اعتکاف تو سورج ڈوبتے ہی شب عیدالفطر میں پورا ہو جاتا ہے۔ جیسے ہی عید کا چاند نظر آیا یا شرعی طور پر اس کا ثبوت ہوا معتکف کا مسجد سے نکلنا اور گھر آنا جائز ہو جاتا ہے۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے یہاں (بلکہ امام مالک کے یہاں بھی) جیسے ہی عید کا چاند نظر آیا اعتکاف پورا ہوگیا۔ (پس اس کے لئے نکلنا جائز اور مباح ہوگیا) ابن عبدالبر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ سورج کے غروب ہوتے ہی وہ مسجد سے باہر آسکتا ہے۔ (استذکار صفحہ ۲۹۷)

لیکن اعلیٰ بہتر مستحب یہ ہے کہ شب عید بھی عبادت و اعتکاف میں گزارے۔ تاکہ شب عید کی عبادت کی جو فضیلت ہے کہ جس دن لوگوں کے دل مردہ ہو جائیں گے شب عیدین میں عبادت کرنے والوں کا دل زندہ رہے گا۔ اس کا پانے والا ہو جائے۔ جہاں دس رات بسر کی وہاں ایک رات اور بسر کرے ثواب عظیم کا حامل ہوگا۔ اسی وجہ سے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت اس فضیلت پر عمل کرتی تھی۔

روزہ نہیں تو عشرہ اخیرہ کا اعتکاف بھی نہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعتکاف بلا روزے کے نہیں ہے۔
(سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۳۱۷، دار قطنی جلد۲ صفحہ ۲۰۰)

امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت قاسم بن محمد اور نافع نے کہا بغیر روزے کے اعتکاف نہیں۔
(استذکار جلد۱۰ صفحہ ۳۱۷، موطا امام مالک صفحہ ۱۰۱)

حضرت عطا بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس کہا کرتے تھے کہ بلا روزے کے اعتکاف نہیں۔ (استذکار جلد۱۰ صفحہ ۲۹۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جو اعتکاف کرے روزہ رکھے۔
(سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۳۱۷، مسند عبدالرزاق جلد۴ صفحہ ۳۵۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا بغیر روزے کے اعتکاف نہیں۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۸۷)
حضرت مغیرہ نے ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کہ وہ اعتکاف کو بلا روزے کے درست نہیں سمجھتے تھے۔
(ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۸۷)

شرح مسند احمد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا روزے کے اعتکاف نہیں کیا۔ (بلاغ الامانی جلد۱۰ صفحہ ۲۵۴)
ابن عبدالبر مالکی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، قاسم محمد بن محمد، نافع مدنی، عروہ بن زبیر، عامر شعبی ابن شہاب زہری، سفیان ثوری، اوزاعی، حسن بن حی، اور حضرت امام اعظم، ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ یہ سب حضرات اس کے قائل تھے کہ اعتکاف کرنا بلا روزے کے درست نہیں۔ اسی کے قائل عطاء لیث، طاؤس ہیں۔ (استذکار جلد۱۰ صفحہ ۲۹۲)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف واجب ہو یا سنت موکدہ عشرہ اخیرہ کا اعتکاف اس کے لئے روزہ کی حالت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر روزہ مثلاً کسی مرض وغیرہ عذر ضعف وکبر سنی کی وجہ سے نہیں رکھ سکا تو اس کا عشرہ اخیرہ کا سنت موکدہ اعتکاف نہیں ہوگا۔ چنانچہ فقہاء کرام نے بھی اسے ضروری لکھا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

"ان الصوم شرط ایضا فی الاعتکاف المسنون، لانه تقدر ما العشر الاخیر حتی لو اعتکفه بلا صوم لمرض او سفر یعنی ان لا یصح عنه بل یکون نفلاً فلا تحصل به اقامة سنة الکفایة" (جلد۲ صفحہ ۴۴۲)

خیال رہے کہ نفلی اعتکاف جو رمضان اور غیر رمضان میں پورے دن کا اور یا تھوڑی دیر کا بھی ہوتا ہے اس کے لئے روزہ لازم اور شرط نہیں لہٰذا اعتکاف خواہ جب بھی کرے وہ بلا روزے کے صحیح ہے۔

لہٰذا ایسی صورت میں اگر مرض ہو یا عذر ضعف و پیری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہا ہو تو عشرہ اخیرہ کا اعتکاف نفل کی نیت سے کر سکتا ہے۔ اگر صرف سنت کی نیت سے کیا تو نفل ہوگا اور اس کے ٹوٹنے پر قضا کرنا نہ ہوگا۔

ابن قیم نے کہا کہ جمہور اسلاف کے یہاں اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے۔ (نیل الاوطار جلد۴ صفحہ ۲۶۸)

خیال رہے کہ واجب اور سنت موکدہ دونوں کے ادا اور قضاء کے لئے شرط ہے۔ اگر اعتکاف مسنون کی قضا کرے گا تو ایک روزہ رکھ کر قضا کرے گا۔

تفصیل اور وضاحت کے لئے آداب الاعتکاف جو اعتکاف کے موضوع پر نہایت مفصل رسالہ ہے ملاحظہ فرمائیں۔

آپ اعتکاف شب قدر کی تلاش اور اس کی فضیلت کے حصول کے لئے فرماتے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف بیچ کے عشرہ کا کیا۔ چنانچہ ۲۰ رکو ہم لوگ لوٹ آئے (یعنی اعتکاف سے نکل آئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے تو آپ کو خواب میں شب قدر بتا دی گئی۔ پھر بھلا دی گئی شام کو آپ منبر پر تشریف لائے اس پر بیٹھ کر وعظ فرمایا اور کہا جس نے اعتکاف کیا تھا پھر وہ اعتکاف کرنے چلا آئے۔ (چونکہ شب قدر اخیر عشرہ کی کسی رات میں ہے)۔

(ابن خزیمہ جلد۳ صفحہ ۲۴۳)

صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگوں نے وسط عشرہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف کیا۔ بس ۲۰ رکی صبح کو ہم لوگ نکل آئے (کہ اس دن کا اعتکاف پورا ہوگیا) آپ نے ۲۰ رکی صبح کو وعظ فرمایا اور کہا کہ مجھے شب قدر خواب میں دکھلائی گئی پھر بھلا دی گئی۔ سوائے عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو،...... پس جس نے میرے ساتھ (وسط عشرہ کا) اعتکاف کیا پھر وہ اعتکاف کے لئے لوٹ آئے چنانچہ لوگ مسجد واپس چلے آئے (اور عشرہ اخیرہ کا اعتکاف کیا تا کہ شب قدر مل جائے)۔ (بخاری صفحہ ۲۷۲)

فائدہ: اس روایت میں ذکر ہے کہ اولاً آپ نے بیچ عشرہ کا اعتکاف فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ شب قدر عشرہ اخیرہ کی کسی طاق رات میں ہے تو آپ نے حضرات صحابہ سے دوبارہ پھر عشرہ اخیرہ کے اعتکاف کو فرمایا اور خود بھی اعتکاف فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کا اولین مقصد شب قدر کی تلاش اور اس کی فضیلت کو حاصل کرنا ہے۔ کہ اعتکاف کی صورت میں وہ سوتا ہوا بھی یعنی عبادت گزار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کہ شب قدر اخیر عشرہ میں ہوتی ہے۔ آپ تا حین حیات اخیر عشرہ کا اعتکاف فرماتے رہے۔ اگر کسی سے پورے عشرہ کا اعتکاف نہ ہو سکے تو کم از کم طاق راتوں کا ہی اعتکاف کرے شاید یہ فضیلت حاصل ہو جائے۔ نہیں تو عبادت رمضان کا عظیم ثواب تو پائے گا ہی۔

اعتکاف کے فضائل اور ثواب

اعتکاف سے پچھلے گناہ معاف

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے اعتکاف کرے گا اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (فیض القدیر جلد ۶ صفحہ ۷۴، کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۵۲۴)

معتکف گناہوں سے محفوظ اور بلا نیکی کئے نیکی کا ثواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اعتکاف کرنے والا ایک تو تمام گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ دوسرے اس کے لئے وہ تمام نیکی کرنے والے کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں جسے وہ اعتکاف کی وجہ سے نہیں کر سکتا۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۳)

فائدہ: اس حدیث پاک میں اعتکاف کے دو خاص فائدے ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک گناہ سے حفاظت، یہ بہت بڑی دولت ہے کہ بسا اوقات ایسے حالات و اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی خلاف شرع باتیں سرزد ہو ہی جاتی ہیں۔ اور حالت اعتکاف میں ان سے حفاظت رہتی ہے۔ دوسرا یہ کہ بہت سے نیک اعمال جسے معتکف اعتکاف کی وجہ سے نہیں کر سکتا مثلاً مریض کی عیادت، جنازہ کی شرکت وغیرہ ان کا ثواب بلا کئے ملتا ہے۔ اللہ اکبر کس قدر رحمت اور فیاضی ہے۔ مگر ہم دنیاوی مشاغل اور نفس کی اطاعت کی وجہ سے اس سے محروم رہتے ہیں۔

کسی ایک عشرہ کا ثواب دو حج دو عمرہ کے برابر

حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو رمضان کے کسی ایک عشرہ کا اعتکاف کرے گا گویا اس نے دو حج دو عمرے کئے۔ (بیہقی، ترغیب صفحہ ۱۳۹، کنز العمال صفحہ ۵۳۰)

کس قدر آسان عمل اور عظیم ثواب، ایک عشرہ کا اعتکاف کوئی مشکل کام نہیں اور نہ اس کا کوئی صرفہ مگر ثواب حج اور عمرہ کے برابر۔ اللہ کا کتنا بڑا فضل و انعام ہے۔

ایک دن کے اعتکاف کی فضیلت جہنم کے درمیان تین خندق حائل

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ مسجد نبوی میں معتکف تھے۔ آپ کے پاس ایک شخص آیا۔ اور سلام کر کے چپ چاپ بیٹھ گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کیا بات ہے۔ میں تم کو غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں۔ اس نے کہا اے رسول اللہ کے چچا کے بیٹے میں پریشان ہوں فلاں کا مجھ پر حق ہے اس نے نبی پاک ﷺ کی قبر اطہر کی جانب اشارہ کر کے کہا۔ اس قبر والے کی عزت کی قسم میں اس حق کے ادا کرنے

پر قادر نہیں۔ اس پر حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کیا میں اس سے بڑی سفارش کروں۔ اس نے کہا جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ حضرت ابن عباس نے یہ سن کر جوتا پہنا اور مسجد سے (اعتکاف کے باوجود) باہر تشریف لے آئے۔ اس نے عرض کیا۔ کیا آپ اپنا اعتکاف بھول گئے۔ فرمایا بھولا نہیں ہوں۔ بلکہ میں نے اس قبر والے (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) سے سنا ہے اور ابھی زمانہ کچھ زیادہ نہیں گزرا (یہ لفظ کہتے ہوئے) ابن عباس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فرمارہے تھے۔ جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں چلے اور کوشش کرے اس کے لئے یہ دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص ایک دن کا بھی اعتکاف اللہ پاک کی رضا کے واسطے کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں (بڑی کھائیاں) آڑ فرمادیتے ہیں۔ جن کی مسافت آسمان اور زمین کے درمیانی مسافت سے زیادہ چوڑی ہے۔ (اور جب ایک دن کے اعتکاف کی یہ فضیلت ہے تو دس برس کے اعتکاف کی کیا کچھ کم مقدار ہوگی)۔ (ترغیب)

فَائِدَة: اس حدیث پاک سے دو اہم باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ ایک دن کے اعتکاف کا ثواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کے اور جہنم کے درمیان ۳؍ خندقیں حائل فرمادیتے ہیں اور ہر خندق اتنی بڑی ہوتی ہے جتنا سارا جہاں ایک دن سے زیادہ جس قدر اعتکاف ہوگا اسی قدر اس کا ثواب زیادہ ہوگا۔

دوسرا یہ کہ جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ کسی مسلمان کی ضرورتوں کا پورا کرنا ہے، جس کا اجر ثواب دس برس کے ثواب سے بھی افضل ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اپنے اعتکاف کی پرواہ نہیں کی کہ اس اعتکاف کی تلافی پھر ہوسکتی ہے اور اس کی قضا کی جاسکتی ہے۔ مگر کسی کے دل کی تلافی وقت کے بعد نہیں ہوسکتی۔ اسی وجہ سے صوفیہ کا مقولہ ہے۔ اللہ جل شانہ کے یہاں ٹوٹے دل کی جتنی قدر ہے اتنی کسی چیز کی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پریشان حال کی مدد و اعانت کا حدیث پاک میں کثرت سے تاکید اور فضیلت کا ذکر ہے کہ جو کسی کی پریشانی کو دنیا میں دور کرے گا خدا آخرت میں اس کی پریشانی کو دور کرے گا۔ افسوس کہ آج کے دور میں ایسے بیوقوفوں اور کم عقلوں کا کام سمجھا جاتا ہے۔ کل قیامت میں اس کا پتہ چلے گا یہ بیوقوفوں کا کام تھا یا چالاک لوگوں کا۔

نفلی اعتکاف تھوڑی دیر کے لئے بھی جائز اور باعث ثواب ہے

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جس نے دودھ دوہنے کی مقدار بھی اعتکاف کیا اس نے جان کو آزاد کیا۔

(نیل الاوطار صفحہ ۲۶۸، طبرانی فی الاوسط، بلوغ الامانی شرح مسند احمد صفحہ ۲۵۳)

فَائِدَة: خیال رہے کہ اعتکاف واجب ۲۴ گھنٹے ایک دن سے کم کا نہیں ہوتا اعتکاف سنت موکدہ ایک عشرہ سے

کم نہیں ہوتا۔ ایک عشرہ سے کم ہوگا تو اعتکاف نفل ہو جائے گا۔

اعتکاف نفل کی کوئی مقدار متعین نہیں وہ ایک گھنٹہ اور ایک منٹ کا بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ابن ہمام لکھتے ہیں امام محمد کے قول میں ایک منٹ کا بھی اعتکاف درست ہے۔ (فتح القدیر صفحہ ۳۹۳)

شامی میں ہے نفلی اعتکاف ہر گھڑی دن رات صبح وشام کیا جا سکتا ہے۔ (جلد ۲ صفحہ ۱۳۳)

بحرالرائق اور شامی میں ہے (نفلی اعتکاف کے لئے نہ کوئی وقت شرط ہے اور نہ مقدار)۔

اسی طرح نفلی اعتکاف نہ ٹوٹتا ہے نہ فاسد ہوتا ہے نہ اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔

(طحاوی علی الدر صفحہ ۴۷۴، بحرالرائق صفحہ ۳۲۴)

مغرب سے عشاء تک کے اعتکاف کا ثواب

علامہ شعرانی نے کشف الغمہ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص مغرب سے عشاء تک مسجد جماعت میں (جہاں جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہو) اعتکاف کیا اور سوائے نماز کے اور تلاوت قرآن پاک کے (ذکر وغیرہ) گفتگو نہیں کی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں محل بنائیں گے۔ (کشف الغمہ صفحہ ۲۱۲)

یہ اعتکاف نفلی ہے۔ مغرب سے عشاء تک کا وقت کوئی زائد نہیں رہتا۔ مگر اس کے اعتکاف کا ثواب کتنا زائد ہے۔ سبحان اللہ۔ اللہ پاک بندوں کو نوازنے کے لئے بہانہ بنا رہے ہیں۔

عموماً یہ وقت کاروبار کا بھی نہیں ہوتا۔ فارغ رہتا ہے۔ فرصت بھی بسا اوقات رہتی ہے۔ کبھی کبھی کر لینا چاہئے تاکہ جنت میں محل کا استحقاق ہو جائے۔ آخرت اور جنت کا یہ محل کس قدر آسان اور مفت ہے۔ خدا کرے ہمیں اس کی ہمیت معلوم ہو جائے۔

معتکف مسجد کے اوتاد اس کے ہم نشین دوست فرشتے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا مسجد کے کچھ لوگ اوتاد ہیں۔ ان کے ہم نشین احباب فرشتے ہوتے ہیں اگر یہ مسجد سے چلے جاتے ہیں تو یہ ان کو تلاش کرتے ہیں۔ اگر یہ بیمار ہو جاتے ہیں تو یہ ان کی مزاج پرسی عیادت کرتے ہیں۔ اگر ان کو کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو یہ فرشتے ان کی مدد کرتے ہیں۔ (الفتح الربانی مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۴۲)

فائدہ: بیوت اللہ، خدا کی مساجد، فرشتوں کے اڈے اور جمع ہونے کی جگہ ہیں۔ یہاں کثرت سے ان کا قیام اور آمد و رفت ہوتی رہتی ہے۔ ایسی صورت میں مسجد کے معتکفین حضرات ان کے مصاحب اور ہمنشین ہوں گے۔ فطرت اور محبت کا تقاضہ ہے کہ آدمی اپنے مصاحب سے انس حاصل کرتا ہے۔ اور اس کے نہ موجود ہونے پر اسے تلاش کرتا ہے۔ اسی طرح حضرات ملائکہ معتکفین سے مانوس ہو جانے پر ان کی ہم نشینی سے خوشی اور حظ حاصل

کرتے ہیں اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اوتاد جو ولایت اور اولیاء کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے وہ مراد ہو۔ بہرصورت معتکفین کی اہمیت اور فضیلت اس سے معلوم ہوتی ہے۔

معتکف شب قدر کی فضیلت وثواب حاصل کر لیتا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعتکاف کرنے والا گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور اس کے لئے تمام نیکیاں لکھی جاتی ہیں جو کوئی نیکی کرنے والا کرتا ہے۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ معتکف اعتکاف کی صورت اگر کوئی عبادت نہیں بھی کر رہا ہوتا ہے۔ تب بھی اعتکاف کی وجہ سے اسے نیکی اور عبادت کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ اس کے سونے اور خاموش رہنے پر بھی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ لہٰذا ہر وقت وہ عبادت گزار ہوتا ہے۔ ادھر اخیر عشرہ کی کسی نہ کسی رات میں شب قدر ہوتی ہے۔ جب وہ ان ایام میں معتکف ہوگا اور اتفاقاً وہ شب قدر میں سوتا بھی ہوگا تب بھی اعتکاف کی وجہ سے وہ شب قدر میں عبادت گزار شمار ہوگا۔ اور اس کی فضیلت پالے گا۔ لہٰذا معتکف بہرصورت شب قدر یا اس کا ثواب پالے گا۔ اسی وجہ سے آپ نے اہتماماً اعتکاف کیا ہے۔ اور اپنے اصحاب کو تاکید کی ہے۔ لہٰذا جسے شب قدر کی بیش بہا دولت پانی ہو وہ اعتکاف کو لازم پکڑے۔

اعتکاف کے متعلق چند اہم مسائل

- رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف سنت موکدہ علی الکفایہ ہے۔
- اخیر عشرہ کا اعتکاف محلے یا مسجد کے کسی شخص نے ادا کر دیا تو سب کی جانب سے واجب ادا ہو گیا۔ (شامی جلد ۲ صفحہ ۴۴۲)
- اخیر عشرہ کے علاوہ کا مثلاً شروع کے ۲۰ ردنوں کا اعتکاف اسی طرح رمضان کے علاوہ کا اعتکاف خواہ ایک ساعت کا ہو نفل ہے۔ (شامی صفحہ ۱۱)
- رمضان کے اخیر عشرہ کے اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے۔ (شامی صفحہ ۱۱)
- اگر کوئی شخص کسی عذر مثلاً ضعف و پیری یا مرض کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکا تو عشرہ اخیرہ کا سنت موکدہ اعتکاف نہیں کر سکتا۔ ہاں نفلی اعتکاف کر سکتا ہے۔ (الشامی صفحہ)
- بڑی بستی یا شہر کے کئی محلے ہوتے ہیں تو ہر محلے پر عشرہ اخیرہ کا اعتکاف سنت موکدہ ہے۔ (طحطاوی علی المراقی صفحہ ۳۳۶)
- لہٰذا بڑے شہر کے ایک محلے کا اعتکاف دوسرے محلے والوں کے لئے کافی اور وجوب ادا کا باعث نہ ہوگا۔

❊ معتکف خواہ کسی محلے یا بستی کا ہو۔ جہاں اعتکاف کرے گا وہیں کے لوگوں کا اعتکاف مسنون ہوگا۔

(فتاویٰ دارالعلوم جلد ۶ صفحہ ۵۱۲)

❊ عشرہ اخیرہ رمضان کے اعتکاف میں ۲۰/رمضان کی شام کو سورج ڈوبنے سے قبل مسجد میں اعتکاف کی نیت سے آجانا لازم ہے۔ ورنہ اگر مغرب کے بعد مسجد میں آیا تو اعتکاف مسنون نہ ہوگا۔ نفل ہو جائے گا۔

(مسائل ارکان صفحہ ۲۳۱)

❊ مردوں کے لئے اعتکاف کی جگہ صرف وہ شرعی مساجد ہیں جہاں نماز و جماعت ہوتی ہو۔

❊ جو مسجد ویران ہو، اسی طرح ندی تالاب کے کنارے یا قبرستان و مزار کے قریب مسجد جہاں پنجوقتہ نماز نہ ہوتی ہو۔ وہاں اعتکاف کرنا درست نہیں۔ (طحطاوی علی الدر صفحہ ۳۷۴)

❊ مسجد میں معتکف ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے منتقل ہوسکتا ہے۔

(محمودیہ صفحہ ۵۹)

❊ اعتکاف مسنون کی انتہاء ۲۹/کو چاند نظر آنے پر یا ۳۰/ پورا ہونے پر سورج ڈوبنے کے بعد تک ہے۔ اگر مسجد سے سورج ڈوبنے سے قبل نکل آیا تو اعتکاف مکمل نہ ہوا۔ فاسد ہوگیا۔ (شامی صفحہ)

ہاں سورج ڈوبنے کے بعد نماز مغرب سے قبل نکل آیا تو اعتکاف صحیح ہوگا۔

❊ اعتکاف عشرہ اخیرہ میں بہتر ہے کہ عید کی نماز پڑھ کر گھر آئے۔

نفلی اعتکاف کے چند اہم مسائل

❊ نذر، منت اور رمضان کے اخیر عشرہ کے اعتکاف کے علاوہ تمام اعتکاف نفلی ہیں۔

❊ نفلی اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں۔

❊ نفلی اعتکاف کے لئے نہ کوئی وقت شرط ہے نہ کوئی مقدار دن رات صبح شام ہر گھڑی کیا جا سکتا ہے۔ ایک دن کا بھی ہوسکتا ہے اور ایک دو منٹ کا بھی ہوسکتا ہے۔

❊ جب بھی مسجد میں جائے جتنی دیر رہنا ہو اعتکاف کی نیت کرے، تو عبادت کے علاوہ اعتکاف کا بھی ثواب ملے گا۔ (بحرالرائق جلد ۲ صفحہ ۳۲۴)

❊ نفلی اعتکاف نہ ٹوٹتا ہے نہ فاسد ہوتا ہے اور نہ اس کی قضا ہوتی ہے۔ (طحطاوی صفحہ ۱۱۵)

❊ رمضان کے پہلے اور دوسرے عشرہ کا اعتکاف نفلی ہے۔ جو ان دنوں کا اعتکاف کرے گا اس پر نفلی اعتکاف کے احکام جاری ہوں گے۔ لہٰذا بلا ضرورت کے بھی اگر نکل گیا تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ اور اس کی قضا نہ کرنی ہوگی۔

❊ اگر کسی نے پورے ماہ کا اعتکاف کیا تو شروع کے بیس دن کے اعتکاف نفلی اور آخیر عشرہ کا اعتکاف سنت موکدہ ہوگا۔ دونوں کے احکام الگ الگ ہوں گے۔

عشرہ اخیرہ کے اعتکاف کے چند مسائل

❊ عشرہ اخیرہ اور واجب اعتکاف میں سوائے حاجت طبعیہ اور شرعیہ کے نکلنا درست نہیں ہے۔
❊ حاجت طبیعہ: پاخانہ، پیشاب اور غسل جنابت اور کھانا پینا وغیرہ ہے۔
❊ حاجت شرعیہ: جمعہ کی نماز کے لئے نکلنا ہے جب کہ جمعہ کی نماز اس مسجد میں نہ ہوتی ہو۔
❊ بیت الخلاء اگر مسجد میں نہ ہوتو معتکف گھر آ سکتا ہے۔
❊ پاخانہ کے لئے مسجد کے باہر اپنے گھر دوسرے کے گھر، میدان وجنگل بھی جا سکتا ہے۔
❊ پاخانہ پیشاب کے لئے نکلا واپسی پر وضو کرتا آیا درست ہے۔
❊ پاخانہ پیشاب کے لئے نکلا، بیت الخلاء خالی نہ ہونے کی وجہ سے رکنا پڑا، نمبر لگانا پڑا سو اس میں تاخیر کوئی حرج نہیں۔
❊ لنگی یا کپڑے میں نجاست لگ گئی تو اسے دھونے کے لئے معتکف مسجد سے باہر نکل سکتا ہے۔

(آداب الاعتکاف صفحہ ۶۶)

معتکف کو جن امور کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز ہے

❊ وضو کرنے کے لئے اور غسل جنابت کے لئے اور کھانا لانے کے لئے جب کوئی کھانا لانے والا نہ ہو اور جمعہ کی نماز کے لئے جب اس مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو اس مسجد سے معتکف کو نکلنا جائز ہے۔
❊ تلاوت کلام اور تمام نفلی نمازوں کے لئے وضو کے واسطے مسجد سے نکلنا جائز ہے۔
❊ وضو پر وضو کرنے کے لئے مسجد سے نکلنا درست نہیں نکلا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔
❊ پیاس لگی ہے مسجد میں پانی نہیں ہے باہر ہے کوئی لانے دینے والا نہیں ہے۔ تو معتکف مسجد سے باہر جا کر پانی لا سکتا ہے یا پی سکتا ہے۔
❊ مسجد میں بیت الخلاء ہے مگر بہت گندا باعث تکلیف، گھر میں یا کسی دوسری جگہ صاف ہے تو مسجد سے باہر صاف بیت الخلاء میں جا سکتا ہے۔ (آداب الاعتکاف صفحہ ۶۶)
❊ معتکف نے جس گاؤں یا بستی میں اعتکاف کیا ہے وہاں شرعاً جمعہ واجب نہیں ایسی صورت میں معتکف کو جمعہ پڑھنے کے لئے شہر یا قصبہ میں نکلنا درست نہیں، نکلا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (محمودیہ جلد ۷ صفحہ ۲۹۹)
❊ گواہی دینے کے لئے ضرورت کی وجہ سے مسجد سے نکلنا جائز ہے مگر اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

❊ والدین یا بچہ یا بیوی کی شدت مرض یا علاج و تیمارداری کے لئے مسجد سے باہر آنا جائز بلکہ بعض صورتوں میں لازم ہے مگر اس سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ گو گناہ نہ ہوگا۔ (آداب الاعتکاف صفحہ ۸۶)

❊ مسجد میں وضو کا پانی نہ ہو تو وضو کے پانی کے لئے مسجد سے باہر جا سکتا ہے۔ (آداب الاعتکاف صفحہ ۸۶)

❊ معتکف اگر بیمار ہو گیا، بیماری شدید ہو گئی، مسجد میں رکے رہنا مشکل ہو گیا تو وہ مسجد سے باہر علاج کے لئے یا گھر جانے کے لئے اعتکاف توڑ سکتا ہے۔ قضا ادا کرنی پڑے گی گو گناہ نہیں ملے گا۔ (بحرالرائق جلد ۲ صفحہ ۲۶)

اعتکاف فاسد ہونے کے متعلق چند مسائل کا ذکر

❊ اگر مسجد کی حد سے معتکف ایک سیکنڈ بھی نکل جائے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (ہندیہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۳)

❊ اگر بھول سے ''یا بالکل ذہن اور خیال میں نہیں رہا کہ معتکف ہوں'' نکل گیا۔ تب بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (گو گناہ نہ ہوگا)۔ (طحطاوی علی المراقی)

❊ مریض و بیمار کی عیادت کے لئے نکلا خواہ بیٹا بیوی کیوں نہ ہو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (طحطاوی)

❊ کسی کے بارے میں شہادت اور گواہی کا دینا ضروری تھا اس کے لئے مجبوراً نکلا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (شامی صفحہ)

❊ اگر روزہ کسی وجہ سے فاسد ہو گیا تو اعتکاف بھی فاسد ہو جائے گا۔ (بحرالرائق جلد ۲ صفحہ ۳۱۱)

❊ عذر اور مجبوری کی وجہ سے نکلا تو گو گناہ نہ ہوگا مگر اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ صفحہ)

❊ پاخانہ پیشاب یا وضو وغیرہ کے لئے نکلا فارغ ہونے کے بعد ٹھہر گیا رک کر کسی سے باتیں کرنے لگا تو اعتکاف فاسد ہو گیا۔

❊ بال و حجامت بنوانے کے لئے نکلا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (ہندیہ جلد ۲ صفحہ ۳۲۱)

❊ جمعہ کے غسل کے لئے جو مستحب ہے مسجد سے باہر غسل خانہ میں جانے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

❊ منجن یا مسواک کرنے کے لئے مسجد سے نکلا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

❊ بیڑی سگریٹ پینے کے لئے مسجد سے باہر نکلا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اور مسجد میں اس کا پینا درست نہیں۔ (رحیمیہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۲)

❊ عشرہ اخیرہ کا اعتکاف کسی وجہ سے ٹوٹ گیا تو مسجد سے باہر آ جانا ضروری نہیں بلکہ ایام کا نفل اعتکاف کرے۔ (آداب الاعتکاف صفحہ ۹۰)

❊ بدخوابی یا احتلام سے نہ روزہ فاسد ہوتا ہے اور نہ اعتکاف ٹوٹتا ہے۔

❊ بھول کر معتکف نے کھا پی لیا تو نہ روزہ ٹوٹے گا اور نہ اعتکاف فاسد ہوگا۔ (ہندیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۲)

❊ پاخانہ پیشاب کے لئے نکلا فارغ ہونے کے بعد واپسی میں ایک جنازہ مل گیا اس میں شریک ہوگیا تو اس سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ (شامی)

❊ اگر معتکف ریح خارج کرنے کے لئے مسجد سے باہر گیا اور فوراً مسجد چلا آیا تو اس سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ (ہندیہ جلد ۴ صفحہ ۲۱۲)

❊ اگر کوئی کھانا گھر سے لانے والا نہ ہو تو خود کھانا لانے گھر جا سکتا ہے۔ اور گھر میں کھانا کھا بھی سکتا ہے۔ اس سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ ہاں مگر فارغ ہونے کے بعد رکے نہیں۔

معتکف کو جن امور کی اجازت ہے

❊ حالت اعتکاف میں معتکف کا مسجد میں سونا کھانا ناشتہ کرنا وغیرہ سب مسجد میں ہی ہوگا۔

❊ معتکف کو حسب ضرورت تمام سامان مسجد میں رکھنا جائز ہے۔

❊ معتکف مسجد میں چارپائی لا کر اس پر سو بھی سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں بحالت اعتکاف چارپائی کا استعمال کیا ہے۔ گو اس دور میں مسجد کی ہیئت کی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ عرف اور ماحول میں اس کو قبیح سمجھا جاتا ہے۔

❊ معتکف کو کھانے پینے کے لئے دسترخوان کا استعمال لازم ہے تاکہ مسجد کی بے ادبی نہ ہو۔

❊ معتکف پورے جسم کے بجائے ہاتھ پیر سر یا جسم کی کوئی چیز نکالے تو اس سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ (بحر الرائق صفحہ ۳۲۶)

❊ معتکف مسجد میں وضو اور غسل کر سکتا ہے مگر اس طور پر کہ پانی مسجد میں نہ گرے۔ (آداب الاعتکاف صفحہ ۸۷)

❊ معتکف اپنے ساتھ کھانے پینے کی تمام اشیاء اور دوا دارو وغیرہ رکھ سکتا ہے۔

❊ معتکف مسجد میں مباح باتیں کر سکتا ہے اور غیر معتکف کو مسجد میں مباح بات کی اجازت نہیں۔ (آداب الاعتکاف صفحہ ۸۷)

❊ معتکف مسجد میں اپنا کپڑا سی سکتا ہے۔ غیر معتکف کو جائز نہیں۔ (جوہر نیرہ صفحہ ۱۴۷)

❊ طبیب و ڈاکٹر، مریض کو مسجد میں دیکھ سکتا ہے۔ دوا اور نسخہ لکھ سکتا ہے۔ (دار العلوم جلد ۶ صفحہ ۵۰۲)

❊ معتکف کے لئے مسجد میں رہتے ہوئے خرید و فروخت کرنا درست ہے غیر معتکف کو درست نہیں۔

قضاء کے مسائل

واجب اور عشرہ اخیرہ کے اعتکاف کے فاسد ہونے پر قضا واجب ہے۔

- جس دن کا اعتکاف فاسد ہوا صرف اسی ایک دن کی قضاء واجب ہے۔ اور بہتر ہے کہ پورے عشرہ کی قضاء کرے۔ (آداب الاعتکاف صفحہ ۹۰)
- قضاء روزے کے ساتھ ہوگی۔ بلا روزے کے قضا درست نہیں ہوگی۔ (شامی)
- قضاء کا طریقہ یہ ہے کہ روزہ کے ساتھ صبح صادق سے قبل مسجد میں داخل ہو جائے۔

غروب آفتاب کے بعد مسجد سے نکل آئے۔ قضاء ہو جائے گی۔ اگر اعتکاف رات کے وقت ٹوٹا ہے تو پھر رات اور دن ۲۴ گھنٹے کے اعتکاف کی نیت کرنی ہوگی۔ (آداب الاعتکاف صفحہ ۹۰)

- مزید اعتکاف کے متعلق مفصل مسائل اور معلومات کے لئے عاجز کی کتاب ''آداب الاعتکاف'' دیکھئے جو اس موضوع پر نہایت ہی جامع کتاب ہے۔



نفلی روزوں کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ شمائل اور عادات مبارکہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ بھی روزہ رکھتے تھے

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ میں ۳ روزے اور عاشور کا روزہ رکھتے تھے۔ (مسند احمد صفحہ ۲۴۶، ابوداؤد، سبل الہدیٰ جلد ۸ صفحہ ۴۰۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

(نسائی صفحہ ۳۰۶)

حضرت عبداللہ بن شقیق نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا تو انہوں نے بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (غیر رمضان میں نفلی) روزہ اس قدر کثرت سے رکھتے کہ ہم لوگ کہتے اب روزہ ہی رکھا کریں گے۔ اور کبھی اس کثرت سے روزہ نہ رکھتے تھے کہ ہم لوگ کہتے کہ آپ اب روزہ نہیں رکھیں گے۔ اور کسی ماہ کا مکمل روزہ نہیں رکھا کرتے تھے جب سے کہ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ ہاں مگر رمضان کا۔

(نسائی صفحہ ۳۰۶)

جبیر بن نفیل نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (نفلی) روزہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا پورے شعبان کا (اکثریہ) اور خاص کر کے پیر اور جمعرات کا رکھا کرتے تھے۔ (نسائی صفحہ ۳۰۶)

حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات (نفل روزہ رمضان کے علاوہ) مسلسل رکھا کرتے تھے کہ کہا جاتا کہ اب آپ بلا روزہ کے رہیں گے ہی نہیں۔ اور کبھی مسلسل نہ رکھتے کہ کہا جاتا کہ اب آپ روزہ رکھیں گے ہی نہیں۔ (نسائی صفحہ ۲۴۲)

حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سال میں کسی ماہ کا مکمل روزہ سوائے رمضان کے نہیں رکھتے اور شعبان کے روزہ کو رمضان سے ملا دیتے تھے۔ (نسائی صفحہ ۳۲۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سال میں کسی ماہ کا مکمل روزہ سوائے رمضان کے نہیں رکھتے اور شعبان کے روزہ کو رمضان سے ملا دیتے تھے۔ (نسائی صفحہ ۳۲۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ آپ دو ماہ کا مسلسل ملا کر روزہ نہیں رکھا کرتے تھے ہاں مگر شعبان اور رمضان کا (کہ پورے شعبان کا رکھنے کی وجہ سے دو ماہ کا مسلسل ہو جاتا)۔ (نسائی صفحہ ۲۲۱)

ماہانہ روزہ رکھنے کے متعلق آپ کا معمول مبارک

ہر ماہ کے ۳/روزے رکھنے والا صائم الدہر ہے

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ماہ کے ۳/روزے رکھنا صوم الدہر ہے۔ (ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۱)

عبدالملک بن منہال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صحابی رسول تھے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو ایام بیض کے روزہ کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ صوم الدہر ہے۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۹۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہر ماہ کے ۳/روزے رکھنا صوم الدہر ہمیشہ روزہ رکھنا ہے۔
(سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۹۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہر ماہ کے ۳/روزے رکھے اس نے گویا پورے زمانہ کا روزہ رکھا۔ (کنزالعمال جلد ۹ صفحہ ۵۶۴)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ۱۳/۱۴/۱۵ کا روزہ رکھنا صوم الدہر ہے۔
(کنزالعمال جلد ۹ صفحہ ۵۶۸)

فائدہ: شرح بخاری میں علامہ نووی کا قول لکھا ہے کہ ایام بیض کے روزوں کے مستحب ہونے پر اتفاق ہے۔ جو ۱۳/۱۴/۱۵/ کی تاریخ ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر ماہ کے ۳/روزے اس طرح رکھتے ہر ماہ کا پہلا دن، دسواں دن، بیسواں دن اور کہتے یہ صوم الدہر ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۹۷)

ہر ماہ کے ۳/روزوں کی فضیلت

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین روزہ ہر ماہ کا ۳/روزہ ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۹۶)

کون جنت کے بالا خانہ میں

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو جنت کے بالا خانوں کے

بارے میں خبر نہ دوں تو میں نے پوچھا کہ وہ کس کے لئے ہے آپ نے فرمایا جو سلام کو رائج کرے، اور ہمیشہ روزہ رکھے۔ اور اسی میں ایک روایت ہے جس نے ماہ رمضان کا اور ہر ماہ کے ۳/روزے رکھے اس نے گویا صوم الدہر ہمیشہ روزہ رکھا۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۹۶)

فَائِدَہ: رمضان کا روزہ اور ہر ماہ کے ۳/روزے کی پابندی کرنے والا صائم الدہر ہے۔ اور وہ صوم الدہر کی تمام فضیلتوں کا حامل ہے۔ یعنی وہ پوری زندگی روزہ رکھنے والا ہے۔

ایام بیض کے روزے کی ابتداء حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے ہے

مسند دیلمی میں حضرت ابن عباس سے مرفوعاً منقول ہے کہ ان روزوں کا نام ایام بیض اس وجہ سے پڑا کہ جب حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام زمین پر اتارے گئے تو سورج نے ان کو جلا دیا یعنی سیاہ کالا کر دیا تو اللہ پاک نے ان کی جانب وحی بھیجی کہ ایام بیض کا روزہ رکھیں۔ تو انہوں نے پہلا روزہ رکھا تو ایک تہائی جسم سفید ہوگیا۔ پھر دوسرے دن کا روزہ رکھا تو دو تہائی جسم سفید ہوگیا پھر جب تیسرے دن کا روزہ رکھا تو پورا جسم سفید ہوگیا بس اسی وجہ سے اس کا نام بیض پڑا۔ (کنز العمال جلد ۹ صفحہ ۵۶۵، مجہول السند، عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۹۵)

فَائِدَہ: علامہ عینی نے شرح بخاری میں ایام بیض کی وجہ تسمیہ میں اسی روایت مذکورہ کو ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۹۵)

ہر ماہ میں ۳/روزے رکھا کرتے تھے

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہر ماہ کے غرہ (شروع ماہ) میں ۳/روزے رکھا کرتے تھے۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۲۹۴، نسائی)

معاذ عدویہ نے حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے پوچھا کہ کیا آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہر ماہ میں ۳/روزے رکھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے جواب دیا ہاں۔ پھر پوچھا کن دنوں میں کہا ماہ کے کسی بھی دن میں۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۳۰، ابن ماجہ صفحہ ۱۲۲، الفتح الربانی صفحہ ۲۰۸)

بعض ازواج مطہرات سے منقول ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہر ماہ میں ۳/روزے رکھتے مہینہ کا پہلا دوشنبہ، بدھ، اور کوئی دن۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۲۸۵)

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہر ماہ میں ۳/روزے رکھا کرتے تھے۔ (نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۲۸)

آپ ایام بیض کا روزہ رکھتے اور امت کو بھی حکم دیتے

حضرت ابوذر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہم لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ ایام بیض کے روزے

رکھیں یعنی ۱۳/۱۴/۱۵/ چاند کی تاریخ۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۲۹۴، ترمذی، نسائی، صفحہ ۳۲۸، ابن حبان صفحہ)

عبدالملک بن المنہال نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ہم لوگوں کو رسول پاک ﷺ نے حکم دیا کہ ایام بیض کے روزہ رکھیں کہ یہ پورے ماہ کے روزے رکھنا ہے۔

انہیں کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ لیالی بیض ۱۳/۱۴/۱۵ کے روزے رکھنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے کہ یہ گویا کہ صوم الدہر ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سے کسی نے روزہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ایام بیض کے روزے ہر ماہ میں ۳/ دن رکھو۔ (مجمع صفحہ ۱۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ایام بیض کا روزہ ترک نہیں فرماتے نہ حضر میں اور نہ سفر میں۔ (سبل الہدیٰ جلد ۸ صفحہ ۴۳۴، نسائی صفحہ)

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ایام بیض کے روزے کسی ماہ نہیں چھوڑتے تھے۔ (سبل الہدیٰ صفحہ ۴۳۵)

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ایام بیض کے روزے کبھی سفر اور حضر میں نہیں چھوڑے۔
(زادالمعاد جلد ۱ صفحہ ۳۴۰ قدیم)

آپ ہر ماہ کے تین روزوں کو کبھی نہ چھوڑتے

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ۴/ امور بالکل نہ چھوڑا کرتے تھے ① عاشور کا روزہ، ② ہر ماہ کے تین روزے ③ عشرہ ذی الحجہ کا روزہ ④ فجر سے قبل ۲ رکعت (سنت)۔ (نسائی صفحہ ۳۲۸)

خالد نے بعض ازواج مطہرات سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ ذی الحجہ کے ۹ دنوں کا، عاشورہ کا اور ہر ماہ کے تین روزے پیر کے دن کا اور دو جمعرات کے روزے نہ چھوڑا کرتے۔ (نسائی صفحہ ۳۲۹)

ہر ماہ کے تین روزوں کا حکم فرماتے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے میرے محبوب ابوالقاسم ﷺ نے ہر ماہ کے ۳/ روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ (ابن خزیمہ صفحہ ۳۰۰، بخاری صفحہ ۲۶۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم لوگ ماہ میں ۳/ روزے رکھا کریں۔ جو ایام بیض ہیں۔ ۱۳/۱۴/۱۵ تاریخ ہیں۔ (ترمذی، نسائی صفحہ ۳۲۸، ابن حبان)

اگر ہر ماہ میں تین روزے نہ رکھ سکے تو ایک ہی رکھ لیا کرے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے روزے کے متعلق پوچھا

تو فرمایا مہینہ میں ایک روزہ تو رکھ لو تم کو باقی کا بھی اجر ملے گا۔ (ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۰)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ روزہ جیسی افضل ترین عبادت سے کوئی ماہ خالی نہ جائے۔ اگر ۳/ نہ ہو سکے تو ایک ہی رکھ لے بالکل نفی اور محرومی تو نہ ہوگی۔ کچھ تو روزہ کی برکت حاصل ہو جائے گی۔

آپ مہینہ کے کن تین دنوں میں روزہ رکھتے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہینہ کے ۳/ دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ مہینہ کی پہلی جمعرات اس کے بعد والا دوشنبہ پھر اس کے بعد والا دوشنبہ۔ (الفتح الربانی صفحہ ۲۱۴، نسائی)

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ میں ۳/ روزے رکھا کرتے تھے دوشنبہ کا، جمعرات کا اور دوسرے ہفتہ کے پیر کا۔ (الفتح صفحہ ۲۱۴، ابوداؤد)

خزاعی کی بیوی نے بعض ازواج مطہرات سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ میں ۳/ روزے رکھتے پہلے دوشنبہ کا اور دو جمعرات کا۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۸۹، نسائی صفحہ، ابوداؤد صفحہ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ہر ماہ میں ۳/ روزے رکھنا مستحب ہے۔ جس کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ پیر جمعرات جمعہ کو رکھے۔ اسی طرح بھی کہ دو جمعرات یا دوشنبہ کا روزہ دو مرتبہ یا ایک دوشنبہ اور ایک جمعہ یہ سب طریقے آپ سے ثابت اور مستحب ہیں۔ ابوصالح دمشقی نے آپ کے ہر ماہ ۳/ روزے کی تفصیل یوں ذکر کی ہے۔

(۱) پیر جمعرات، پیر، (۲) پہلا دوشنبہ، پھر ماہ کی پہلی جمعرات، پھر اس کے بعد والی جمعرات (۳) ہفتہ، اتوار، پیر، (۴) منگل، بدھ، جمعرات، (۵) ماہ کا پہلے ۳/ دن، (۶) ایام بیض ۱۳/۱۴/۱۵/ چاند کی تاریخ، (۷) کوئی سا بھی ۳/ دن۔ (سبل الہدیٰ جلد ۸ صفحہ ۴۳۶)

ہر ماہ کے آغاز میں بھی ۳/ روزے رکھتے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے غرہ میں (شروع ماہ) روزے رکھا کرتے تھے اور بہت کم جمعہ کو بے روزہ ہوتے۔ (الفتح الربانی جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۵)

فائدہ: راوی نے غرہ ماہ کے روزہ رکھنے کا ذکر کیا ہے۔ علامہ عراقی نے اس کے متعلق کہا کہ اس سے مراد بالکل ماہ کا شروع بھی ہو سکتا ہے اور ایام بیض بھی۔ (بلوغ الامانی شرح فتح الربانی صفحہ ۲۱۵)

فائدہ: راوی نے غرہ ماہ کے روزہ رکھنے کا ذکر کیا ہے۔ علامہ عراقی نے اس کے متعلق کہا کہ اس سے مراد بالکل ماہ کا شروع بھی ہو سکتا ہے اور ایام بیض بھی۔ (بلوغ الامانی شرح فتح الربانی صفحہ ۲۱۵)

لیکن غرہ کا اطلاق شروع ماہ پر ہوتا ہے۔ اور ہلال اول شہر میں ہوتا ہے۔ اس لئے شروع ماہ کا مراد ہونا زیادہ راجح ہے۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۲۱۶)

ملا علی قاری اور علامہ مناوی نے بھی اول ماہ ہی مراد ذکر کیا ہے۔ (جمع الوسائل صفحہ ۱۲۲)
مطلب یہ ہے کہ ماہ کے ۳/روزے کبھی شروع ماہ میں کبھی ایام بیض اور کبھی متفرق ایام دوشنبہ جمعرات وغیرہ میں رکھا کرتے تھے۔ علامہ مناوی نے شرح شمائل میں لکھا ہے کہ تا کہ ماہ کی ابتداء روزہ کی برکت سے ہو۔ (جمع الوسائل صفحہ ۱۲۲)

شروع ماہ کا روزہ کس دن سے شروع فرماتے

حضرت عبداللہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ہر ماہ کے شروع چاند میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور اس کی ابتداء جمعہ کے دن سے فرماتے۔ (صحیح ابن خزیمہ صفحہ ۳۰۳)
فائدہ: کبھی آپ شروع ماہ کا روزہ دوشنبہ سے اور کبھی جمعہ سے اور کبھی دنوں سے فرماتے تھے۔

آپ مہینہ کے ۳/دنوں کا روزہ کس ترتیب سے رکھتے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ مہینہ میں ۳/روزے رکھا کرتے تھے۔ مہینہ کی پہلی جمعرات، اس کے بعد والا دوشنبہ، پھر اس کے بعد والا دوشنبہ۔ (الفتح الربانی جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۴، نسائی)
فائدہ: یعنی پہلی جمعرات، پھر دوشنبہ یکے بعد دیگرے۔
خزاعی کی بیوی نے بعض ازواج مطہرات سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ ہر ماہ میں ۳/روزے رکھا کرتے تھے پہلے دوشنبہ کا، اور دو جمعرات کے۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۸۹، نسائی، ابوداؤد)
اس میں ایک دوشنبہ اور دو جمعرات کا ذکر ہے۔
حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ہر ماہ میں ۳/روزے رکھا کرتے تھے دوشنبہ کا، جمعرات کا، دوسرے ہفتہ کے دوشنبہ کا۔ (الفتح الربانی جلد ۱۰، صفحہ ۲۱۴، سنن کبریٰ صفحہ ۲۹۵)
فائدہ: اس میں اولاً دوشنبہ پھر جمعرات پھر دوشنبہ کا ذکر ہے۔ اس میں دوشنبہ فصل کے ساتھ ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ مہینہ میں ہفتہ کا اتوار کا اور دوشنبہ کا روزہ رکھا کرتے تھے اور آخر ماہ کے منگل بدھ جمعرات کا رکھا کرتے تھے۔ (ترمذی صفحہ، مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۰)
فائدہ: اس حدیث پاک میں کبھی مہینہ کے ۳/روزے شروع کے ہفتہ اتوار، سوموار اور اگر آخر میں رکھتے تو منگل بدھ جمعرات کو رکھا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ گویا آپ نے پورا ہفتہ روزے سے گھیر لیا۔
علامہ طیبی نے بیان کیا کہ مسلسل نہیں رکھا تا کہ امت کے لئے مشقت کا باعث نہ ہو۔
(مرعاۃ المفاتیح جلد ۷ صفحہ ۸۷)

ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ ہر ماہ میں ۳ روزے رکھوں پہلا دوشنبہ، جمعہ اور جمعرات۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۸۹، بحوالہ مرعاۃ المفاتیح جلد ۷ صفحہ ۸۸، مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو فرمایا کہ مہینہ کے ۳ روزے رکھو تو ۱۳/۱۴/۱۵ تاریخ کا رکھو۔ (ترمذی، نسائی، مشکوٰۃ)

فائدہ: اس حدیث پاک میں آپ ﷺ کے بھی ۱۳/۱۴/۱۵ کے روزہ رکھنے کا ذکر ہے۔

اسی طرح اپنے اصحاب کو بھی ان تین دنوں میں رکھنے کا حکم دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بیشتر آپ ماہ کے تین روزے اس ترتیب سے رکھا کرتے تھے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ماہ کہ تین روزے کے علاوہ آپ ایام بیض کا اہتمام سے رکھا کرتے تھے۔ اس طرح ماہ میں چھ روزے ہوگئے۔

خیال رہے کہ ماہ کے چھ روزے حدیث عائشہ سے جو بحوالہ ترمذی مذکور ہے اس سے بھی ثابت ہے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ کبھی کبھی آپ ماہ میں چھ روزے بھی رکھا کرتے تھے۔

علامہ عینی نے شرح بخاری میں ہر ماہ تین روزے کی ترتیب کے متعلق اہل علم کے متعدد اقوال کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے اس میں نوں اقوال ہیں:

❶ ہر ماہ میں تین روزے مستحب ہیں بلا کسی ترتیب وتعین کے بلکہ متعین کر کے رکھنا مکروہ ہے۔ مالکیہ کا یہی معروف مسلک ہے۔

❷ ہر ماہ کے ۱۳/۱۴/۱۵ کو مستحب ہے، اکثر و بیشتر اہل علم کا یہی قول ہے۔ ابن حبیب (مالکیہ میں) اور امام احمد اور اسحٰق اور احناف اور ان کے اصحاب کا یہی مسلک ہے۔

❸ ۱۲/۱۳/۱۴ کو رکھنا مستحب ہے۔

❹ شروع ماہ کے تین دنوں میں رکھنا مستحب ہے حسن بصری اسی کے قائل ہیں۔

❺ سنیچر، اتوار، اور ماہ کے پہلے دوشنبہ کو پھر منگل پھر بدھ پھر جمعرات کو جو ماہ کا پہلا ہو رکھنا مسنون ہے۔

❻ ماہ کے آخری دنوں میں۔

❼ ماہ کے دو پیر اور جمعرات کو۔

❽ ماہ کا پہلا دن دسواں دن، اور بیسواں دن۔

❾ ماہ کا پہلا دن پھر گیارہواں پھر بیسواں۔ مالکیہ میں ابو اسحٰق اسی کے قائل ہیں۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۹۷)

ماہ شوال کے روزوں کے متعلق

شوال کے روزے سے جنت

حضرت عکرمہ بن خالد کی روایت میں ہے کہ نبی پاک ﷺ کی زبان اقدس سے یہ نکلے الفاظ، کہ جس نے رمضان کا شوال اور بدھ و جمعرات کا روزہ رکھا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(مسند احمد، جلد ۱۰، صفحہ ۲۱۹، مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۹۳)

شوال کے ۶ روزوں سے پورے سال کے روزوں کا ثواب

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے ۶ روزے رکھے اس نے گویا ہمیشہ روزے رکھے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ (مسلم صفحہ ۳۶۹، ابوداؤد صفحہ ۳۳۰، ترمذی صفحہ ۱۵۸، ابن ماجہ صفحہ ۱۲۳)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (آپ کے غلام) سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے عید کے بعد ۶ دنوں کے روزے رکھے اس نے تمام سال کے روزے رکھے کہ جو ایک نیکی کرتا ہے اسے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۲۳، نسائی، ترغیب صفحہ ۱۱۰)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ شوال کے ۶ رزوے رکھ لینے سے دس ماہ کا ثواب ملے گا۔ اور ادھر رمضان کے ایک ماہ کا ثواب اس ماہ کے روزے کا ملا۔ اور ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے لہٰذا اسے ۱۲ ماہ ایک سال کا ثواب ملے گا۔ جو ہمیشہ اس کا معمول رکھے گا اسے صوم الدہر ہمیشہ روزے کا ثواب ملے گا۔ (ابن حبان، ترغیب جلد ۲ صفحہ ۱۱۱)

ایسا ثواب گویا ماں نے آج ہی جنا ہو

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے رمضان کا روزہ رکھا پھر اس کے بعد شوال کے ۶ روزے رکھے وہ گناہوں سے ایسا صاف ہو جائے گا جیسا کہ ان کی ماں نے آج جنا ہو۔ (طبرانی، ترغیب جلد ۲ صفحہ ۱۱۱)

بکثرت احادیث میں اس روزہ کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ حضرت جابر، ثوبان، ابوہریرہ، ابن عباس، سہل، براء، حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ سے یہ حدیث مروی ہے۔ امت کے صالحین عباد زہاد کا اس پر تعامل رہا ہے۔ ہر دور میں امت کے ایک طبقہ میں اس کا معمول رہا ہے، تھوڑا عمل اور زیادہ ثواب ہے۔ رمضان کے بعد عادت کی وجہ سے اس کا رکھنا بھی آسان رہتا ہے۔ خواہ عید کے بعد مسلسل رکھ

لے جو بہتر ہے یا الگ الگ رکھ لے۔ دونوں جائز ہے۔ علامہ نووی نے بیان کیا ہے کہ خواہ الگ الگ رکھے یا آخری شوال میں رکھے فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ (شرح مسلم صفحہ ۳۶۹)

ذی الحجہ کے روزوں کے متعلق

آپ عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ۴/عمل کو کبھی نہیں چھوڑا۔ عاشورہ کا روزہ، عشرہ ذی الحجہ کا روزہ، ہر ماہ کے ۳/روزے اور فجر سے قبل کی ۲/رکعت۔

(نسائی صفحہ ۳۲۳، مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۰، مسند احمد صفحہ ۱۵۹)

فائدہ: عشرہ ذی الحجہ سے مراد ایک تاریخ سے ۹/تاریخ بقر عید کے علاوہ مراد ہے۔ چونکہ دسویں دن تو روزہ رکھنا منع ہے۔ (شرح مسند احمد جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۹)

ملا علی قاری نے بھی بیان کیا کہ ۹/دن عشرہ سے مراد ہے۔ (مرقاۃ جلد ۴ صفحہ ۳۰۵)

ہنیدہ بن خالد کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ کے ۹/دنوں کا یوم عاشورا کا اور ہر ماہ میں ۳/روزے رکھتے تھے۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۱۵۸، نسائی)

فائدہ: یعنی ایک تاریخ سے ۹/تاریخ تک رکھتے تھے۔ (شرح مسند احمد صفحہ ۱۵۸)

اسی کو عشر سے بھی بعض روایت میں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر گزرا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشرہ ذی الحجہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

(کشف الغمہ صفحہ ۲۰۷)

عشرہ ذی الحجہ کے روزوں کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عشرہ ذی الحجہ کے دنوں کی عبادت سے بڑھ کر کوئی عمل افضل نہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا جہاد بھی نہیں آپ نے فرمایا ہاں جہاد بھی نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس دن کے عمل سے زیادہ کسی دن کا عمل محبوب نہیں۔

(سنن کبریٰ صفحہ ۲۸۵، مسند طیالسی جلد ۲ صفحہ ۲۰۶، ترمذی، ابن ماجہ)

ایک روزہ کا ثواب ایک سال کے روزوں کا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے ذی الحجہ کے دس دنوں کے روزے رکھے اس کے

لئے عرفہ کے علاوہ پورے سال کے روزوں کا ثواب لکھا جائے گا۔ (کنز العمال جلد ۹ صفحہ ۵۷۹)

مسند ابی عوانہ میں ہے کہ عشرہ ذی الحجہ کے ایک روزے کا ثواب ایک سال کے روزے کے برابر ہے اور اس کے ایک رات کی عبادت کا ثواب شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح جلد ۴ صفحہ ۳۰۵)

فَائِدَۃ: عشرہ ذی الحجہ کی بڑی فضیلت ہے۔ سورۃ الفجر میں جو دس راتوں کی قسم کھائی گئی ہے۔ جس سے ان راتوں کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد ذی الحجہ کا عشرہ ہے۔ یہی قول حضرت ابن عباس مجاہد اور مسروق کا ہے۔

(القرطبی لجامع احکام القرآن جلد ۱۰ صفحہ ۴۱)

بعض لوگوں نے عرفہ کی وجہ سے اس عشرہ کو فضیلت دی ہے۔ (مرقاۃ)

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ آپ ذی الحجہ کے ۹ر دنوں کے روزے رکھتے تھے۔ اور چونکہ اس عشرہ میں عبادت اور روزے کی فضیلت اور ثواب اور دنوں سے زائد ہے آپ فضیلت اور ثواب کے امور کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی ایک روایت میں ہے کہ میں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اس عشرہ میں روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۲۸۵)

یا تو اس سے مراد حجۃ الوداع کا سال ہے کہ آپ سفر حج میں تھے اور سفر حج کے موقع پر ارکان حج کی ادائیگی کی وجہ سے روزہ رکھنا منع ہے۔ اسی وجہ سے عرفہ کے دن حاجیوں کو منع ہے۔ یا ایسا ہوا ہوگا کہ کسی سال آپ نے نہ رکھا ہوگا۔ علامہ نووی نے بیان کیا کہ کسی عارض، سفر یا مرض کی وجہ سے نہ رکھا ہوگا۔ (مسلم صفحہ ۳۷۲)

ملا علی قاری نے، مرقاۃ میں ذکر کیا جس راوی نے جیسا دیکھا ویسا ذکر کر دیا۔ (مرقاۃ صفحہ ۳۰۵)

امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وغیرہ نے عشرہ ذی الحجہ کو دیگر عشرہ پر فضیلت دی ہے۔ ابن حبان نے رمضان کے اخیر عشرہ اور ذی الحجہ دونوں کو فضیلت میں مساوی قرار دیا ہے۔ (مرقاۃ صفحہ ۱۱)

علامہ نووی نے بیان کیا کہ عشرہ ذی الحجہ میں روزہ رکھنا مستحب ہے خاص کر نویں دن عرفہ کا کہ اس کی بڑی فضیلت ہے۔ (شرح مسلم صفحہ ۳۷۲)

عرفہ کا روزہ

عرفہ کے روزہ کی فضیلت

حضرت سہل بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جس نے عرفہ کے دن ۹ر ذی

الحجہ کا روزہ رکھا اس کے دو سال کے مسلسل گناہ معاف ہوں گے۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۹۲)

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اگلے اور پچھلے گناہوں کا کفاہ (گناہوں کے معافی کا ذریعہ ہے)۔

(طحاوی صفحہ ۳۳۵، ابن خزیمہ صفحہ ۲۹۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرفہ کے روزہ کا ثواب دو سال کے روزے کے برابر سمجھتے تھے۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۱۲۳)

عرفہ کے روزہ سے دو سال کے گناہ معاف

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عرفہ کا روزہ رکھا اس کے ایک سال اگلے اور ایک سال پچھلے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ اور جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اس کے ایک سال کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۱۹۲، بزار صفحہ ۴۹۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عرفہ کے دن روزہ رکھا اس کے لئے یہ دو سال کا کفارہ ہوگا۔ اور جو محرم کے ماہ کا ایک روزہ رکھے گا اس کو ایک دن کے بدلہ ۳۰/دن کا ثواب ملے گا۔ (مجمع صفحہ ۱۹۳)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفہ کے دن کے روزہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا سال موجود اور سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ (مجمع صفحہ ۱۹۳)

فائدہ: عرفہ کے دن جو ذی الحجہ کی ۹/تاریخ ہے روزہ رکھنا سنت اور باعث فضیلت ہے۔ دو سال کے گناہ اس سے معاف ہوتے ہیں۔ ہاں مگر حج کرنے والے کے لئے عرفات میں روزہ رکھنا سنت نہیں ہے۔ مکروہ اور ممنوع ہے۔ تاکہ قیام عرفات کے دوران دعا اذکار عبادت اور دیگر مناسک حج میں تعب اور تکان اور کمزوری سے نقصان نہ ہو۔ (اتحاف السادہ صفحہ ۴۴۴)

علامہ عینی نے بیان کیا کہ محدث طبری نے ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ اس وجہ سے نہیں رکھا تاکہ لوگوں کو اختیار رہے۔ ایسا نہ ہو کہ رکھنے پر دعا و ذکر میں نقاہت معلوم ہونے لگے۔ بعضوں نے اس کی وجہ یہ بھی کہی کہ وہ جمعہ کے دن پڑ گیا تھا۔ اور آپ نے تنہا اس دن روزہ رکھنے سے منع کیا۔ مزید یہ کہ حجاج کے لئے عید کا دن ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے۔ یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام منیٰ مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے۔ اس وجہ سے آپ نے نہیں رکھا۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۰۹)

آپ نے حج کے دوران عرفہ کے دن روزہ نہیں رکھا

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا آپ نے روزہ نہیں رکھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حج کیا انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور حضرت عمر کے ساتھ کیا وہ بھی اسی طرح۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حج کیا انہوں نے بھی اسی طرح کیا۔ نہیں رکھا۔ چنانچہ میں بھی نہیں رکھتا ہوں اور نہ حکم کرتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں۔

(ترمذی صفحہ ۱۵۸، نسائی، طحاوی جلد ۱ صفحہ ۳۳۵، اتحاف جلد ۴ صفحہ ۲۲۴)

حضرت ام الفضل بنت حارث کہتی ہیں کہ لوگوں نے عرفہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ (رکھنے اور نہ رکھنے) کے سلسلہ میں اختلاف کیا۔ کسی نے کہا روزے سے ہیں کسی نے کہا روزے سے نہیں ہیں۔ حضرت ام سلمہ نے (پتہ چلانے کے لئے) ایک پیالہ دودھ کا بھیجا آپ اس وقت عرفات کے میدان میں اونٹ پر تھے۔ آپ نے پی لیا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم عرفہ، یوم النحر، ایام تشریق، ہمارے مسلمانوں کی عید ہے۔ یہ دن کھانے پینے کا دن ہے۔ (ابن خزیمہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۲)

حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں (حجاج کرام کو) عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۹۲، طحاوی جلد ۱ صفحہ ۲۳۵)

فائدہ: خیال رہے کہ حجاج کرام کے لئے عرفات کے میدان میں عرفہ کے دن روزہ نہ رکھنا ہی مستحب اور سنت ہے۔ حج کے دوران نہ آپ نے رکھا ہے کہ اور نہ خلفاء راشدین نے، اسی وجہ سے محدثین نے اس دن حجاج کے لئے نہ رکھنے کے استحباب پر باب قائم کیا ہے۔ (کذافی ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۲)

جمہور علماء نے کہا اس دن حجاج کو عرفہ میں نہ روزہ رکھنا مستحب ہے۔ یحییٰ بن سعید نے تو نہ رکھنا واجب قرار دیا ہے۔ ابن قدامہ نے بیان کیا کہ بیشتر اہل علم تو نہ رکھنا ہی مستحب قرار دیتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ذکر اور دعا میں نہ ہو تو وہ رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکھا کرتے تھے۔

بعضوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ نہ رکھنے کی وجہ کہتے ہوئے کہا کہ عرفہ کا دن جمعہ کا دن تھا۔ اور جمعہ کے دن تنہا روزہ رکھنا منع ہے۔ یا آپ سفر کی حالت میں تھے اور حالت سفر میں روزہ رکھنا بہتر نہیں ہے۔ یا اس وجہ سے کہ اہل موقف کے لئے یہ عید کا دن ہے۔ عید کی طرح لوگوں کے اجتماع کا دن ہے اس لئے نہیں رکھا۔

(مرعاۃ المفاتیح جلد ۷ صفحہ ۵۲)

خیال رہے کہ حجاج کرام کے لئے عرفات میں یہ تعامل ہے کہ روزہ نہ رکھنے پر۔ اس لئے روزہ نہ رکھنا سنت متوارثہ ہے۔

احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ عرفہ کے دن کے روزہ رکھنے کا ثواب دوگنا ہے بمقابلہ عاشورہ کے روزہ کے۔ یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ عرفہ کا روزہ شریعت محمدی سے متعلق ہے۔ اور عاشورہ کا روزہ شریعت موسوی سے متعلق ہے۔ اسی وجہ سے حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ عرفہ کا روزہ افضل ہے، عاشورہ کے روزہ سے۔
(مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوٰۃ جلد۶ صفحہ۶۱)

رجب کے روزے کے متعلق

آپ رجب کا روزہ رکھتے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ رجب اور شعبان کے سوا کسی ماہ کا پورا (یا اکثر) روزہ نہیں رکھا۔ (بیہقی جلد۴ صفحہ ۲۶۹، مجمع الزوائد جلد۳ صفحہ۱۱۹، شرح مسند احمد جلد۱۰ صفحہ۱۹۳)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رجب میں روزہ رکھتے تھے۔
(کشف الغمہ صفحہ۲۰۸)

یا تو جس زمانہ میں آپ نے منع فرمایا اس زمانہ سے پہلے یا بعد میں رکھتے ہوں گے یا ایام بیض کے روزے مراد ہوں گے۔ یا آپ نے امت کے لئے منع کیا ہو اور آپ کو جائز ہو۔

روزۂ رجب کی فضیلت

عثمان بن مطر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صحابی رسول ہیں کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رجب بڑا مہینہ ہے۔ اللہ پاک اس میں نیکیاں بڑھا دیتے ہیں جس نے رجب میں ایک دن کا روزہ رکھا اس نے گویا ایک سال کا روزہ رکھا۔ (شرح مسند احمد جلد۱۰ صفحہ۱۹۳، مجمع الزوائد صفحہ۴۴۵)

حضرت ابوذر کی روایت میں ہے کہ جس نے رجب کا روزہ رکھا اس نے ایک ماہ کا روزہ رکھا۔
(شرح مسند صفحہ۱۹۳)

آپ نے رجب کے روزے سے منع بھی فرمایا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے۔ (ابن ماجہ، جمع الفوائد صفحہ۴۴۵)

زید بن اسلم نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجب میں روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا تم

شعبان کا روزہ کیوں نہیں رکھتے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۰۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجب میں روزہ رکھنے سے منع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ زبردستی پکڑ کر پلیٹ میں کھانے کے لئے بٹھا دیتے تھے۔

اور کہتے تھے کھاؤ جاہلیت کے دور میں اس مہینہ کی عظمت کی جاتی تھی۔ (کہ روزہ رکھا جاتا تھا) اب جاہلیت کے امور پر عمل نہیں)۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۱۰۲)

فَائِدَہ: آپ کی آمد سے پہلے جاہلیت کے دور میں اس ماہ کی بہت تعظیم کی جاتی تھی اور روزہ رکھا جاتا تھا۔ اس جاہلیتی دور کی تعظیم کے پیش نظر آپ نے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی منع فرمایا کرتے تھے۔ ہاں یوں کسی دن رکھ لے یا مہینہ کے ۳ر دن کی ترتیب سے رکھے تو منع نہیں ہے۔

رجب میں ۲۷ر تاریخ کا روزہ جو عوام میں مشہور ہے یہ بھی غلط ہے نہ اس کی کوئی فضیلت ہے نہ آپ سے اور نہ صحابہ تابعین کرام سے ثابت ہے، عوام میں اس کا ثواب ہزار روزہ سے مشہور ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں اس روزہ کا رکھنا بھی منع ہے۔ ثواب سمجھنا بھی درست نہیں۔

شعبان کے روزوں کے متعلق آپ کا معمول

آپ کو شعبان کا روزہ بہت محبوب تھا

حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول آپ اس ماہ شعبان میں دوسرے مہینوں کے مقابلہ میں جس کثرت و اہتمام سے رکھتے ہیں اور مہینوں میں نہیں تو آپ نے فرمایا رجب اور رمضان کے بیچ میں جو مہینہ ہے لوگ اس سے غافل ہیں۔ اس مہینہ میں بندوں کے اعمال رب العالمین تک پہنچتے ہیں بس میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اوپر جائیں اور میں روزے سے ہوں۔

(ترغیب صفحہ ۱۱۶، نسائی، مسند احمد جلد ۱۰، صفحہ ۱۹۹، فتح الباری صفحہ ۲۱۵)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے آپ کو شعبان کا روزہ رکھنا بہت محبوب تھا۔

(مسند احمد صفحہ ۱۹۸، ترغیب صفحہ ۱۱۶)

بسا اوقات پورے ماہ شعبان کے روزے رکھتے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھتے

نہیں دیکھا سوائے شعبان اور رمضان کے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ترغیب صفحہ ۱۱۸)

حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو شعبان کے علاوہ کسی ماہ کثرت سے روزہ رکھتے نہیں دیکھا بلکہ پورے ماہ کے روزے رکھتے اور دوسرے ماہ کے تھوڑے۔ (ترغیب جلد۲ صفحہ ۱۱۷)

حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ شعبان میں پورے ماہ کے روزے رکھتے تو میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو شعبان کے ماہ کے روزے تمام مہینوں میں بہت پسند ہیں۔ آپ نے فرمایا اس ماہ میں سال بھر کے مرنے والوں کا فیصلہ لکھا جاتا ہے۔ (یعنی کتنے لوگ لقمۂ اجل بنیں گے) میں چاہتا ہوں کہ میری موت ہو (لکھی جائے) اور میں روزے سے ہوں۔

(ترغیب صفحہ ۱۱۷، ابویعلی، عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۸۳، طحاوی صفحہ ۳۳۱، ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۰۳)

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ماہ شعبان اور ماہ رمضان کے روزے دونوں ملا دیتے تھے۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۱۹۹)

حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے کہ آپ کو روزوں میں شعبان کا مہینہ بڑا پسند تھا کہ روزہ رکھتے ہوئے رمضان سے ملا دیتے تھے۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۲۹۲)

بسا اوقات اکثر دنوں کا روزہ رکھتے

حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو سوائے رمضان کے کسی ماہ کا مکمل روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ اور میں نے شعبان کے ماہ کے علاوہ اکثر دنوں میں روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۲۹۳)

حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں کہ آپ ﷺ شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے تھے۔

(شرح مسند احمد جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۹)

فَائِدَہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ آپ شعبان کے روزے بہت اہتمام اور کثرت سے رکھا کرتے تھے۔ بسا اوقات پورے ماہ کے روزے رکھا کرتے تھے۔ اور مسلسل آخر تک رکھتے جاتے کہ رمضان کے روزوں کے ساتھ مل جاتے۔ اور مسلسل دو ماہ کے روزے ہو جاتے۔ اور کبھی ایسا ہوتا کہ اکثر ماہ کے روزے رکھا کرتے۔ دونوں معمول تھا۔ اس لئے روایتوں میں دونوں کا ذکر ہے۔ مگر آپ نے نصف شعبان کے بعد لوگوں کو روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے تاکہ ضعف سے رمضان کے روزوں پر اثر نہ پڑے، اس سے معلوم ہوا کہ نفل سے فرض میں کوتاہی ہو تو نفل سے منع کیا جائے گا۔ تاکہ فرض اہتمام اور نشاط سے ادا ہو۔ اسی وجہ سے رات کی نماز سے صبح کی فرض نماز میں فرق پڑتا ہو تو رات کی نماز کو چھوڑ کر یا کم کر کے فرض کا اہتمام کیا جائے گا۔ امام غزالی نے بیان کیا

کہ دو ماہ کا مسلسل روزہ رکھنا جائز ہے آپ کے عمل کی وجہ سے۔

حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ آپ ماہ شعبان میں نفلی روزے دوسرے ماہ کے مقابلہ میں زائد رکھتے تھے۔ حافظ نے بیان کیا جن روایتوں میں کل ماہ روزہ رکھنے کا ذکر ہے اس سے اکثر یہ دن مراد لیا جا سکتا ہے۔ چونکہ اکثر پر کل کا اطلاق ہوتا ہے۔ حافظ نے کہا کل والی روایت سے اکثر مراد ہے۔

حافظ ابن حجر نے اکثر روزہ رکھنے کی اس ماہ میں حکمت بیان کرتے ہوئے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔

❶ یا تو اس ماہ کی تعظیم اور فضیلت کی وجہ سے۔

❷ یا سفر کی وجہ سے جو مہینہ کا نفلی روزہ چھوٹ جاتا اس کی تلافی میں اس ماہ کثرت سے رکھتے۔

❸ یا ازواج مطہرات اس ماہ میں قضا وغیرہ روزہ پورا کرتیں، آپ ان کی موافقت میں روزہ رکھتے جس سے اکثر یہ روزہ ہو جاتا۔

❹ یا چوں کہ آگے رمضان آجاتا اس میں نفلی روزہ نہیں رکھا جا سکتا اس کی تلافی میں شعبان میں اکثر روزہ رکھتے۔ (فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۱۵، شرح مسند احمد صفحہ ۲۰۰)

رمضان کے بعد افضل ترین روزہ شعبان کا فرماتے

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ سے پوچھا گیا رمضان کے بعد کس ماہ کا روزہ افضل ہے۔ آپ نے فرمایا شعبان، عظمت رمضان کی وجہ سے ہے، آپ سے پوچھا کس ماہ میں صدقہ خیرات افضل ہے۔ فرمایا رمضان میں۔ (ترمذی صفحہ، ترغیب صفحہ ۱۱۷، شرح مسند احمد صفحہ ۲۰۰)

فائدہ: شعبان اور محرم یہ دو ماہ روزے کے لئے افضل ترین ہیں۔ اسی فضیلت کی وجہ سے آپ اس ماہ میں کثرت سے روزہ رکھتے تھے۔ علامہ شعرانی کشف الغمہ میں لکھتے ہیں کہ آپ اس ماہ میں بہت کثرت سے روزہ رکھا کرتے تھے۔ (صفحہ ۲۰۸)

حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ آپ اس ماہ میں دیگر ماہ کے نفلی روزے جو سفر وغیرہ سے رہ جاتے تھے اس ماہ میں پورا فرماتے تھے۔

ازواج مطہرات بھی اسی ماہ میں دیگر روزوں کو پورا کرتیں تھیں۔

اسی ماہ میں بندوں کے اعمال خصوصی طور پر بارگاہ رب العالمین میں پیش کئے جاتے ہیں اور اسی ماہ میں موت وحیات کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بھی آپ کثرت سے روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور امت کو بھی ترغیب ہے کہ وہ اس فضیلت کے پیش نظر اس ماہ کے اول میں کثرت سے روزہ رکھیں خصوصاً پندرہویں شعبان کو جس کی مستقل فضیلت ہے تاکہ روزہ کی حالت کی وجہ سے ان کے حق میں بہتر فیصلہ ہو سکے، ہاں مگر نصف شعبان گزر

جائے تو پھر روزہ نہ رکھے۔ بیہقی میں ہے کہ ”جب نصف رمضان گزر جائے تو روزہ چھوڑ دو“ (عمدۃ القاری صفحہ ۸۵) تاکہ رمضان قوت اور نشاط سے گزرے۔

پندرہویں شعبان کے روزے کے متعلق

آپ ۱۵ر شعبان کا روزہ رکھتے اور حکم دیتے

کثیر بن مروہ سے مرسلاً منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا رب عزوجل نصف شعبان کی رات اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور سب کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ سوائے مشرک کے، اور آپ شعبان میں روزہ رکھا کرتے تھے یہاں تک کہ رمضان آجاتا تھا اور آپ روزہ سے ہوتے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۸ صفحہ ۴۴۳)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب نصف شعبان کی رات آئے، تو اس رات میں عبادت کرو۔ اور اس کے دن میں روزہ رکھو کہ اس کی رات میں خدائے پاک عزوجل مغرب کے بعد آسمان دنیا کی طرف نزول فرما ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں، ہے کوئی رزق چاہنے والا کہ میں اسے رزق عطا کروں ہے کوئی پریشان حال کہ میں اسے عافیت دوں یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۱۵، ابن ماجہ صفحہ، ترغیب جلد ا صفحہ ۱۲۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہمارے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا یہ نصف شعبان کی رات ہے، اس رات اللہ پاک قبیلہ کلب کی بکریوں کے بال کے برابر اہل جہنم کو آزاد فرماتے ہیں۔ (اس قبیلہ میں بکریوں کی تعداد بہت تھی اس لئے آپ نے مثالاً بیان کیا) شرک اور کینہ پرور کی طرف رخ نہیں فرماتے۔ اور نہ رشتوں کو توڑنے والے کی طرف، اور نہ ازار لٹکانے والے کی طرف اور نہ والدین کے نافرمان کی طرف اور نہ دائمی شراب پینے والے کی طرف۔ (ترغیب صفحہ ۱۱۸، کشف الغمہ صفحہ ۲۰۸)

فائدہ: نصف شعبان کی رات میں عبادت ودعا اور اس کے دن میں روزہ رکھنا مسنون ہے، چنانچہ آپ نے حکم بھی دیا ہے کہ رات کے بعد والے دن میں روزہ رکھو ادھر آپ ﷺ شعبان میں بکثرت روزہ رکھتے تھے بسا اوقات پورے ماہ کا روزہ رکھتے اس ماہ سے زیادہ کسی ماہ میں آپ روزہ نہیں رکھتے۔

چونکہ اس رات بندوں کے موت وحیات رزق وغیرہ کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ ادھر فیصلے ہو رہے ہوں ادھر بندہ دعا وعبادت وروزے سے ہوتا کہ خداوند قدوس ان کے حق میں بہتر فیصلہ فرمائے۔

خیال رہے کہ اس رات اور دن میں سوائے عبادت، دعا، زیارت قبرستان اور روزے کے علاوہ کوئی تیسری

چیز سنت وشریعت سے ثابت نہیں۔ بعض علاقوں میں رائج ہے کہ اس رات میں مساجد اور گھروں میں خوب بتیاں جلاتے ہیں۔ حلوہ اور پلاؤ وغیرہ کا التزام کرتے ہیں۔ عمدہ اور نئے کپڑے پہنتے ہیں عورتیں اس رات میں نئی چوڑیاں پہنتی ہیں، پٹاخے چھوڑتے ہیں، یہ سب ممنوع اور رسم اور واہیات باتیں ہیں۔ ان کا دین اور شریعت سے کوئی تعلق نہیں سب جہالت اور بے دینی کی باتیں ہیں۔ ایسے امور کا کرنا گناہ اور چھوڑنا واجب ہے، مگر افسوس امت اسی کو ثواب اور دین کا کام سمجھ کر کرتی ہے۔ مصلحین امت روکتی اور منع کرتی ہے تو ماشی نہیں۔

محرم کے روزے کے متعلق

آپ اشہر حرم کا روزہ رکھا کرتے

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشہر حرم (محرم، رجب، ذیقعد، ذی الحجہ) کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۲۵)

رمضان المبارک کے بعد ماہ محرم کے روزے افضل ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے بعد افضل ترین روزہ ماہ محرم کا روزہ ہے اور افضل ترین فرض نماز کے بعد تہجد کی نماز ہے۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

اسی طرح حضرت جندب بن سفیان کی روایت ہے۔ (ترغیب صفحہ ۱۱۴، مجمع صفحہ ۲۵۵، ترغیب صفحہ ۱۱۴، سنن کبریٰ صفحہ ۲۹۱)

رمضان کے علاوہ کسی ماہ کا روزہ رکھے تو محرم کا رکھے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور میں آپ کے پاس بیٹھا تھا کہ رمضان کے بعد کس ماہ کا روزہ رکھنے کا حکم مجھے فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تجھے رمضان کے علاوہ روزہ رکھنا ہے تو ماہ محرم کا روزہ رکھو۔ یہ وہ ماہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ کو قبول کیا دوسری قوم کی توبہ کو قبول کرے گا۔ (ترغیب صفحہ ۱۱۴، ابن ابی شیبہ صفحہ ۴۱، مسند احمد صفحہ ۱۶۹)

فائدہ: امام غزالی نے بیان کیا کہ سال کی ابتداء چونکہ محرم سے ہوتی ہے اس لئے اس کی ابتداء روزے سے دوام برکت کا باعث ہے۔ اسی وجہ سے ماہ محرم کے روزے کی فضیلت ہے۔ (اتحاف السادہ صفحہ ۲۵۵)

علامہ نووی نے بیان کیا کہ رمضان کے روزے کے بعد اشہر حرم کے روزے کی فضیلت ہے۔ اور اس میں افضل ترین روزہ محرم کے مہینے کا ہے۔ امام غزالی نے بیان کیا کہ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ، ماہ محرم کا پہلا عشرہ اور پورا ماہ محرم روزے کا محل ہے۔ (شرح احیاء العلوم صفحہ ۲۵۵)

محرم کے ایک روزے کی فضیلت ۳۰ روزے کے برابر

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے ماہ محرم کا ایک روزہ رکھا اسے ایک دن کے بدلے ۳۰ر دن کے روزے کا ثواب ملے گا۔

(مجمع جلد۴ صفحہ ۱۹۳، ترغیب صفحہ ۱۱۴، اتحاف صفحہ ۲۵۶، شرح مسند احمد صفحہ ۱۷۰)

ماہ محرم کے ۳ر روزوں کی فضیلت ۶۰ر سال کی عبادت کے برابر

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو محرم کے ماہ میں ۳ر روزے جمعرات، جمعہ سنیچر کا رکھے گا اسے ساٹھ سال کی عبادت کا ثواب ملے گا۔ (مجمع جلد۴ صفحہ ۱۹۳، شرح مسند احمد صفحہ ۱۹۳، طبرانی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت تو یہ ہے کہ اسے سات سو سال کی عبادت کا ثواب ملے گا۔

(اتحاف السادہ جلد۴ صفحہ ۲۵۶)

فائدہ: شرح مسند احمد میں ہے کہ اس ماہ کی نسبت اللہ کی طرف ہے، کہ حدیث میں شہر اللہ کہا گیا ہے۔ اس ماہ میں روزہ تمام دیگر ماہ کے مقابلہ میں سوائے رمضان کے افضل ہے، اسی ماہ کا روزہ شعبان کے روزہ سے بھی افضل ہے۔ آپ اس ماہ میں کثرت سے روزہ کا اہتمام فرماتے تھے۔ (جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۱)

حضرت ابن عمر اور حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس ماہ میں روزہ رکھا کرتے تھے حضرت ابن عمر تو مکہ میں یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۴۲)

عاشورہ کے روزے کے متعلق

آپ عاشورہ محرم کا روزہ رکھتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ عاشورہ کے روزہ رکھنے کا حکم فرماتے تھے۔ پھر جب رمضان کا روزہ فرض ہوگیا تو فرماتے جو چاہے رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ (بخاری صفحہ ۲۶۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا۔ تو آپ نے اس دن کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ بہت خیر کا دن ہے۔ اسی دن بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات ملی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (شکراً) روزہ رکھا تو آپ نے فرمایا میں تم سے زیادہ اس کا مستحق ہوں۔ تو آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں کو حکم دیا۔ (بخاری صفحہ ۲۶۸)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا عاشورہ کو یہود عید کا دن (خوشی

کی وجہ سے) مانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا تم اس دن روزہ رکھو (اس کی مخالفت میں)۔ (بخاری صفحہ ۲۶۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ آپ مدینہ تشریف لائے تو یہود کو روزہ رکھتے ہوئے پایا تو آپ نے فرمایا اس دن کس وجہ سے روزہ رکھتے ہو تو ان لوگوں نے جواب دیا۔ یہ بہت بڑا دن ہے۔ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات ملی۔ فرمایا اور اس کی قوم ڈوبی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکراً روزہ رکھا تو ہم بھی رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا ہم تم سے زیادہ مستحق ہیں پس آپ نے رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(مسلم صفحہ ۳۵۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے مدینہ میں آکر جمعہ عاشورہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آج عاشورہ کا دن ہے، اس دن کا روزہ اللہ پاک نے فرض نہیں کیا ہے۔ میں روزے سے ہوں، جو پسند کرے، آج کے دن روزہ رکھے اور جو نہ رکھنا چاہے نہ رکھے۔ (مسلم صفحہ ۳۵۸، موطا امام مالک صفحہ ۹۲)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ (بزار صفحہ ۴۹۰)

عاشورہ کا روزہ اب واجب نہیں بلکہ جائز اور سنت ہے

حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کے روزہ کا حکم دیتے تھے اور اس کی ترغیب دیتے تھے۔ اور اس کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ پھر جب رمضان کا روزہ فرض ہوگیا تو آپ نہ حکم فرماتے نہ منع فرماتے تھے اور نہ اس کا عہد و پیمان لیتے تھے۔ (مسلم صفحہ ۳۵۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اہل جاہلیت (اسلام کی آمد سے قبل لوگ) عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس روزہ کے رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ یہاں تک کہ جب رمضان کا روزہ فرض ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہے رکھے اور جو نہ چاہے نہ رکھے۔ (اسے اختیار ہے)۔

(مسلم صفحہ ۳۵۸، موطا امام مالک صفحہ ۹۲)

حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حارث ابن ہشام کو یہ کہنے بھیجا کہ وہ (لوگوں سے کہہ دیں اعلان کر دیں) کہ کل یوم عاشورہ ہے خود بھی روزہ رکھیں اور اپنے اہل، گھر والوں کو بھی کہیں کہ وہ روزہ رکھیں۔ (کذا فی ابن خزیمہ صفحہ ۲۸۶)

علامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عاشورہ کا روزہ رکھنا سنت ہے۔

(عمدۃ جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۸)

کس دن عاشورہ کا روزہ ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عاشورہ کا روزہ محرم کی دسویں تاریخ کو رکھا جائے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۱۷)

فائدہ: علامہ عینی نے لکھا ہے کہ جمہور علماء صحابہ تابعین اور اس کے بعد تمام علماء کا مسلک اور قول ہے کہ وہ محرم کی دسویں تاریخ ہے۔ اور حضرت ابن عباس کی رائے ہے کہ وہ نویں تاریخ ہے، ابواللیث کی تفسیر میں ہے کہ وہ گیارہویں تاریخ ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۱۷)

خیال رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں جو ہے کہ نویں کو روزہ رکھو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نویں کو عاشورہ ہے۔ عاشورہ کا مفہوم خود عشر کی ترجمانی کر رہا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عاشورہ کا روزہ ۹ ر سے رکھو دس نو ہے ہی نہیں۔

چنانچہ حضرت ابن عباس کی ایک دوسری روایت میں ہے، یہود کی مخالفت کرتے ہوئے ایک دن پہلے رکھو ایک دن بعد رکھو۔ چنانچہ حضرت ابن عباس دو دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ جس روایت میں نویں کو روزہ رکھنے کا حکم ہے اس کا مطلب ہے ۹ ر کا دس کے ساتھ رکھو۔ (عمدۃ جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۷)

آپ رمضان اور عاشورہ کے روزے کا اہتمام فرماتے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عاشورہ کے علاوہ کسی اور دن کا جس پر اس کو فضیلت حاصل ہے اور رمضان المبارک کے علاوہ کسی روزہ کا اہتمام کرتے نہیں دیکھا۔

(بخاری صفحہ ۲۶۹)

فائدہ: علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اور دنوں کے مقابلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کے روزے کا اہتمام خاص طور پر فرماتے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ۴ ر چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چھوڑتے تھے (ہمیشگی کے ساتھ ادا کرتے تھے) عاشورہ کا روزہ، عشرہ ذی الحجہ کا روزہ، ہر ماہ کے ۳ ر روزے، اور فجر کی ۲ رکعت سنت ہے۔

(زاد المعاد صفحہ)

عاشورہ کے روزے سے ایک سال کے گناہ معاف

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عاشورہ کے روزہ سے ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۹۲)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عاشورہ کا روزہ ایک سال کے

گناہوں کا کفارہ ہے۔ (مسلم صفحہ ۳۶۸، اتحاف السادہ جلد ۴ صفحہ ۴۲۵، ترمذی صفحہ ۱۵۸، عمدۃ جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۸)

علامہ عینی نے بیان کیا کہ بعضوں نے ذکر کیا کہ عاشورہ کا روزہ صوم الدہر ہے۔ بعضوں نے کہا کہ عاشورہ کا روزہ آخرت کے سال کے اعتبار سے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۸)

عاشورہ محرم کے روزہ کا مسنون طریقہ کیا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے روزہ کے بارے میں فرمایا۔ اس دن روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔

ایک دن پہلے اور (یا) ایک دن بعد رکھو (یعنی صرف دس کو تنہا یہود کی طرح نہ رکھو)۔

(بزار صفحہ ۴۹۳، سنن کبریٰ صفحہ ۲۸۷)

حضرت داؤد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں زندہ رہا تو یوم عاشورہ کے روزے کے بارے میں ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کے روزہ کا حکم دیتا۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۸۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا۔ تو لوگوں نے کہا کہ اس دن کی تو یہود و نصاریٰ بہت تعظیم کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آئندہ سال آئے گا تو ہم نویں کا بھی روزہ رکھیں گے انشاء اللہ۔ پس آئندہ آیا نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۸۷)

حضرت عطاء سے منقول ہے کہ ۹/ اور ۱۰/ کا روزہ رکھو۔ (رزین، عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ ۹/۱۰ کا روزہ رکھو، یہود کی مشابہت مت اختیار کرو۔

(شرح احیاء جلد ۴ صفحہ ۴۲۶، طحاوی جلد ۱ صفحہ ۳۳۷)

فائدہ: علامہ عراقی نے بیان کیا کہ اس کے ساتھ نویں کا (یا گیارہویں کا) ملا لینا سنت مستحب ہے۔ چونکہ آپ نے فرمایا کہ سال آئندہ زندہ رہوں گا تو نویں کو ملا لوں گا۔ (اتحاف السادہ صفحہ ۴۲۵)

ان تمام روایتوں کے پیش نظر عاشورہ کے روزہ میں مستحب یہ ہے کہ ۱۰/ تاریخ کے ساتھ خواہ ۹/ کو یا ۱۱/ کو ملا لے، تا کہ یہود کی مشابہت ختم ہو جائے۔ ورنہ مکروہ ہوگا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ عاشورہ میں دو دن کا روزہ مستحب ہے۔ محیط اور بدائع کے حوالہ سے ہے کہ ایک دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۱۷)

امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک کہ میں اگلے سال ۹/ محرم کو روزہ رکھوں کا اس کا مطلب یہ ہے کہ دس کے ساتھ ۹/ کا بھی رکھوں گا چنانچہ ابن عباس کی اس روایت سے اس

کی تائید ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے حکم دیا، عاشورہ کا روزہ رکھو اور ایک دن قبل یا ایک دن بعد کا اس کے ساتھ ملا لو۔ (طحاوی جلد ا صفحہ ۳۳۸)

عاشورہ محرم کی فضیلت روایت و آثار میں

حضرت عثمان بن مطر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ عاشورہ کے دن جودی پہاڑ پر کشتی نوح آ رکی تھی تو اس پر بطور شکرانہ حضرت نوح علیہ السلام نے اور ان کے اصحاب نے روزہ رکھا۔ یہاں تک کہ وحشی جانوروں نے بھی اور اسی عاشورہ کے دن بنی اسرائیل کے لئے سمندر پھٹا (اور یہ پار ہو کر بچ گئے اور فرعون اور اس کی قوم ہلاک ہوئی) اسی عاشورہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کو اللہ نے قبول کیا۔ اسی دن حضرت یونس علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ (مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے) اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(مجمع الزوائد صفحہ ۱۹۱)

عمر بن نفیل کی روایت میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے جودی پہاڑ پر عاشورہ کے دن اترے تھے پس حضرت نوح علیہ السلام نے اور ان کے اصحاب نے شکراً روزہ رکھا، عاشورہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور حضرت یونس علیہ السلام اپنے شہر آئے، اسی دن بنی اسرائیل کے لئے سمندر پھٹا اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش ہوئی۔ (ابوالشیخ فی الثواب، کنز العمال صفحہ ۵۷۶)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ عاشورہ کے دن اللہ تعالیٰ نے دس انعامات اور نوازشات سے دس حضرات انبیاء کرام کو نوازا ہے۔

① حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے سمندر شق کیا فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا۔
② حضرت نوح علیہ السلام پر کہ ان کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔
③ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا۔
④ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔
⑤ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا۔
⑥ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن اٹھائے گئے۔
⑦ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔
⑧ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(۹) حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹائی گئی۔

(۱۰) ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ معاف کئے گئے۔ اور بعضوں نے ذکر کیا ہے کہ اسی دن داؤد علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت سے نوازا گیا۔

(عمدۃ القاری جلد۱۱ صفحہ۱۱۸)

فائدہ: پس معلوم ہوا عاشورہ کا دن اللہ پاک کے مخصوص انعام کا دن رہا ہے، اسی وجہ سے یہ برکت اور وسعت کا دن ہے۔

عاشورہ کا روزہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے رکھا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عاشورہ کا روزہ حضرات انبیاء کرام نے رکھا ہے پس تم روزہ رکھو۔ (ابن ابی شیبہ، کنز العمال صفحہ۲/۵۷، عمدۃ القاری جلد۱۱ صفحہ۱۱۸)

علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں ذکر کیا ہے کہ جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اس نے صوم الدہر رکھا اسی طرح یہ بھی ہے کہ جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اس نے گویا آخرت کے اعتبار سے ہزار سال کا روزہ رکھا۔

(عمدۃ القاری جلد۱۱ صفحہ۱۱۸)

عاشورہ کے دن اہل وعیال پر توسع سال بھر برکت کا باعث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عاشورہ کے دن اہل وعیال پر توسع کیا تو اللہ پاک اس کی وجہ سے سارے سال اس پر توسع فرمائے گا۔

(بیہقی فی الشعب جلد۳ صفحہ۳۶۶، مشکوٰۃ صفحہ، مجمع صفحہ۱۹۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عاشورہ کے دن اہل وعیال پر توسع کیا تو سارے سال اس پر توسع کیا جائے گا۔ (مجمع جلد۳ صفحہ۱۹۲، بیہقی فی الشعب جلد۲ صفحہ۳۶۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے اہل وعیال پر عاشورہ کے دن توسع کیا اس پر تمام سال اللہ پاک توسع کرے گا۔

(بیہقی جلد۳ صفحہ۲۶۶، ترغیب جلد۲ صفحہ۱۱۶، جامع صغیر جلد۲ صفحہ۵۴۵)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے اور اپنے اہل وعیال پر عاشورہ کے دن توسع اختیار کرے گا تو اللہ پاک پورے سال اس پر توسع فرمائے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس پر تجربہ کیا تو ایسا ہی پایا۔ (کہ سالوں بھر خوشحالی اور برکت رہی)۔

(الاستذکار جلد۱۰ صفحہ۱۴۰)

متعدد روایتوں میں عاشورہ کے دن اہل واحباب پر توسع کی یہ برکت بتائی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے سال بھر وسعت اور برکت رہتی ہے اگرچہ یہ روایتیں ضعیف ہیں مگر تعدد طرق اور امت کے تعامل کی وجہ سے یہ حدیث حسن اور عمل کے درجہ میں ہوگئی۔ ویسے بھی فضائل کے باب میں ضعیف پر عمل کرنے کے جمہور قائل ہیں۔

لہٰذا اس دن حسب استطاعت بہتر کھانا گھر والوں کے لئے بنائے اور احباب و رفقاء کی دعوت کریں۔

خیال رہے کہ اسی دن روزہ کی بھی فضیلت ہے اور توسع کی بھی فضیلت ہے، اس لئے بہتر شکل یہ ہے کہ شام کو افطاری اور کھانے میں سہولت اختیار کرے اور اسی پر احباب و رفقاء کو بلائے کہ برکت عظیم کا سبب ہے یا پھر نویں دن کے بعد رات میں افطاری کھانے اور سحری میں توسع کرے۔

خیال رہے، کہ اس دن میں صرف دو ہی کام سنت اور شریعت سے ثابت ہیں روزہ اور توسع باقی اس کے علاوہ دیگر تمام امور بدعت رسم ورواج اور خلاف شرع امور میں داخل ہیں۔ جس سے بچنا واجب ہے۔

عاشورہ کے دن توسع کی حکمت ذکر کرتے ہوئے علامہ مناوی نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے طوفان نوح میں تمام انسانوں کو غرق فرما دیا تھا صرف وہ بچے تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پر ایمان کی بنیاد پر کشتی پر سوار تھے۔ یہ کشتی سے دنیا کی زمین پر عاشورہ کے دن اترے تھے۔ اور ان پر کھانے پینے اور زمین کی وسعت ہوئی تھی۔ اس دن توسع کا حکم ہوا تھا۔ پس اسی وجہ سے ہر سال اس دن توسع کا حکم دیا گیا۔

(فیض القدیر صفحہ ۲۳۶)

مطلب یہ ہے کہ کشتی پر جو ۶/ ماہ رہے تھے تو کہاں کھانے پینے کی فراوانی اور وسعت ہو سکتی تھی جب کشتی سے عاشورہ کے دن زمین پر آئے تھے تو اللہ نے بھی توسع اور برکت نازل فرمائی اور ان کو بھی توسع کا حکم ملا تاکہ اچھی طرح زندگی گزار سکیں اور اس دن سے دنیا کی نشأۃ ثانیہ ہوئی۔ تو کشتی کی پریشانی اور دنیا کی ابتداء کو دیکھ کے اللہ پاک نے توسع کا حکم دیا۔

اسی تاریخی یادگار اور عبرت وسبق حاصل کرنے کے سلسلے کو باقی رکھنے کے لئے بعد میں آنے والوں کو بھی اس دن توسع کا حکم ملا۔ علامہ مناوی نے لکھا ہے کہ اہل علم نے اسے مجرب اور تجربہ سے بھی ثابت مانا ہے، **وذلك مجرب للبركة والتوسعة** حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اسے تجربہ میں صحیح پایا۔ ابن عیینہ جو مشہور محدث ہیں انہوں نے کہا کہ میرا پچاس ساٹھ سالہ اس پر تجربہ ہے۔ ابن حبیب جو مالکیہ کے جلیل القدر امام ہیں انہوں نے اپنے شعری کلام میں اس کی وضاحت کی ہے۔

قال الرسول صلاة الله تشمله

قولا وجدناه عليه الحق والنورا

من بات في ليل عاشوراء ذاسعة
يكن بعيشه في الحول مجبورا

(فیض القدیر جلد ۶ صفحہ ۲۳۶)

ارشاد الماثورة في تحقيق حديث التوسع بيوم عاشوره.

حدیث توسع علی العیال کی تحقیق اور اہل علم کی رائے

بعض حضرات نے حدیث توسع علی العیال یوم عاشورہ کی حدیث کو غیر ثابت مان کر اس کا انکار کیا ہے اسے ضعیف سے آگے بڑھا کر اسے منکر اور موضوع قرار دیا ہے۔ سو از روئے تحقیق یہ درست نہیں۔ سنداً ضعیف ہونے کے باجود ضعف کی تلافی ہو کر قابل اخذ وعمل ہے۔ مزید ضعیف کے درجہ میں رہتے ہوئے باب الفضائل میں حسب قاعدہ مقررہ معتبر ہو جائے گی۔ الترغیب والترہیب میں علامہ منذری نے اور مشکوٰۃ المصابیح میں محدث تبریزی نے یہ حدیث توسع بیہقی کی شعب الایمان کے حوالے سے بیان کی ہے۔

مجمع الزوائد میں ابوبکر ہیثمی نے طبرانی کی الاوسط اور الکبیر کے حوالے سے اسے بیان کیا ہے اور اس کے ضعف کی نشاندہی کی ہے۔

جامع صغیر میں علامہ سیوطی نے اسے طبرانی اور بیہقی کے حوالہ سے بیان کیا ہے اور اس کے صحیح ہونے کی علامت لگائی ہے۔

محدث بیہقی نے یہ حدیث شعب الایمان میں حضرت جابر حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل کی ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

حدیث جابر:

”محمد بن منكدر عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من وسع على اهله يوم عاشوراء وسع الله على اهله طول سنة وقال البيهقي بعد ذالك هذا اسناد ضعيف فروى من وجه آخر.“

حدیث عبداللہ:

”هيضم بن شداخ عن الاعمش عن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله قال قال النبي صلى الله عليه وسلم من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه في سائر سنته، قال البيهقي تفرد به هيضم عن الاعمش بنحوه.“

حدیث ابی سعید:

"عن ایوب بن سلیمان بن میناء عمن حدثه عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیه وسلم نحوه.

وایوب بن سلیمان بن میناء عن رجل عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من وسع علی اهله یوم عاشوراء وسع اللہ علیه سائر سنة."

حدیث ابی ہریرہ:

"یعلی بن حکیم عن سلیمان بن ابی عبداللہ عن ابی هریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال من وسع علی عیاله واهله یوم عاشوراء وسع اللہ علیه سائر سنة. وقال البیهقی بعد ذالك. هذه الاسانید وان کانت ضعیفة فهی اذا ضم بعضها الی بعض اخذت قوة." (شعب الایمان جلد۳ صفحہ۳۶۶)

صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو ذکر کیا ہے جس کی تخریج جامع میں کی ہے۔

اس میں حضرت سفیان ثوری کا اس حدیث پر اپنا تجربہ کہ اس پر عمل کرنے سے وسعت کے اسباب پیدا ہوتے ہیں ذکر کیا ہے۔ باقی کا حوالہ دیا ہے کہ مزید یہ روایت حضرت عبداللہ کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ ابوسعید اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے جس کی تفصیل میں نے بیہقی کی شعب الایمان سے ذکر کی ہے۔

اس میں حضرت ابوسعید خدری کی روایت دو طریق سے مروی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مزید بیہقی کے علاوہ محدث ابن عدی نے بھی ذکر کی ہے اس روایت کو عقیلی نے بھی ذکر کیا ہے۔

روایت ابو ہریرہ کی تحقیق:

اس کی سند میں یعلی بن حکم کے اور راوی ابو ہریرہ کے درمیان سلمان بن ابی عبداللہ ہے۔ یہی وہ راوی ہے جو متکلم فیہ ہے جس کی وجہ سے حدیث میں ضعف اور ابن جوزی کے نزدیک وضع کا حکم لگایا ہے۔

ابن جوزی نے اس روایت کو سلمان کی وجہ سے موضوع قرار دیا ہے۔

(کشف الخفاء صفحہ۲۸۴، مقاصد حسنہ صفحہ۴۳۹، الدر المنثرہ صفحہ۱۷۴)

اس راوی کو ابن وجزی نے مجہول قرار دیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

اسی طرح عقیلی نے بھی اس راوی کو مجہول قرار دیا ہے۔ (مرعاۃ صفحہ۳۶۲)

ابن جوزی کا یہ کلام کہاں تک درست اور صحیح ہے اس کی تحقیق آگے آرہی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ایک دوسرے طریق سے بھی ثابت ہے جو صحیح ہے، حافظ ابوالفضل کے حوالے سے سخاوی نے مقاصد میں سیوطی نے درر میں علامہ عجلونی نے کشف الخفاء میں ذکر کیا ہے۔

حدیث ابی هریرة ورد من طرق صحح بعضها الحافظ ابوالفضل بن الناصر.

روایت ابی سعید کی تحقیق:

اس کی تخریج مزید بیہقی کے علاوہ مسند اسحٰق راہویہ میں بھی ہے۔ اور اسی طریق سے ہے اس میں عمن حدثہ اور عن رجل سے جہالت پیدا ہوتی ہے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے بیان کیا اگر اس طریق میں رجل مبہم نہ ہوتا تو یہ روایت پسندیدہ جید ہوتی۔ یعنی یہ طریق جید صحیح اور ضعف سے خالی ہوتا۔ یہ تو شعب الایمان کے سند پر کلام تھا۔

یہ حدیث طبرانی نے الکبیر میں بھی ابو سعید صحابی سے ذکر کیا ہے۔ جو دوسرے طریق سے ہے اور اس میں راوی مجہول نہیں ہے۔ محمد بن اسماعیل جعفری عن عبداللہ بن سلمہ ابویعلی عن محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابی صعصعۃ عن ابیہ عن ابی سعید۔ گو اس کی سند میں رجل مبہم و مجہول نہیں مگر پھر بھی طبرانی کی یہ روایت جید نہیں ضعیف اور مجروح ہے۔

وجہ ضعف اور جرح

محمد بن اسماعیل جعفری ہے۔ یہ راوی متکلم فیہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ محمد ابن اسماعیل کو ابوحاتم اور اس کے شیخ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح ابوزرعہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔ ابونعیم نے اسے متروک کہا ہے۔ اسی طرح اس کے شیخ عبداللہ بن سلمہ کو محدث عقیلی اور ابوزرعہ نے منکر کہا ہے۔ ایک قول میں ابوزرعہ نے اسے متروک کہا ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح صفحہ ۳۶۳)

حدیث جابر۔ خود بیہقی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ہذا اسناد ضعیف۔

بیہقی کے طریق کے علاوہ یہ دوسری سند و طریق سے مروی ہے جو صحیح سند ہے، جسے ابن عبدالبر مالکی نے استذکار میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ابن عبدالبر مالکی نے کئی طریق سے ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ابن عبدالبر مالکی نے روایت جابر کو اس طریق سے ذکر کیا ہے۔

"احمد بن قاسم محمد بن ابراهيم ومحمد بن حكم قالوا حدثنا محمد بن معاوية قال حدثنا الفضل بن حباب قال حدثنا هشام بن عبدالملك

الطیالسي قال حدثنا شعبة عن ابی الزبیر عن جابر قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول من وسع علی نفسه واهله یوم عاشوراء وسع اللّٰہ علیه سائر سنة. قال جابر جربناہ ووجدناه کذالك." (جلد۱۰ صفحہ۱۴۰)

یہی وہ طریق ہے جس کے متعلق تمام اصحاب تحقیق بیک زبان کہہ رہے ہیں۔

"وله طرق عن جابر علی شرط مسلم آخر اخرجها ابن عبدالبر فی الاستذکار من روایة ابی الزبیر عنه وهی اصح طرقه." (موضوعات کبیر صفحہ۲۴۴)

علامہ عراقی نے اس طریق کے متعلق کہا علی شرط مسلم، مزید اس کی سند کے متعلق کہا ہذا اصح طرق الحدیث۔

(مرعاۃ جلد۶ صفحہ۳۶۴)

تمام اصحاب تحقیق نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ سیوطی الدرر میں لکھتے ہیں کہ:

"وله طرق عن جابر علی شرط مسلم اخرجها ابن عبدالبر فی الاستذکار من روایة ابی الزبیر عند وهی اصح طرقه." (صفحہ۱۷۴)

اسی طرح علامہ سیوطی نے الموضوعات میں لکھا ہے، بالکل یہی عبارت علامہ سخاوی کی مقاصد حسنہ میں صفحہ۴۳۱ اور کشف الخفا میں ہے صفحہ۲۸۴۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ علامہ سخاوی، علامہ عجلونی، علامہ سیوطی وغیرہ اس حدیث جابر کے اس طریق کو معتبر و مستند مانتے ہیں۔ بس حدیث جابر کے دو طریق میں سے ایک طریق ضعیف اور ایک طریق صحیح ہے۔ جیسا کہ حدیث ابوہریرہ میں ایک طریق ضعیف اور دوسرا صحیح جس کی تصریح حافظ ابوالفضل عراقی نے بقول ابوالفضل بن ناصر کی ہے۔

ابن عبدالبر مالکی کی اس روایت میں جو راوی آرہے ہیں ان کے ثقہ اور معتبر ہونے کی تصریح ارباب علم نے کی ہے۔ مرعاۃ میں ہے:

"وشیوخ ابن عبدالبر موثوقون و شیخهم محمد بن معاویة هو ابن الاحمر راوی السنن عن النسائی وثقه ابن حزم وغیره."

البتہ اس میں ایک راوی الفضل بن حباب ہیں انہوں نے ابن الاحمر سے ان کی کتابوں کے جلنے کے بعد سماع کیا ہے۔ صفحہ۳۶۳۔ بس یہاں ایک اصل ہے، راوی پر کلام اس کے سوء حفظ یا فسق اور دیگر کسی جرح کی وجہ سے نہیں ہے۔ پس راوی کے ثقہ اور سوء حفظ وغیرہ کی شکایت نہ ہونے کی وجہ سے روایت و راوی کی توثیق کی جائے گی۔

ابن عبدالبر مالکی نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایک روایت اسی طرح نقل کی ہے۔ جس

کی تفصیل یہ ہے:

"قاسم بن اصبغ عن بن وضاح قال حدثنا ابو محمد العابد عن بهلول بن راشد عن الليث بن سعد عن يحيٰ بن سعيد عن سعيد بن المسيب قال عمر بن الخطاب من وسع على اهله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنة."

(الاستذکار جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۰)

اس طریق کی سند میں تمام راوی ثقہ ہیں کوئی مجروح اور مطعون راوی نہیں چنانچہ مرعاۃ المفاتیح میں اس کی سند کے متعلق ہے:

"وقد ورد موقوفا على عمر اخرجه ابن عبدالبر بسند رجاله ثقات" (صفحہ ۲۶۳)

ہاں البتہ اس میں دو طریقہ سے کلام کیا ہے یہ روایت مرفوع نہیں موقوف ہے۔

سو اس سے کوئی حرج اور قدح نہیں۔آثار صحابہ حجت ہے، مزید اصل کلی ہے۔

صحابی کا قول غیر مدرک بالقیاس امور میں مرفوع کے حکم میں ہے اسی لئے اس کا نام مرفوع قولی حکمی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت ابن میتب عن عمر ہے، اور ابن میتب کا سماع حضرت عمر سے مختلف فیہ ہے۔(مرعاۃ صفحہ ۲۶۳)

جس طرح اس حدیث عمر کو ابن عبدالبر نے موقوفا علی عمر ذکر کیا ہے اور تمام رواۃ ثقہ ہیں اسی طرح دارقطنی نے الافراد میں بھی حضرت عمر سے موقوفاً ذکر کیا ہے۔جس کی سند جید ہے۔

مقاصد حسنہ میں علامہ سخاوی فرماتے ہیں:

"رواه هو (ابن عبدالبر) والدار قطني في الافراد بسند جيد عن عمر موقوفا."

(جلد ۲ صفحہ ۴۳۱)

ملا علی قاری الدرر میں اس حدیث عمر جس کی تخریج دارقطنی اور ابن عبدالبر نے کی ہے لکھتے ہیں:

"وقد ورد ايضا من حديث ابن عمر اخرجه الدارقطني في الافراد موقوفا على عمرو اخرجه ابن عبدالبر بسند جيد." (صفحہ ۱۷۴)

کشف الخفاء میں بھی علامہ عجلونی نے انہیں الفاظ سے دونوں حدیثوں کو جید قرار دیا ہے۔

"اخرجه الدارقطني في الافراد موقوفا على عمروً اخرجه ابن عبدالبر بسند جيد." (جلد ۲ صفحہ ۲۸۴)

بس معلوم ہوا کہ ارباب فن کے نزدیک یہ حدیث صحیح اور جید ہے موقوف ہونا یا ابن میتب عن عمر ہونے

سے کوئی سقم اور خرابی نہیں پیدا ہوئی جس کی وجہ سے کلام کی گنجائش ہو۔

حدیث ابن عمر:

اس حدیث توسیع میں حضرت ابن عمر کی بھی ایک مرفوع روایت کا پتہ چلتا ہے جس کی تخریج بغدادی نے اور دارقطنی نے کی ہے۔

چنانچہ خطیب کے متعلق ہے "**وفی حدیث ابن عمر عندالخطیب.**" (مرعاۃ صفحہ ۳۶۲)

اور دارقطنی کے متعلق ہے۔ "**وقد روی ایضا هذا من حدیث ابن عمر عندالدار قطنی فی الافراد.** (مرقاۃ المفاتیح صفحہ ۳۶۳)

ملاعلی قاری نے بھی اس کا ذکر کیا ہے "**وقد ورد ایضا من حدیث ابن عمر.**" (الدرر صفحہ ۱۴۰)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر کی موقوف روایت دو طریق سے ہے۔

ایک سعید بن میتب کے واسطے سے جس کی تخریج ابن عبدالبر نے کی ہے۔ (جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۴)

ایک روایت ابن عمر کے واسطے سے ہے جس کی تخریج دارقطنی نے افراد میں کی ہے۔

خیال رہے کہ دارقطنی کی یہ روایت اصوب اور ارجح ہے ابن عبدالبر کی روایت سے کہ اس میں ابن میتب کی ملاقات اور سماع مختلف فیہ ہے۔ (کذافی مرعاۃ)

اور روایت ابن عمر میں اس کلام کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا اس باب میں حضرت ابن عمر عن عمر کی روایت موقوفاً اصح اور اصوب مافی الباب ہے۔ جو مرفوع حکمی ہونے کی وجہ سے قابل استناد ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی تخریج ابن عدی اور بیہقی وغیرہ نے کی ہے اس کی سند میں مندرجہ ذیل راوی آ رہے ہیں حجاج بن نفیر، محمد بن ذکوان، سلمان بن ابی عبداللہ۔

یہ رواۃ ضعاف میں شامل ہیں اسی وجہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت ضعیف ہوگئی۔ اس کا جواب زین الدین عراقی نے دیا ہے جسے علامہ مناوی نے شرح جامع صغیر میں نقل کیا ہے۔ "**وفی اسناد لین.**"

مزید اس کا جواب علامہ مناوی نے دیا ہے محدث ابن حبان نے ان رواۃ کو ثقاۃ میں ذکر کیا ہے۔ "**لکن ابن حبان ذکرهم فی الثقات فالحدیث حسن علی رایه.**" (فیض القدیر صفحہ ۲۳۶)

بس ابن حبان کے نزدیک راوی کے ثقہ ہونے کی وجہ سے حدیث حسن ہے۔

دوسرے قاعدے تعدد طرق کی وجہ سے اس کے ضعف کی تلافی ہو جائے گی اور حدیث حسن ہو جائے گی۔

ابوہریرہ کی روایت میں ایک راوی سلیمان بن ابی عبداللہ ہے جس کی وجہ سے اس میں ضعف پیدا ہوا ہے۔

سواس کے متعدد جوابات ہیں۔

❶ یہ مشہور جلیل القدر تابعی ہیں اور حضرت ابوہریرہ کے رواۃ میں سے ہیں، امام بخاری اور امام ابوحاتم نے بیان کیا کہ انہوں نے مہاجرین اور انصار کی صحبت پائی تھی۔

❷ ابوحاتم نے کہا ان کی حدیث معتبر ہے۔

❸ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔

❹ شرح مشکوۃ مرقات میں ہے کہ سلمان ابن ابی داؤد، ابوداؤد کے رجال میں ہے حرم مدینہ کے سلسلے میں ان کی حدیث ہے۔ (صفحہ ۳۶۳)

ان جوابات کا حاصل یہ نکلا کہ حدیث ابی ہریرہ جس کی تخریج بیہقی طبرانی نے کی ہے صحیح یا حسن ہے اور ثابت قابل استدلال ہے۔

حدیث عبداللہ بن مسعود کی تحقیق:

اس حدیث کی تخریج محدث رزین نے اور طبرانی نے کی ہے۔ طبرانی میں اس حدیث کی سند اس طرح ہے:

"عن عبدالوارث بن ابراهيم عن علی ابن ابی طالب البزار عم هيضم بن شداخ عن الاعمش عن ابراهيم عن علقمة عن ابن مسعود."

اس میں امام اعمش کے شاگرد راوی ہیضم بن شداخ متکلم فیہ اور مجروح راوی ہیں۔ اسی وجہ سے ضعف پیدا ہو رہا ہے۔

حافظ ابن حجر اس کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

"اتفقوا علی ضعف الهيضم وعلی تفرد به." (فیض القدیر شرح جامع صغیر جلد ۶ صفحہ ۲۳۶)

ہیضم کے ضعف پر اتفاق ہے اور راوی اس روایت میں متفرد ہے۔

علامہ مناوی نے حافظ کے حوالہ سے اس راوی کے ضعیف ہونے کی علت بیان کی ہے مزید روایت کا تفرد جس کی وجہ سے روایت اور کمزور ہوگئی ہے۔ مقاصد حسنہ میں علامہ سخاوی نے بھی اس راوی ہیضم کے متعلق لکھا ہے۔

ہیضم بن شداخ راوی حدیث ابن مسعود انہ مجہول۔ (صفحہ ۴۳۱)

حدیث پاک پر صحت وضعف کے اعتبار سے اہل تحقیق کا کلام

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب توسع میں حضرت ابوہریرہ، ابن مسعود، ابوسعید، جابر، حضرت عمر اور

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایتیں ہیں۔ ان کی روایتوں میں صحت وسقم کے اعتبار سے جو کلام ہے اس کا بیان آچکا یہاں ارباب تحقیق کا کلام مختصر اور ممتاز طور پر بیان کیا جارہا ہے تاکہ ہر ایک پہلو الگ واضح ہو جائے اور روایت منقح ہو کر سامنے آجائے۔

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر کلام:

بیہقی کی شعب الایمان میں جس طریق سے اسی طرح دیگر جہاں کتب حدیث میں ہے وہاں یعلی بن حکیم کے درمیان سلمان بن ابی عبداللہ ہے۔ محقق ابن جوزی نے اسی راوی کی وجہ سے اسے موضوع قرار دے دیا۔ عقیلی نے اسے مجہول قرار دیا ہے۔

❶ ابن جوزی کے رد اور وضع کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو ابن جوزی متشددین اور سخت بے وجہ منقدین ہیں ان کا قول حد اعتدال سے خارج ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں۔

❷ راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے وضع کا حکم ہی درست نہیں موضوع اس وقت ہوتا ہے جب کہ راوی وضاعین، کذابین میں ہوں اور یہاں سلیمان بن ابی عبداللہ ایسے راوی ہیں جو مختلف فیہ تجہیل اور توثیق دونوں کی گئی ہے۔ بھلا ایسے راوی سے جس کی توثیق اور مدح بھی کی گئی ہو روایت موضوع ہوگی۔ یہ ابن جوزی کی سخت گیری ہے۔ اسی وجہ سے تو جمہور ان کے قول حد اعتدال سے خارج قرار دیتے ہوئے تسلیم نہیں کرتے رد کردیتے ہیں۔

❸ محقق زین الدین عراقی نے کہا کہ اس کی سند لین ہے۔ (فیض القدیر صفحہ ۲۳۶)

❹ ابوحاتم نے کہا ان کی حدیث معتبر ہے۔ (مرعاۃ صفحہ ۳۶۳)

❺ یہ راوی سنن ابوداؤد کے رجال میں ہیں حرم مدینہ کے سلسلے میں ان کی روایت آئی ہے۔ (مرعات)

❻ امام بخاری اور ابوحاتم نے ان کی منقبت میں بیان کیا کہ انہوں نے مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کو پایا۔ (مرعات)

❼ ابن حبان نے ان کو ثقات یمن ذکر کیا ہے۔ اس جواب کو ملا علی قاری نے موضوعات میں، علامہ سخاوی نے مقاصد میں علامہ عجلونی نے کشف الخفا میں ذکر کر کے ابن جوزی پر رد کیا ہے۔

❽ یہ تو وہ طریق ہے جس کے راوی مختلف فیہ ہیں۔ اس کا ایک دوسرا طریق اور ایک دوسری سند بھی ہے جس میں سلیمان نہیں آرہے ہیں جسے حافظ ابوالفضل نے ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں علامہ عجلونی نے کشف الخفا میں ذکر کیا ہے۔

"لحدیث ابی ھریرۃ ورد من طرق صحح بعضھا ابوالفضل من ناصر." (صفحہ ۲۸۴)

لہٰذا اس باب میں ابوہریرہ کی حدیث معتبر و قابل اخذ و استناد ہے۔ اور بلاشبہ ثابت ہے موضوع نہیں ہے۔

② حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حدیث پر کلام:

اس پر ہیضم کی وجہ سے کلام ہوا ہے کہ یہ راوی مجہول ہے۔ راوی کی جہالت سبب ضعف ہے۔ کوئی حرج نہیں۔ دوسری روایت اور اس کے علاوہ دیگر طریق سے بھی مروی ہے اس کا اعتبار کرلیا جائے گا۔

اس کے ضعف کی تلافی طرق آخر سے روایت ہونے کی وجہ سے ہو جائے گی کہ اصول حدیث کا مشہور قاعدہ ہے تعدد طرق سے ضعف کی تلافی دور ہو جاتی ہے۔

③ حضرت ابوسعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حدیث صحت وضعف کے اعتبار سے:

اس حدیث کی تخریج ایوب بن میناء نے اصل سے کی ہے۔ اور اجلی سے ابوسعید خدری نے، گویا کہ صحابی سے روایت کرنے والے میں جہالت اور ابہام ہے کہ یہ کون ہے۔ اس سقم اور قدح کی تلافی کا وہی جواب ہے جو اوپر (۲) پر ابن مسعود کی روایت میں گزرا۔

مزید یہ کہ ایک بالکل دوسری سند میں ابوسعید سے روایت کرنے والے راوی کے نام کی تصریح ہے۔

"عبداللّٰہ بن عبدالرحمان ابی صعصعة عن ابیه عن ابی سعید." (مرقاۃ المفاتیح)

مگر سند کے آغاز میں ایک راوی ضعیف ہے وہ محمد بن اسماعیل ہے۔ اس کے ضعف کی بھی تلافی تعدد طرق سے ہو جائے گی۔ جسے خود بیہقی نے ان الفاظ میں ان احادیث کے ذیل میں بیان کیا ہے۔

④ حدیث جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر صحت اور ضعف کے اعتبار سے کلام:

یہ روایت جابر بیہقی نے شعب الایمان میں تو بسند ضعیف آئی ہے لیکن جابر کی روایت کو ابن عبدالبر مالکی نے ایک سند سے بیان کیا ہے وہ صحیح اور جید علی شرط مسلم ہے۔ جیسا کہ کشف الخفا اور الدرر اور ملا علی قاری کی موضوعات میں ہے۔ پس یہ حدیث بھی قابل استناد اور صحیح اور بلاشبہ معتبر ہوگی۔

⑤ حدیث عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ:

یہ بطریق موقوف مروی ہے جس کی تخریج ابن عبدالبر مالکی نے استذکار میں کی ہے جو روایت موقوفا اور مرفوعا دونوں مروی ہو۔ اس میں اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

موقوف صحابی کا قول امور غیر مدرک بالقیاس میں مرفوع کے حکم ہوتا ہے لہٰذا یہ مرفوع ہو کر قابل استناد ہو جائے گی۔ فلا حرج۔

⑥ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

اس روایت کا حوالہ مرعات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ خطیب بغدادی کے حوالہ سے صرف اس راوی کی روایت کا ذکر کیا ہے۔ سند اور طریق کو نقل نہیں کیا ہے۔ جس سے اس کے متعلق کچھ کلام نہیں کیا جا سکتا۔

فائدہ: ان جوابات اور تفاصیل سے یہ بات اصولاً ثابت ہوگئی کہ حدیث توسع یوم عاشورہ صحیح حسن ضعیف تینوں طریقوں سے ثابت ہے۔ اصولاً ضعیف سے اس کا درجہ حسن کو پہنچ گیا ہے۔ یہ روایت صحیح اور ثابت ہے موضوع نہیں۔

مزید امت کے عوام اور خواص کا اس پر عہد نبوت سے تعامل چلا آ رہا ہے۔ یہ تعامل اور جلیل القدر اصحاب علم کا تجربہ جربناہ اس کے معتبر اور صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا انکار متشدد اور حد اعتدال سے خارج ہونے کی بنا پر مردود ہے۔

ایک جماعت نے اسے موضوع کہا ہے ابن جوزی ابن تیمیہ ایک جماعت نے لایثبت کہا ہے زرکشی ابن رجب وغیرہ ایک جماعت نے اسے ضعیف ہی کہا ہے عقیلی وغیرہ ایک جماعت نے صحیح ثابت مانا ہے جیسے علامہ سیوطی زین الدین عراقی ابوالفضل بن الناصر ایک جماعت نے حسن قرار دیا ہے بیہقی ابن حبان صاحب مشکوٰۃ وغیرہ۔

وہ جلیل القدر ائمہ حضرات جنہوں نے مجرب کہا ہے

وہ حضرات جنہوں نے اس حدیث پر عاشورہ کے دن اہل وعیال پر توسع کیا اور اس توسع کی برکت سے سال بھر توسع کی برکت محسوس کی عملی تجربہ اور مشاہد بیان کیا بعض اصحاب تخریج نے اسے نقل کیا ہے۔ یہاں اس کی تصریح کی جاتی ہے۔ یہ بھی حدیث کے ثابت ہونے کی علامت ہے۔

1. سفیان ثوری: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے آخر میں صاحب مشکوٰۃ نے سفیان (ثوری) کا قول نقل کیا ہے۔ "انا قد جربناه فوجدناه كذلك."
2. حضرت جابر: ابن عبدالبر مالکی نے حضرت جابر کی روایت کے آخر میں بیان کیا: "قال جابر جربناه فوجدناه كذلك."
3. ابن عبدالبر مالکی نے کہا اور حضرت ابوالزبیر نے بھی جربناه فوجدناه كذلك کہا۔
4. اسی طرح شعبہ نے بھی کہا جربناه كذلك۔ (استذکار)
5. حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ابن مسیّب کے شاگرد اور راوی یحییٰ بن سعید ہیں۔

انہوں نے بھی یہی کہا قد جربنا فوجدناه كذلك۔ (استذ کار صفحہ)

❻ ابن عیینہ ابن عبدالبر مالکی نے سفیان بن عیینہ کا قول قد جربناه فوجدناه كذلك نقل کیا ہے۔

مطلب بیشتر روایتوں میں ان کے راویوں نے جو حدیث پاک پر عمل کیا اور اس کی برکت سے سال بھر توسع کی برکت محسوس کی انہوں نے اپنا تجربہ شاگرد راوی سے بیان کیا۔ جنہوں نے ان کے قول کو سلسلہ وار بیان کر کے ہم تک پہنچایا۔

دیکھئے ۶ / جلیل القدر راویوں کی روایت کے ذیل میں مجرب ہونے کا ذکر ہے۔ کیا یہ اثر غیر ثابت اور موضوع میں ہوسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ علامہ مناوی منکرین پر رد کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

”قال المؤلف فهذا من هذا الامام الجليل بدل على ان للحديث اصلا.“

(فیض القدیر للمناوی جلد ۶ صفحہ ۲۲۶)

علامہ سیوطی رداعلی المنکرین کہتے ہیں ”كلا بل هو ثابت صحيح.“ (موضوعات کبیر صفحہ ۲۴۴)

اس حدیث پاک کی تحقیق میں ارباب علم کے مختلف نظریات

جاننا چاہئے کہ حدیث توسع کے سلسلے میں ائمہ تحقیق دو نظریات کے حامل ہوئے ہیں:

❶ ثابت اور صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

❷ انکار کرتے ہیں اور ثابت نہیں مانتے ہیں۔

❶ جمہور علماء اسے ثابت مانتے ہیں ان میں سے چند جلیل القدر ائمہ یہ ہیں۔

سفیان ثوری، شعبہ، ابن عیینہ، محدث طبرانی، ابن عبدالبر مالکی، ابن حبیب مالکی، محدث بیہقی، خطیب تبریزی، محدث دارقطنی، حافظ زین الدین عراقی، شمس الدین سخاوی، محدث ابن حبان، ابوالشیخ، حافظ ابوالفضل ابن الناصر، علامہ منذری، علامہ مناوی، علامہ سیوطی، علامہ عجلونی وغیرہ رحمہم اللہ۔

ان میں سے بعض حضرات بلاشبہ صحیح ثابت مانتے ہیں۔ جیسے علامہ سیوطی کی موضوعات کبیر میں منکرین پر رد کرتے ہوئے كلا بل هو ثابت صحیح کہتے ہیں۔ اسی طرح علامہ زین الدین عراقی ابوالفضل بن الناصر، ایک جماعت نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ جن میں ابن حبان، محدث بیہقی، صاحب مشکوٰۃ علامہ سخاوی وغیرہ ہیں وقال السخاوی فی المقاصد الحسنة الی تحسین هذا الحديث۔ (مرعاۃ صفحہ ۳۶۴)

❷ جن لوگوں نے اس حدیث کو غیر ثابت کہا ہے ان میں سے بعض اسے موضوع قرار دیتے ہیں۔ جیسے ابن جوزی، ابن تیمیہ، کچھ لوگ لایثبت کہتے ہیں جیسے علامہ زرکشی، ابن رجب علامہ مجدالدین فیروز آبادی تو یہ کہتے ہیں کہ اس عاشورہ کے باب کی ساری روایتیں خواہ روزہ کی فضیلت سے متعلق ہوں یا توسع علی العیال وغیرہ کے

متعلق ہوں سب قاتلان حسین کی گھڑی ہوئی روایتیں ہیں۔ علامہ مناوی ان کے قول کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قال المجد اللغوی ما یروی فی فضل صوم عاشوراء والصلاة به والصلاة فیه والانفاق والحضاب والادهان والاكتحال بدعة ابتدعها قتلة الحسین."

(فیض القدیر للمناوی جلد ۶ صفحہ ۲۳۶)

علامہ مجد الدین کا قول جہاں تک صوم عاشوراء کے بارے میں ہے صراحتہً غلط اور مردود ہے صوم عاشوراء کی فضیلت ایک سال کے گناہ کا کفارہ متعدد صحاح وسنن میں بسند صحیح ثابت ہے جو معنیٰ متواتر کے درجہ میں ہے۔

پھر ان میں سے بعضوں نے کہا کہ یہ محمد بن منتشر کا قول ہے حدیث نہیں ہے۔ جیسے۔ (الدرر صفحہ ۱۷۴)

قول محقق یہ ہے کہ ضعیف کی تلافی تعدد طرق سے ہو کر قابل اخذ واستناد ہوگئی ہے۔

"والتعمد عنی ما ذهب الیه البیهقی ان له طرقا یقوی بعضها بعضا ان اسانید الضعیفة احدثت قوة بالتضامن." (مرعاۃ المفاتیح جلد ۶ صفحہ ۳۶۴)

حدیث توسع کے راویان صحابہ اور ان کی تخریجات

حدیث توسع بیوم عاشورا جن صحابہ کرام سے مروی ہے اور جن کی روایت کتب احادیث وغیرہ میں مل سکی ہیں یہ ہیں۔ ① حضرت ابوہریرہ ② حضرت عبداللہ بن مسعود ③ حضرت ابوسعید خدری ④ حضرت جابر ⑤ حضرت عمر ⑥ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

❶ حضرت ابوہریرہ کی روایت کی تخریج بیہقی نے شعب الایمان میں طبرانی نے ابن عدی نے عقیلی نے نقل کی ہے۔

❷ حضرت عبداللہ بن مسعود کے روایت کی تخریج رزین نے اپنی جامع میں، بیہقی نے شعب الایمان میں ابوالشیخ محدث نے فضائل میں۔

❸ حدیث ابی سعید بیہقی نے شعب الایمان میں اسحاق راہویہ نے اپنی مسند میں طبرانی نے المعجم الاوسط میں۔

❹ حدیث جابر۔ بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عبدالبر مالکی نے الاستذکار میں۔

❺ حدیث عمر۔ ابن عبدالبر نے الاستذکار میں، دارقطنی نے الافراد میں۔

❻ حدیث ابن عمر۔ خطیب بغدادی نے۔

فائدہ: پس ان تمام تحقیقات سے یہ بات محقق ہو کر ثابت ہوگئی کہ حدیث توسع بیوم عاشورہ ثابت ہے۔ اس پر عمل کرنا مشروع ہے۔

ہفتہ واری روزہ رکھنے کے متعلق آپ کا معمول مبارک

اکثر و بیشتر پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر پیر اور دوشنبہ کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۲۴، ترمذی صفحہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کا روزہ رکھا کرتے تھے اور اہتمام سے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۲۴، الفتح الربانی جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۴، ترمذی صفحہ)

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس دن خدائے پاک کے سامنے بندہ کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ (طبرانی مجمع جلد ۳ صفحہ ۲۰۰)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ اور جمعرات کے روزے کا اہتمام فرماتے تھے یا تو مستقل ان دنوں کا روزہ رکھا کرتے تھے یا ماہ کے ۳/ روزوں میں دوشنبہ اور جمعرات کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ اور ان دنوں میں روزہ رکھنے کی خاص وجہ یہ تھی کہ ان دنوں میں خدا کے دربار میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں تو آپ یہ چاہتے کہ میرے اعمال کی پیشی روزے کی حالت میں ہو۔

پیر اور جمعرات کو کیوں روزہ رکھا کرتے تھے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہتمام سے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے تو آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی آپ نے فرمایا پیر اور جمعرات کے دن اللہ پاک مسلمانوں کی مغفرت فرماتے ہیں سوائے دو بغض رکھنے والوں کے، ان کو چھوڑ دیتے ہیں، یہاں تک کہ آپسی مصالحت کرلیں۔

(ابن ماجہ صفحہ ۱۲۴، ابن خزیمہ صفحہ ۲۹۹)

ابوقتادہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر، دوشنبہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اسی دن میں پیدا ہوا اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔ (نسائی صفحہ)

ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ اسی دن پیدا ہوا اور اسی دن میری وفات ہوگی۔ (جلد ۳ صفحہ ۲۹۹)

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے اور فرماتے اس دن بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ (ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۹، ابوداؤد، نسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ہفتہ میں ۲/ مرتبہ اعمال پیش

کئے جاتے ہیں۔ دوشنبہ کو اور جمعرات کو۔ (ابن خزیمہ صفحہ ۲۹۹)

پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنا آپ کو بہت محبوب اور پسند تھا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے دربار میں دوشنبہ اور جمعرات کو اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ پس میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال پیش کئے جائیں اور میں روزہ کی حالت میں ہوں۔ (شمائل صفحہ)

فائدہ: حدیث پاک میں ہے کہ ان دونوں دنوں کا روزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا اور پسند ہونے کی مختلف وجہیں حدیث پاک میں ذکر کی گئی ہیں۔ کسی حدیث میں ہے کہ اسی دن میری پیدائش ہوئی اسی دن میری وفات ہوگی۔ کسی روایت میں ہے کہ اسی دن مجھ پر وحی (ابتداءً) نازل ہوئی۔ کسی روایت میں ہے کہ اسی دن بندہ کی مغفرت کی جاتی ہے اور کسی روایت میں ہے کہ اس دن اعمال دربار خداوندی میں پیش کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اس روایت میں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان فضیلتوں اور خصوصیتوں کی وجہ سے آپ روزہ رکھا کرتے تھے۔

خیال رہے کہ بندوں کے اعمال خدائے پاک کے حضور میں یومیہ ہفتہ واری اور سالانہ پیش کئے جاتے ہیں۔ ① روزانہ صبح و شام فجر اور عصر کے وقت پیش کئے جاتے ہیں۔ ② پھر ہفتہ میں پیر اور جمعرات کو۔ ③ اور سالانہ شب برات میں پیش کئے جاتے ہیں۔

ملا علی قاری نے بیان کیا کہ پیر اور جمعرات کو اعمال اجمالی اور شب برات میں تفصیلی پیش کئے جاتے ہیں۔ (جمع الوسائل صفحہ ۱۲۶)

محدثین کرام نے دوشنبہ اور جمعرات کے روزہ کے استحباب پر باب قائم کیا ہے۔ (کذا ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۸)

بدھ، جمعرات و جمعہ کے روزے کی فضیلت

جنت میں شیش محل ملے گا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بدھ جمعرات جمعہ کو روزہ رکھے گا اس کے لئے جنت میں ایسا گھر بنایا جائے گا جس کا باہر اندر سے اور اندر باہر سے نظر آئے۔ یعنی شیش محل ملے گا۔ (ترغیب صفحہ ۱۲۶، الفتح صفحہ ۲۲۳، مجمع الزوائد صفحہ ۲۰۲)

حضرت ابوامامہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بدھ، جمعرات، جمعہ کا روزہ رکھے گا اس کے لئے جنت میں شیش محل بنایا جائے گا۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۲۰۲، ترغیب صفحہ ۱۲۶)

جنت میں موتی زمرد یاقوت کا محل

حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی حدیث میں ہے کہ جس نے بدھ جمعرات جمعہ کا روزہ رکھا اس کے لئے جنت میں ایسا محل بنایا جائے گا جو موتی، زمرد، اور یاقوت سے بنا ہوگا۔ اور اس کے لئے جہنم سے آزادی کا پروانہ لکھا جائے گا۔

گناہ معاف جیسے آج ہی ماں نے جنا ہو

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جس نے بدھ، جمعرات، جمعہ کا روزہ رکھا اور جو بھی (جمعہ کے دن جیسا کہ جمعہ کی دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے) کم وبیش ہوسکا صدقہ خیرات کیا اللہ پاک اس کے گناہ معاف کردیں گے اور وہ گناہ سے اس طرح نکل جائے گا جیسا کہ اس کی ماں نے آج ہی جنا ہو۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۲۲۳)

فَائِدَةٌ: اسی وجہ سے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا بدھ جمعرات جمعہ کے روزوں کو مستحب فرماتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ان ایام میں روزے کا اور صدقہ خیرات کا جو بھی کم وبیش حکم دیتے تھے کہ اس کی بڑی فضیلت ہے۔

فَائِدَةٌ: ان ۳؍دنوں کے روزے کی بڑی فضیلت ہے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مہینے کے ۳؍روزے جو رکھا کرتے تھے اس میں ان ۳؍دنوں کو شامل فرمالیا کرتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ جمعہ کے بجائے جمعرات یا دوشنبہ کے ۲؍۲ روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔ اور کبھی جمعہ کو۔ دراصل مہینے کے ۳؍روزے کی اس ترتیب سے رکھنے کی فضیلت ہے۔ اس فضیلت کے ساتھ صوم الدھر کی فضیلت کا ثواب الگ ملے گا۔

بدھ اور جمعرات کے روزے سے آزادی جہنم کا پروانہ

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جس نے بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھا اس کے لئے جہنم سے آزادی کا پروانہ لکھا جائے گا۔ (ترغیب صفحہ ۱۲۶، ابویعلی، مجمع جلد ۳ صفحہ ۲۰۱)

فَائِدَةٌ: بدھ اور جمعرات کے روزے کی یہ فضیلت بہت بڑی ہے۔ کہ اس سے جہنم کی آزادی کا پروانہ مل جاتا ہے۔ ایک مؤمن کے لئے سب سے بڑی کامیابی ہے کہ وہ جہنم سے آزاد ہوجائے اور اس سے نجات پاجائے۔ اسی لئے وسعت ہو تو ان ایام میں روزہ رکھے۔ ایام بیض، یا مہینہ کے ۳؍روزوں کو اس ترتیب سے رکھے کہ یہ ایام آجائیں تو ان فضیلتوں کا حامل ہوگا۔ خواہ ہفتہ کی ترتیب میں اس طرح رکھے۔ دونوں صحیح ہے۔

آپ سنیچر اور اتوار کا روزہ رکھتے تھے

حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کثرت سے ہفتہ اور اتوار کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۲۰۲، ترغیب جلد ۲ صفحہ ۱۱۹)

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ مہینہ میں سنیچر، اتوار، اور پیر کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ (ترمذی، بلوغ الامانی صفحہ ۲۲۱)

فائدہ: شرح مسند میں ہے کہ مہینہ میں ہفتہ اور اتوار کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔ البتہ صرف ہفتہ کے دن کا رکھنا منع ہے۔ (شرح مسند احمد بلوغ الامانی جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۰)

صوم داؤدی اور اس کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت میں ہے کہ صوم داؤدی سے بہتر کوئی روزہ نہیں۔ جو صوم الدہر ہے۔ کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار۔ (بخاری صفحہ ۲۶۶، ابوداؤد صفحہ ۲۳۲)

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا سے منقول ہے کہ خدا کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ترین روزہ صوم داؤدی ہے ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ (کنز العمال جلد ۹ صفحہ ۵۵۶، ابوداؤد صفحہ ۳۳۲)

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو میرے متعلق یہ خبر پہنچی کہ میں مسلسل روزہ رکھتا ہوں اور رات بھر نماز پڑھتا ہوں تو آپ نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کیا تم کو میں نہیں خبر دے چکا ہوں تم روزہ رکھتے ہو اور ناغہ نہیں کرتے۔ اور راتوں کو نماز پڑھتے ہو۔ ایسا مت کرو۔ تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے اہل بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ روزہ بھی رکھو اور ناغہ بھی کرو۔ نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی اور ہر دس دن میں صرف ایک روزہ رکھو تم کو نو دنوں کا ثواب ملے گا۔ (یعنی اس روزے کا ایک نیکی پر دس نیکی کے قاعدے سے) میں نے کہا میں اس سے زیادہ طاقت وقوت پاتا ہوں۔ اے اللہ کے رسول تو آپ نے فرمایا پھر صوم داؤدی رکھو۔ کہا صوم داؤدی کیسے رکھوں گا اے اللہ کے رسول! فرمایا حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَامُ ایک دن روزہ رکھتے تھے ایک دن افطار کرتے تھے۔ یعنی روزہ نہ رکھتے تھے۔

(ابن خزیمہ صفحہ ۲۹۶)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو بہت طاقت اور روزہ کا شوق اور اس سے مناسبت ہو تو وہ ایک دن روزہ رکھے دوسرے دن ناغہ کرے۔ ہر دوسرے دن روزہ رکھے۔ مسلسل اور روزانہ روزہ رکھنا منع ہے۔

ایک دن ناغہ کر کے روزہ رکھنا حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَامُ کی سنت ہے۔ ہر روز روزہ رکھنے سے ایک عادت ہو

جائے گی جو روزہ کے حکمت اور مصلحت کے منافی ہے۔ اسی لئے آپ نے صائم الدہر کے لئے فرمایا نہ اس نے روزہ ہی رکھا (کہ بھوک کی عادت ہوگئی) اور نہ افطار ہی کیا۔ پس یہ صوم داؤدی گویا صوم الدہر ہے۔ اور صوم الدہر کا ثواب پانے والا ہے۔

جاڑے کے دنوں میں نفل روزہ رکھنے کی تاکید

حضرت عامر بن مسعود جمحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاڑے کے موسم کا روزہ بلا مشقت کے ثواب کا ذریعہ ہے۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۲۱۷، بیہقی صفحہ)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ روزہ کا عظیم ثواب جاڑے کے دنوں میں سہولت سے حاصل ہو جاتا ہے۔ موسم گرما میں دن بڑا ہوتا ہے سحری کے بعد ۱۵/۱۶ گھنٹہ بھوک کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ گرمی کی شدت سے پیاس کی برداشت کرنی پڑی ہے۔ منہ اور حلق خوش ہو جاتے ہیں کمزوری کا شدید احساس ہوتا ہے تعب اور مشقت کی وجہ سے دوسرا کام نہیں ہو پاتا ہے۔ بخلاف سردی میں دن بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ پیاس کی شدت نہیں برداشت کرنی پڑی ہے۔ جلد غروب شمس ہو جاتا ہے اور افطار کا وقت آجاتا ہے۔ اور احساس بھی نہیں ہو پاتا۔ اسی وجہ سے اس میں روزہ رکھنا سہل بھی اور ثواب بھی۔ چنانچہ شرح مسند میں ہے جاڑے میں روزہ زیادہ رکھے۔ (جلد ۹ صفحہ ۲۱۷)

رمضان اور کوئی واجب ہو تو اس کی قضا بھی موسم سرما میں رکھ لیا کرے عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنی قضا روزے جاڑوں میں رکھا کریں۔ ان کو اس میں آسانی ہوگی۔

نفل روزہ عورت بلا شوہر کی اجازت کے نہ رکھے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شوہر کی موجودگی میں عورت بلا اجازت کے روزہ نہ رکھے۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۳۰۳، مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۲۰۳)

فائدہ: علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ نفل روزہ عورت بلا شوہر کی اجازت کے نہیں رکھ سکتی ہے۔ (شرح مسلم صفحہ ۳۶۱)

ہاں البتہ وہ اپنے فرض روزے کی قضا جو حیض و نفاس کی وجہ سے چھوٹ گئے ہوں اس کی رکھ سکتی ہے۔ تاہم شوہر کی رعایت میں تاخیر کر سکتی ہے۔ مگر شعبان سے آگے نہیں۔ کہ پھر دوسرا رمضان آنے کی وجہ سے پریشانی ہوگی۔

علامہ نووی نے بیان کیا کہ جلد ہی قضا کا پورا کرنا مستحب ہے۔ اور بہتر ہے کہ قضاء مسلسل رکھے۔

(شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۶۲)

میزبان کی اجازت کے بغیر مہمان روزہ نہ رکھے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے اللہ پاک خوشحالی سے نوازے، وہ الحمدللہ کثرت سے پڑھے۔ اور جس سے گناہ زائد ہوا کرے وہ کثرت سے استغفار کرے۔ اور جسے رزق کی پریشانی ہو وہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھا کرے۔ اور جو کسی قوم (یا گھر) کا مہمان ہو بلا اجازت کے روزہ نہ رکھے۔ (مجمع صفحہ۲۰۴)

فائدہ: روزہ رکھنے کی صورت میں میزبان کو اکرام مہمان میں پریشانی ہوگی لہٰذا شروع سے ہی روزہ نہ رکھے۔

میزبان کے کہنے سے نفل روزہ توڑ سکتا ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ان کے پاس ایک عورت آئی تو انہوں نے ان کو کھانا پیش کیا انہوں نے کہہ دیا میں تو روزے سے ہوں۔ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیا رمضان کی قضا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا روزہ توڑ دو۔ (اور کھالو)۔ (مجمع الزوائد جلد۴ صفحہ۲۰۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنے مسلمان بھائی کے پاس (مہمان ہوکر) جاؤ اور وہ تم سے روزہ توڑنے کو کہے تو روزہ توڑ دو۔ ہاں مگر یہ کہ رمضان کا روزہ ہو یا قضاء رمضان ہو یا نذر کا ہو۔ (مجمع الزوائد جلد۴ صفحہ۲۰۴)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جس کے یہاں مہمان ہوا اس کی بغیر رضا اور اجازت کے نفل روزہ نہ رکھے۔ کھانے میں اس کے ساتھ شریک ہونا اس کا حق ہے۔ حضرات صحابہ کرام کا یہی معمول تھا۔ ہاں اگر فرض روزہ ہو جیسے رمضان کا یا واجب روزہ ہو تو نہ توڑے کہ آپ نے اس سے منع کیا ہے۔ خیال رہے کہ توڑ دینے کی صورت میں قضاء واجب ہوتی ہے۔ (فتح القدیر صفحہ۳۹۰)

آپ دعوت سے یا کھانے کے لئے بلانے پر روزہ نہ توڑتے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم کے یہاں تشریف لے گئے انہوں نے آپ کی خدمت میں کھجور اور گھی پیش کیا۔ آپ نے ان سے فرمایا لے جاؤ گھی اپنے مشکیزے میں ڈالو اور کھجور اس کے تھیلے میں رکھو کہ میں روزے سے ہوں۔ (مختصر بخاری صفحہ۲۶۶)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہمانی کی وجہ سے روزہ نہیں توڑتے تھے اور بہتر بھی یہی ہے کہ اگر کہیں جائے اور وہاں کچھ کھانے پینے کی چیز پیش کریں تو گو نفلی روزہ ہو نہ توڑے بلکہ کہہ دے کہ میرا روزہ ہے۔ جیسا کہ آپ نے حضرت ام سلیم کے یہاں کھانا پیش کرنے پر روزہ کا اظہار کرتے ہوئے معذرت پیش کردی۔

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ روزہ دار ہوتے اور کہیں تشریف لے جاتے مہمان ہوتے تو روزہ رکھے رہتے اسے توڑتے نہیں۔ اسے مکمل فرماتے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بھی ہے کہ تم کو کوئی کھانے کی دعوت دے۔ کھانے کی طرف بلائے اور تم روزے سے ہو تو کہہ دو کہ میرا روزہ ہے۔ (زادالمعاد صفحہ ۳۵۴)

حدیث مذکورہ کی شرح میں علامہ عینی نے لکھا ہے کہ نفلی روزہ رکھنے والے کے لئے مناسب نہیں کہ بغیر کسی عذر کے یا کسی سبب واجب کے روزہ توڑ دے۔ یہی مسلک امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اسی کی رعایت میں امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے۔ "من زار قوما فلم یفطر عندهم" کہ روزہ دار کسی کے یہاں جائے تو روزہ نہ توڑے۔ (جلد ا صفحہ ۲۶۶)

یعنی کھانے پینے کی ضیافت سے متاثر ہوکر روزہ نہ توڑے بلکہ مکمل کرے۔ اگر توڑ دے گا تو قضا کرنی پڑے گی۔

گھر میں کھانے پینے کی سہولت نہ ہو تو روزہ رکھ لینا سنت ہے

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز آپ ﷺ تشریف لائے اور پوچھا تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے۔ ہم نے کہا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا تو میرا روزہ ہے۔

(مسلم جلد ا صفحہ ۳۶۴، نسائی صفحہ ۳۱۹، ابن ماجہ صفحہ ۱۲۲، ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کو کھانا پسند تھا ایک دن آئے پوچھا تمہارے پاس کچھ کھانا ہے، میں نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا پھر میں روزہ سے ہوں۔ (طحاوی صفحہ ۳۲۶)

ام الدرداء کہتی ہیں کہ حضرت ابودرداء پوچھتے تھے کہ تمہارے پاس کھانا ہے، میں کہتی کہ نہیں ہے۔ اس پر فرماتے کہ میرا روزہ ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ اسی طرح ابوطلحہ حضرت ابوہریرہ حضرت ابن عباس حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے۔ (کہ کھانا نہ رہنے پر دن کو روزہ کی نیت کرکے روزہ رکھ لیا کرتے تھے)۔

(بخاری جلد ا صفحہ ۲۵۷)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ اپنی اہلیہ کے پاس تشریف لاتے پوچھتے کچھ کھانا ہے، اگر کہا جاتا نہیں تو وہ روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔ چاشت کے وقت۔ (دار قطنی صفحہ ۱۷۵، طحاوی جلد ا صفحہ ۳۳۶)

فائدہ: ان تمام روایتوں سے معلوم ہوا کہ اگر کھانا پینا نہ ہو تو ایسی حالت میں روزے کا ارادہ کرے کہ چلو کھانا پینا تو ہے نہیں بھوکے رہنے میں کوئی ثواب نہیں، لاؤ روزہ رکھ لیں، تو روزہ رکھنے میں کوئی قباحت نہیں روزہ رکھنا سنت، آپ ﷺ سے ثابت ہے، علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی عادت طیبہ تھی کہ اگر گھر میں

کھانا نہ ہوتا تو روزہ کا ارادہ فرمالیتے، اور ایسا بھی ہوا کہ کھانا آجانے پر کھالیتے۔ (زادالمعاد صفحہ ۲۵۳)

پھر اگر روزہ مکمل کرلیا تو نفل روزے کا ثواب ملے گا اگر کھانا کہیں سے مل گیا خدائے پاک نے بھیج دیا۔ اگر یہ شخص کھانا چاہے تو کھا بھی سکتا ہے۔ مگر روزے کی نیت کے بعد اسے قضا کرنی پڑے گی۔

اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفل روزے میں اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو۔ تو نصف یوم (دن) سے قبل تک روزہ کی نیت کرسکتا ہے۔ نصف نہار شرعی کے بعد روزہ کی نیت نہیں کرسکتا ہے۔ صبح صادق سے لے کر غروب تک جتنا وقت ہوتا ہے اس کا آدھا کرلیجئے اسے نصف نہار شرعی کہتے ہیں۔ (شامی جلد۲ صفحہ ۳۲۷) اس سے قبل نیت معتبر ہے۔ سہولت کے لئے سمجھ لیجئے ۱۱ر بجے دن تک معتبر ہے۔ اسی طرح رمضان کا روزہ بھی نصف نہار شرعی سے قبل نیت کرنے سے ہوجائے گا۔ البتہ قضاء رمضان کا نہیں ہوگا۔ رات سے کرنی پڑے گی۔

(طحاوی جلد۱ صفحہ ۳۲۶، شامی صفحہ ۳۷۷)



ممنوع روزوں کا بیان

عید بقر عید کے روزہ سے منع فرماتے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ عید کے دن اور بقر عید کے دن۔ (بخاری، مسلم)

ابوعبید کہتے ہیں کہ میں عید کے دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا انہوں نے اولاً خطبہ سے قبل نماز پڑھی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ عید کا دن کہ روزہ توڑنے کا دن ہے اور قربانی کا دن تاکہ تم اپنی قربانی سے کھاؤ۔ (مسند احمد مرتب جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۶، بیہقی صفحہ)

فائدہ: عید اور بقر عید کے دن اسلامی تہوار کا دن ہے۔ تہوار کا دن کھانے پینے اور کھلانے پلانے کا دن ہوتا ہے، اس دن روزہ رکھنا تہوار کے منافی ہے۔ اس لئے آپ نے منع کیا اور حرام قرار دیا۔ علامہ نووی نے بیان کیا کہ عید بقر عید کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت اور حرام ہونے پر علماء کا اجماع ہے۔ (شرح مسند جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۷)

ایام تشریق میں روزہ رکھنے سے منع فرماتے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سال کے ۵/ دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ عید کے دن، بقر عید کے دن، اور ۳/ دن ایام تشریق میں۔ (دار قطنی صفحہ ۲۱۲)

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ایام منیٰ میں (منیٰ کے قیام کے دنوں میں) اعلان کر دوں کہ یہ دن (ایام تشریق) کھانے پینے کے ہیں ان دنوں میں روزہ نہیں ہے۔ (بلوغ الامانی مسند احمد جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حذافہ کو بھیجا کہ منیٰ میں گھوم کر اعلان کر دیں کہ ان دنوں روزہ نہ رکھیں یہ کھانے پینے اور ذکر اللہ کا دن ہے۔ (مسند احمد مرتب صفحہ ۱۴۰، دار قطنی صفحہ ۲۱۲)

ابومرہ سے منقول ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر کے ساتھ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے ان دونوں حضرات کو کھانا پیش کیا۔ اور کہا کھاؤ۔ اس نے کہا میں روزے سے ہوں تو اس پر حضرت عمرو بن العاص نے کہا کھاؤ یہ وہ دن ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ امام مالک نے فرمایا یعنی ایام تشریق میں۔ (مسند احمد مرتب جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۱)

فَائِدَہ: بقر عید کے دن یعنی دسویں تاریخ کو تو روزہ رکھنا حرام ہے یعنی اس کے بعد ۱۱، ۱۲، ۱۳، تاریخ ان دنوں میں بھی روزہ رکھنا ناجائز ہے۔ ان ۳ر دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں۔

احناف کے یہاں ہر شخص کو خواہ حج کے دوران قران اور تمتع کا روزہ ہو ممنوع ہے۔ مراقی الفلاح اور اس کی شرح طحطاوی میں ہے کہ بقر عید کے بعد ۳ر دن روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ناجائز ہے یعنی عیدین کی طرح ایام تشریق کے روزہ کی حرمت بیان کی ہے۔ (طحطاوی علی المراقی صفحہ ۲۵۱)

۳۰ر شعبان یوم الشک میں روزہ رکھنے سے منع فرماتے

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ۶ر دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ شک کا دن کہ رمضان ہے یا نہیں (۳۰ر شعبان کو) عید کے دن، بقر عید کے دن۔ اور ایام تشریق ۱۱۔۱۲۔۱۳ ذی الحجہ کو۔ (دار قطنی صفحہ ۱۵۷)

حضرت عمار رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ جس نے اس دن (۲۹ر شعبان کو روزہ رکھا اس نے ابو القاسم ﷺ کے خلاف کیا۔ (طحاوی صفحہ ۳۵۶، ترمذی صفحہ، فتح القدیر صفحہ ۳۱۶)

حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ایک دن پہلے سے روزہ مت رکھو۔ تاوقتیکہ چاند نہ دیکھ لو۔ (ابوداؤد، نسائی، نیل الاوطار صفحہ ۱۹۲)

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ جس نے یوم الشک میں روزہ رکھا اس نے خدا اور رسول کی نافرمانی کی۔ (فتح القدیر صفحہ ۳۱۶)

فَائِدَہ: یہ دن تردد اور شک کا ہے، کہ شاید چاند ہو گیا ہو تو روزہ فرض اور نہیں ہوا ہو تو نفل اس تردد کی شکل سے آپ نے منع فرمایا ہے لہٰذا اس دن عام لوگوں کو روزہ رکھنا منع ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اس دن اگر شک ہو کہ شاید چاند کا ثبوت ہو جائے تو زوال تک انتظار کرے خبر معتبر آجائے تو فبہا ورنہ کھا پی لے روزہ نہ رکھے۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۱۹، الشامی صفحہ ۳۸۳)

ہاں پہلے سے روزہ رکھتا ہو اور اس دن روزہ اس کا معمول اور عادت کے مطابق پڑ رہا ہو تو پھر اس میں کراہت اور ممانعت نہیں مثلاً پیر یا جمعرات کو نفل روزہ کا معمول تھا اور یوم الشک اسی دن پڑ رہا ہے تو روزہ رکھ لے اس میں کوئی حرج نہیں۔ (الشامیہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۱)

رمضان سے ایک دو یوم قبل روزہ رکھنا منع ہے

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان سے ایک دو دن قبل روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے ہاں مگر یہ کہ وہ روزہ رکھتا آ رہا ہو تو رکھ لے۔ (صفحہ ۲۵۶)

فَائِدَہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کی شبہ اور احتمال کی وجہ سے ایک دو دن پہلے سے روزہ شروع کر دینا منع ہے۔ (مسند احمد مرتب، بیہقی صفحہ ۲۵۶)

یا اس وجہ سے کہ رمضان ۲۹ دن کا ہو جائے گا تو پہلے سے روزہ رکھ لیں تاکہ وہ ایک ماہ ۳۰ دن پورے ہو جائے جیسا کہ بعض جاہلوں اور عورتوں کا ذہن ہوتا ہے کہ وہ ۲۹ ر کے چاند پر ایسا کہتے ہیں حالانکہ ۲۹ ر پر بھی ایک ماہ کا ثواب ملتا ہے۔ اس کی اصلاح کرتے ہوئے آپ نے منع فرمایا۔

تنہا جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرماتے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں مگر ایک دن پہلے یا بعد کا ملا کر رکھے۔ (بخاری صفحہ ۲۶۷، مسلم صفحہ، تلخیص صفحہ ۳۲۸، طحاوی صفحہ ۳۳۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جویریہ بنت حارث کے پاس تشریف لے گئے وہ جمعہ کے دن روزہ سے تھیں۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا کل روزے سے تھی کہا نہیں تھی۔ پھر پوچھا کیا کل روزہ رکھنے کا ارادہ ہے کہا نہیں آپ نے فرمایا پھر روزہ توڑ دو۔ (کہ جمعہ کا تنہا روزہ رکھنا ممنوع ہے)۔ (مسند احمد مرتب جلد ۱۰، صفحہ ۱۴۶، طحاوی صفحہ ۳۳۹)

شرح مسند میں ہے کہ تنہا جمعہ کا روزہ رکھنا جمہور نے مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔ ابن منذر نے جمعہ کے روزہ کو مکروہ تحریمی کہا ہے مالکیہ نے تنہا رکھنے کو جائز قرار دیا ہے جس پر علامہ نووی نے رد کیا ہے۔
(بلوغ الامانی جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۰)

جمعہ ہفتہ کی عید ہے اس لئے آپ روزہ سے منع فرماتے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کا دن عید کا دن ہے۔ پس عید کا دن روزہ کا دن نہ بناؤ۔ ہاں مگر یہ کہ ایک دن پہلے یا بعد کا شامل کرلو۔

(مسند احمد جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۴، جمع الوسائل صفحہ ۱۲۴، بزار، حاکم صفحہ)

عامر اشعری کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کا دن تمہارے لئے عید کا دن ہے اس دن روزہ مت رکھو۔ (مجمع الزوائد جلد، صفحہ ۲۰۲، شرح مسند احمد صفحہ ۱۴۹، فتح الباری صفحہ ۲۳۵)

فَائِدَہ: جمعہ کا دن ہفتہ کی عید ہے، جمعہ کا دن کھانے پینے اور جمعہ کی تیاری اور عبادت کا دن ہے۔ ملا علی قاری نے علامہ نووی کے حوالہ سے یہ حکمت بیان کی ہے کہ جمعہ کا دن دعا وعبادت کا دن ہے اس دن غسل ونظافت و طہارت حاصل کرنا اور جلد از جلد جامع مسجد جانا، خطبہ ذکر وغیرہ میں مشغول رہنے کا دن ہے، روزہ رکھنے سے ان امور میں تعب ومشقت اور کسل پیدا ہوگا۔ اسی وجہ سے منع ہے، جیسا کہ عرفہ کے دن حجاج کو روزہ رکھنا منع ہے۔

تا کہ عبادت وتیاری میں فتور اور پریشانی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے مشاغل اور اہتمام کی وجہ سے اور یہ کہ جمعہ کی عبادت وتیاری میں فتور اور پریشانی نہ ہو، منع کیا گیا ہے اور کوئی وجہ نہیں۔ (جمع الوسائل صفحہ ۱۲۳، شرح مسند احمد)

اسی طرح علامہ مناوی نے ذکر کیا ہے کہ جمعہ کی عبادات اور اعمال میں ضعف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ روزہ رکھنا ہو تو جمعرات کا روزہ رکھو جمعہ کا دن کھانے پینے اور عبادت کا دن ہے، ملا علی قاری نے ذکر کیا ہے کہ جمعہ کا روزہ مکروہ تنزیہی ہے یا کبھی رکھ لے تو گنجائش ہے۔
(جمع الوسائل صفحہ ۱۲۳، فتح جلد ۴ صفحہ ۲۳۵)

ہاں مہینہ کے ۳ روزے میں جمعہ بھی پڑتا ہو تو گنجائش ہے۔

روزہ کی ترتیب جمعہ کے دن آجائے تو رکھ سکتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں مگر یہ کہ روزہ میں اس کا دن آجائے۔ (مسند احمد صفحہ ۱۴۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جمعہ کے دن تم میں سے کوئی ہرگز مت روزہ رکھے ہاں مگر یہ کہ اس کے روزہ رکھنے کا دن آ رہا ہو۔ (مسند احمد)

فائدہ: جمعہ کے دن روزہ رکھنا منع ہے۔ مگر ان لوگوں کے لئے جائز ہے جن کے روزہ رکھنے کی ترتیب جمعہ کے دن پڑ رہی ہو۔ مثلاً ایام بیض کا روزہ ۳؍ رکھ رہا ہو اور اس میں جمعہ کا دن شروع میں یا آخر میں آ رہا ہو۔ یا روزہ رکھتا آ رہا ہو اور اس میں جمعہ بھی پڑ رہا ہو تو درست ہے۔ یا یہ کہ وہ ہر ماہ ہر ہفتہ ایک روزہ رکھتا ہے اس ہفتہ کے ایک دن روزہ رکھنے کی ترتیب میں کبھی بدھ کبھی جمعرات کبھی جمعہ پڑے تو یہ بھی درست ہے۔

آپ جمعہ کا روزہ آگے پیچھے ملا کر رکھتے تھے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا روزہ کم چھوڑا کرتے تھے۔
(تلخیص الکبیر صفحہ ۲۲۸، شرح مسند احمد صفحہ ۱۵۰)

فائدہ: ملا علی قاری اور مناوی نے بیان کیا کہ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کے ساتھ رکھنا مراد ہے۔

ابن قیم نے بیان کیا کہ آپ خاص صرف جمعہ کا نہیں رکھا کرتے تھے اور اس سے منع بھی فرماتے تھے۔
(زاد المعاد صفحہ)

حضرت ابن حجر نے بیان کیا کہ جمعرات کے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ (تلخیص جلد ۲ صفحہ ۲۲۹)

شرح شمائل میں ہے کہ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمعہ کا روزہ منع نہ ہو۔ اور امت کے لئے ہو۔ جیسے کہ صوم وصال۔ (جمع الوسائل صفحہ ۱۲۳)

یا آپ ممانعت سے پہلے رکھ لیا کرتے ہوں، پھر ممانعت کے بعد چھوڑ دیا۔

آپ جمعہ کا تنہا روزہ نہیں رکھتے

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صرف تنہا جمعہ کا روزہ نہیں رکھا ہے۔
(شرح مسند جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۹)

فَائِدَہ: مطلب یہ ہے کہ ملا کر رکھا ہے یا ایام بیض کی ترتیب میں رکھا ہے۔

ہفتہ، سنیچر کے روزے سے منع فرمایا کرتے

عبداللہ بن بسر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا سنیچر کے دن روزہ مت رکھو ہاں مگر یہ کہ جو روزہ فرض کیا گیا ہو۔ (رمضان کا روزہ) اگر کھانے کو کچھ نہ پاؤ سوائے انگور کی شاخ یا کسی درخت کی لکڑی تب بھی اسے چبالو (مگر روزہ نہ رکھو)۔ (مسند احمد مرتب صفحہ ۱۴۸، سنن کبریٰ، حاکم)

حضرت صماد کی روایت میں ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے سنیچر کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ سوائے فرض روزہ کے۔ اگر کھانے کو کچھ نہ ملے سوائے شاخ انگور یا کسی درخت کی ٹہنی تب بھی اسے چبالے۔ (مگر روزہ نہ رکھے)۔ (ابوداؤد، ترمذی صفحہ ۱۵۷، طحاوی صفحہ ۳۳۹)

فَائِدَہ: آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے تنہا سنیچر کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں ایک دن آگے پیچھے کامل کر ہو تو مکروہ نہیں کہ آپ نے اتوار کے ساتھ رکھا ہے۔ اعلاء السنن میں ہے کہ تنہا روزہ رکھنا مکروہ ہے، اور ملا کر رکھنا جائز ہے۔ درمختار کے حوالے سے ہے کہ صرف ہفتہ کا ارادہ مکروہ ہے طیبی شرح مشکوٰۃ کے حوالے سے ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ (اعلاء)

شرح مسند احمد میں ہے امام مالک کے علاوہ ائمہ ثلاثہ اس کی کراہت اور ممانعت کے قائل ہیں۔ (صفحہ ۱۵۲)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ منع تنہا رکھنے کی صورت میں ہے۔ (جلد ۷ صفحہ ۹۲)

سنیچر کا روزہ آپ اتوار کے ساتھ رکھتے

حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سنیچر اور اتوار کا روزہ رکھتے تھے۔
(مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۰، ابوداؤد)

حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سنیچر اور اتوار کا اکثر روزہ رکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دن مشرکین کی عید کا دن ہے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کروں۔ (کہ وہ عید کی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے ہیں ہم رکھیں گے)۔ (مسند احمد، مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۰، صحیح ابن خزیمہ)

فائدہ: سنیچر تو یہود کے لئے اور اتوار نصاریٰ کے لئے عید کا دن ہے، چنانچہ آپ یہود ونصاریٰ کی مخالفت میں روزہ رکھا کرتے تھے شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ دونوں دن روزہ رکھنا مستحب ہے۔ ایک دن صرف سنیچر کا نہیں کہ منع ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح جلد ۷ صفحہ ۹۶)

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ دونوں کو ملا کر رکھنا مستحب ہے۔ تاکہ دونوں فریق کی مخالفت ہو۔

(مرقات جلد ۴ صفحہ ۳۰۴)

صوم الدہر مسلسل ہر دن روزہ رکھنے سے منع فرماتے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمیشہ مسلسل روزہ (بلا ناغہ کے) رکھا اس کا روزہ ہی نہیں۔ (بخاری صفحہ، ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۷۸)

حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پینے کی چیز لائی گئی لوگوں میں اسے گھمایا گیا۔ (مجلس میں تقسیم کی گئی) اس میں ایک آدمی روزہ دار تھا۔ جب اس تک پہنچی تو اسے کہا گیا لو تم پیو۔ تو اس کے متعلق آپ سے کہا گیا اے اللہ کے رسول کبھی یہ افطار نہیں کرتا (ہمیشہ روزہ رکھتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صوم الدہر ہمیشہ روزہ رکھا اس نے روزہ ہی نہیں رکھا (یعنی اس کو روزہ کا ثواب نہیں) کہ روزہ کی مشقت کا احساس عادت کی وجہ سے نہ ہوا۔ (مسند احمد صفحہ ۱۵۳، مجمع صفحہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے وہ کیسا ہے آپ نے فرمایا نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا۔ (بلکہ بھوک کی عادت ہوگئی)۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۶۷، ابوداؤد)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ہمیشہ جس نے روزہ رکھا اس پر جہنم کی تنگی ہوگی اور ہاتھ باندھ کر اشارہ کیا۔ (فتح الباری صفحہ ۲۲۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ملی کہ فلاں شخص ہمیشہ صائم الدہر رہتا ہے تو آپ نے بلایا اور اسے درہ مارا، اور فرمایا کھا! اے دہری (یعنی روزہ توڑ دو)۔ (فتح الباری صفحہ ۲۲۲)

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث میں صوم الدہر ہمیشہ مسلسل بلا ناغہ روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ خود اس کی وجہ آپ نے فرمایا کہ آدمی کی جان کا اس پر حق ہے، بیوی اور اہل وعیال کا حق ہے۔ پھر ہمیشہ روزہ رکھنے کی وجہ سے عادت نہ کھانے کی ہو جاتی ہے۔ پھر معمولی مشقت اور تعب کا بھی احساس نہیں ہوتا۔ گویا بھوک کی عادت ہوگئی ایسا روزہ مقصد روزہ کے خلاف ہے۔ اسی کو آپ نے منع فرمایا گویا اس نے روزہ ہی نہیں رکھا جب شریعت میں روزہ اس کا معتبر نہیں تو ثواب کیسا۔ اسی وجہ سے اسے مکروہ اور ممنوع قرار دیا ہے۔

حافظ نے بیان کیا کہ بعض حضرات ان لوگوں کے لئے جائز قرار دیتے ہیں جن کو قوت اور صحت ہو اور کوئی

حق فوت نہ ہو پاتا ہو۔ (فتح الباری صفحہ ۲۲۲)

بیشتر علماء عید و بقر عید کو چھوڑ کر جائز قرار دیتے ہیں کہ صحابہ تابعین کی ایک جماعت نے اس پر عمل کیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی اس پر عمل ہے۔

رجب کے روزے سے منع فرماتے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے روزہ سے منع فرمایا۔

(ابن ماجہ صفحہ، جمع الفوائد صفحہ ۴۴۵)

فائدہ: آپ نے رجب میں روزہ سے اس وجہ سے منع فرمایا کہ کفار اس ماہ کی تعظیم کرتے تھے اور روزہ رکھتے تھے اس مشابہت کفار سے آپ نے منع فرمایا۔ یا کسی غلط واہی عقیدہ کی وجہ سے آپ نے منع فرمایا ہوگا۔

چنانچہ ہند و پاک میں بھی اس ماہ کے ۲۷ویں روزہ کو روزہ معراج سمجھ کر رکھتے ہیں اور اس کا ثواب ایک ہزار سمجھتے ہیں جو غلط اور واہیات ہے۔ چنانچہ یہ روزہ رکھنا اور یہ ثواب سمجھنا جہالت ہے اور منع ہے۔

شرح مسند میں ہے کہ رجب میں روزہ رکھنا مستحب نہیں ہے اور اس کی فضیلت میں جو حدیث پیش کرتے ہیں وہ واہی ہے۔ (صفحہ ۱۹۴)

شاید اس سے مراد ۲۷/رجب کے متعلق جو عوام میں مشہور ہے وہ مراد ہو۔

آخری نصف شعبان کے روزے سے منع فرماتے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نصف شعبان گزر جائے تو روزہ سے رک جاؤ یہاں تک کہ رمضان آجائے۔ (طحاوی صفحہ ۳۴۰، بیہقی صفحہ، مسند احمد صفحہ ۲۰۱)

فائدہ: ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان ابن عدی، مسند احمد، وغیرہ میں نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنے کی ممانعت منقول ہے۔ گو بعض علماء نے اسے ضعیف کہا مگر ابن حبان وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ تاہم متعدد طرق کی وجہ سے اور اصحاب سنن کی تخریج کی وجہ سے یہ حدیث حسن ہے۔

شرح مرقات میں ملا علی قاری نے ممانعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ امت پر شفقت کے پیش نظر کہ اس سے رمضان المبارک کے روزہ کے نشانہ جاتا رہے۔ اور ضعف و نقاہت پیدا ہو جائے۔ قاضی عیاض مالکی نے بیان کیا کہ جس طرح عرفہ کا روزہ حجاج کرام کو ضعف اور تعب کی وجہ سے منع ہے اسی طرح رمضان کے فرض میں شعبان کے روزہ سے تعب اور ضعف نہ پیدا ہو جائے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا جسے اس کی وجہ سے کمی کو ضعف و نقاہت نہ ہو تو اس کے لئے کوئی حرج نہیں۔ (شرح مسند احمد صفحہ ۲۰۱)

امام طحاوی نے بھی اس کی حکمت اور وجہ یہ بیان کیا ہے کہ رمضان کے قرب کی وجہ سے شعبان کا روزہ رکھنا کمزوری اور فرض کی کوتاہی کا سبب نہ بن جائے۔ منع ہے۔ **بقرب رمضان یدخله به ضعف یمنعه من صوم رمضان۔** (طحاوی صفحہ۳۴۲)

اسی وجہ سے کہ آپ ﷺ کو ضعف نہیں ہوتا پورے شعبان کا روزہ رکھتے تھے اور کثرت سے رکھتے تھے۔ پس آپ میں اور امت میں قوت وضعف کے فرق کی وجہ سے حکم الگ الگ ہوگیا۔



سفر میں روزہ رکھنے کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل مبارک کا بیان

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی روزہ رکھا کرتے تھے

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں سخت گرمی کے زمانے میں تھے کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے آدمی اپنے سر پر ہاتھ (سایہ کے لئے) رکھتا تھا۔ اور ہم میں سے کوئی روزہ سے نہیں تھا۔ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضرت ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (بخاری جلد اصفحہ ۲۶۱، مسلم صفحہ ۳۵۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ان سے رمضان میں سفر کے روزہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہم لوگ فتح مکہ کے موقع پر رمضان میں نکلے تھے۔ تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ رکھ رہے تھے۔ اور ہم لوگ بھی روزہ رکھ رہے تھے۔ (ابوداؤد صفحہ ۳۲۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر رمضان المبارک میں نکلے تھے تو روزہ رکھ رہے تھے یہاں تک کہ مقام کدید میں پہنچ گئے تو روزہ رکھنا چھوڑ دیا۔ (مسلم صفحہ ۲۵۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزہ رکھا بھی ہے اور نہیں بھی رکھا ہے۔ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۶)

فائدہ: اگر سفر شرعی ہو یعنی قریب ۷۰ کلومیٹر کا تو روزہ رمضان کا اس حالت میں واجب نہیں اجازت ہے کہ بحالت سفر نہ رکھے۔ بلکہ گھر آکر قیام کی حالت میں رکھے۔ حسب سہولت اختیار ہے۔ رکھنا بہتر ہے۔ تاکہ رمضان کی فضیلت حاصل ہو جائے۔

اور کبھی آپ حسب موقع وحال روزہ نہیں بھی رکھتے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزہ رکھا بھی ہے اور نہیں بھی رکھا ہے۔ (مسلم صفحہ ۳۵۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان میں سفر کیا تو آپ نے روزہ رکھا

ایک مرتبہ آپ نے رمضان میں سفر کیا تو روزہ نہیں رکھا۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۲۴۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ذکر کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے موقعہ پر سفر کیا۔ تو (شروع سفر میں) روزہ رکھا یہاں تک کہ مقام عسفان آ گئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن منگوایا جس میں پینے کی چیز تھی (پانی یا دودھ) آپ نے اسے دن میں (سب کے سامنے) پیا تاکہ لوگ دیکھیں (کہ آپ روزہ سے نہیں ہیں) پھر آپ نے روزہ نہیں رکھا یہاں تک کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔ (مسلم جلد ا صفحہ ۳۵۶)

فائدہ: سفر شرعی میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ کبھی آپ نے اس اجازت اور رخصت پر بھی عمل کیا ہے۔

سفری روزے میں دقت و پریشانی ہو تو نہ رکھنا بہتر ہے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ ایک آدمی کو دیکھا لوگ اس پر بھیڑ لگائے ہوئے تھے۔ اور اس پر لوگ سایہ کئے ہوئے تھے۔ (غالباً روزہ کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گیا ہوگا) آپ نے پوچھا کیا بات ہے، لوگوں نے کہا روزہ رکھے ہوئے تھا تو آپ نے فرمایا کوئی ثواب نہیں کہ سفر میں روزہ رکھو۔ (مسلم صفحہ ۲۵۶، سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۴۲، طحاوی صفحہ ۳۳۰)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال رمضان المبارک میں نکلے۔ یہاں تک کہ مقام کراع غمیم تک پہنچ گئے پس لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزہ رکھا۔ آپ کو خبر پہنچی کہ لوگوں پر روزہ بہت مشکل اور پریشانی کا باعث بن گیا ہے لوگ انتظار میں ہیں کہ آپ نے کیا کیا ہے۔ (روزہ رکھا ہے یا نہیں) تو آپ نے پانی کا پیالہ عصر کے بعد منگوایا اور پی لیا۔ لوگ دیکھ رہے تھے پس لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اس کے بعد بھی روزہ رکھنے والے گناہگار ہیں۔ (طحاوی صفحہ ۲۳۱)

فائدہ: شرعی سفر میں مشقت اور پریشانی خواہ جسمانی ہو یا ذہنی ہو اس کی رعایت کرتے ہوئے شریعت نے اجازت دی ہے کہ روزہ نہ رکھے رخصت سے فائدہ اٹھائے لہٰذا اگر سفر بامشقت ہو پیدل ہو زمانہ گرمی کا ہو یا روزہ ناقابل برداشت ہو رکھنے سے بلاوجہ پریشانی ہو جائے یا سفر جہاد ہو تو نہ رکھنا ہی اچھا ہے۔ ایسے ہی موقعہ پر کہ رکھے اور پریشان ہو جائے آپ نے فرمایا روزہ رکھنا اچھی بات اور ثواب کا کام نہیں ہے۔

سفر میں قوت و طاقت ہو تو روزہ رکھنا بہتر ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم لوگوں نے سفر کیا۔ تو ہم میں سے کچھ روزہ دار تھے اور کچھ بے روزہ دار تھے۔ کسی روزہ دار نے روزہ نہ رکھنے والے پر اور کسی بے روزہ والے نے روزہ رکھنے والے پر ملامت کیا۔ اور سب سمجھ رہے تھے کہ جسے قوت اور طاقت ہوئی اس نے روزہ رکھا

سو یہ بھی اچھا اور بہتر کام کیا۔ اور جو کمزور تھے اس نے روزہ نہ رکھا سو ان لوگوں نے بھی اچھا کیا اور بہتر کیا۔

(ابن خزیمہ صفحہ ۲۶۰، مسلم صفحہ ۳۵۶)

حضرت حمزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم سفر میں روزہ رکھنے کی قوت پاتے ہیں تو روزہ رکھنے میں کوئی حرج تو نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ پاک کی جانب سے رخصت ہے، جو اس رخصت کو حاصل کرے وہ بھی اچھا ہے اور جو روزہ رکھنا پسند کرے سو یہ بھی اچھا ہے کوئی حرج نہیں۔ (مسلم صفحہ ۳۵۷)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر افطار کرو (روزہ نہ رکھو) تو یہ بھی ٹھیک ہے اور اگر روزہ رکھو تو یہ بہتر ہے۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۴۵)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا رمضان کے سفر میں روزہ رکھنا کیسا ہے فرمایا روزہ رکھنا افضل ہے۔ (طحاوی جلد ۱ صفحہ ۳۳۲)

حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے۔ (طحاوی جلد ۱ صفحہ ۳۳۴)

عروہ ابن زبیر نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سفر و حضر دونوں میں روزہ رکھا کرتی تھیں۔

(طحاوی جلد ۱ صفحہ ۳۳۴)

فائدہ: بہت زیادہ پریشانی نہ ہو اور ضرر نہ ہو رمضان کی فضیلت کے پیش نظر سفر میں رکھنا بہتر ہے بسا اوقات بعد کے ارادے سے ٹلتا رہتا ہے۔ اور تاخیر ہوتی جاتی ہے غفلت و کسل میں پڑ جاتا ہے۔

بسا اوقات ٹالتے ٹالتے دنیا سے چل بستا ہے، کبھی مہلک طویل مرض میں گرفتار ہو جاتا ہے اس لئے سفر وقت پر زیادہ مشقت نہ ہو تو ادا کر لے اس کا ثواب بھی کہیں زائد ہے۔

رفقاء اور مصاحبین کی خدمت کی وجہ سے سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مر الظہران میں تھے کھانا لایا گیا۔ آپ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا آؤ قریب ہو جاؤ اور کھانا کھاؤ انہوں نے کہا ہم روزہ دار ہیں آپ نے فرمایا اپنے ساتھیوں کی خدمت کرو۔ اپنے ساتھیوں کے لئے سفر کرو۔ آؤ کھاؤ۔

(ابن خزیمہ صفحہ ۲۶۱)

فائدہ: مطلب یہ تھا کہ اپنے رفقاء اور ساتھیوں کی خدمت اور ان کی اعانت کے لئے روزہ نہ رکھو تاکہ طاقت اور قوت حاصل ہو، اس سے معلوم ہوا کہ رفقاء کی خدمت کے لئے روزہ نہ رکھنا اور رخصت پر عمل کرنا اور خدمت کرنا روزہ سے زیادہ باعث ثواب ہے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے روزہ

نہیں رکھا اور ساتھیوں کی خدمت میں فرمایا یہ لوگ ثواب لوٹ لے گئے۔ (ابن خزیمہ صفحہ ۲۶۱، مسلم صفحہ ۳۵۶)

روزہ کے متعلق چند اہم مسائل

❊ رمضان شریف کے روزے میں بس اتنی نیت کر لینی کافی ہے کہ آج میرا روزہ ہے یا رات کو اتنا سوچ لے کہ کل میرا روزہ ہے۔

❊ صرف روزہ سوچ لینا یا کہہ دینا کافی ہے۔ رمضان کی قید ضروری نہیں ہے۔ (علم الفقہ صفحہ ۱۹)

❊ صبح صادق سے لے کر نصف نہار شرعی تک اگر کچھ کھایا پیا نہیں تو روزے کا ارادہ کیا جا سکتا ہے۔

❊ سحری کا کھانا بھی نیت اور ارادے کے قائم مقام ہے۔ (علم الفقہ صفحہ ۱۸، بحرالرائق صفحہ ۱۸)

❊ اگر گزشتہ رمضان کا روزہ باقی رہ گیا یہاں تک کہ دوسرا رمضان آگیا۔ تو اب اس رمضان میں اسی رمضان کا روزہ ہوگا۔ پچھلا قضا اس رمضان میں نہ ہوگا۔ رمضان کے بعد رکھے۔

❊ روزہ کی نیت کرتے وقت اگر انشاء اللہ کہہ دیا تو کچھ مضر نہیں، (یعنی نیت معتبر ہو جائے گی)۔

(علم الفقہ جلد ۳ صفحہ ۱۹)

❊ شعبان کی ۲۹ ر تاریخ کو روزہ رکھنا کہ اگر رمضان ثابت ہوا تو رمضان کا روزہ ہوگا اگر نہیں ثابت ہوا تو نفل ہو جائے گا۔ یہ ممنوع ہے ۳۰ ر کا روزہ رکھنا منع اور مکروہ ہے۔ (حدیث پاک، شامی)

فاسد ہونے اور نہ ہونے کے متعلق چند مسائل

❊ بیوی سے ملنے خواہ بھول کر ہی سہی کہ روزہ کا بالکل خیال نہ رہا روزہ فاسد ہو جائے گا۔

❊ اگر بھولے سے کھا پی لیا تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔ ہاں جیسے خیال آئے ویسے فوراً ہاتھ سمیٹ لے منہ کا لقمہ باہر پھینک دے۔

❊ کلی کرتے وقت حلق میں پانی چلا گیا۔ روزہ فاسد ہو گیا قضاء کرنی پڑے گی۔

❊ کسی کے منہ میں بارش کا قطرہ چلا گیا برف کا ٹکڑا اولہ چلا گیا روزہ فاسد ہو گیا۔ (علم الفقہ صفحہ ۲۳)

❊ حقنہ لینے سے اور ناس جو ایک سفوف ہے جس سے چھینک آتی ہے۔ لینے سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

(علم الفقہ صفحہ ۲۴)

❊ کسی کے منہ میں آنسو یا پسینے کے اس قدر قطرے چلے گئے کہ جن کا مزہ یعنی نمکیت تمام منہ بھر میں محسوس ہوئی اور وہ اسے پی گیا۔ تو فاسد ہو گیا۔ (علم الفقہ صفحہ ۲۵)

❊ دانتوں میں گوشت کا ریشہ (یا کھانے کا کوئی ریزہ) اٹکا ہوا تھا اسے خلال کرنے سے نکال کر کھا لیا لیکن منہ سے باہر نہیں نکالا اور کھا لیا۔ اگر یہ چنے سے کم مقدار کا تھا تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اور اگر چنے کے برابر یا اس

سے بڑا تھا تو روزہ فاسد ہوگا۔ (شامی صفحہ)

* تھوک منہ کا نگل لیا۔ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ خواہ زیادہ کیوں نہ ہو۔ (طحطاوی صفحہ)
* اگر پان کھا کر خوب کلی غرغرہ کر کے منہ صاف کر لیا لیکن تھوک کی سرخی نہیں گئی۔ تو اس کا کچھ حرج نہیں۔ روزہ ہوگیا۔ (بہشتی زیور جلد۳ صفحہ ۱۱)
* ناک کی ریزش اتنے زور سے سڑکا کہ حلق میں چلا گیا تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔ (طحطاوی صفحہ)
* اگر زبان سے کوئی شئے چکھ کر تھوک دیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔
* منہ سے خون نکلتا ہے اس کو تھوک کے ساتھ نگل گیا روزہ ٹوٹ گیا۔ البتہ اگر خون تھوک سے کم ہو اور خون کا مزہ حلق میں معلوم نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹا۔ (بہشتی زیور جلد۳ صفحہ ۱۳)
* اپنے منہ سے چبا کر چھوٹے بچے کو کوئی چیز کھلانا مکروہ ہے۔ البتہ اگر اس کی ضرورت پڑے مجبوری اور ناچاری ہو جائے تو مکروہ نہیں۔ (بہشتی زیور صفحہ ۱۳)

کوئلہ یا منجن اگر حلق میں اتر جائے تو اس سے روزہ جاتا رہے گا۔ (بہشتی زیور صفحہ ۱۳)

* آپ ہی آپ قے ہوگئی تو روزہ نہیں گیا۔ چاہے تھوڑی سی قے ہوئی ہو یا زیادہ البتہ اگر اپنے اختیار سے قے کی اور بھر منہ قے ہوئی تو روزہ جاتا رہا۔ (ورنہ نہیں)۔ (شامی)
* تھوڑی سی قے آئی پھر آپ ہی آپ حلق میں لوٹ گئی تب بھی روزہ نہیں ٹوٹا البتہ اگر قصداً لوٹا لیتا ہے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (شامی)
* منہ میں پان دبا کر سو گیا صبح ہو جانے کے بعد آنکھ کھلی تو روزہ نہیں ہوا قضا رکھے۔ (بہشتی زیور جلد۳ صفحہ ۱۲)
* کسی کی آنکھ دیر میں کھلی اور یہ خیال ہوا کہ ابھی رات باقی ہے اس گمان پر سحری کھالی پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو جانے کے بعد سحری کھائی تھی تو روزہ نہیں ہوا۔ قضا رکھے اور کفارہ واجب نہیں۔ لیکن پھر بھی کچھ کھائے پئے نہیں۔ روزہ داروں کی طرح رہے۔ (بہشتی زیور جلد۳ صفحہ ۱۵)
* سورج ڈوبنے کے گمان سے روزہ کھول لیا پھر سورج نکل آیا۔ (یا معلوم ہوا کہ سورج ابھی غروب ہوا ہے) تو اس کی قضا کرے۔ (بہشتی زیور جلد۳ صفحہ ۱۵)
* کسی نے بولے سے کچھ کھا لیا اور یوں سمجھا کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا اس وجہ سے قصداً کھا لیا۔ تو قضا واجب ہے۔
* رمضان کے مہینہ میں اگر کسی کا روزہ اتفاقاً ٹوٹ گیا تو روزہ ٹوٹنے کے بعد بھی دن میں کچھ کھانا پینا درست نہیں، سارے دن روزہ داروں کی طرح رہنا واجب ہے۔ (طحطاوی جلد ا صفحہ ۳۹۵)

* کوئی کنکری یا مٹی کھالی، تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔
* اگر حلق میں مکھی یا دھواں یا غبار بلا ارادہ اور قصد کے چلا جائے تو روزہ نہ ٹوٹے گا۔ اگر قصداً ارادے سے ایسا کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔
* اگر پھول یا خوشبو عطر سونگھا تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔ (علم الفقہ جلد ۳ صفحہ ۴۳)
* عورت روزہ سے تھی حیض آگیا تو روزہ فاسد ہو گیا۔ (علم الفقہ جلد ۳ صفحہ ۴۱)
* سرمہ لگانے سے روزہ فاسد نہ ہوگا اگرچہ تیل یا سرمہ کا اثر حلق میں محسوس ہو۔ مثلاً سرمہ کی سیاہی تھوک میں نکلے۔ (علم الفقہ جلد ۳ صفحہ ۳۱)
* (کسی قسم کا) انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۹)
* مرض پائریا کی وجہ سے منہ میں خون یا پیپ کے آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹)
* ڈکار کا پانی منہ میں آجائے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۴۷۷)

جن وجہوں اور صورتوں سے روزہ رکھ کر توڑ دینا جائز ہے

* اچانک ایسا بیمار پڑ گیا کہ اگر روزہ نہ توڑے گا تو جان پر بن آئے گی۔ (جان جانے کا خطرہ ہوگا) یا بیماری بہت بڑھ جائے گی تو روزہ توڑ دینا درست ہے جیسے دفعۃً پیٹ میں ایسا درد اٹھا کہ بیتاب ہو گیا یا سانپ نے کاٹ کھایا تو دوا پی لینا اور روزہ توڑ دینا درست ہے۔ ایسے ہی اگر ایسی پیاس لگی کہ ہلاکت کا ڈر ہے تو بھی روزہ توڑ ڈالنا درست ہے۔
* حاملہ عورت کو کوئی ایسی بات پیش آگئی جس سے اپنی جان کا یا بچہ کی جان کا ڈر ہے تو روزہ توڑ ڈالنا درست ہے۔ (ہندیہ صفحہ)
* کھانا پکانے کی وجہ سے بے حد پیاس لگ گئی۔ اور اتنی بے تابی ہوگئی کہ اب جان کا خوف ہے تو روزہ کھول ڈالنا درست ہے، لیکن اگر خود اس نے قصداً اتنا کام کیا جس سے ایسی حالت ہوگئی تو گنہگار ہوگا۔ (شامی)

جن صورتوں میں روزہ نہ رکھنا درست ہے

* اگر ایسی بیماری ہے کہ روزہ نقصان کرتا ہے اور یہ ڈر ہے کہ اگر روزہ رکھے گا تو بیماری بڑھ جائے گی یا دیر میں اچھا ہوگا یا جان جاتی رہے گی تو روزہ نہ رکھے جب اچھا جائے تو اس کی قضاء رکھ لے لیکن فقط اپنے دل سے ایسا خیال کر لینے سے روزہ چھوڑ دینا درست نہیں ہے بلکہ جب کوئی مسلمان دیندار طبیب (ڈاکٹر حکیم) کہہ دے کہ روزہ تم کو نقصان کرے گا تب چھوڑنا چاہئے۔

❊ اگر حکیم یا ڈاکٹر کافر ہے یا (مسلمان ہے) شرع کا پابند نہیں ہے تو اس کی بات کا اعتبار نہیں۔ فقط اس کے کہنے سے روزہ نہ چھوڑے۔

❊ اگر بیماری سے اچھا ہو گیا۔ لیکن ابھی ضعف باقی ہے اور یہ غالب گمان ہے کہ اگر روزہ رکھا تو پھر بیمار پڑ جائے گا تب بھی روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

❊ مسافر کے لئے گنجائش ہے کہ سفر میں روزہ نہ رکھے گھر میں آکر اسے قضاء رکھنی پڑے گی۔ اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان میں کسی دشمن دین سے لڑنا پڑے گا۔ اگر روزہ رکھے گا تو لڑائی میں نقصان آئے گا اس کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

نفل روزے سے متعلق چند اہم مسائل

❊ صبح صادق سے لے کر نصف نہار شرعی تک اگر کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ کی نیت کی جا سکتی ہے۔

❊ نصف نہار شرعی: صبح صادق اور غروب شمس کے درمیان ٹھیک بیچ کا وقت نصف نہار شرعی ہے۔ مثلاً ۴ر بجے صبح صادق ہے اور ۶ر بجے غروب ہے، تو یہ ۱۴ر گھنٹے ہوئے، صبح صادق سے ۷ر گھنٹے تک نصف شرعی ہے۔ تو گیارہ بجے نصف شرعی ہوا۔ نصف نہار شرعی متعین نہیں ہے ہر دن کے اعتبار سے الگ الگ ہے۔ جس دن کے روزہ کا مسئلہ ہوگا اسی دن کا اعتبار ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ صفحہ)

❊ کسی نے رات کو نفل روزے کا ارادہ کیا صبح صادق سے قبل ارادہ بدل گیا تو کوئی حرج نہیں۔

❊ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں، صبح سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں تھا تو روزہ کی نیت اور روزہ رکھ سکتا ہے۔

❊ نفل کا روزہ رکھ لینے کی وجہ سے اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

❊ نفل کا روزہ رکھا، رات میں نیت کر لی پھر اسی حال اور نیت پر صبح ہو گئی تو کچھ کھانا پینا یعنی توڑنا درست نہیں اگر توڑے گا تو قضاء رکھنی ہوگی۔

❊ نفل روزہ مہمان کی رعایت میں یا اس کے ساتھ کھانے کی وجہ سے یا اس کے کہنے سے توڑ سکتا ہے۔ مگر قضاء واجب ہوگی۔

❊ کچھ کھانے کو نہیں تھا روزہ کا ارادہ کر لیا اور رکھ لیا پھر کھانا آ گیا اور بھوک کی وجہ سے کھا لیا تو قضاء کرنی پڑے گی۔

❊ عورت کو شوہر کی اجازت سے نفل روزہ رکھنا ہوگا بلا اجازت منع ہے۔

❊ رمضان المبارک، عید، بقرعید، ایام تشریق ۱۱/۱۲/۱۳ر ذی الحجہ کے علاوہ تمام دنوں کا روزہ نفلی ہے ان ایام میں نفلی روزہ رکھ سکتا ہے۔

فدیہ کے متعلق چند مسائل

* جس کو اتنا بوڑھاپا ہو گیا ہو کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی یا اتنا بیمار ہے کہ اب اچھے ہونے کی امید نہیں نہ روزہ رکھنے کی طاقت ہے تو وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو صدقۂ فطر کے برابر غلہ دے، یا صبح شام پیٹ بھر کر اس کو کھلا دے تب بھی درست ہے۔
* پھر اگر کبھی طاقت آئی یا بیماری سے اچھی ہوگی تو سب روزے قضاء رکھنے پڑیں گے۔
* جوان شخص بیمار ہے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں تو یہ بعد میں قضا روزہ رکھے گا۔ اس کو فدیہ دینا درست نہیں۔
* بیماری یا علاج کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکا تو اس کو فدیہ ادا کرنا درست نہ ہوگا بلکہ صحت ہونے کے بعد قضاء رکھنی پڑے گی۔
* عورت حمل کی وجہ سے یا بچہ کو دودھ پلانے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکی تو یہ بعد میں قضاء رکھے گی فدیہ ادا کرنا صحیح نہ ہوگا۔
* کوئی شخص بیمار تھا روزہ نہیں رکھ سکا۔ اندیشہ ہے کہ شاید مرض سے صحت حاصل نہ ہو اور اسی میں انتقال ہو جائے تو ایسے شخص پر واجب ہے کہ فدیہ ادا کر دے یا ادا کرنے کی وصیت کر جائے۔
* کسی کے ذمہ کئی روزے کی قضاء تھی (ادا کرنے کا موقعہ نہیں ملا) مرتے وقت وصیت کر گیا کہ میرے روزوں کا فدیہ دے دینا۔ اس کے مال میں اس کا ولی فدیہ دیدے۔ کفن دفن اور قرض ادا کر کے جتنا مال بچے اس کی ایک تہائی میں سے اگر سب فدیہ نکلا تو دینا واجب ہوگا۔ اگر سب کا فدیہ نہ نکل سکے تو جس قدر نکلے دے دیا جائے۔ (بہشتی زیور جلد ۳ صفحہ ۲۰)
* اگر کسی کے ذمہ روزے تھے ادا نہ کر سکا کہ موت آگئی اور فدیہ ادا کرنے کو کہہ بھی نہیں گیا ولی اور وارثین نے اپنی جانب سے اپنے مال سے فدیہ ادا کر دیا تو شاید امید ہے کہ فدیہ قبول ہو جائے اور مواخذہ سے بری ہو جائے۔
* خیال رہے کہ بغیر وصیت کئے مرنے والے کے مال سے فدیہ ادا کرنا درست نہیں، ہاں اپنے مال سے جس کا وہ مالک ہے یا ہو چکا ہے اس کی جانب سے ادا کر سکتا ہے۔
* خیال رہے کہ ولی مردے کی جانب سے فدیہ تو ادا کر سکتا ہے اگر اس کی جانب سے روزہ رکھے گا تو معتبر نہ ہوگا۔
* اگر متعدد روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دیا تو یہ بھی صحیح ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ صفحہ ۱۹۹، شامی)

فدیہ کی مقدار

* فدیہ میں ہرایک روزہ کا فدیہ ایک صاع جو یا نصف صاع گیہوں یا آٹا نکالنا ہے۔ قیمت میں نصف صاع گیہوں کا اعتبار کیا جائے گا۔
* خواہ ایک روزے کے بدلے نصف صاع دیدے یا اس کی قیمت دیدے۔
* خواہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے۔
* اگر پانچ روزوں کا فدیہ مثلاً ادا کرنا ہے خواہ ایک مسکین وغریب کو پانچ دن کھلائے یا پانچ مسکین کو ایک دن کھلائے تو دونوں درست ہے۔
* اگر ایک ہی مسکین کو ۵/دن کا اکٹھے ایک دن دے دیا تو یہ درست نہیں ہے۔
* ایک دن میں ایک مسکین کو ایک روزے کے بدلے سے زیادہ دینا درست نہیں۔
* اگر ساٹھ دن کا اناج حساب کر کے ایک فقیر کو ایک ہی دن دے دیا تو درست نہیں۔ (بہشتی زیور جلد ۳ صفحہ ۱۶)
* اگر ایک فقیر کو نصف صاع کی مقدار سے کم دیا تو یہ بھی درست نہیں۔ (بہشتی زیور جلد ۳ صفحہ ۱۶)
* ایک دن کے روزہ کا فدیہ نصف صاع گیہوں ہے جس کا وزن کلو کے اعتبار سے ایک کلو ساڑھے چھ سو گرام ہے۔ اگر قیمت ادا کرے گا تو بازاری قیمت جو عام ہے اسی کا اعتبار ہوگا۔

چند متفرق مسائل

* اگر دن میں روزہ رکھنے کے بعد کسی وجہ سے فاسد ہوگیا ان پر واجب ہے کہ جس قدر دن باقی ہو اس میں کھانے پینے جماع وغیرہ سے اجتناب کریں اور اپنے کو روزہ داروں کے مشابہ بنائیں۔ (علم الفقہ جلد ۳ صفحہ ۴۰)
* عورت کا حیض یا نفاس نصف دن کے بعد بند ہو جائے (یعنی حائضہ یا نفساء پاک ہوگئی) یا نابالغ نصف دن کے بعد بالغ ہوگیا یا کوئی کافر غیر مسلم ایمان لے آیا۔
* کوئی مریض نصف نہار کے بعد صحت یاب ہوگیا تو ان سب لوگوں کو باقی دن نفل روزہ داروں کی طرح کھانے پینے وغیرہ سے اجتناب کرنا مستحب ہے اور اس دن کی قضاء ان پر ضروری ہوگی سوائے نابالغ اور کافر کے۔ (علم الفقہ جلد ۳ صفحہ ۴۱)
* اگر نابالغ لڑکے یا لڑکیاں روزہ رکھ کر کسی وجہ سے توڑ ڈالیں تو ان پر قضاء واجب نہیں ہاں البتہ نماز فاسد کر ڈالیں تو ان کو دوبارہ پڑھنے کا حکم ہے۔ (شامی)
* جنون (مکمل طور پر پاگل ہونے) کی وجہ سے جو روزے چھوٹ گئے ان کی نہ قضاء ہوگی نہ ان روزوں کا

فدیہ دینا ہوگا۔ ہاں اگر دن دن صحیح ہو جاتا ہو تو اس دن کی قضا کرنی ہوگی۔ (علم الفقہ جلد۴ صفحہ ۳۹)

❋ مسافر اگر کسی مقام پر کچھ دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے گا گو پندرہ دن سے کم ہی سہی تو اسے روزہ نہ رکھنا مکروہ ہوگا۔ (علم الفقہ جلد۴ صفحہ ۳۵)

❋ روزہ دار کے لئے روزے کی حالت میں مبالغہ سے کلی کرنا اور ناک میں مبالغہ سے پانی پہنچانا منع ہے۔ کہیں حلق میں پانی جا کر ٹوٹ نہ جائے۔ (رحیمیہ جلد۵ صفحہ ۱۹۸، طحطاوی علی المراقی)

❋ افطاری کی وجہ سے مغرب کی نماز میں پانچ سات منٹ تاخیر کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد۲ صفحہ ۴۷)

تم بفضل اللّٰہ وعونہ جمادی الاولیٰ ١٤٢٤ھ

مزید تفصیل کے لئے فقہی کتابیں دیکھئے یا محقق عالم سے رجوع کیجئے۔

اس کے بعد دسویں جلد میں موت میت جنازہ اور برزخ کے متعلق آپ کے پاکیزہ تعلیمات اور شمائل دیکھئے۔



آیاتِ حفاظت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُہُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○ وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ
وَیُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَۃً ○ وَلَا تَضُرُّوْنَہٗ شَیْئًا ○ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ
حَفِیْظٌ ○ فَاللّٰہُ خَیْرٌ حٰفِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ○ لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ
مِّنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ یَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ ○ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا
الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ وَحَفِظْنٰھَا مِنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ○
وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ○ وَکُنَّا لَھُمْ حٰفِظِیْنَ ○ وَحِفْظًا مِّنْ کُلِّ
شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ○ وَحِفْظًا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ○ وَرَبُّکَ عَلٰی کُلِّ
شَیْءٍ حَفِیْظٌ ○ اَللّٰہُ حَفِیْظٌ عَلَیْھِمْ وَمَا اَنْتَ عَلَیْھِمْ بِوَکِیْلٍ ○ وَعِنْدَنَا کِتٰبٌ
حَفِیْظٌ ○ وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○
اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْھَا حَافِظٌ ○ اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ ○ اِنَّہٗ ھُوَ
یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ ○ وَھُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ○ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ○ فَعَّالٌ لِّمَا
یُرِیْدُ ○ ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ ○ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ○ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
فِیْ تَکْذِیْبٍ ○ وَّاللّٰہُ مِنْ وَّرَآئِھِمْ مُّحِیْطٌ ○ بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ○
فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ○

جدید نظرثانی ایڈیشن

محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری سنتیں

اُسوۂ حسنہ

المعروف بہ

شمائلِ کُبریٰ

جلد ششم

حصہ دوم

موت میت جنازہ احوال قبر، وصیت، فرائض وغیرہ کے متعلق

جو ۱۰۱ مضامین پر مشتمل ہے

مؤلفہ

مولانا مفتی محمد ارشاد صاحب القاسمی مدظلہ العالی

اُستاذ حدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی جون پور

پسند فرمودہ

حضرت مفتی نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ

اُستاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اُردو بازار کراچی

جامع دُعا

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور، دعائیں تو آپ نے بہت سی بتادی ہیں اور ساری یاد رہتی نہیں، کوئی ایسی مختصر دُعا بتا دیجیے، جو سب دُعاؤں کو شامل ہو جائے۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دُعا تعلیم فرمائی۔ (ترمذی)

أَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَئَلَكَ
مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ
نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ
وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

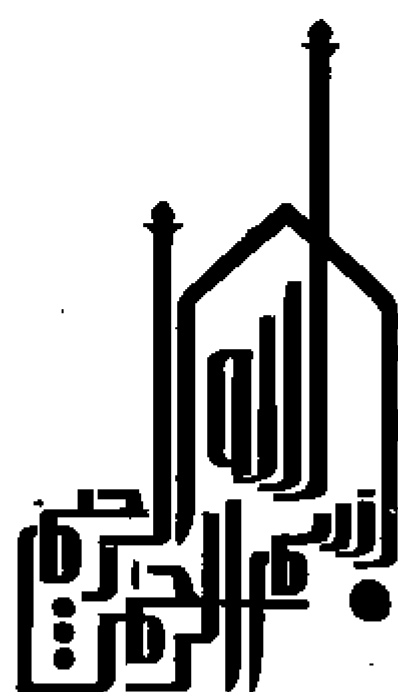
(ترمذی شریف)

فہرست مضامین

کفن کے سلسلے میں آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور پاکیزہ تعلیمات کا بیان ۳۳۴

میت کے جنازہ کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے شمائل اور طریق مبارک کا بیان ۳۴۸





بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

امت کے لئے بنیادی و اساسی کتاب قرآن پاک کے بعد رسول پاک ﷺ کا اسوہ مبارک، پاکیزہ سنت، اصل سرمایہ ہے۔ قرآن میں اجمال ہے، حدیث وسنت رسول اس کی تفصیل وتعبیر ہے۔ طریق مستقیم اسی سنت سے وابستہ ہے۔ امت مسلمہ کی دنیاوی کامیابی اور اخروی نجات اسی سے متعلق ہے۔ پیش نظر کتاب ''شمائل کبریٰ'' اسی پر مشتمل ہے۔ خدائے پاک مولیٰ کریم کا بے انتہا فضل وکرم ہے۔ سلسلہ شمائل کی دسویں جلد، آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

اس جلد میں سیّدالکونین، فخر دو عالم محبوب رب العالمین ﷺ کی موت میت، قبر برزخ کے متعلق۔ مثلاً قبض روح، غسل میت، کفن میت، جنازہ میت، تدفین میت، قبر اور احوال برزخ، تعزیت، وصیت وراثت اور وفات مبارک کے متعلق آپ ﷺ کے پاکیزہ شمائل اور طریق مبارک کو بسط وتفصیل سے مع حوالوں کے بیان کیا گیا ہے۔

ہمارے مخلص محترم مولانا رفیق عبدالمجید صاحب، زمزم پبلشرز سے اس کی اشاعت کررہے ہیں۔ خدائے پاک اس کی طباعت سے متعلق زرکثیر سعی بلیغ صرف کرنے پر بے حساب جزاء خیر عطا فرمائے۔ ان کے مکتبہ کو فروغ کثیران کی اشاعت کتب کو بے انتہا قبول فرمائے۔

خدائے واحدہ لاشریک سے دعا ہے کہ شمائل کے اس وسیع سلسلہ کو جو امت کے لئے سنت اور دارین کی کامیابی کا ایک قیمتی سرمایہ ہے خلوص وعافیت کے ساتھ پائے تکمیل تک پہنچائے۔ رہتی دنیا تک امت کے ہر طبقہ کو اس سے مستفید فرمائے۔ عاجز کی لغزشوں کو معاف فرما کر ذخیرہ آخرت سرمایہ نجات اپنی رضا وتقرب کا باعث بنائے۔

والسلام

محمد ارشاد القاسمی بھاگلپوری ثم لکھنوی

استاذ حدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی

محرم ۱۴۲۵ھ مارچ ۲۰۰۴ء

تقریظ

حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب دامت برکاتکم وفیوضکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''امابعد''

زیر نظر کتاب ''شمائل کبریٰ'' کے چیدہ چیدہ مقامات کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ کتاب کی دو جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ تیسری جلد زیر طبع ہے۔

اس کتاب میں حضرت خاتم النبیین محمد عربی ﷺ کے حالات خصائل اور عادات و اطوار کو عمدہ ترتیب اور دلنشیں پیرائے میں جمع کیا گیا ہے۔

کتاب کے مؤلف مولانا محمد ارشاد صاحب قاسمی استاذ حدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ ریاض العلوم کوریئی جونپور صالح جید الاستعداد فاضل نوجوان ہیں۔

مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔

دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت ان کی اس سعادت مندانہ کاوش کو اپنی شایان شان شرف قبولیت بخشے اور اس کو سبھی مسلمانوں کے لئے نافع اور مؤلف زید فضلہ کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ اور ہم سبھی کو نبی اکرم ﷺ کے اسوہ کو اپنی زندگیوں میں لانے کی توفیق فرمائے۔

فقط والسلام

(مولانا مفتی) مظفر حسین مظاہری

ناظم و متولی مدرسہ مظاہر علوم وقف

سہارنپور



تقریظ

الحمد لله رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین.

''امابعد''

اللہ تعالیٰ شانہ نے حضور اکرم ﷺ کو ساری دنیا بلکہ رہتی دنیا تک کے انسانوں کے واسطے رحمت بنا کر بھیجا۔ حضور اکرم ﷺ کی ایک ایک ادا اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور جو بھی آپ ﷺ کے مبارک طریقوں کو اپناتا چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ شانہ سے قریب ہوتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اپنا محبوب بنالیں گے۔ ہر عمل میں حضور اکرم ﷺ کی اتباع جہاں انسان کی سب سے بڑی خوش نصیبی ہے وہاں حضور اکرم ﷺ کی سچی محبت کی علامت بھی ہے۔ دنیا کے تمام انسانوں میں صرف حضور اکرم ﷺ کی ہی ذات مبارکہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ ﷺ کے اقوال و افعال وضع قطع شکل و شباہت رفتار و گفتار مذاق طبیعت انداز گفتگو طرز زندگی طریق معاشرت کھانے پینے چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے سونے جاگنے ہنسنے بولنے کی ہر ہر مبارک ادا محفوظ کی گئی بعینہٖ اسی طرح جس طرح آپ ﷺ سے ہوئی ہے۔

محدثین رحمہم اللہ اجمعین نے یہ نقل کر دیا کہ کس ارشاد کے وقت حضور اکرم ﷺ کے چہرہ انور پر کیسے تاثرات تھے۔ ہمارے لئے یہ بات باعث افتخار ہے کہ ہمیں جن کی اتباع کا حکم دیا گیا ان کی مبارک زندگی کا ایک ایک لمحہ ۱۴ سو سال گزرنے کے بعد بھی ہمارے پاس موجود ہے اور محفوظ ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس حیات طیبہ کو سکھایا جائے۔ اس پر عمل کیا جائے اور ساری امت میں پھیلایا جائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے ﴿من يطع الله ورسوله فقد فاز فوزاً عظيما﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی اطاعت کو بڑی کامیابی کی ضمانت قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار آیات و احادیث اس سلسلے میں وارد ہوئیں۔ دنیا و آخرت کی تمام تر خبریں حاصل کرنے کے لئے شمائل و خصائل مبارکہ سے متعلق کتابوں کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ ان کتب کے ذریعہ صحیح علم حاصل ہوتا ہے اور عمل کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے۔ اپنی سلسلہ کتب میں پیش نظر کتاب ''شمائل کبریٰ'' (تالیف مولانا مفتی محمد ارشاد صاحب) ہے جو درحقیقت اس سلسلہ کی سلسلۃ الذہب ہے۔ بندہ کی رائے ہے کہ ہر گھر میں اس کی تعلیم ہونی چاہئے وقت متعین کر کے ایک فرد پڑھے۔ باقی سب سنیں، اس کی برکت سے، انشاء اللہ الرحمٰن گھروں میں حضور اکرم ﷺ کی حسنِ معاشرت زندہ ہوگی۔ اور رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوگا۔

اسی طرح اگر اسکولوں اور کالجوں کے طلباء وطالبات کو غیر نصابی کتب کی شکل میں یہ کتاب مطالعہ کے لئے دی جائے اور اس کا امتحان بھی لیا جائے تو امید ہے کہ ہماری نوجوان نسل میں سنتوں کے اپنانے کا شوق بڑھے گا۔

اسی طرح دینی مدارس میں اولیٰ میں نئے آنے والے طلبہ وطالبات کو شروع کے ۳ر ماہ یعنی سہ ماہی امتحان تک یہ پڑھادی جائے۔ اور املا کروادیا جائے تو جہاں ان کی اردو اچھی ہوگی وہاں سنتوں پر عمل کرنے کا شوق و جذبہ بھی پروان چڑھے گا۔

(حضرت مولانا مفتی) نظام الدین شامزئی (صاحب)
استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی-۵
یکم ذوالقعدہ ۱۴۲۰ھ



تقریظ

فقیہ بے مثال جامع فضل وکمال صاحب معرفت وطریقت

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب

مدرسہ بیت العلوم سرائے امیر اعظم گڑھ

الحمد للّٰه لحضرة الجلالة والنعت لخاتم الرسالة والرضا والرحمة لا صحابه صلى اللّٰه عليه وسلم واهل بيته اصحاب البسالة اما بعد!

فقد قال اللّٰه تعالىٰ: ان كنتم تحبون اللّٰه فاتبعوني يحببكم اللّٰه ويغفرلكم ذنوبكم.

اللہ رب العزت نے آیت بالا میں اپنی محبوبیت گو کے باشد اسی طرح اپنی محبت کو نبی اکرم ﷺ کی اتباع سے منوط اور اس پر موقوف فرمایا ہے اور یہ بات ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ موقوف کا حصول بغیر علیہ محال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت کی محبوبیت اور اسی طرح ان کی محبت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع پر موقوف ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع آپ کے شمائل وسیرت کے علم پر موقوف ہے۔ اس لئے شمائل وسیرت شریفہ کا علم من اہم الواجبات ٹھہرا پھر اس کے علم کا حصول شمائل وسیرت کے مدونات سے ہی ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جزاء خیر عنایت فرمائے مولانا محمد ارشاد صاحب زاد مجدہ کو کہ انہوں نے سیرت اور شمائل کے عنوان پر ''شمائل کبریٰ'' نامی کتاب کی کئی جلدیں مرتب فرما دی ہیں۔ جس میں سیرت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقریباً سارے شیون جمع فرمائے ہیں جس کا تعلق دید سے ہے شنید نا کافی ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کے لئے حرز جان بنانے کے لائق ہے۔

واللّٰه يهدى من يشاء الى صراط مستقيم

انا عبدہ الضعیف محمد حنیف غفرلہ جونپوری

۱۹/۶/۱۴۲۳ھ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

قبض روح وغیرہ کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور پاکیزہ تعلیمات کا بیان

آپ ﷺ کثرت سے موت کی یاد کا حکم اور اس کی تاکید فرماتے

حضرت ابوہریرہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے لذتوں کو ختم اور توڑنے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ (ترمذی، نسائی صفحہ ۲۵۸، ابن ماجہ صفحہ ۳۱۴، تخلیص الجبیر صفحہ ۱۰۸)

موت کی یاد گناہوں سے روک اور دنیا سے زہد کا باعث ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، موت کو کثرت سے یاد کرو، یہ گناہوں سے روکتی ہے۔ دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے، اگر تم اسے غنی اور مالداری کی حالت میں یاد کرو گے تو اسے توڑے گی (یعنی مال کے حرص کو) اگر فقر و تنگدستی کی حالت میں یاد کرو گے تو اسی حالت پر تم کو راضی رکھے گی۔ (عیش اور راحت کی زندگی کے لئے پریشان نہیں کرے گی)۔ (ابن ابی الدنیا، کنز العمال صفحہ ۵۴۳، اتحاف صفحہ ۲۲۸)

ابوحامد لفاف کہتے ہیں کہ جو شخص موت کو کثرت سے یاد کرے اس کے اوپر ۳/ چیزوں کا اکرام ہوتا ہے۔ توبہ جلدی نصیب ہوتی ہے۔ مال میں قناعت میسر ہوتی ہے، عبادت میں نشاط اور وابستگی پیدا ہوتی ہے، اور جو شخص موت سے غافل رہتا ہے، اس پر ۳/ چیزیں مسلط کی جاتی ہیں، گناہ سے توبہ میں تاخیر ہوتی رہتی ہے، آمدنی پر راضی نہیں ہوتا اس کو کم ہی سمجھتا رہتا ہے چاہے کتنی ہی ہو جائے، اور عبادات میں سستی ہوتی ہے۔

(فضائل صدقات صفحہ ۴۵۵)

مرنے کی تیاری کا حکم

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، اے میرے بھائی آج (موت) کے دن کی تیاری کرلو۔ (بیہقی صفحہ، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۴۴)

اچھا چالاک وہ جو موت کی تیاری کرے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا، کون سب سے زیادہ چالاک ہے میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے فرمایا لوگوں میں سب سے زیادہ چالاک وہ ہے جو موت کو کثرت سے یاد کرنے والا ہو، اور ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو موت کی تیاری کرے۔ (کنز العمال اتحاف جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۹)

فائدہ: موت کی تیاری سے مراد اعمال صالحہ کرنا ہے۔ متعدد روایتوں میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کے سوال پر کہ چالاک کون ہے آپ نے یہی جواب دیا، جس سے معلوم ہوا کہ اصل سمجھداری اور چالاکی مرنے کے بعد کے لئے اعمال حسنہ کرنا ہے جس طرح دنیاوی چالاک وہ ہے جو دنیا کی راحت کے اسباب اختیار کرے اسی طرح آخرت کی تیاری کرنے والا آخرت کے اعتبار سے چالاک ہے۔

حضرت انس کو موت یاد رکھنے کی وصیت

حضرت انس کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ اگر تم میری وصیت یاد رکھو تو تمہارے نزدیک موت سے زیادہ کوئی شے محبوب نہ ہو۔ (اتحاف صفحہ ۲۳۰)

موت کو یاد رکھنے کے اسباب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ کیا بات ہے میں موت کو محبوب نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا، تمہارے پاس مال ہے، کہاں ہاں، آپ نے فرمایا۔ اسے آگے بھیجو، (صدقہ خیرات کرکے آگے کے لئے بھیجو) چونکہ مؤمن کا دل اس کے مال کے ساتھ رہتا ہے، جب مال آگے بھیجے گا تو اس کے پاس جانے کا من کرے گا۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ صدقہ خیرات کرے اور آخرت کے لئے مال بھیجے اس سے آخرت میں جانے کی تمنا ہوگی تاکہ جو مال صدقہ خیرات کیا اس کا بدلہ پائے، اس طرح اسے موت پسندیدہ ہو جائے گی۔

موت کی یاد سے موٹاپا نہیں

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، کہ جن جانوروں کو تم کھاتے ہو اگر موت کے متعلق وہ جان لیں جو تم جانتے ہو تو ان کا موٹا ہونا جو تم چاہتے ہو نہ ہو پاسکو، اولاد آدم کو موٹاپا کیسے

ہوسکتا ہے جب کہ موت اس کے آگے ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ جانور موت کے بارے میں وہ جان لیں جنہیں اولاد آدم جانتے ہیں تو تم کسی موٹے جانور کو نہ کھا سکو، (چونکہ موت کا استحضار نعمتوں کو مکدر کر دیتا ہے، لذتوں کی راحت کو کھو دیتا ہے، اس سے یقیناً دبلا پن ہوگا)۔ (شرح احیاء جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۷)

موت سے پہلے تیاری کا حکم

حضرت طارق بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اے طارق! موت کی آمد سے قبل موت کی تیاری کرلو۔ (شرح احیاء جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۱، طبرانی، بیہقی، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۵۱)

فائدہ: مطلب یہ کہ موت سے پہلے اعمال صالحہ کا اہتمام رکھا جائے، تاکہ موت آجائے تو عمل کی کوتاہی اور نہ کرنے کا رنج و افسوس نہ ہو جس کی تلافی ممکن نہیں۔

موت سے زیادہ محبوب رکھنے کا حکم نہیں

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اگر تم میری وصیت کو یاد رکھو تو تم موت سے زیادہ کوئی شئے محبوب مت رکھو۔ (کنز العمال صفحہ ۵۵۱، شرح احیاء صفحہ ۲۳۰)

قبر کی تیاری کرلو

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا قبر کی تیاری کرلو، قبر ہر دن ''روزانہ'' سات مرتبہ پکارتی ہے۔

اے کمزور ابن آدم، اپنی زندگی پر اپنے نفس کے لئے رحم کرلو، قبل اس بات کے میں تم پر رحم کا معاملہ کروں اور مجھ سے راحت پاؤ۔

فائدہ: قبر اسے ہر دن بیدار کرتی ہے تاکہ دنیاوی غفلت سے دور ہو کر کچھ آخرت کے اعمال میں لگ جائے۔

ہر دن قبر کیا کہتی ہے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تم لذتوں کو توڑنے والی چیز کثرت سے ذکر کرو، تو تم کو جس حالت میں دیکھ رہا ہوں باز آجاؤ۔ لذتوں کو توڑنے والی چیز کثرت سے یاد کرو، کوئی دن قبر پر ایسا نہیں گزرتا جس دن وہ یہ نہ کہتی ہو کہ میں تنہائی کا گھر ہوں اجنبیت کا گھر ہوں، مٹی کا گھر ہوں، کیڑوں کا گھر ہوں۔ (ابن حبان، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۵۰)

فائدہ: قبر زبان حال سے یہ کہتی ہے یا اپنی زبان میں کہتی ہے جسے ہم نہیں سن رہے ہیں، مگر سننے والے مخبر

صادق رسول خدا نے ہمیں خبر دی ہے، انسان کو بیدار اور متنبہ کرنے کے لئے یہ صدا لگاتی ہے۔

موت کے بعد متصلاً جنت میں لے جانے والا عمل آیۃ الکرسی

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی (ہمیشہ) پڑھے گا اسے جنت سے روکنے والی کوئی شئے سوائے موت کے نہیں۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۸۹، ابن سنی صفحہ ۴۸، الترغیب جلد ۲ صفحہ ۴۵۳، نسائی، ابن حبان، بیہقی شرح صدر)

فائدہ: ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ صرف موت ہی روک اور جنت سے مانع ہوتی ہے علامہ تفتازانی کا قول لکھتے ہیں کہ دخول جنت کی کوئی شرط نہیں رہتی سوائے موت کے، علامہ طیبی نے بیان کیا کہ موت مانع تھی موت آگئی تو اب سیدھا جنت میں داخل ہوگا، ممکن ہے کہ اس امر کی طرف بھی اشارہ ہو کہ دیگر معاصی اور گناہ جنت میں جانے سے مانع اور روک نہ ہوں گے۔ (مرقات جلد ۲ صفحہ ۳۶۸)

مرنے سے پہلے ان امور کے کرنے کا حکم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے کسی کی ذات پر یا عزت پر ظلم ناانصافی کی ہو یا مال ظالمانہ طور سے لیا ہو، وہ اسے ادا کر دے اس سے قبل کہ قیامت آئے، جہاں دینار اور درہم (روپیہ پیسہ) نہیں قبول کیا جائے گا۔ اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو وہی اس کے بدلے لے لیا جائے گا، اور اس کے حق والے کو دے دیا جائے گا، اگر اس آدمی کا کوئی نیک عمل نہ ہوگا تو اس کے (حق والے کی) برائیاں اس پر لاد دی جائیں گی۔ (بخاری سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۶۹)

دنیا اور آخرت کی بھلائی کون لوٹ گیا

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے اللہ کے رسول کون چالاک ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو تم میں موت کو کثرت سے ذکر کرنے والا اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنے والا ہو وہ چالاک ہے، وہ دنیا اور آخرت کی بھلائی لے گیا۔

(کنز العمال اتحاف السادۃ جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۹)

فائدہ: موت کا یاد کرنا آخرت کو دھیان میں لانے والا اور دنیا کی جدائیگی کو ذہن میں لانے والا ہے۔ اس کی وجہ سے آخرت کی رغبت ہوگی، اور جب رغبت ہوگی تو عمل کرے گا۔ اور عمل صالح کرنے والا دونوں جہاں کی خوبی حاصل کرنے والا ہے۔

دلوں کا زنگ کیسے دور ہو

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دلوں میں بھی زنگ لگتا ہے، جیسے

کہ لوہے میں جب پانی لگ جاتا ہے، تو پوچھا گیا کیسے دور ہوگا۔ فرمایا: موت کی کثرت یاد سے اور قرآن پاک کی تلاوت سے۔ (کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۵۱)

موت کی یاد افضل ترین زہد ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں بہترین زہد موت کی یاد ہے، بہترین عبادت فکر ہے۔ (شرح احیاء جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۱)

فائدہ: اس لئے کہ موت کی یاد کی وجہ سے دنیا کی بے رغبتی ہوتی ہے دنیا کی مشغولی کم از کم ہوتی ہے۔

موت کی یاد دل کی قساوت اور سختی کا علاج

حضرت صفیہ بنت شیبہ کہتی ہیں کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دل کی سختی کی شکایت کی حضرت عائشہ نے فرمایا: موت کا ذکر کثرت سے کیا کرو، دل نرم ہو جائے گا، اس نے ایسا ہی کیا، اس کے بعد حضرت عائشہ کے پاس آئیں اور ان کا بہت شکریہ ادا کیا۔ (اتحاف السادۃ جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۱)

فائدہ: معلوم ہوا دل کی سختی اور قساوت کا علاج موت کا کثرت سے یاد کرنا ہے۔

مؤمن کا تحفہ کیا ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کا تحفہ موت ہے۔

(مطالب عالیہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۰، اتحاف جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۷، طبرانی مستدرک حاکم مجمع جلد ۲ صفحہ ۳۲۰، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۴۶)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جس طرح تحفہ خوشی و مسرت کی بات ہے اسی طرح موت اس وجہ سے کہ یہ مولیٰ کریم سے ملنے اور حقیقی گھر جانے کا ذریعہ ہے، جس طرح مسافر کو گھر کے سفر سے خوشی ہوتی ہے اسی طرح مؤمن کو موت جو کہ سفر الی الجنۃ ہے خوشی ہوتی ہے۔

آخرت کی تیاری کرلو سمجھو کہ کل شاید موت آجائے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا کو درست رکھو، آخرت کے لئے عمل کرلو، گویا کہ کل مر جاؤ گے۔ (کنز العمال صفحہ ۵۴۶)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ گمان کرنا کہ ابھی کہاں مرنا ہے، عمل کرلیں گے یہ دھوکا ہے، کیا پتہ اسی غفلت وستی میں موت آجائے تو افسوس کا آنسو نہیں خون رونا پڑے گا، عمل کی تیاری میں لگا رہے اور اندیشہ رکھے کہ کل ہی موت نہ آجائے۔

موت کی یاد دل کی حیات ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، موت کو خوب کثرت سے یاد کرلو،

جو بندہ موت کو کثرت سے یاد کرتا ہے اللہ اس کے دل کو زندہ رکھتا ہے اور موت اس پر آسان ہو جاتی ہے۔
(شرح احیاء جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۰، کنز العمال صفحہ ۱۱)

فَائِدَہ: اس روایت میں کثرت سے موت کو یاد رکھنے اور دھیان میں لائے رہنے کے دو اہم فوائد ذکر کئے گئے ہیں جو بہت اہم ہیں، ایک یہ کہ قلب کی حیات کا باعث ہے، اعمال صالحہ کا صدور زندہ قلب سے ہوتا ہے، جب قلب مردہ ہوتا ہے، تو اعمال صالحہ کا صدور نہیں ہوتا ہے، دوسرا یہ کہ موت کی شدت آسان ہو جاتی ہے موت سے انس پیدا ہو جاتا ہے۔

۲۰ مرتبہ موت کی یاد سے شہادت

حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے پوچھا، کیا شہداء کے ساتھ بھی کسی کا حشر ہوگا، (یعنی وہ شہید نہ ہو مگر شہیدوں کے ساتھ حشر ہو) آپ نے فرمایا ہاں ہاں جو دن رات میں ۲۰ بیس مرتبہ موت کو یاد کرے۔ (طبرانی اتحاف السادۃ صفحہ ۲۲۷)

بستر پر موت پھر بھی شہادت کا ثواب

حضرت عمار رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص دن میں ۲۵ مرتبہ یہ دعا پڑھے گا بستر پر بھی مر جائے گا تو شہید کا ثواب پائے گا۔

"اللهم بارك لي في الموت وفيما بعد الموت." (طبرانی، اتحاف السادۃ جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۷)

تَرجَمَہ: ''اے اللہ موت میں اور اس کے بعد کی حالتوں میں سہولت عطا فرما۔''

نصیحت کے لئے موت کا ذکر کافی ہے

حضرت عمار بن یاسر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا (انسان کی) نصیحت و عبرت کے لئے موت کا ذکر کرنا کافی ہے۔ (شرح احیاء صفحہ ۲۲۹)

فَائِدَہ: یعنی آدمی موت کو سوچے گا اور اس کو دھیان میں رکھے گا تو یہ اس کی عبرت اور نصیحت کے لئے کافی ہے کہ اسے دنیا کی مشغولیت سے باز رکھے۔

موت غنیمت اور نفع کی چیز ہے

حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا کی روایت میں ہے کہ موت غنیمت (مفت کی دولت ہے) گناہ مصیبت ہے فقر راحت ہے، مالداری سزا اور قابل مواخذہ ہے، عقل خدا کی بخشش ہے، جہالت گمراہی ہے علم ندامت ہے، عبادت آنکھ کی ٹھنڈک ہے، خوف خدا سے رونا عذاب و دوزخ سے نجات ہے، ہنسنا بدن کی ہلاکت کا باعث ہے، گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے گناہ ہی نہیں کیا۔

عبادت اور مجاہدہ کے باوجود موت کی یاد کا حکم

حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی مجلس میں ایک صحابی کی عبادت اور مجاہدہ کی کثرت کا ذکر ہوا، حضور ﷺ نے فرمایا وہ موت کو کتنا یاد کرتے تھے صحابہ نے کہا اس کا تذکرہ تو ہم نے نہیں سنا حضور نے فرمایا تو پھر وہ اس درجہ کے نہیں جیسا تم سمجھ رہے ہو۔ (فضائل اعمال صفحہ ۴۵۵)

موت کا معاملہ نہایت خطرناک

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں، موت کا معاملہ نہایت خطرناک ہے، اور لوگ اس سے بہت غافل ہیں اول تو اپنے مشاغل کی وجہ سے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تب بھی چونکہ دل دوسری طرف مشغول ہوتا ہے اس لئے محض زبانی تذکرہ مفید نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ دل کو سب طرف سے بالکل فارغ کرکے اس کو اس طرح سوچے کہ گویا وہ سامنے ہی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اپنے عزیز اقارب اور جانے والے احباب کا حال سوچے، کیونکہ ان کو چارپائی پر لے جاکر مٹی کے نیچے داب دیا ان کی صورتوں کا، ان کے اعلیٰ منصبوں کا خیال کرے، اور یہ غور کرے کہ اب مٹی نے کس طرح ان کی اچھی صورتوں کو پلٹ دیا ہوگا، ان کے بدن کے ٹکڑے الگ الگ ہوگئے ہوں گے، کس طرح بچوں کو یتیم بیوی کو بیوہ اور عزیز اقارب کو روتا چھوڑ کر چلا ہے ان کے سامان ان کے مال پڑے کے پڑے رہ گئے، یہی حشر ایک دن میرا بھی ہوگا، کس طرح وہ مجلسوں میں بیٹھ کر قہقہے لگاتے تھے آج خاموش پڑے ہیں کس طرح دنیا کی لذتوں میں مشغول تھے آج مٹی میں ملے پڑے ہیں، کیسا موت کو بھلا رکھا تھا آج اس کے شکار ہوگئے کس طرح جوانی کے نشہ میں تھے آج کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے، کیسے دنیا کے دھندھوں میں ہر قوت مشغول رہتے تھے آج ہاتھ الگ پڑا ہے پاؤں الگ ہے زبان کو کیڑے چمٹ رہے ہیں بدن میں کیڑے پڑ گئے ہیں۔

کیسا کھلکھلا کر ہنستے تھے آج دانت گرے پڑے ہوں گے، کیسی کیسی تدبیریں سوچتے تھے برسوں کا انتظام سوچتے تھے، حالانکہ موت سر پر تھی مرنے کا دن قریب تھا، مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ آج رات کو میں نہیں ہوں گا، یہی حال میرا ہے آج میں اتنے انتظامات کر رہا ہوں کل کی خبر نہیں کیا ہوگا۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں سامان سو برس کا کل کی خبر نہیں

دو چیزیں آدمی کو پسند نہیں مگر وہ اس کے حق میں بہتر ہیں

محمود بن لبید ذکر کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا دو چیزوں سے آدم کی اولاد کو کراہیت ہے حالانکہ وہ اس کے حق میں بہتر ہیں، ① موت مؤمنین کے حق میں بہتر ہے فتنہ سے (زندگی کے فتنہ سے) اور ② مال کی قلت کہ مال کی قلت میں حساب کی کمی ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۳۲۱، جمع الفوائد صفحہ ۲۵۳)

فَائِدَہ: اس حدیث پاک میں اولاد آدم انسان کی ایک فطرت کو واضح اور اجاگر کیا گیا ہے، کہ ہر ایک انسان موت اور قلت مال کو پسند نہیں کرتا، حالانکہ یہ دونوں اس کے حق میں بہتر اور خوب ہیں، اگر صالح اور نیک ہے تو وہ اس کے بہتر نتائج جو جلد پالے گا، اگر برا اور فاسق فاجر ہے تو اس کے حق میں مزید برائی کا دروازہ بند ہوگا، اور مال کی قلت مگر ضرورت کے مطابق اور اس کی کفالت کے اندر ہو تو مال کے فتنہ اور اس کے فساد سے محفوظ رہے گا کہ بسا اوقات ضرورت سے زائد مال عیاشی، آخرت سے غفلت دنیا کی زیبائش اور اس کی شادابی میں پھنسا کر منزل مقصود کو بھلا دیتا ہے اور طاق نسیان پر ڈال دیتا ہے اس وجہ سے مالداروں سے جو گناہوں کے خلاف شرع امور کا صدور ہوتا ہے وہ ایک متوسط طبقہ سے نہیں ہوتا۔

ہر مؤمن موت کے وقت یہ کہنا چاہتا ہے

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ جب مؤمن کی وفات کا وقت آتا ہے اور اعضاء میں سلامتی رہتی ہے تو یہ کہتا ہے، تم پر سلامتی ہو، تم مجھ سے جدا ہو رہے ہو اور میں تم سے جدا ہو رہا ہوں قیامت تک کے لئے۔ (کنز العمال صفحہ ۵۶۳)

ہر شخص موت کے وقت یہ تمنا کرتا ہے

حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ جب انسان کی موت جان جانے کا وقت ہوتا ہے تو تمام وہ چیزیں جو خدا سے غافل کرتی ہیں اس کے سامنے آجاتی ہیں، اور وہ کہتا ہے اے اللہ ہمیں واپس دنیا میں بھیج دیجئے، میں نیک عمل کرلوں جو میں چھوڑ کر آیا ہوں۔

فَائِدَہ: آدمی موت کے وقت اپنے عمل کی کوتاہی کو یاد کرتا ہے اور حسرت سے تمنا کرتا ہے اور درخواست دربار الٰہی میں کرتا ہے کہ ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے، جو غفلت ہوئی اس کی تلافی کرلوں۔ مگر اب کہاں؟

قرآن پاک نے بھی موت کے وقت انسان کے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ ﴿لولا اخرتنی﴾۔

موت سے پہلے اچھی حالت پیدا کرلو اسی کا اعتبار ہوگا

حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، جس حالت اور عمل پر انتقال ہوتا ہے، اسی حالت پر اس کی بعثت ہوگی، یعنی اٹھایا جائے گا۔ (مسلم صفحہ، حاکم الفتح صفحہ ۴۲، کنز صفحہ ۶۸۱)

نیک عمل کرتا ہوا مر جائے تو اچھی امید

حضرت عبداللہ بن عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آدمی اگر اچھا عمل کرتا ہوا مر جائے تو اس سے اچھی امید رکھو، اور اگر برا عمل کرتے ہوئے مرا ہے تو اس پر خوف کرو، ہاں مگر ناامید مت ہو۔ (کنز العمال صفحہ ۶۹۴)

مطلب یہ ہے کہ روزہ نماز اور گناہ کبیرہ سے بچتا ہوا مرا ہے تو اچھی امید رکھی جائے گی کہ یہ اہل جنت میں سے ہوگا اور اگر روزہ نماز کے ترک کی حالت میں مرا ہے چوری ڈکیتی دین سے آزادی کی حالت میں مرا ہے تو ڈر اور خوف سے کہ اس کی گرفت اور اسے سزاء جہنم نہ ملے، تاہم چونکہ مسلمان ہے کلمہ گو ہے شاید توبہ کر لی ہو اللہ اسے شاید معاف کر دے اس لئے بالکل ناامید نہیں ہونا چاہئے۔

موت سے پہلے بیماری اور مصائب مؤمن کے حق میں بہت بہتر ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ تشریف لائے اور میرے کسی رشتہ دار پر موت کی سختی تھی سانس گھٹ رہی تھی، آپ نے جب دیکھا کہ یہ (پریشانی کی حالت میں) تو آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا، پریشان اور مایوس مت ہو، یہ اس کے لئے بھلائی میں سے ہے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۰۵)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ موت کی سختی گناہوں کا کفارہ یا رفع درجات کا باعث ہے، یہ اہل ایمان کے حق میں اچھا ہے، موت سے پہلے کی پریشانی یہ نحوست میں سے نہیں ہے جیسا کہ جاہل حضرات سمجھتے ہیں، آپ ﷺ بھی موت کی شدت اور سختی سے دوچار ہوئے تھے، اور موت کی تخفیف کی دعا فرماتے تھے اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس سے پہلے تکلیف و پریشانی کو بہتر نہیں سمجھتی تھی مگر جب دیکھا کہ آپ پر بھی یہ بات پیش آئی تو میں سمجھ گئی کہ یہ بدعملی کی وجہ سے نہیں ہوتی اور یہ بری بات نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مؤمن کو اس کی جان میں، مال میں، اولاد میں تکلیف دہ باتیں پہنچتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ پاک سے وہ ملاقات (انتقال) اس حال میں کرتا ہے کہ کوئی گناہ اس کے ذمہ نہیں ہوتا۔ (استذکار جلد ۸ صفحہ ۳۳۳، حاکم صفحہ ۳۴۶)

پریشانی اور بیماری کی حالت کے بعد موت بہتر ہے صحت کی حالت سے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک اعرابی سے پوچھا کیا تم کو بخار آیا، اس نے کہا بخار کیا ہوتا ہے، آپ نے فرمایا گوشت پوست جس میں بہت گرم ہو جاتا ہے جواب دیا نہیں، آپ نے پوچھا کبھی دردسر ہوا، کہا دردسر کیا ہوتا ہے، آپ نے فرمایا سر کے رگوں میں چٹخن ہوتا ہے، جواب دیا مجھے کبھی بھی نہیں ہوا، چنانچہ جب وہ چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو چاہے کہ اہل دوزخ کو دیکھے وہ اسے دیکھ لے۔

(کشف الاسناد صفحہ ۳۷۰، مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۲۹۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم کو اہل جہنم نہ بتا دوں فرمایا: یہ ہر وہ شخص ہے، جو مزاج کا بہت سخت ہو (کسی کی رعایت نہ کرتا ہو نہ اچھے کی نہ برے کی) اور اسے کبھی سر کا درد بھی نہ ہوا ہو۔ (مجمع جلد ۲ صفحہ ۲۹۴)

موت سے پہلے بیماری اور پریشانی آتی ہے تاکہ دنیا سے پاک صاف ہوجائے

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بندہ مرض کی پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ پاک اسے (گناہوں سے) پاک اٹھاتے ہیں۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ پاک بندہ کو بیماری میں مبتلا فرماتے ہیں تاکہ اس کے تمام گناہ معاف ہوجائیں۔ (اور وہ دنیا سے گناہوں سے پاک آخرت میں جائے اور گرفت نہ ہو) (مجمع جلد۲صفحہ۳۰۲)

موت سے کچھ پہلے عمل صالح کی توفیق اچھی علامت ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب اللہ پاک جل شانہ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کی موت سے ایک سال قبل ایک فرشتہ اس کے پاس بھیج دیتے ہیں جو اسے ٹھیک رکھتا ہے اور اعمال صالحہ کی رہنمائی کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کی موت اچھی حالت (نیک عمل کرتے ہوئے) پر ہوتی ہے۔

(ابن ابی الدنیا، اتحاف السادۃ صفحہ۲۷۳)

مطلب یہ ہے کہ موت سے قبل کچھ زمانہ اسے عمل صالح، آخرت کی تیاری، نماز ذکر تلاوت و استغفار کا اہتمام ہوجاتا ہے، دنیا اور اس کے معاصی و مشاغل کم ہوجاتے ہیں، زیادہ وقت ان امور میں لگاتا ہے، تو یہ اچھی علامت ہے، خدائے پاک نے اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا، ایک سال بطور تمثیل کے ہے۔ تعین مراد نہیں۔

خدا کی جانب سے خیر کا فیصلہ موت سے قبل نیک عمل کی توفیق

حضرت عمر جمحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ پاک کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے موت سے قبل استعمال کرلیتے ہیں، کسی نے پوچھا استعمال کرنے کا کیا مطلب، آپ نے فرمایا اللہ پاک اسے موت سے پہلے عمل صالح کی ہدایت سے نواز دیتے ہیں۔ تب اس کی روح قبض فرماتے ہیں۔

عمر بن الخزاعی کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، جب اللہ پاک کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے استعمال کرلیتے ہیں، پوچھا گیا کیا مطلب استعمال کا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لئے موت سے قبل نیک عمل کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اردگرد کے لوگ (اس کے نیک عمل سے) خوش ہوجاتے ہیں۔ (حاکم صفحہ۳۴۰، الفتح الربانی صفحہ۴۱)

حضرت ابوعتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ پاک کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے کھینچ لیتے ہیں پوچھا گیا اس کا کیا مطلب آپ نے فرمایا اللہ پاک اس کے لئے عمل صالح کا دروازہ کھول دیتے ہیں پھر اس پر اسے وفات دیتے ہیں۔ (الفتح جلد۷صفحہ۴۲)

موت سے پہلے کچھ اچھی حالت پر آجانا خوش نصیبی

حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا کی روایت میں ہے کہ اللہ پاک جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی اور نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو موت سے پہلے اس کی طرف ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں، جو اسے نیکی کی جانب ابھارتا ہے اس کو اصلاح اور نیکی پر لاتا ہے یہاں تک کہ اچھے اعمال اور احوال پر اس کا انتقال ہو جاتا ہے پس لوگ کہتے ہیں اللہ فلاں پر رحم کرے اچھی حالت پر اس کا انتقال ہوا ہے، اور اللہ پاک کسی کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس پر شیطان مقرر فرما دیتے ہیں جو اسے گمراہ کرتا رہتا ہے، لہولعب میں ڈالے رہتا ہے یہاں تک کہ اسی بری حالت پر انتقال ہو جاتا ہے۔ (کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۶۹۵)

حضرت انس رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ سے مروی ہے اللہ پاک جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے استعمال کر لیتے ہیں پوچھا گیا کیا مطلب ہے استعمال کا، فرمایا، موت سے قبل اسے عمل صالح کی توفیق دے دی جاتی ہے۔ (حاکم صفحہ ۳۴۰)

فَائِدَہ: دیکھئے ان روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ خدائے پاک بعض مرتبہ ان لوگوں کو جن کا عمل آغاز و ابتداء میں بہتر نہیں ہوتا آخر زندگی میں موت سے قبل اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ اور آخری زندگی آخرت کے اعمال نماز ذکر تلاوت اور خدمت خلق وغیرہ پر گزرتی ہے۔

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ بہت سے لوگوں کے احوال ابتداءً آزادانہ ہوتے ہیں شرع کے پابند نہیں ہوتے ہیں، خدا کے اوامر و نواہی کی پروا نہیں کرتے فرائض اور واجبات میں کوتاہ ہوتے ہیں، پھر خاندانی اثرات کی وجہ سے یا کسی صحبت صالح سے، یا کسی کی دعاء سے یا خود دینی کتاب کے مطالعہ سے یا اور کسی واقعہ سے متاثر ہو کر یا عبرت حاصل ہو کے ان کا رخ مڑ جاتا ہے، اور ان کے لئے خدا اسباب ہدایت پیدا فرما دیتے ہیں اور وہ موت سے قبل اچھی حالت اچھے اعمال میں مشغول ہو کر وفات پاتا ہے جس سے اس کی آخرت بہر حال کسی نہ کسی درجہ میں بن جاتی ہے۔ چنانچہ ماحول اور اڑوس پڑوس کے لوگ جو اسے برا سمجھتے تھے اچھا سمجھنے لگتے ہیں، اور ان کے نزدیک بھی وہ قابل تعریف ہو جاتے ہیں جو ایک اچھی علامت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات اور یہ ذہن انتہائی غلط ہے کہ آخر وقت میں خاک کیا مرد مسلمان ہوں گے اور ''سو چوہے کھا کے چلی بلی حج کو'' یہ شاعرانہ تخیل اور خلاف شرع جاہلانہ باتیں ہیں آخری وقت ہی کا تو اعتبار ہے، اور اسی پر مدار نجات اور گرفت ہے۔ آخر وقت میں متنبہ ہو جانا اور توبہ کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہونا کامیابی اور فلاح کی بات ہے۔ اور یہ کہنا اور لوگوں کی بات سے متاثر ہونا کہ اب آخر وقت میں کیا؟ انتہائی بدبختی اور شقاوت اور محرومی کی بات ہے بلکہ ایسے توہمات نفسانیہ کے موقع پر سمجھنا چاہئے آخری وقت کا اعتبار ہے۔ کیا دن بھر کا بھولا

ہوا شام کو راہ پالے تو منزل مقصود کو نہیں پہنچے گا۔ اسی طرح ابتدائی اور وسطی زندگی کا گمراہ اور بے عمل موت سے پہلے اچھے اعمال اختیار کرلے۔ گزشتہ پر توبہ کرے حقوق العباد کی ادائیگی کرلے اور حق اللہ کی معافی مانگ لے اور مانگتا رہے۔ تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ ایسا شخص اللہ کے نزدیک کامیاب اور سعادت مند ہے۔ لہٰذا اے لوگو! دھوکہ مت کھاؤ۔ جب بھی ہو توبہ کرکے اللہ کی طرف رجوع کرلو وہ قبول کرے گا۔

کس وقت اور حالت کی موت بہتر ہے

رمضان اور عرفہ کے دن کی موت

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی موت رمضان المبارک میں ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ جس کی موت عرفہ کے دن ہو جائے، وہ جنت میں داخل ہوگا جس کی موت صدقہ کے موقعہ پر (یعنی صدقہ خیرات کے بعد ہو) جنت میں داخل ہوگا۔ (ابونعیم شرح الصدور صفحہ ۳۱۴)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ ان اعمال سے گناہ معاف اور خدائے پاک کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جب گناہ نہیں اور خدائے پاک کا تقرب تو یقیناً جنت میں جانا ہوگا۔ چونکہ جنت میں جانے سے گناہ ہی حائل اور مانع ہوتا ہے۔ اور جب مانع ختم تو سیدھے جنت میں داخلہ۔

روزہ کی حالت میں مرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا انتقال روزہ کی حالت میں ہوا تو اللہ پاک قیامت تک اس کے روزے کا سلسلہ قائم رکھیں گے۔ (شرح الصدور صفحہ ۳۱۴)

صدقہ کے بعد موت

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے ذریعہ اس نے خدا کو راضی کیا۔ اس پر اس کا انتقال ہوگیا تو جنت میں داخل ہوگا۔ جس نے اللہ کی رضا کے واسطے روزہ رکھا اور اسی حالت میں مرگیا تو جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس نے کوئی صدقہ خیرات کیا اور اس کے بعد مرگیا تو جنت میں داخل ہوگا۔ (مسند احمد شرح صفحہ ۳۱۴)

فائدہ: چونکہ ان اعمال کے بعد گناہوں کا کفارہ ہوگیا۔ اور کوئی دوسرا گناہ کیا نہیں کہ انتقال ہوگیا۔ تو اب ایسی صورت میں لازماً جنت میں داخل ہوگا۔ ہاں مگر یہ کہ کوئی گزشتہ گناہ کبیرہ بلا توبہ کے نہ ہو اور نہ کوئی حق العباد واجب اس کے ذمہ ہو۔ تب اس فضیلت کا حامل ہوگا عام اصول یہی ہے ویسے اللہ کی مرضی۔

جمعہ کے دن کی موت

عذاب قبر سے حفاظت اور شہادت کا ثواب

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جمعہ کے دن مر جائے عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۳۱۹)

حضرت ایاس بن ابی بکر سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جمعہ کے دن انتقال کر جائے اسے شہید کا ثواب ملے گا اور فتنہ قبر سے محفوظ رہے گا۔ (مرعاۃ المفاتیح جلد۲ صفحہ ۲۴۱، مرقات جلد۳ صفحہ ۲۴۲)

حساب سے بھی معافی اور شہادت کا بھی ثواب

حضرت عطاء سے منقول ہے کہ جو مسلمان مرد یا عورت جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں انتقال کر جائے وہ فتنہ قبر سے محفوظ رہے گا اور اس پر کوئی حساب نہیں اور قیامت کے دن وہ ایسے گواہوں کے ساتھ آئے گا جو گواہی دیں گے اور اس کے پاس شہادت کی مہر ہوگی۔ (مرقات المفاتیح جلد۳ صفحہ ۲۴۲)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جو شب جمعہ جمعرات کے دن کے بعد والی رات یا جمعہ کے دن انتقال کر جائے۔ وہ ۳/ بلند فضیلتوں اور ثواب کا حامل ہوگا۔ ① فتنہ قبر اور عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔ ② حساب اور مؤاخذہ سے بچ جائے گا۔ ③ شہادت اخروی کا ثواب پائے گا۔

علامہ شامی ذکر کرتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن یا شب میں انتقال کر جائے وہ عذاب قبر سے، اور فتنہ قبر سے محفوظ رہے گا۔ (جلد۲ صفحہ ۱۶۵)

اسی طرح باب الشہید میں لکھتے ہیں جو جمعہ کے دن انتقال کر جائے وہ شہید کا ثواب پائے گا۔
(الشامی جلد۲ صفحہ ۲۵۲)

خیال رہے کہ جمعہ کی موت کی برکت سے عذاب قبر اور فتنہ قبر سے محفوظ رہے گا۔ آخرت کے عذاب سے نہیں۔ (احسن الفتاویٰ جلد۲ صفحہ ۲۰۹)

پس معلوم ہوا کہ جمعہ یا شب جمعہ کی موت بڑی مبارک وفضیلت والی موت ہے کہ فتنہ اور عذاب قبر سے تاقیامت نجات مل جاتی ہے اور شہادت کا ثواب ملتا ہے۔ اس دن کے موت کی دعا مانگنی چاہئے:

"اللھم تقبل موتی بیوم الجمعة وارزقنی بفضلك وكرمك."

باوضو موت پر شہادت کا ثواب

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس ملک الموت قبض روح

کا فرشتہ آئے، اور وہ وضو کی حالت میں ہو تو اسے شہادت کا ثواب دیا جائے گا۔ (طبرانی مرقات الفاتیح جلد۴ صفحہ ۳۷)

فَائِدَۃ: طہارت کی حالت میں مرنا باعث فضیلت ہے شہادت کا ثواب ملتا ہے، موت کے وقت جو فرشتے آتے ہیں یہ نظیف ہوتے ہیں اس کو طہارت و نظافت بہت پسند ہے، اس لئے ملاعلی قاری نے لکھا ہے کہ مستحب ہے کہ موت سے قبل طہارت وضو، غسل کرے۔ (مرقات جلد۴ صفحہ ۳۷)

جب علامتوں سے موت کا پتہ چل جائے تو وضو کرے، اور ذکر استغفار میں مشغول ہو جائے۔

موت کے وقت وضو سے حضرت جبرئیل کی آمد

حضرت میمونہ بنت سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی روایت ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا جنابت کی حالت میں بلا وضو سویا جا سکتا ہے، آپ نے فرمایا میں پسند نہیں کرتا کہ بلا وضو سویا جائے مجھے خوف ہے کہ اسی حالت (بے وضو) میں موت ہو جائے تو حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام نہ آئیں۔ (شرح احیاء، جلد۱۰ صفحہ ۲۸۴)

بیماری اور مرض کی حالت میں موت شہادت کی موت ہے

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جو شخص مرض کی حالت میں مرتا ہے شہید ہوتا ہے، اور قبر کے فتنہ عذاب سے محفوظ رہتا ہے، صبح و شام اسے جنت سے رزق دیا جاتا ہے۔

(ابن ماجہ صفحہ ۱۱۶، بیہقی فی الشعب، مشکوٰۃ صفحہ ۱۳۹)

فَائِدَۃ: بیمار ہو کر مرنا یہ صحت کی حالت کی موت سے بہتر ہے، جو لوگ یہ دعا کرتے ہیں یا اللہ صحت کی موت عطا فرما، وہ اس حدیث اور اس کی فضیلت سے غافل ہیں، بیماری گناہوں کا کفارہ یا درجات کی بلندی کا باعث ہے، آپ ﷺ کو بھی یہ فضیلت حاصل ہوئی، علامہ سندھی نے کہا کہ اس سے خاص مرض مراد ہے یعنی پیٹ کی بیماری (مثلاً اسہال ہیضہ وغیرہ ہے) ایک حدیث میں ہے کہ جسے پیٹ کی بیماری مار دے وہ شہید ہے، حافظ ابن حجر نے قرطبی کے حوالہ سے بیان کیا کہ یہ تمام امراض کو شامل ہے۔ (مرقاۃ الفاتیح جلد۵ صفحہ ۲۸۳)

ملاعلی قاری نے بھی ایک عام مرض مراد لیا ہے، البتہ پیٹ کی بیماری میں مرنے کی ایک خاص فضیلت یہ ہے کہ وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ (مرقاۃ جلد۴ صفحہ ۳۷)

خیال رہے کہ پیٹ کی بیماری جسے حدیث پاک میں البطون کہا گیا ہے وہ تمام مہلک اور پریشان کن بیماریاں داخل ہیں جو پیٹ کی وجہ سے ہو، جیسے اسہال، ڈائریا، ہیضہ، درد پیٹ، مرض ذیابطیس بھی اسی میں داخل ہے کہ پیٹ ہی کی وجہ سے یہ مرض ہوتا ہے۔ مکمل طور پر ہضم نہ ہو کر پیٹ کا صحیح عمل گردے اور جگر تک نہ پہنچنے کی وجہ سے شوگر بن کر پیشاب کی زیادتی کا سبب بنتا ہے، یہی وجہ ہے اس میں کھانا نقصان دیتا ہے، اور کھانا بجائے

قوت کے ضعف کا سبب بنتا ہے۔

وہ موت جس پر شہادت کا ثواب

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ میں ۳ ر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ تو آپ نے مجھ سے پوچھا جانتے ہو شہید تمہارے میں کون ہے؟ کہا جو اللہ کے راستہ (جہاد) میں مارا جائے تو آپ نے فرمایا تو اس طرح ہماری امت میں شہداء کم ہو جائیں گے۔ خدا کے راستہ کی موت بھی شہادت ہے۔ طاعون میں مرنا بھی شہادت ہے۔ حالت نفاس (بچہ کی ولادت یا اس کے بعد خون آنے کی مدت) میں مر جائے تو بھی شہادت ہے۔ حمل میں مرنا بھی شہادت ہے۔ ڈوب کر مرنا بھی شہادت ہے۔ ٹی بی کی بیماری میں مرنا بھی شہادت ہے۔ پیٹ کی بیماری میں مرنا بھی شہادت ہے۔ (مجمع الزوائد جلد۲ صفحہ ۳۱۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ شہید کسے سمجھتے ہو تو صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول ہم تو ان لوگوں کو سمجھتے ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ میں مارے جاتے ہیں تو آپ نے فرمایا تب تو ہماری امت میں شہیدوں کی تعداد بہت کم ہو جائے گی تو ہم نے پوچھا تو پھر اور کون لوگ ہیں۔ تو آپ نے فرمایا جو جہاد میں قتل کر دیا جائے وہ شہید جو اللہ کے راستے میں (مثلاً سفر جہاد، سفر علم و تبلیغ میں) مر جائے وہ بھی شہید ہے۔ جو طاعون کی بیماری میں مر جائے وہ بھی شہید جو پیٹ کی بیماری میں مر جائے وہ بھی شہید۔

(مسلم جلد۲ صفحہ ۱۴۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۵ ر لوگ شہید ہیں طاعون میں مرنے والے، پیٹ کی بیماری میں مرنے والے، ڈوب کر مرنے والے، دیوار وغیرہ گرنے سے مرنے والے، اور راہ خدا میں قتل ہونے والے۔ (بخاری صفحہ ۹۰، ترمذی صفحہ ۲۰۴، مسلم جلد۲ صفحہ ۱۴۲)

فائدہ: طاعون ایک بیماری ہوتی ہے بغل میں گلٹی نکلتی ہے اور شدید بخار ہوتا ہے جس سے موت آجاتی ہے۔ آج کل یہ بیماری شاذ و نادر پائی جاتی ہے۔ پیٹ کی بیماری سے مراد وہ امراض مہلکہ ہیں جو پیٹ کے اور معدہ کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ہیضہ، دست، قے، وغیرہ، دیوار گرنے کی موت میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو مکان منہدم ہونے سے یا زلزلہ کے موقعہ پر مرنے والے، اسی طرح گاڑیوں کے ایکسیڈنٹ سے مرنے والے بھی اسی نوع میں داخل ہیں۔ ان سب کو شہادت کا ثواب ملتا ہے۔ اگر حق العباد نہ ہوں تو ان کی خصوصی مغفرت ہو جاتی ہے۔ چونکہ حق العباد شہادت سے معاف نہیں ہوتا ہے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جسے علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے۔ بعض شہید جنت سے باہر ہیں حق العباد میں سے کسی حق کی وجہ سے۔ (شرح صدور اردو صفحہ ۲۴۴)

فائدہ: یہاں پانچ کا بیان کیا ہے۔ کسی روایت میں سات جیسا کہ اوپر گزرا۔ یہ تعداد کا ذکر حصر اور تعین کے

لئے نہیں ہے کہ دوسری روایت میں اور دیگر کے شہید ہونے کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں بیان کیا ہے کہ مختلف روایتوں میں شہداء کی تعداد مختلف ذکر کی گئی ہے۔ ان روایتوں کے اعتبار سے قریب ۱۴ر تک پہنچتی ہے۔ سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع روایت میں ہے کہ جو ظلماً مارا جائے وہ شہید ہے۔ حضرت مالک اشعری کی روایت میں ہے کہ جو گھوڑے یا اونٹ سے گر کر مرے وہ شہید ہے۔ یا کیڑا سانپ وغیرہ ڈس لے شہید ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ جو سرحد کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ جسے درندہ پھاڑ دے وہ شہید ہے۔ سواری سے گر کر مرنے والا شہید ہے۔ ایک روایت کے اعتبار سے جو صدق دل سے شہادت کی دعا کرے وہ شہید ہے (گو بستر پر مر جائے)۔ (فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۴۴)

وطن سے دور مسافرت کی حالت میں مرنے سے شہادت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وطن سے دور کی موت شہادت ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۳۹، ابن ماجہ، ترغیب صفحہ)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جو اپنے اہل وعیال سے دور وطن سے دور مر جائے تو اسے شہادت کا ثواب ملتا ہے۔ بشرطیکہ وہ گناہ کے سفر میں نہ ہو۔ (مرقاۃ المفاتیح صفحہ ۲۸۲)

وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کا سفر میں کوئی تیماردار نہیں دوا دارو اور خدمت وتسلی دینے والا نہیں جس سے آدمی کو اطمینان ہو ظاہر ہے ایسی موت یقیناً باعث تکلیف ہوگی اس لئے یہ فضیلت حاصل ہوگی۔

وبائی امراض طاعون ہیضہ میں مرنے والا شہید

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون سے بھاگنے والا میدان جنگ سے پیچھے بھاگنے والے کے مثل ہے اور اس میں جم کر صبر کر کے رہنے والا شہید ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۳۹)

سینے اور پہلو کے مہلک مرض میں مرنے والا شہید

عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلو کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔ (پہلو کی بیماری میں ٹی بی، نمونیا وغیرہ داخل ہے)۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۳۱۶)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۷ر شہید ہیں جو مجاہد فی سبیل اللہ کے علاوہ ہیں۔ ① طاعون میں مرنے والا شہید ② ڈوب کر مرنے والا شہید ③ پہلو سینہ کی بیماری میں مرنے والا ④ پیٹ کی بیماری میں مرنے والا ⑤ جل کر مرنے والا ⑥ کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا ⑦ بچہ کی وجہ

سے مرنے والی عورت، مثلاً حمل ساقط ہو جائے یا بچہ جننے کے موقعہ پر۔ (مالک، ابوداؤد، نسائی، مشکوٰۃ صفحہ ۱۳۶)

طالب علمی کی حالت میں مرنے والا شہید

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طالب علمی کی حالت میں انتقال کرنے والا شہید ہے۔ (جامع بیان العلم صفحہ ۵۳)

فائدہ: یعنی جس کا علم دین کے حاصل کرنے کی حالت میں خواہ وہ درجہ فارسی وعربی کا ہو یا حفظ ودینیات کا ہو، انتقال ہو جائے تو شہید کا ثواب پاتا ہے، ایسی موت مبارک موت ہے۔

حدیث پاک میں ذات الجنب کا بھی ذکر ہے۔ اس بیماری میں پہلو، سینہ یا پیٹ کے اندر پھوڑا ہوتا ہے جو مندمل نہیں ہوتا۔

"ذات الجنب دمل او قرحة تعرض فی جوف الانسان تنفجر الی داخل فیموت صاحبها قال القاری هی قرحة او قروح تعیب الانسان داخل جنبه ...... ومن علاماتها الوجع تحت الاضلاع وضیق النفس مع ملازمة الحمٰی والسعال." (مرقاۃ المفاتیح صفحہ ۲۵۶)

حاصل یہ ہے کہ سینہ یا پیٹ میں پھوڑا ہوتا ہے جو اندر اندر رستا رہتا ہے سانس کی تنگی، سینہ میں درد اس کی علامت ہے۔ آج کل کے دور میں ٹی بی اور سینہ اور پیٹ کے کینسر پر اس کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

پس ٹی بی اور کینسر کی بیماری میں مرنے والا بھی شہید ہوگا۔ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ اس مرض میں پانچ عوارض پیش آتے ہیں۔ بخار، کھانسی، درد، سانس کی تنگی وغیرہ۔ (مرقاۃ صفحہ ۲۵۶)

یہ علامت سینہ کے کینسر اور ٹی بی کے آخری دور میں جب وہ انتہائی شدید اور مہلک ہوتا ہے ظاہر ہوتے ہیں۔

حدیث پاک میں مبطون پیٹ کی بیماری سے مرنے والا بھی ہے۔ شرح مرعاۃ المفاتیح میں ہے اس سے مراد پیٹ کی تمام بیماریاں ہیں اسی طرح استسقاء، اسہال، قولنج ہے۔ (صفحہ ۲۳۷)

اس دور میں شوگر ذیابطیس کا انتہائی مہلک بھی اسی مبطون کے مفہوم میں داخل ہو سکتا ہے کہ اس کا سبب پیٹ ہی ہے۔ چنانچہ قبض، زیادتی بھوک مگر سیرابی نہیں۔ استسقاء کی طرح پیاس کہ پانی پینے سے سیری نہیں ہوتی۔ پیاس لگتی رہتی ہے۔ اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ پیشاب ہوتا رہتا ہے۔ اس مہلک مرض میں مرنے والا بھی مبطون کے ذیل میں داخل ہو کر وجہ اور سبب مشترک کی وجہ سے شہید میں داخل ہوگا۔

حدیث پاک میں صاحب الہدم ہے۔ اس میں وہ تمام اموات داخل ہیں جو گھر گرنے سے چھت گرنے سے دیوار گرنے سے اسی طرح گاڑیوں کے خطرناک ایکسیڈنٹ ٹکرانے سے یا گرنے سے ہو۔ داخل ہے۔

اسی طرح دابۃ سے گرنے کے مفہوم میں سواری اور موٹر سائیکل کے حادثہ سے مرنے والے شہید میں داخل ہوں گے۔ ملادح کے مفہوم میں کتا گیدڑ بندر وغیرہ کے کاٹنے سے مرنے والے اس میں داخل ہوکر شہید ہوں گے۔

اسی طرح حمل کے دوران حمل کی وجہ سے ولادت کے موقعہ پر اور ولادت کے بعد خون کی کمی یا ٹیٹنس وغیرہ سے مرنے والی عورتیں، مبطون اور بجنب کے مفہوم میں داخل ہوکر شہادت کا ثواب پائیں گی۔ مزید اس کے لئے مستقل احادیث بھی ہیں۔

حافظ نے بیان کیا سعید بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت سے کہ جو مال کی حفاظت میں مارا جائے شہید۔ مالک اشعری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت میں ہے جو گھوڑے یا اونٹ سے گر کر مرے وہ شہید، سانپ ڈس لے شہید، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت میں ہے درندے پھاڑ ڈالیں شہید، ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت میں ہے سرحد کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید۔ (فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۴۴)

علامہ شامی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی شہید آخرت کی اور قسموں کو احادیث و آثار سے ثابت کرکے بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ یہ حضرات بھی شہداء کی فہرست میں داخل ہیں۔ ① جمعہ کے دن مرنے والا ② علمی مشغلہ میں مرنے والا مثلاً طالب علم اسی طرح تالیف اور تدریس میں مشغول ③ مرگی سے مرنے والا ④ بخار سے مرنے والا ⑤ ظلماً قید خانہ میں مرنے والا ⑥ ثواب کی نیت سے اذان دینے والا ⑦ تاجر صادق ⑧ آل اولاد کے نفقہ میں حلال کمائی کے لئے محنت و مشقت کرنے والا ⑨ سمندری سفر میں متلی سے مرنے والا ⑩ روزانہ ۲۰ مرتبہ اللهم بارك لى فى الموت پڑھنے والا گو بستر پر مرے ⑪ ترک سنت کے زمانہ میں سنت پر عمل کرنے والا ⑫ مرض موت میں ۴۰ مرتبہ دعاء یونس پڑھنے والا ⑬ ہر رات سورہ یٰسین پر ہمیشگی کرنے والا ⑭ باوضو سو کر مرنے والا ⑮ جائز عشق میں مرجانے والا غرض کہ اس کے علاوہ اور بھی شمار کرایا جائے۔ اسی وجہ سے بعضوں نے ۳۰ بعضوں نے پچاس تک شمار کرایا ہے۔ (الشامی جلد ۲ صفحہ ۲۵۲)

احادیث اور روایتوں کے پیش نظر حافظ ابن حجر نے قریب ۲۰ شہداء کا ذکر کیا ہے۔ علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس سے زائد تقریباً ۳۰ کی تعداد ذکر کی ہے جو شہداء کی فہرست میں شامل ہیں شیخ اجہوری مالکی نے بھی ۳۰ شہداء کا ذکر کیا ہے۔ مزید اس پر اضافہ کیا ہے۔ قریب ایسے صفات اور اعمال کو بیان کیا ہے جس کے حامل شہداء میں شامل ہیں۔ بعضوں نے تو ۵۰ کی تعداد تک ذکر کیا ہے۔ چنانچہ علامہ رحمتی نے منظومہ میں ۵۰ سے زائد شہیدوں کا ذکر کیا ہے۔ (تکملہ فتح الاعلام جلد ۳ صفحہ ۲۶۳)

فَائِدَہ: معلوم ہونا چاہئے کہ شہید اور شہادت کی دو قسمیں ہیں۔ شہید حقیقی، جو شہید دنیا اور آخرت دونوں اعتبار

سے شہید ہے۔شہید حقیقی کا حکم یہ ہے کہ ان کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ان کو اسی کپڑے خون لگے میں دفن کردیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

شہید حقیقی: یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد اور قتال فی سبیل اللہ میں دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں میدان جنگ میں مارے گئے ہوں۔یا زخم اور چوٹ کے بعد متصلاً جان نکل گئی ہو۔زخم اور چوٹ کے بعد گھر آکر یا ہاسپٹل میں آکر کھانا پینا کھایا اور یا زندگی کی دوسری نفع بخش چیزوں سے فائدہ اٹھایا تو پھر شہید دنیا ہوں گے اور ان کو غسل دیا جائے گا۔

اس طرح اس شہید دنیا میں یہ لوگ بھی داخل ہیں جن کو کافر دشمنان اسلام نے آلہ دھاردار سے ظلماً مار دیا ہو۔یا ڈاکوؤں نے قتل کردیا ہو اسی طرح وہ بھی داخل ہے جو فتنہ فساد اور بلوے کے موقعہ پر ناحق مارے گئے ہوں۔پس یہ سب شہید فی الدنیا والآخرۃ ہیں۔(فتح الاعلام جلد۳ صفحہ۴۶۲)

اس کے علاوہ جن شہیدوں کا ذکر ہے وہ شہداء آخرت ہیں۔یعنی طاعون، پیٹ کی بیماری وغیرہ میں مرنے والے۔

علامہ عینی بنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

"عدهم رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشهداء فهم شهداء فى الآخرة." (بنایہ صفحہ ۳۰۸)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے شهيدا يعني شهادة اخروية یعنی یہ شہید آخرت ہیں نہ کہ شہید دنیا اسی طرح حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں ذکر کیا ہے۔یہ شہداء آخرت ہیں۔دنیا میں ان پر شہادت کے احکام جاری نہ ہوں گے۔

مؤمن صالح موت کے وقت موت کو پسند کرنے لگتا ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے، اور جو اللہ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں فرماتے۔اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا ہم تو موت کو پسند نہیں کرتے (یعنی اللہ کی ملاقات کو) تو آپ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے۔

جب مؤمن کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کی خوشی اور اکرام کی خبر دی جاتی ہے پس اس کے سامنے (اللہ، موت) کے علاوہ کوئی چیز محبوب اور پسندیدہ نہیں ہوتی۔

پس وہ اللہ کی ملاقات کو پسند کرنے لگ جاتا ہے، تو اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرنے لگ جاتے ہیں،

اور کافر جب موت کا وقت آتا ہے اسے خدا کے عذاب اور گرفت کی خبر دی جاتی ہے، تو اس کے نزدیک جو اس کے آگے ہوتی ہے (موت اور عذاب) اس سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی چیز نہیں ہوتی ہے، پس وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرنے لگ جاتا ہے تو اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔

(مسند عبد بن حمید، کنز العمال صفحہ ۵۶۶، شرح احیاء صفحہ ۲۶۶، نسائی صفحہ ۲۶۰)

فائدہ: اس حدیث پاک سے اس حقیقت کو آشکارا اور واضح کیا گیا ہے کہ عام طور پر مؤمن تو طبعی اعتبار سے مرنے کو پسند نہیں کرتا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ظاہر کیا لیکن جب اسے اعمال صالحہ اور حسنہ کی وجہ سے جنت اور رضاء الٰہی کی خبر دی جاتی ہے تو پھر وہ موت کو اور اللہ کی ملاقات کو سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب قرار دینے لگ جاتا ہے، اس کے برخلاف کافر عذاب اور سزا کی وجہ سے موت سے بھاگنے لگ جاتا ہے اور اسے برا سمجھتا ہے، پس معلوم ہوا کہ موت اور خدا سے ملاقات کو اچھا یا ناپسندیدہ سمجھنا اعمال صالحہ اور سیئہ کی بنیاد پر ہوتا ہے، صالحین کو موت اور ملاقات الٰہی پسند اور بروں کو موت اور ملاقات ناپسند۔

مؤمن موت کے وقت خدا کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اللہ کی ملاقات (موت) کو پسند کرتا ہے، خدا بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں، جو اللہ کی ملاقات (موت) کو پسند نہیں کرتا خدا بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں فرماتے اس پر حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے کہا:

اے اللہ کے رسول ہم لوگ تو موت کو پسند نہیں کرتے، تو آپ نے فرمایا یہ بات نہیں کہ تم موت کو پسند نہیں کرتے، بلکہ بات یہ ہے کہ مؤمن کی موت کا جب وقت ہوتا ہے (اور اس پر آخرت کے احوال منکشف ہوتے ہیں) (یعنی زندگی میں) تو اللہ کی طرف سے اسے ایک بشارت دینے والا آتا ہے، اس وقت کسی چیز کو وہ پسند نہیں کرتا سوائے اللہ کی ملاقات کے، تو اللہ بھی اس کی ملاقات سے خوش ہوتے ہیں (اس کے برخلاف) فاجر بدعمل کو جب موت کے وقت اس کے برے نتائج کی خبر دی جاتی ہے تو وہ موت کو پسند نہیں کرتا سو اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں فرماتے۔

فائدہ: کراہت اور پسندیدگی میں زندگی کے وقت کا اعتبار نہیں بلکہ اس وقت کا اعتبار ہے جب جان نکلنے کا وقت آتا ہے، آخرت کے احوال اس پر منکشف اور حاضر ہوتے ہیں، اس وقت نیک لوگوں کو خدا کا وعدہ جزاء حسنہ کا جنت کا خدا کی خوشنودی کا جب سامنے آتا ہے، فرشتوں کا اکرام اور اعزاز سامنے آتا ہے، جنت کی خوشبو آنے لگتی ہے، حضرات ملائکہ جنت کی بشارت اور آخرت کی نعمتوں کی خوش خبری سناتے ہیں تو اس کی روح خدا کے پاس جانے اور مرنے کے لئے تڑپنے لگتی ہے اور چاہتا ہے کہ جلدی روح نکلے کہ جنت کے مزے سامنے

آئیں، سوا ایسے وقت میں نیک اور صالح اہل سعادت موت کو محبوب سمجھنے لگتے ہیں، شرح مسند احمد میں ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب غرغرہ یعنی جان نکلنے کا اور آخرت کے احوال کے منکشف ہونے کا وقت ہو، ایسے وقت میں نیک لوگ موت سے نہیں ڈرتے اور اللہ کی ملاقات موت ان کو سب سے زیادہ محبوب ہو جاتی ہے۔
(بلوغ الامانی جلد ۷ صفحہ ۳۶)

پس آدمی کو چاہئے کہ مرنے سے پہلے عمل صالح اور اطاعت وعبادت الٰہی خوب جم کر کرے تاکہ موت کے وقت جب ان کے بہتر نتائج اور اس کا ثواب جنت اور آخرت کی راحت کی شکل میں آئے۔ تو وہ خدا کی ملاقات اور جنت کے اشتیاق میں موت کو محبوب سمجھ کر رخصت ہو۔ نہیں تو خوفزدہ ہو کر مرے گا کہ مرنا تو ہے ہی حضرت حسان بن سنان کی جب نزع کی حالت تھی تو کسی نے کہا آپ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے فرمانے لگے تکلیف تو ضرور ہے مگر مؤمن کی تکلیف کا ایسے وقت کیا ذکر، جب اس کو حق تعالیٰ شانہ سے ملنے کی امید ہو رہی ہو، اور اس پر اس کی خوشی غالب ہو رہی ہو۔ (فضائل صفحہ ۴۸۰)

مؤمن کی راحت موت ہی میں ہے

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: مؤمن کے لئے کسی میں راحت نہیں سوائے خدائے پاک کی ملاقات میں اور جس کی راحت خدا کی ملاقات سے وابستہ ہوگی وہ موت کے دن کو خوشی کا دن محسوس کرے گا، حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے بھی مروی ہے کہ مؤمن کی راحت خدائے پاک کی ملاقات ہی میں ہے۔
(اتحاف صفحہ ۲۷۰)

مؤمن کی وفات پر آسمان کے دو دروازے روتے ہیں

حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، ہر مؤمن کے لئے (آسمان میں) دو دروازے ہوتے ہیں، ایک سے اس کا عمل چڑھتا ہے، دوسرے سے اس کا رزق اترتا ہے، جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو دونوں دروازے اس پر آہ و بکا کرنے لگ جاتے ہیں۔ (ترمذی، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۶۸۱)

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، جب صالح اور نیک آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو جہاں وہ نماز پڑھتا تھا وہ جگہ اور جس جگہ سے اس کا عمل آسمان میں چڑھتا تھا وہ جگہ روتی ہے، پھر آپ نے "فما بکت علیھم السماء" کی آیت پڑھی (جو کافر کے بارے میں ہے کہ اس کی ہلاکت موت پر آسمان و زمین کوئی افسوس نہیں کرتا)۔ بخلاف مؤمن کے۔ (کنز العمال صفحہ ۷۴۹)

حسن عمل کے ساتھ طول عمر بڑی اچھی بات

حضرت ابوامامہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں بیٹھے تھے آپ نے

ہمیں نصیحت فرمائی ہمارے دل کوخوف زدہ فرمایا، تو حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خوب گریہ طاری ہوگیا، اور کہنے لگے کاش کہ مر جاتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد، میرے پاس ہی موت کی تمنا کر رہے ہو، آپ نے ۳ مرتبہ فرمایا (یعنی میری صحبت موت سے بہتر ہے) پھر فرمایا اے سعد اگر تم جنت کے لئے پیدا کئے گئے (یعنی تمہارے اعمال جنت کے ہیں) تو جس قدر بھی تمہاری زندگی بڑھے گی عمر میں اضافہ ہوگا، یا تمہارے اعمال حسنہ زائد ہوں گے یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

فائدہ: نیک لوگوں کا زیادہ عمر پانا ان کے حق میں بھی اچھا ہے، اور غیروں کے حق میں بھی اچھا ہے کہ ان کی برکتوں سے ان کے فیض سے دوسرے لوگ مستفیض ہوتے ہیں، ان کے اعمال حسنہ کے نتائج ماحول پر۔ علاقے پر پڑتے ہیں، ان کی برکتوں سے خدا کا عالم پر بہتر فیصلہ ہوتا ہے، ان کی وجہ سے زمین پر بارش اور برکتیں اترتی ہیں، جس کا فائدہ انسان ہی کو نہیں بلکہ جانوروں اور درختوں تک کو ہوتا ہے، وہ لوگوں کی ہدایت اور نور و روشنی کا باعث ہوتے ہیں، لوگوں کے حق میں ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، لوگوں کو ان کا دینی دنیاوی فیض پہنچتا ہے، اسی وجہ سے اہل اللہ۔ اللہ کے برگزیدہ بندے کے لئے طول حیات طول عمر کی دعا مانگی جاتی ہے۔

(طبرانی، مسند احمد مرتب جلد ۷ صفحہ ۴۷)

شہید سے قبل جنت میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ قبیلہ بنی قضاعہ کے دو شخصوں نے ایک ہی ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان قبول کیا ان میں سے ایک شہید ہوگیا، اور دوسرے کا انتقال ایک سال بعد ہوا، طلحہ بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ بعد میں انتقال کرنے والا شہید سے پہلے جنت میں داخل ہوا، مجھے بڑی حیرت ہوئی، (شہادت کا مرتبہ تو بڑا ہے) میں نے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس نے رمضان کا روزہ اس کے بعد نہیں رکھا تھا اور چھ ہزار رکعتیں نمازیں نہیں پڑھیں، اور اتنا اتنا عمل نہیں کیا اور ایک سال (زائد اس سے) نمازیں نہیں پڑھیں۔ (مسند احمد، اتحاف جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۴)

زائد عمر والا کم عمر والے سے افضل

حضرت عبید اللہ بن خالد سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے دو آدمی کے درمیان بھائی بندی فرما دی تھی (کہ تم دونوں بھائی کی طرح ایک ساتھ رہو) چنانچہ ایک پہلے شہید ہوگیا اور دوسرے کا بعد میں انتقال ہوا، ہم لوگوں نے اس پر نماز جنازہ پڑھی، تو آپ نے ہم لوگوں سے پوچھا تم نے اس کے حق میں کیا دعا کی، ہم نے کہا یہ دعا کی کہ اے اللہ ان کو اپنے ساتھی کے ساتھ ملا دیجئے، (اس کو بھی اسی شہید کے درجہ میں کر دیجئے) تو آپ نے فرمایا اس کے بعد اس کی نمازوں پر نمازیں اس کے روزے پر

روزے کہاں جائیں گے، اس کے بعد جو اس نے عمل کیا وہ کہاں جائے گا ایسا فرق (عمل کے ثواب سے) ہو جائے گا جیسے زمین وآسمان کے درمیان فرق۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۱۷، ۳، کنز العمال صفحہ ۷۶۵)

فائدہ: اعمال کی تعداد کے اعتبار سے ثواب ملتا ہے، دوسرا جس کا بعد میں انتقال ہوا اگر ایک سال کا حساب کیا جائے اور تمام مہینے ۲۹؍دن کے لگائے جائیں، اور صرف فرض اور وتر کی ۲۰؍رکعتیں شمار کی جائیں، تو ایک سال کی چھ ہزار ۹ سوساٹھ رکعتیں زائد ہوتی ہیں اگر سنن نوافل کو بھی شمار کیا جائے تو پھر انتہا نہیں شمار مشکل۔ ظاہر ہے ان اعمال کا جو بعد والوں سے یعنی جن کی عمر زائد ہوئی ہے کہاں جائیں گے، ایک روایت میں اسی قسم کے واقعہ میں آپ کا فرمان مبارک ہے کہ تمہیں کیا معلوم اس کی نمازوں نے جو بعد پڑھی گئیں اس کو کس درجہ تک پہنچا دیا ہوگا۔

نیکی کے ساتھ عمر کی زیادتی بڑی مبارک بات

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، موت کی تمنا مت کرو، اس کا حال بہت خوفناک ہے، بڑی سعادت کی بات ہے کہ بندہ کو عمر کی زیادتی کے ساتھ انابت الی اللہ کی طرف توجہ نصیب ہو جائے۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۴۷، مستدرک حاکم، ابن حبان کنز العمال صفحہ ۴۵۴)

فائدہ: موت سے تو عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، طول عمر اگر عبادت کے ساتھ ہو تو بہت بڑی دولت ہے کہ نامہ اعمال میں ثواب اور جنت کے اعمال کا اضافہ ہو رہا ہے۔

پیدائش اور دنیا میں آمد کا مقصود ہی خدا کی عبادت اور اس کی طرف انابت ہے، اس میں جس قدر زیادتی ہوگی اسی قدر خیر اور سعادت کی بات ہوگی۔

ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے۔ تمہارا عمل بہتر ہو تمہاری عمر زائد ہو تو یہ بہتر ہے کہ عمر کم ہوگی تو نیکی بھی کم ہوگی۔ (طبرانی کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۵۵)

لوگوں میں افضل وہ ہے جس کی عمر زائد عبادت الٰہی میں گزرے

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ پاک کے نزدیک اس مؤمن سے افضل کوئی نہیں جسے اسلام میں طویل عمر دی گئی، وہ اسے تکبیر تحمید، تسبیح، وتہلیل میں گزارتا ہے، یعنی عبادت میں گزارتا ہے اور دنیا کے لہو ولعب سے پاک رہتا ہے۔ (کنز العمال صفحہ ۶۶۸)

مسلمان کے لئے زیادہ عمر خیر کا باعث

عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کی عمر جس قدر بھی زائد ہو بہتر اور خیر ہے۔ (طبرانی کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۶۵)

فائدہ: چونکہ عمر کی زیادتی اعمال حسنہ اور اعمال صالحہ اور مقربات الٰہی کی زیادتی کا باعث ہوگا۔ شرح مرقات میں ہے کہ انسان ابدی سعادت کے حاصل کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے، (جنت کے اعمال کے لئے) اور اس کی اساس اور بنیاد عمر ہے، لہٰذا عمر کی زیادتی اہل صلاح کے لئے بیش بہا پونجی ہے۔ (مرعاۃ صفحہ ۳۰۴)

خیال رہے کہ مؤمن صالح یا مؤمن کامل کے لئے زیادتی عمر خیر کا باعث ہے، فاسق و فاجر کے لئے نہیں ہاں مگر یہ کہ اسے توبہ کی توفیق ہو جائے۔

لوگوں میں سب سے بہتر کون

عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جس کی عمر بھی زائد ہو، اور عمل بھی اچھا ہو۔ (ترمذی جلد۲ صفحہ ۵۹)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ خوش نصیب ہے وہ جس کی لمبی عمر ہو، اور عمل بہتر ہو۔ (طبرانی، حلیۃ الاولیاء، کنز جلد ۱۵ صفحہ ۶۶۷)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو، عمل اچھا ہو، (یعنی عبادت کا پابند ہو) اور لوگوں میں سب سے بدتر وہ ہے عمر تو بہت ہو مگر عمل برا ہو۔
(سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۷۱، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۶۶۷، ترمذی صفحہ ۵۹، حاکم جلد ۱ صفحہ ۳۳۲)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو جو تمہارے میں بہتر ہے اسے نہ بتا دوں، وہ یہ ہیں جن کی عمر لمبی ہو، عمل بہتر ہو۔
(بیہقی، ابن حبان، حاکم صفحہ ۳۳۹، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۶۶۸، سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۷۱)

بڑی سعادت کی بات

حضرت مطلب کی روایت ان کے والد سے ہے کہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ طول عمر اللہ کی عبادت میں گزرے۔ (خطیب کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۶۶۷)

فائدہ: خیال رہے کہ عمر کی زیادتی عمل صالح کے ساتھ ہو یعنی عمر بھی لمبی ہو اور یہ عمر عبادت اور طاعت الٰہی اور خدمت دین میں گزر رہی ہو تو بہت بڑی سعادت اور بھلائی کی بات ہے، کہ اعمال حسنہ جو قرب الٰہی کا باعث ہے اس کی زیادتی ہو رہی ہے، جو مقصود حیات ہے، پس معلوم ہوا کہ صالحین اور اہل عبادت کے لئے طول عمر بڑی اچھی بات ہے، اسی وجہ سے محدثین نے مؤمن کے لئے طول عمر کی سعادت پر باب قائم کیا ہے۔
(سنن کبریٰ صفحہ ۳۷۱)

جس سے وہ اشارہ کر رہے ہیں کہ مؤمن کے حق میں صالحین کے حق میں زیادتی عمر اچھی بات ہے۔

بخلاف کافر فاسق فاجر کے کہ اس کے حق میں یہ شر کا باعث ہے۔

اسلام میں بوڑھوں عمر دراز لوگوں کی فضیلت

قیامت میں نور کا باعث

کعب بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا ہو، اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔ (ترمذی جلد۲ صفحہ۲۹۲، کنز۱۵ صفحہ۶۶۶)

ایک نیکی اور ایک گناہ معاف

حضرت ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان اسلام کی حالت میں بوڑھا ہوا ہو، اس کے لئے ایک نیکی اور ایک گناہ معاف۔ (ابوداؤد کنز صفحہ۱۱)

قیامت کے دن افضل ترین لوگوں میں

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن افضل ترین وہ مؤمنین ہوں گے جن کی عمریں لمبی ہوں گی۔ (چونکہ عمل زائد ہوگا)۔ (کنز العمال صفحہ۱۱۱)

اللہ کے نزدیک بڑا

شداد بن ہاد کی روایت میں ہے کہ اللہ کے نزدیک اس سے بڑا کوئی نہیں جس نے اسلام میں عمر دراز پائی ہو۔ (کنز العمال صفحہ۶۶۸)

عذاب دینے سے خدا کو شرم اور لحاظ

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شرم آتی ہے اس بات سے کہ اپنے بندے اور بندی کو جب کہ وہ اسلام پر بوڑھے ہوں عذاب دیں۔ (کنز العمال جلد۱۵ صفحہ۶۷۲)

بڑھاپے کا نور نار جہنم کے ساتھ نہیں ملے گا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ابن آدم بڑھاپا میرے نور میں سے ایک نور ہے، مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنے نور کو عذاب نار دوں، پس مجھ سے شرم کرو، یعنی میرا لحاظ کرو، اور بڑھاپا میں خدا کی نافرمانی کرنے میں گرفت اور مواخذہ اپنے ذمہ مت لو، اور نور کے اثر کو زائل مت کرو۔ (ابوالشیخ، کنز)

حضرت ابودرداء سے روایت ہے کہ جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا، اس کے لئے نور ہوگا جس کی روشنی آسمان

زمین کے درمیان ہوگی، اور وہ روشنی قیامت تک نہیں بجھے گی اور اسے اونٹنی کے نکیل کی طرح کھینچ کر جنت میں لے جائے گی۔ (ابوالشیخ، کنز جلد ۱۵ صفحہ ۶۷۳)

چالیس سال اور اس کے بعد عمر کی فضیلت

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے جب بندہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ پاک اسے ۳/ بلاؤں جنون، جذام، برص سے مامون فرما دیتے ہیں۔ (چنانچہ یہ امراض عموماً اس عمر کے بعد نہیں ہوتے) اور جب پچاس سال کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ پاک اس سے حساب آسان اور سہل فرما دیتے ہیں، اور جب ساٹھ سال کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ پاک اسے اپنی انابت اور توجہ سے حسب مرضی نوازتے ہیں، اور جب ستر سال کو پہنچ جاتا ہے تو آسمان والے (فرشتے) اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور جب اسی سال کا ہو جاتا ہے تو اس کی نیکیاں باقی رہ جاتی ہیں اور گناہ مٹ جاتے ہیں، اور جب ۹۰/ سال کو پہنچ جاتا ہے تو اس کے پچھلے اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس کے گھر والوں کے لئے اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے اور آسمان سے آواز دی جاتی ہے یہ اللہ کی زمین پر اللہ کا اسیر ہے۔ (خطیب، کنز العمال صفحہ ۶۶۹)

ساٹھ سال پر معذور قرار دیا جاتا ہے

حضرت سہل اور حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ جب بندہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اس عمر میں اللہ پاک اسے معذور قرار دیتے ہیں۔

ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ایک روایت میں ہے کہ ساٹھ اور ستر سال کی عمر میں اللہ پاک اسے معذور قرار دے دیتے ہیں۔ (بخاری صفحہ، سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۷۰، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۶۷۱، بلوغ الامانی صفحہ ۵۲)

فَائِدَہ: معذور قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ گناہ وغیرہ صادر اتفاقاً یا عبادت میں ضعف کمزوری وغیرہ سے کمی کوتاہی ہو جائے تو مواخذہ نہیں فرماتے اور جوانی کی عبادت کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس سال میں کبائر اور فواحش میں مبتلا ہو تو اس سے مواخذہ نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جوانی میں ٹھیک رہا مطیع فرماں بردار رہا اور ضعیفی میں کچھ کوتاہی ہو جاتی ہے مثلاً پاکی ناپاکی میں، جماعت وغیرہ کی شمولیت میں تو اس میں معذور قرار دیا جاتا ہے اور اور اس پر گرفت نہیں ہوتی۔

ساٹھ سال کی عمر ہو جائے تو آخرت کی زیادہ فکر کی تاکید

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہاں ہیں ساٹھ سال کی عمر والے۔ یہ وہی عمر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اولم نعمرکم ما یتذکر

فيه من تذكرو جاء كم النذير" (سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۷۰)

اس سے مراد ساٹھ سال ہے۔

فائدہ: ابن بطال نے کہا یہ عمر انابت خشوع اور موت کے انتظام کی ہوتی ہے۔ (شرح مسند احمد صفحہ ۵۱)

گویا عمر اس کو ڈرا رہی ہے کہ اب موت کا وقت قریب ہو رہا ہے، تیاری کرلو، برے انجام سے بچ جاؤ۔

قیامت کے دن ساٹھ سال والوں کو پکارا جائے گا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو آواز دی جائے گی، کہاں ہیں ساٹھ سال کی عمر والے جس عمر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اولم نعمر كم ما يتذكر فيه من تذكر وجاء كم النذير." (سنن کبریٰ صفحہ ۳۷۰)

اس امت کی عمر اکثر ساٹھ وستر کے درمیان ہوگی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس امت کی عمر اکثر یہ ساٹھ ستر کے درمیان ہوگی، بہت کم لوگ ہوں گے جو اس سے آگے بڑھیں گے۔ (سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۷۰)

۷۰/سال پر آسمان والوں میں محبوب

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متعدد روایتوں میں ہے کہ بندہ جب ۷۰/سال کا ہوتا ہے تو اللہ پاک اور آسمان میں ملائکہ کے نزدیک محبوب ہو جاتا ہے۔ (کنز العمال صفحہ ۶۷۰)

چونکہ اسلام پر کلمہ پر عبادت اور اصلاح تقویٰ پر ایک مدت گزر جانے کی وجہ سے مقربین کا درجہ حاصل کر لیتا ہے، اس وجہ سے مقربین حضرات ملائکہ اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔

۸۰/سال پر

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے بندہ جب اسّی سال کا ہوتا ہے تو خدا کی زمین پر خدا کا قیدی اسیر ہو جاتا ہے، اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں، حضرت انس کی ایک روایت میں ہے کہ اس کی نیکیاں تو لکھی جاتی ہیں، مگر سیئات گناہوں سے تجاوز کر دیا جاتا ہے (یعنی اس کی نیکیاں تو لکھی جاتی مگر گناہ ہو جائے تو نہیں لکھی جاتی ہیں بلکہ چھوڑ دیا جاتا ہے)۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب بندہ اسّی سال کا ہو جاتا ہے تو اس کے جسم پر جہنم کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔ (کنز العمال صفحہ ۶۷۱، بلوغ الامانی جلد ۷ صفحہ ۴۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ ہماری امت میں سے جو اسّی سال کو پہنچ جائے،

اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کا حساب لیا جائے گا، بلکہ کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ۔
(حلیۃ الاولیاء، کنز صفحہ ۲۷۲)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ بندہ (مؤمن) جب اسّی سال پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے سیئات برائیاں مٹادی جاتی ہیں۔ (یعنی لکھی نہیں جاتی) اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (کنز العمال صفحہ ۲۶۷)

۹۰ سال پر

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ بندہ (مؤمن) جب ۹۰ رسال کو پہنچ جاتا ہے تو اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اور اس کے گھر والوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ اور اسے آسمان میں اسیر اللّٰہ فی الارض کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۲۶۴)

انتہائی عمر دراز ہو جانے پر

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے بالکل انتہائی عمر پر پہنچ جائے جس میں عقل وعلم میں فتور پڑ جائے تو صحت کی حالت کے تمام اعمال خیر لکھے جاتے ہیں اور گناہ ہونے پر اسے نہیں لکھا جائے گا۔
(بلوغ الامانی جلد ۷ صفحہ ۵۱)

اصل مدار خاتمہ پر ہے

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے۔
(بخاری صفحہ ۹۷۷، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۲۰)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جس حال اور عمل پر خاتمہ ہوتا ہے اور آخر وقت میں اچھے اور برے اعمال کے اعتبار سے جو احوال ہوتے ہیں اسی کا اعتبار ہوتا ہے، ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ بہت سے متشدد کافر آخری دور میں ایمان لے آتے ہیں اور بہت سے عبادت گزار مؤمن آخر وقت میں کفر اختیار کر لیتے ہیں اسی آخری احوال کا اعتبار ہوتا ہے، اس حدیث میں اس بات کی تاکید ہے کہ ہمیشہ طاعات وعبادات میں لگا رہے اور گناہوں اور برائیوں سے اپنے آخری اوقات کو بچائے۔ ڈرتے ہوئے کہ آخری عمل بہتر رہے، یعنی اگر موت آجائے تو بہتر حالت پر آئے۔ (مرقات جلد ۱ صفحہ ۱۵۴)

جس کا خاتمہ کلمہ توحید پر ہو وہ جنت میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس کا آخری کلمہ (مرنے کے وقت) لا الہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (ابن حبان تلخیص الحبیر صفحہ ۱۰۹)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوگا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (تلخیص صفحہ۱۰۹، جامع صغیر صفحہ۵۴۰، ابوداؤد حاکم صفحہ۳۵۱)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس کا اس حالت میں انتقال ہو کہ وہ لا الہ الا اللہ کا یقین رکھ رہا ہو جنت میں داخل ہوگا۔ (مشکوٰۃ صفحہ۱۵، تلخیص الحبیر، حاکم جلد۱ صفحہ۳۵۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سو رہے تھے اور آپ پر سفید کپڑے تھے، میں آیا تو آپ جاگ گئے، پھر فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جو لا الہ الا اللہ کہے اور موت آجائے مگر یہ کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم، تلخیص صفحہ۱۱۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بچہ منہ کھولنے لگے، (یعنی بولنے کی صلاحیت ہو جائے) تو اسے پہلا بول لا الہ الا اللہ بتاؤ پھر مرنے کے وقت اسے لا الہ الا اللہ بتاؤ، سو جس کا پہلا کلام لا الہ الا اللہ ہو اور پھر وہ ہزار سال تک زندہ رہا تو گناہ کا مواخذہ نہ ہوگا۔ (مرقات جلد۵ صفحہ۱۳)

فَائِدَہ: آخر وقت میں کلمہ کہتے ہوئے مرنے کی بڑی فضیلت ہے، اور اس کے دعا کی بھی تاکید ہے، اس لئے میت نہ پڑھ رہا ہو تو اس کے سامنے پڑھنے کا حکم ہے تاکہ سن کر پڑھ لے، علماء نے لکھا ہے، یہاں جنت میں داخل ہونے کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ بلا عذاب و مواخذہ کے اس کی برکت سے داخلہ نصیب ہو جائے، اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ گناہ اور جرم کے موافق سزا پائے اور پھر جنت میں داخل ہو جائے، پہلی شکل زیادہ راجح ہے تاکہ بوقت موت کلمہ نصیب ہو جائے اور نہ پڑھ کر مرنے والے میں فرق ہو جائے، کلمہ پر موت کا ہونا یہ علامت ہے کہ خدا کی جانب سے اس کی برکت سے معافی نصیب ہوگی۔ (مرقاۃ صفحہ۵ صفحہ۳۱۲، مرقات جلد۴ صفحہ۱۵)

نزع کے وقت کلمہ کی تلقین کا حکم فرماتے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو۔ (مسلم صفحہ۳۰۰، سنن کبریٰ جلد۳ صفحہ۳۸۳، نسائی صفحہ۲۵۹)

حضرت زاذان سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے موت کے وقت کلمہ کی تلقین کی گئی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (الفتح الربانی جلد۷ صفحہ۵۸، مجمع الزوائد صفحہ۳۲۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کلمہ شہادت کی تلقین کرو، جو اسے مرنے کے وقت کہے گا اس پر جنت واجب ہو جائے گی۔ (مجمع الزوائد صفحہ۲۲۳)

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ اپنے مرنے والوں کو تلقین کیا کرو۔

"لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمد للہ

رب العلمین.''

تو اس پر لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول زندوں کو۔ تو آپ نے فرمایا اور بہتر اور بہتر۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۰۴)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ زندوں کو بھی اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

نزع کے وقت حاضر ہونے اور کلمہ پیش کرنے کا حکم اور تاکید

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نزع کے وقت حاضر ہوا کرو اور کلمہ کی تلقین کیا کرو، اور ان کو جنت کی بشارت دو، مرد عورت خواہ کتنے ہی بردبار سنجیدہ ہوں موت کے وقت حیران و پریشان ہو جاتے ہیں، اور سب سے زیادہ شیطان نزع کے وقت قریب ہو جاتا ہے۔

(مختصراً کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۵۶)

فائدہ: نزع کے وقت اس کے سامنے ذرا آواز سے کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت ادا کرے تاکہ سن کر یاد آجائے اور پڑھ لے، اسے پڑھنے کے لئے نہ کہے، شرح مرقات میں ہے کہ اس وقت کلمہ کی تلقین تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ جب ایک مرتبہ کہہ دے تو دوبارہ نہ تلقین کرے۔ (مرعاۃ المفاتیح صفحہ ۳۰۸، مرقات جلد ۴ صفحہ ۱۲)

تلقین تو پورے کلمہ شہادت کی کرے، یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اور اگر وہ لا الہ الا اللہ کہہ لے تب بھی ٹھیک اور کافی ہے۔

مؤمن کو تو آخر وقت میں کلمہ کی تلقین کی جائے گی اور کافر کو اسلام اور ایمان لانے کی تلقین کی جائے گی، یعنی پورے کلمہ شہادت کی تعلیم کی جائے گی۔ شرح مہذب میں ہے یہ میت کو صرف لا الہ الا اللہ کی تلقین کی جائے گی۔ (مرقاۃ المفاتیح جلد ۴ صفحہ ۳۰۹)

کلمہ کی تلقین کے وقت ثابت قدمی کی دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو، اور ان کے لئے دعا کرو، اللہ پاک ثابت قدم رکھے ثابت قدم رکھے، سوائے اللہ کے کسی کو قوت نہیں۔

(طبرانی، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۵۸)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ محض تلقین پر اکتفا نہ کرے بلکہ اثبات قدمی اور موت کے وقت ایمان پر ثابت قدمی رہنے کی بھی دعا کرے اس لئے شیطان سب سے زیادہ اس وقت اسے بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔

مرنے کے وقت تلقین اور جنت کی بشارت سنائے

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مرنے والوں کے پاس آؤ، ان کو کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو، اور ان کو جنت کی بشارت دو۔

یہ ایسا وقت ہے کہ مرد یا عورت حلم و بردباری ہونے کے باوجود اس پچھاڑ کے وقت متحیر ہو جاتے ہیں اور اسی (موت کی) پچھاڑ کے وقت انسان کے سب سے زیادہ قریب شیطان ہو جاتا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء کنز العمال صفحہ ۵۵۶)

فائدہ: اس حدیث پاک میں آپ ﷺ نے ۳/ باتوں کا حکم فرمایا، مرنے والے کے پاس جانے کا حکم اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس حالت میں تنہا نہ چھوڑے نیک صالح لوگوں کو ان کے قریب جا کر بیٹھنا چاہئے۔ دوسری بات کلمہ طیبہ کی تلقین تیسری بات جنت کی بشارت۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں جنت کی امید دلائے تا کہ وحشت نہ ہو، جنت کی امید دلائے تا کہ موت کو پسند کرے، یہ ایسا نازک وقت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے اہل علم اور صلاح پریشان ہو گئے، اور شیطان کے تصرف سے نجات ملنے میں ذرا دیر لگی، اس لئے اثبات قدمی کی دعا کا حکم ہے۔

جسے کلمہ بوقت موت نصیب ہو جائے اسے جہنم کبھی نہ لے گی

حضرت اغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے موت کے وقت **لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ** پڑھ لیا جہنم اسے کبھی نہ چاہے گی۔ (طبرانی تلخیص صفحہ ۱۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جو یہ کلمہ موت کے وقت کہے جہنم کی آگ اسے نہ چھوئے گی۔ (مصنف ابن عبد الرزاق جلد ۳ صفحہ ۳۸۸)

موت کے وقت کلمہ نصیب ہو جائے تو جہنم حرام ہو جائے گی

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جسے کوئی بندہ یقین کے ساتھ دل سے کہہ دے اور مر جائے تو اللہ پاک اس پر جہنم حرام کر دیتے ہیں۔

(حاکم، تلخیص جلد ۲ صفحہ ۱۱۰)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس کا آخری کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہوگا جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ (تلخیص صفحہ)

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں مرنے والوں کو کلمہ کی تلقین کرو، جس مسلم کا آخری کلام کلمہ ہوتا ہے اس پر جہنم کی آگ حرام ہوتی ہے۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۲۳۸)

فائدہ: بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ آخری وقت میں کلمہ شہادت کی توفیق ہو جائے، زندگی میں جب اچھے اعمال ہوتے ہیں تو آخری وقت بھی خیر کا ہوتا ہے، اسی لئے ہر مؤمن کو ایسے اعمال پر رہنا چاہئے جس سے کلمہ شہادت اخیر وقت میں نصیب ہو جائے۔

آخیر وقت میں کلمہ شہادت قیامت کے دن نور کا باعث

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ جو اسے موت کے وقت پڑھ لے، تو اس کی روح کو راحت ملتی ہے، یہاں تک کہ جسم سے نکل جاتی ہے، اور اس کے لئے قیامت کے دن ایک روشنی ہوتی ہے۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۳۲۳)

فائدہ: کلمہ شہادت کی برکت سے روح کے نکلنے میں بھی آسانی ہوتی ہے اور اس کلمہ کا نور قیامت کے دن اس کے لئے نور کا باعث ہوگا۔

جسے کلمہ نصیب ہو جائے اس پر جنت واجب

کثیر بن مرہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت کہا کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جسے میں اب تک چھپا کر رکھے ہوئے تھا، میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوگا اس پر جنت واجب۔ (مسند احمد مرتب صفحہ ۵۷، حاکم ابن حبان)

فائدہ: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہمیت کی وجہ سے تو چھپا کر رکھا، اور اس وجہ سے بھی کہ عمل کے خلاف محض اس پر بھروسہ کر کے نفس اور شیطان کے فریب و دوام میں نہ آجائیں، اور پھر بتا دیا تا کہ کتمانِ علم کا گناہ نہ ہو۔ (شرح مسند صفحہ ۵۷)

اس وجہ سے امت کا اس پر اہتمام ہے کہ آخری وقت کلمہ کی دولت نصیب ہو جائے، اور کلمہ شہادت پر خاتمہ ہو، اس کے لئے دعاؤں کی تاکید ہے، اور ایسے اعمال کا زندگی میں اہتمام کیا جاتا ہے تا کہ ان اعمال کی برکت سے ایمان اور کلمہ شہادت پر خاتمہ نصیب ہو، اور ایسے اعمال سیۂ سے اجتناب کا حکم ہے جس کی نحوست سے وقت آخر سوء خاتمہ کا احتمال ہوتا ہے، مثلاً اللہ کے فرائض و واجبات میں کوتاہی دین سے غفلت آزادی زبان کے گناہوں کا ارتکاب افیم اور نشلی اشیاء کا استعمال، علماء اور صلحاء پر بدزبانی وغیرہ ایسے گناہ ہیں کہ اس کی نحوست سے سوء خاتمہ کا اندیشہ رہتا ہے، اس کے مقابل فرائض واجبات کی اطاعت، ذکر تلاوت کی کثرت زہد و تقویٰ کی زندگی حسن خاتمہ کے اسباب میں سے ہے۔

آخر وقت کلمہ پڑھنے سے موت میں سہولت اور روح روشن

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرمارہے تھے میں ایسا کلمہ جانتا ہوں جسے کوئی مؤمن موت کے وقت کہتا ہے تو اس سے اس کی کلفت اور تکلیف دور ہوتی ہے اور وہ چمک جاتا ہے یعنی اس کی روح روشن ہو جاتی ہے۔ (الفتح الربانی صفحہ ۵۶، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۶۵)

کلمہ کی تلقین گناہوں کی معافی کا باعث

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مرنے والوں کو کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو، وہ گناہوں کو مٹاتا ہے۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۳۸۷)

اہل ایمان کو تلقین بھی کی جائے اور جنت کی بشارت بھی دی جائے

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے مردوں کو کلمہ توحید کی تلقین کرو اور جنت میں جانے کی بشارت بھی دو، کیونکہ اس وقت بڑے بڑے ذی علم مرد اور عورتیں حیران اور حیرت میں پڑ جاتے ہیں اس وقت شیطان انسان سے بہت ہی زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ (شرح الصدور)

نماز کے پابند کو فرشتے کی جانب سے کلمہ کی تلقین

ابوحاتم نے حضرت جعفر بن محمد سے نقل کیا ہے (کہ ملک الموت نماز کے اوقات میں لوگوں پر نگاہ رکھتے ہیں کون نماز وقت پر پڑھتا ہے اور کون نہیں) پھر موت کے وقت وہ دیکھتا ہے اگر ان لوگوں میں سے ہے جو نماز کی وقت پر پابندی کرتا تھا تو اس سے فرشتے قریب ہوتے ہیں اور شیطان اس سے دور بھاگ جاتا ہے اور فرشتے اسے کلمہ کی تلقین کرتے ہیں۔ اس اہم حالت میں۔ (اتحاف جلد ۱ صفحہ ۲۸۴)

فائدہ: دیکھئے نماز کی پابندی کے کیا برکات ہیں کہ موت کے وقت ملائکہ رحمت حاضر ہوتے ہیں اور شیطان دور بھاگتا ہے اور فرشتے ان کو کلمہ کی تلقین کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی پابندی نہ کرنے والے خاتمہ سوء کے اندیشہ میں رہتے ہیں، کہ شیاطین ایسے وقت میں زیادہ قریب ہو جاتے ہیں۔ اور شیاطین کا قرب یہ اچھی علامت نہیں۔ اللھم احفظنا۔

مرنے والے کی دو قسم یا خود راحت پائے یا دوسروں کو راحت دے

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مرنے والے دو ہیں) ایک تو وہ ہے جو راحت پائے، یہ وہ مؤمن بندہ ہے جو دنیا کی پریشانی اور اس کی کلفت سے اللہ کی رحمت (راحت) کی طرف جا رہا ہے، فاجر گناہگار بندہ اس کے مرنے سے لوگ راحت پاتے ہیں، درخت، شیر، درندے (تک) راحت پاتے ہیں۔ (کہ اس کے اعمال بد سے عذاب دنیاوی کا اثر ان کو بھی پہنچتا ہے)۔

(سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۷۹، اتحاف جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۰، نسائی صفحہ ۲۷۲، مسند احمد کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۶۷۵)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ (مرنے والا) راحت پاتا ہے، یا راحت دوسروں کو دیتا

ہے، پس مؤمن دنیا کی پریشانیوں سے نجات پاتا ہے، اور جس سے نجات لوگ پاتے ہیں وہ گناہگار فاجر ہے۔
(کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۷۵۶)

فائدہ: چونکہ اس کے گناہ اور فسق وفجور کا اثر دنیا پر پڑتا ہے۔

بوقت موت آدمی کو اپنے ٹھکانے کا پتہ چل جاتا ہے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی انسان دنیا سے اس وقت تک نہیں جاتا جب تک کہ وہ اپنے ٹھکانے کو دیکھ نہیں لیتا کہ جنت ہے یا جہنم۔ (ابن ابی الدنیا، احیاء جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۶)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مؤمن (صالح) کو موت کے وقت میں خدا کے رضوان خوشنودی اور اکرام کی اطلاع دے دی جاتی ہے، اور کافر کو موت کے وقت مواخذہ اور سزا کی خبر دے دی جاتی ہے۔ (شرح احیاء)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ کوئی جان ایسی نہیں مگر دنیا سے جدائیگی کے وقت اسے جنت یا جہنم کے ٹھکانے کی خبر دے دی جاتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ حرام ہے یہ بات کہ دنیا سے جدائیگی کے وقت اسے نہ بتائی جائے کہ آیا وہ اہل جنت سے ہے یا اہل نار ہے۔ (شرح احیاء صفحہ ۲۶۶، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۷۴۷)

محض موت راحت کی بات نہیں بلکہ مغفرت ہو جائے تو راحت کی بات ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، اور کہا کہ فلاں عورت کا انتقال ہو گیا، راحت مل گئی (دنیا کی پریشانیوں سے نجات پا کر آرام راحت پا گئی) تو آپ نے فرمایا راحت تو اس وقت ہوگی جب اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ (طبرانی، کنز العمال صفحہ ۷۴۹)

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک شخص کے بارے میں کہا اے اللہ کے رسول فلاں مر گیا، راحت پا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راحت تو اس وقت ہوگی جب اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ عروہ سے مروی ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہو گیا جس سے حضرات صحابہ ہنسا کرتے تھے اس کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، افسوس، چلو راحت پا گئی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راحت اس کی جس کی مغفرت ہو گئی۔ (اتحاف الخیرہ جلد ۳ صفحہ ۶۹۹)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں مر جائیں گے تو راحت مل جائے گی، مصیبت سے چھٹکارا مل جائے گا، سو یہ غلط ہے، محض مر جانے سے چھٹکارا تھوڑے ہی ملے گا، اگر اعمال برے ہوں گے تو ہرگز راحت نہیں ملے گی بلکہ اس دنیاوی مصیبت سے زائد مشقت پریشانی اور سزا ملے گی ہاں اگر اعمال اچھے کئے ہوں گے طاعت

اور عبادت تقویٰ زہد میں زندگی گزری ہوگی تب راحت ملے گی اور برزخ ہی میں جنت کے مزے لوٹیں گے۔ لہٰذا اگر مرنے والوں کی مغفرت ہوگئی گناہ کا مواخذہ نہ ہوا معافی ہوگئی تب ہی عذاب برزخ سے بچ کر وہ راحت پا سکتا ہے، اگر مغفرت نہ ہوئی، تو سزا کی مشقتیں برداشت کرنی پڑیں گی، اسی لئے دنیا میں گناہ اور نافرمانی سے بچنے کو کہا جاتا ہے اور مغفرت کی دعا کی تاکید کی جاتی ہے۔

اچانک موت کا حادثہ مؤمن کے لئے راحت فاسق کے لئے حسرت کا باعث

عبداللہ بن عبید نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ کیا اچانک موت کا حادثہ ناپسندیدہ امور میں سے ہے، تو حضرت عائشہ نے کہا کیوں مکروہ ہے؟ میں نے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا، مؤمن کے لئے تو راحت کی بات ہے فاسق کے لئے رنج افسوس کا باعث ہے۔

(سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۷۹، مسند احمد بن حنبل جلد ۷ صفحہ ۷۰، ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۷۰)

فائدہ: بسا اوقات مؤمن کے حق میں اچانک موت کا آجانا بہتر ہوتا ہے، اس طرح کہ بعض مؤمن اعمال صالحہ پر ہر وقت مشغول رہتے ہیں، موت کی تیاری میں لگے رہتے ہیں، موت کو اللہ کی ملاقات کا ذریعہ اور اسے پل کی طرح سمجھتے ہیں، اور اس دنیا کی زندگی کو اسی موت کے بعد کی تیاری میں لگائے رہتے ہیں، اور جنت کے اشتیاق میں خدا کی محبت میں موت کے انتظار میں رہتے ہیں، اور دنیا کو قید خانہ سمجھ کر ہر وقت اس سے نکلنے کی تمنا میں رہتے ہیں ایسی صورت میں موت کا اچانک آجانا ان کے حق میں بہتر ہوتا ہے، علامہ نووی نے بیان کیا کہ یہ موت۔ منتظرین موت کے لئے محبوب ہے۔ (شرح مسند احمد صفحہ ۱۷، فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۳۵۵)

حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ بعض انبیاء اور صالحین کا انتقال اسی طرح ہوا۔ (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۵۵)

اور کافر اور فاجر و فاسق کے لئے حسرت کا باعث اس وجہ سے ہے کہ دنیا کی عیش و راحت اچانک چھوٹ گئی، کس کے پاس کیا حساب رہ گیا اسے بتانے کا موقعہ نہیں ملا، دنیا کی مشغولی اور عیش وعشرت میں موت کا دھیان بھی نہیں تھا کہ اچانک اس حادثہ میں پھنس گیا، اس لئے وہ حسرت اور رنجیدہ ہوجاتا ہے۔

شرح مرقات میں ہے کہ جن کے احوال اچھے نہیں فاسق و فاجر کے لئے اچانک موت غضب خداوندی کی علامت ہے کہ توبہ اور معافی مانگنے کا موقعہ نہیں ملا یا مریض نہ ہونے کی وجہ سے کفارہ گناہ نہ ہوسکا علامہ تورپشتی نے بیان کیا کہ اچانک موت سے خدا نے اچانک پکڑ لیا، جیسا کہ اللہ پاک نے کہا۔ اخذناهم بغتة۔

ترجمہ: "ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا۔" (مرقاۃ المفاتیح جلد ۵ صفحہ ۳۰۲، مرقاۃ المفاتیح جلد ۵ صفحہ ۹)

اچانک حادثہ وغیرہ کی موت سے آپ پناہ مانگتے

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچانک موت سے آپ پناہ مانگتے تھے، اور

اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ موت سے پہلے بیمار ہوجائیں۔

(مجمع الزوائد جلد۲ صفحہ ۳۱۸، بلوغ الامانی جلد۷ صفحہ۷۱، طبرانی اوسط)

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ایک ٹیڑھی دیوار کے پاس سے جلدی سے گزرے آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اچانک موت کو میں پسند نہیں کرتا۔ (مجمع جلد۲ صفحہ ۲۱۸)

اچانک موت آجانا (بعضوں کے حق میں) غضب اور ناراضگی کی علامت ہے کہ توبہ اور عمل صالح کا موقعہ نہ ملا، اور نہ مرض کفارہ گناہ کا باعث بن سکا۔ (مرقاۃ جلد۵ صفحہ ۳۰۲)

فَائِدَہ: چونکہ موت سے پہلے بیماری یا تکلیف ومصائب گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کا باعث ہے، اس لئے آپ اسے پسند فرماتے تھے، اور صحت کی حالت میں اچانک موت سے یہ بات نہ حاصل ہوگی اس لئے آپ اسے بہتر نہ سمجھتے تھے۔

اچانک حادثہ کی موت حسرت افسوس کا باعث

حضرت عبید بن خالد رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی روایت میں ہے کہ اچانک موت کا حادثہ حسرت افسوس کا باعث ہے۔ (بیہقی فی الشعب، بلوغ الامانی صفحہ ۷۰)

فَائِدَہ: چونکہ اچانک موت سے توبہ اور استغفار کا موقعہ نہیں ملتا آدمی حقوق کے متعلق ضروری بات نہیں کرسکتا کوئی وصیت وغیرہ کا اسے موقعہ نہیں ملتا۔ (شرح مسند صفحہ۷۱)

اسی طرح اچانک موت سے تلقین کلمہ کا موقعہ نہیں ملتا بسا اوقات شیطان مردود وقت کی نزاکت دیکھ کر سوء خاتمہ میں کامیاب ہوجاتا ہے، چونکہ اس میں خیر کے اسباب سے محرومی ہوتی ہے۔

اس لئے حسرت اور رنج کا باعث ہوتا ہے۔ علامہ عینی رَحِمَہُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے لکھا ہے کہ اچانک موت سے چونکہ وصیت، اعمال صالحہ اور توبہ کا موقعہ نہیں مل پاتا ہے، اس لئے افسوس کا باعث ہے۔

(عمدۃ القاری جلد۸ صفحہ ۲۲۱، فتح الباری صفحہ ۲۵۴)

منصور نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم اچانک کی موت کو بہتر نہیں سمجھا کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۷۰)

اچانک موت گدھے کی موت

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں گدھے کی موت پسند نہیں کرتا، پوچھا گیا گدھے کی موت کیسی ہے، آپ نے فرمایا اچانک موت کا آنا۔ (مختصراً جمع الفوائد صفحہ ۳۵۴)

فَائِدَہ: اچانک موت کو آپ نے ناپسندیدگی کی وجہ سے گدھے کی موت قرار دیا ہے، کہ گدھا اچانک ہڑبڑایا اور مرگیا، برخلاف انسان کا مرنا اچانک بہتر نہیں، بلکہ کچھ تکلیف اور بیماری کی پریشانی اٹھا کر کہ گناہوں کا کفارہ

درجات کی بلندی کا باعث ہو اور اہل خانہ کی یہ تمنا نہ رہے اسے یہ حسرت افسوس نہ رہے کہ کچھ علاج نہ کر سکے تیمارداری نہ کر سکے کچھ بول بال نہ سکے کوئی وصیت نہ کر سکے، وغیرہ ذلک۔

سات قسم کی موت سے پناہ مانگتے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سات قسم کی موت سے پناہ مانگا کرتے تھے، اچانک موت سے، سانپ کے ڈسنے سے، درندے کے پھاڑ کھانے سے، ڈوبنے سے جلنے سے، گر کر مرنے سے یا اس پر کوئی چیز گر جائے، اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوئے قتل سے۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۳۱۸)

فائدہ: چونکہ اس قسم کی اموات میں ایک تو دہشت کی وجہ سے تکلیف زیادہ ہوتی ہے مزید گھبراہٹ اور دہشت کی وجہ سے ذکر اور کلمہ یاد نہیں رہتا، اور یہ کہ شیطان کو اچھی طرح اپنے تصرف کا موقعہ ملتا ہے گھبراہٹ اور دہشت کی وجہ سے اس کی بات قبول کر لیتا ہے۔

اچانک موت (ہارٹ اٹیک) قیامت کی علامت

حضرت شعبی کہا کرتے تھے کہ اچانک موت کا ہو جانا قرب قیامت کی علامت ہے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۶۹)

حضرت مجاہد نے فرمایا کہ قیامت آنے کی علامت میں سے اچانک موت کا آنا ہے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۷۰)

حواری بن زیاد نے کہا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قرب قیامت کی علامت میں سے ہے، کہ فالج کی بیماری بکثرت ہوگی اور اچانک موت کا حادثہ ہوگا۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۹۷)

فائدہ: چنانچہ اس زمانہ میں یہ پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے۔

اچانک موت غضباً مواخذہ الٰہی کی پہچان ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، پھر (اچانک اس کا انتقال ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ اس کا تو انتقال ہو گیا، آپ نے پوچھا جو ابھی میرے پاس تھا کہا ہاں گویا غضباً اُس کی گرفت کر لی گئی (یعنی اسے عمل صالح اور توبہ یا مرض سے کفارہ گناہ کا موقعہ نہ دیا گیا)۔

(مطالب عالیہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۹)

آپ غیر مسلم اصحاب کے پاس بوقت موت جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی لڑکا جو آپ کی خدمت کرتا تھا مریض ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھنے کے لئے تشریف لائے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے، اور اس سے فرمایا، اسلام لے آ۔ وہ اپنے والد کی طرف جو اس کے پاس بیٹھے تھے دیکھنے لگا۔ اس کے والد نے کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، پس

وہ اسلام لے آیا آپ اس کے پاس سے نکلے اور یہ فرمارہے تھے الحمدللہ کہ اللہ نے اسے جہنم سے بچالیا۔

(بخاری صفحہ۱۸۱، سنن کبریٰ جلد۳ صفحہ ۳۸۲، ابوداؤد صفحہ ۴۴۱)

فائدہ: اگر کوئی فتنہ وفساد نہ ہوتو غیر مسلم کی وفات کے بعد جو احباب یا متعارف لوگوں میں ہو اور کچھ امید ہو کہ علم فہم عقل یا تعلق ومحبت کی وجہ سے ایمان اسلام قبول کرلیں گے تو ان کو اسلام کی دعوت دینی مستحب ہے تا کہ ایک انسان ابدی جہنم سے نجات پاجائے۔

آپ اپنے اصحاب کی موت کے وقت اہتمام سے حاضر ہوتے

آپ ﷺ طلحہ بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس عیادت کے لئے تشریف لائے، تو آپ نے (موت کی علامتوں سے اندازہ موت لگانے کی وجہ سے) فرمایا میرا گمان ہے کہ موت کی حالت پیش آرہی ہے، جب ان کا انتقال ہوجائے تو مجھے اطلاع دینا اور جلدی کرنا (یعنی ان کی تجہیز وتکفین میں، کسی مسلمان کی میت کے لئے ہرگز مناسب نہیں کہ گھر والوں کے درمیان اسے زیادہ رکھا جائے)۔ (ابوداؤد صفحہ ۴۵۰، مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۱)

سعد بن عبادہ بیمار ہوئے، جو ان کے لئے مرض الموت کا سبب بنا، آپ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ان کو دیکھنے کے لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سعد بن وقاص عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے کر تشریف لے گئے، اور ان کے گھر میں داخل ہوئے، تو وہ اپنے گھر والوں میں پڑے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا انتقال ہو چکا ہے۔ آپ بھی (مارے محبت کے) رونے لگے اور گھر والے بھی رونے لگے۔

(بخاری جلد۱ صفحہ ۱۷۱، مسلم جلد۱ صفحہ ۳۰۱، بیہقی صفحہ)

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ قبیلہ بنی معاویہ کے ایک شخص کے پاس جس پر موت کی حالت طاری تھی آپ ﷺ دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ (مسند، سبل الہدیٰ جلد۸ صفحہ ۳۵۷)

حضرت جابر بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی پاک ﷺ عبداللہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور وہ موت کی حالت میں تھے، آپ نے ان کو پکارا تو انہوں نے آواز نہیں دی، (روح نکل چکی تھی) آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ (موطا، فتح الباری جلد۷ صفحہ ۱۴۴)

فائدہ: پس معلوم ہوا کہ علامتوں میں سے کسی کا آخری وقت معلوم ہوجائے تو اس کے پاس جاکر اس کی اعانت کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک انصاری مجلس میں آیا، اس نے سلام کیا، جانے لگا تو آپ نے اس سے پوچھا اے انصاری بھائی سعد بن عبادہ کا کیا حال ہے کہا ٹھیک ہی ہے، پھر آپ نے کہا کون ان کو دیکھنے میرے ساتھ چلے گا، چنانچہ آپ کھڑے

ہوئے، ہم لوگ کھڑے ہوئے، قریب ہم لوگ دس آدمی تھے، نہ ہم لوگوں کے پیر میں جوتا تھا نہ موزہ، نہ ٹوپی نہ قمیص اسی حالت میں اس علاقے میں جارہے تھے، یہاں تک کہ ہم لوگ ان کے یہاں پہنچ گئے۔ (مسلم صفحہ ۳۰۱)

فَائِدَۃ: مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ بہت تنگی کی حالت میں تھے، یا کچھ وسعت کے باوجود بھی بہت سادا زندگی گزارتے تھے، بلا چپل وموزے کے بھی ضرورت پر چل دیتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اصحاب اور پڑوس کی موت کی حالت میں ان کے پاس جا کران کی اوران کے اہل کی خیریت لینی چاہئے اور حادثہ پر تسلی دینی چاہئے۔

آپ اپنے اصحاب کی موت وفات کی خبر سے غمگین ہوتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب زید بن حارثہ جعفر بن ابی طالب اور ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شہادت کی خبر آئی تو آپ کے چہرے مبارک پر رنج وغم کے آثار ظاہر ہورہے تھے۔ (بخاری صفحہ ۱۷۴، ابوداؤد صفحہ ۴۴۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بیمار ہوئے (مرض موت میں مبتلا ہوئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالرحمن بن عوف سعد بن وقاص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لیا اوران کو دیکھنے تشریف لے گئے، آپ جب گھر کے اندر گئے تو ان کو اہل عیال کی بھیڑ میں دیکھا، اور فرمایا ان کا تو انتقال ہو چکا، لوگوں نے کہا نہیں اے اللہ کے رسول، پھر آپ رونے لگے، جب گھر والوں نے آپ کو روتا ہوا دیکھا تو وہ سب بھی رونے لگے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سن لو اللہ پاک محض آنسو گرانے سے اور دل کے رنجیدہ ہونے سے عذاب نہیں دیتا۔ (بلکہ نوحہ اور جہالت کی طرح چیخ پکار سے عذاب دیتا ہے)۔ (بخاری صفحہ ۱۷۴)

اصحاب کے موت کی اطلاع نہ دی جاتی تو آپ زجر فرماتے اور افسوس ظاہر کرتے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک حبشی عورت جو مسجد کی صفائی وغیرہ کیا کرتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غائب پایا تو پوچھا لوگوں نے کہا وہ تو مرگئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں مجھے بتایا، راوی نے کہا لوگوں نے اس کی موت کو اہم نہیں سمجھا اس لئے نہیں بتایا۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۷۸، مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۰۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص کے موت کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں نے صبح میں دی، آپ نے فرمایا تم نے کیوں نہیں بتایا، لوگوں نے کہا رات تھی ہم نے بہتر نہیں سمجھا، اور رات بھی تاریک تھی کہ آپ کو ہم لوگ تکلیف دیں، آپ قبر پر تشریف لائے اور دعا فرمائی۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۷۶)

قریب الموت پر یٰسین شریف پڑھنے کا حکم

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے (اہل سلام) مرنے

والوں پر سورہ یٰس شریف پڑھو۔ (سنن کبریٰ جلد۳ صفحہ ۳۸۳، ابوداؤد، ابن ماجہ صفحہ ۱۰۴، نسائی، حاکم، اتحاف جلد۱۰ صفحہ ۲۸۷)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جس پر موت کی علامت ظاہر ہونے لگے۔ (تلخیص الحبیر جلد۲ صفحہ ۱۱۰)

ملاعلی قاری نے لکھا ہے کہ حدیث پاک میں ہے سورۂ یٰس قرآن کا دل ہے اس وقت یٰس شریف پڑھنے کی وجہ قلب اللہ پاک کی طرف بالکلیہ متوجہ ہوگا قلب کو قوت ملے گی علامہ طیبی نے بیان کیا کہ اس میں حشر ونشر احوال الم دعوت نبوت تقدیر وغیرہ کی بہت سی باتیں ہیں ان کے استحضار کے لئے اس کا پڑھنا مناسب ہے۔

(مرقاۃ جلد۴ صفحہ ۱۶)

سورہ یٰس کے سننے سے تصدیق وایمان میں قوت ملتی ہے۔ (مرقاۃ جلد۵ صفحہ ۳۱۴)

یٰسین پڑھنا میت کے لئے مغفرت کا باعث ہے

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یٰس شریف قرآن کا دل ہے، جو بھی اسے اللہ کے لئے یا آخرت کے لئے پڑھے گا اس کی مغفرت ہوگی اسے اپنے مرنے والوں پر پڑھو۔ (الفتح الربانی صفحہ ۶۳)

سورہ یٰسین پڑھنے سے موت اور قبض روح میں سہولت ہوتی ہے

حضرت ابوداؤد اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میت (قبض روح کے وقت) پر سورہ یٰس تلاوت کی جاتی ہے، تو اس پر اللہ پاک آسانی فرماتے ہیں۔

(تلخیص صفحہ ۱۱۰، ابوالشیخ بلوغ الامانی شرح مسند احمد جلد۷ صفحہ ۷۳، اتحاف السادہ جلد۱۰ صفحہ ۲۷۸)

حضرت صفوان کی روایت میں ہے کہ غضیف بن الحارث ثمالی کی جانکنی نزع کی حالت میں بعض مشائخ (صحابہ یا تابعین ان کے پاس گئے تو کہا ان کے پاس کوئی پڑھ رہا ہے پس صالح بن شریح نے سورہ یٰس پڑھنا شروع کی اور چالیس ہی آیت پر پہنچے تھے (کل فی فلک یسبحون تک) کہ ان کی روح (آسانی سے) نکل گئی، پھر انہوں نے کہا میت کے پاس سورہ یٰس پڑھی جاتی ہے تو موت میں سہولت ہوتی ہے۔

(مجمع الزوائد جلد۲ صفحہ ۳۲۱، الفتح الربانی جلد۷ ؍۶۳، مرقاۃ جلد۵ صفحہ ۳۱۴)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ میت کے جانکنی اور نزع کی حالت میں اولاً تو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کی جائے جس کا ذکر تلقین کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس کے بعد سورہ یٰس شریف کی ہلکی آواز سے میت کے سرہانے تلاوت کی جائے اس سے جان کے نکلنے کی تکلیف میں کچھ سہولت اور تخفیف ہوتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مشائخ کرام (صحابہ تابعین اور تبع تابعین) یہ کہتے ہیں کہ میت کے پاس جب سورہ یٰس پڑھی جاتی ہے تو اس کی وجہ سے موت میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ اور یہ موت سے

پہلے پڑھی جائے۔ (وفات ہو جانے کے بعد نہیں)۔ (تلخیص الحبیر جلد ۲ صفحہ ۱۱۰)

میت کے پاس آنے اور قرآن کی تلاوت کرنے کا حکم دیتے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرنے والوں کے قریب حاضر ہوان کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ موت جان جانے کے وقت ان کی آنکھوں کو بند کردو۔ ان کے پاس قرآن کی تلاوت کرو۔ (مصنف بن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۳۸۶، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۷۰۳)

فائدہ: جانکنی کے وقت قرآن پاک کی تلاوت کا اس لئے حکم ہے کہ اس کے پاس فرشتے حاضر ہوتے ہیں رحمت اور سکینہ خداوندی اترتی ہے۔ تلاوت کی لذت سے روح متاثر ہوتی ہے۔ کلمہ اور ذکر خدا آسان ہوتا ہے، اللہ کے کلام سے انس اور لذت ہو کر صاحب کلام سے ملاقات کی تمنا ہوتی ہے جو بڑی سعادت کی بات ہے۔

موت کے وقت اس کے اچھے اعمال یاد دلاؤ

حضرت ابراہیم فرمایا کرتے تھے کہ حضرات صحابہ اسے پسند کرتے تھے مرنے کے وقت اس کے نیک اعمال کو یاد دلاؤ اس کا تذکرہ کرو۔ تاکہ خدا کے ساتھ اس کا حسن ظن قائم ہو۔ (ابن ابی الدنیا صفحہ، کنز جلد ۱۵ صفحہ ۷۰۴)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت رحمت الٰہی کی امید چاہئے۔ ایسے وقت میں اس کے اچھے اعمال کا تذکرہ کرے مثلاً تم نے ساری زندگی حدیث قرآن کی خدمت کی، تم نے ساری زندگی دین کی خدمت کی، تم نے جماعت کا اہتمام کیا، تقویٰ کی زندگی گزاری نماز کا اہتمام رکھا اللہ پاک تمہیں اس کا صلہ اپنی رحمت و جنت سے نوازیں گے۔

سورۂ رعد کا پڑھنا بھی سہولت اور تخفیف کا باعث

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جانکنی کا وقت ہو تو اس کے سامنے سورۂ رعد کا پڑھنا مستحب ہے، اس سے میت کو سہولت ہوتی ہے، قبض روح میں آسانی ہوتی ہے اور اس میں راحت ہوتی ہے۔

(اتحاف السادۃ صفحہ ۹، ۲۷، ابن ابی شیبا صفحہ ۲۳۷)

فائدہ: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ بعض تابعین حضرات اس وقت سورہ رعد کا پڑھنا مستحب قرار دیتے ہیں۔ ابوبکر مروزی اسے تخفیف کا باعث فرماتے ہیں۔ (تلخیص الحبیر جلد ۲ صفحہ ۱۱۱)

مراقی الفلاح میں ہے کہ متاخرین علماء نے اس کا پڑھنا بہتر قرار دیا ہے۔ اس سے روح کے نکلنے میں سہولت ہوتی ہے۔ (طحطاوی صفحہ ۳۰۸)

سورہ بقرہ کی بھی تلاوت کی جائے

حضرت شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرات انصار میت کے سامنے سورہ بقرہ پڑھا کرتے تھے، اور

اسے مستحب فرماتے تھے۔ (تلخیص الحبیر جلد۲ صفحہ ۱۱۱، ابن ابی شیبہ، اتحاف السادہ جلد۱۰ صفحہ ۲۷۹، ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۳۶)

فائدہ: خیال رہے کہ یہ جو تلاوت کا حکم ہے، جان نکلنے کی حالت کے وقت ہے، اور جب روح نکل جائے، تو اس وقت سے لے کر غسل جب تک کہ نہ دے دیا جائے اس کے پاس قرآن کی تلاوت مکروہ ہے، ہاں درود پڑھا جاسکتا ہے، اور اس وقت خوشبو سلگا دے۔ (طحطاوی علی الدر صفحہ ۳۶۵)

مراقی الفلاح میں ہے کہ جب تک کہ غسل نہ دے دیا جائے اس کے پاس تلاوت مکروہ ہے۔

(طحطاوی علی المراقی صفحہ ۳۰۸)

موت کے وقت امید رحمت کا دھیان رکھے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان کے پاس تشریف لے گئے جو موت کی حالت میں تھا، آپ نے اس سے پوچھا کس حال میں اپنے آپ کو پاتے ہو، اس نے کہا، اے اللہ کے رسول اللہ سے امید کر رہا ہوں اور گناہوں سے ڈر رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت کسی مؤمن پر دو حالتیں (خوف امید کی) جمع نہیں ہوتیں مگر یہ کہ خدائے پاک اسے وہی دیتے ہیں جس کی وہ امید رکھتا ہے، اور اس سے مامون کر دیتے ہیں جس سے وہ ڈر رہا ہوتا ہے۔ (ترمذی صفحہ ۱۹۲، ابن ماجہ)

فائدہ: زندگی میں تو خدا سے خوف کرتا رہے تا کہ عمل کی ترہیب ہو، اور موت کے وقت خدا پاک کی رحمت اور مغفرت کی امید رکھے تا کہ شوق محبت کے ساتھ حضوری نصیب ہو، اور پاک گمان کے موافق رحم و کرم کا معاملہ فرمائے، اور آخرت کی جانب کوچ میں رغبت اور روح کے خروج میں سہولت ہو، اس لئے امید رحمت رکھے۔

امام غزالی نے لکھا ہے کہ موت کے وقت خدا پاک سے حسن ظن رکھنا مستحب ہے، حضرات صحابہ و تابعین کا معمول تھا کہ وہ مرنے کے وقت ان کے اچھے اعمال تم نے یہ نیکی کی ہے یاد دلایا کرتے تھے تا کہ موت کے وقت خدا کے ساتھ حسن ظن قائم رہے۔ (شرح احیاء جلد۱۰ صفحہ ۲۷۸)

موت کے وقت خدا سے حسن ظن رکھنے کا حکم

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے ۳ر دن پہلے یہ فرما رہے تھے کہ تم میں سے کوئی نہ مرے مگر یہ کہ وہ خدائے پاک سے حسن ظن رکھے۔

(تلخیص جلد۲ صفحہ ۱۱۱، مسند طیالسی جلد۱ صفحہ ۱۵۳، سنن کبری جلد۳ صفحہ ۳۷۸، بلوغ الامانی صفحہ ۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ (تلخیص جلد۲ صفحہ ۱۱۱ صحیحین)

اگر وہ اچھا گمان کرتا ہے تو میں اچھا معاملہ کرتا ہوں ورنہ برا تو برا۔ (بلوغ الامانی جلد۷ صفحہ ۴۰)

حافظ ابن حجر نے موت کے وقت حسن ظن رکھنے کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اعمال حسنہ کا استحضار رکھے، کہ ان اعمال کی برکت سے خدائے پاک بہتر معاملہ فرمائے گا۔ کہ عمل اچھا تو گمان بھی اچھا ہوتا ہے، اسی وجہ سے ابراہیم کہا کرتے تھے کہ ان کے پاس ان کے اچھے اعمال کا ذکر کیا جائے، تا کہ خدا سے حسن ظن وابستہ ہو۔

(تلخیص جلد۲ صفحہ۱۱۱)

فائدہ: علماء نے بیان کیا ہے کہ زندگی میں تو خوف کرتا رہے ڈرتا رہے، لیکن موت کے وقت میں امید رحمت و حسن ظن رکھے۔ چونکہ زندگی میں خوف اور ڈر کی وجہ سے گناہ اور معاصی سے بچے گا، اسی کے خوف کا حکم ہے، اور اب مرنے کے وقت اس کا احتمال جاتا رہا، اس لئے اب اچھی امید اور حسن ظن رکھے کہ خدا اپنے فضل سے معاف کر دے گا، مغفرت کر دے گا، خطابی نے کہا کہ اپنے اچھے اعمال سے اچھی خبر کی امید رکھے۔

(شرح مسند صفحہ۳۹)

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بیمار شخص کے پاس داخل ہوئے تو ان سے پوچھا بتاؤ خدائے پاک کے ساتھ تمہارے ظن اور گمان کا کیا معاملہ ہے، تو انہوں نے کہا، اپنے گناہوں میں ڈوبا ہوں، ہلاکت کے قریب پہنچ گیا ہوں، لیکن اپنے رب کی رحمت سے امید رکھے ہوئے ہوں، اس پر حضرت واثلہ نے اللہ اکبر کہا ان کی تکبیر پر گھر والوں نے بھی اللہ اکبر کہا اور کہا کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ (حدیث قدسی ہے) میں تو اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں، پس وہ میرے ساتھ جیسا گمان کرے۔

(ابن حبان اتحاف صفحہ۲۷۷)

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ بندہ میرے ساتھ جیسا گمان کرتا ہے میں ویسا ہی اس کے ساتھ کرتا ہوں اور برائی کا تو برائی کا، اگر بھلائی کا تو بھلائی کا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قسم خدا کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کہ اللہ پاک کے ساتھ جو جیسا گمان کرتا ہے اسی کے مطابق اللہ پاک معاملہ فرماتے ہیں۔ (شرح احیاء صفحہ۲۷۷)

مرنے والے کا جیسا گمان ایسا ہی خدا کا معاملہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان کے پاس موت کے وقت تشریف لائے آپ نے اس سے پوچھا کیسا اپنے آپ کو پاتے ہو، کہا اللہ سے امید بھی ہے اور اپنے گناہ سے ڈرتا بھی ہوں، تو آپ نے فرمایا جس دل میں یہ دو امید اور خوف جمع ہو جائیں تو اللہ پاک امید کے موافق اور خوف سے مامون فرما دیتے ہیں۔ (مسند احمد، ابن حبان، اتحاف جلد۱۰ صفحہ۲۷۷)

زندگی میں تو ڈراؤ اور موت کے وقت امید دلاؤ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ جب تم کسی آدمی کو انتقال کرتا دیکھو تو ان کو خوش خبری سناؤ رب سے ملاقات بتاؤ، اس سے اللہ پاک کے ساتھ حسن ظن ہوگا اور زندگی میں اسے ڈراؤ۔

(اتحاف جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۷)

حسن ظن کی قیمت جنت ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ تم میں سے ہر ایک مرنے کے وقت خدائے پاک کے ساتھ حسن ظن رکھے، اللہ کے ساتھ حسن ظن کی قیمت جنت ہے۔ (اتحاف جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۷)

گمان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے معاملہ فرمایا

جابر بن وداعۃ نے کہا ان کے جوان لڑکے کا جب انتقال ہونے لگا تو اس کی ماں نے کہا بیٹا کوئی وصیت کرتے ہو، اس نے کہا ہاں، میری انگوٹھی جو ہے اسے میرے ہاتھ سے نہ نکالنا اس میں خدا کا ذکر ہے، شاید اس کی وجہ سے وہ مجھ پر رحم فرمائے، چنانچہ ان کے دفن کے بعد ان کو خواب میں دیکھا گیا تو کہا میری والدہ سے کہہ دینا، میری بات نے مجھے نفع پہنچایا اور میری مغفرت ہوگئی۔

فائدہ: یعنی گمان کیا تھا کہ ذکر اللہ کی برکت سے میری مغفرت ہو جائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، گمان کے مطابق اللہ پاک نے معاف فرما دیا۔

وفات سے پہلے پڑھنے پر شہید کا درجہ

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو میں وہ اسم اعظم نہ بتا دوں جس کے ذریعہ جب دعاء کی جائے تو قبول کی جاتی ہے، سوال کیا جاتا ہے تو پورا کیا جاتا ہے، جس سے حضرت یونس علیہ السلام نے دعا کی تھی، کہ انہوں نے رات کی ۳/تاریکی دعا کی تھی۔

وہ: **لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین** ہے۔

اس پر ایک آدمی نے عرض کیا یہ دعا صرف حضرت یونس علیہ السلام کے لئے خاص تھی یا عام مؤمنین کے لئے بھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے قول کو نہیں سنا۔

فنجیناہ من الغم وکذلك ننجی المؤمنین۔ ہم نے ان کو غم سے نجات دی اسی طرح ہم مؤمنین کو نجات دیتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اسے مرض اور بیماری کے موقعہ پر ۴۰/مرتبہ پڑھ لے اور پھر اسی بیماری میں انتقال ہو جائے تو اسے شہید کا ثواب ملے گا، اور اگر اس مرض سے اچھا ہوگیا تو گناہوں سے مغفرت ہو جائے

گی۔ (مستدرک حاکم جلد۱ صفحہ ۵۰۶، حصن صفحہ ۳۸۰، نزل الابرار صفحہ ۲۷۹)

فائدہ: خیال کرکے اس دعا یونس کو مرض الموت میں پڑھ لیا جائے تھوڑا عمل اور عظیم شہادت کا ثواب۔ وفات سے پہلے پڑھ لے تو رضوان الٰہی اور جنت کا باعث۔

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مرفوع روایت ہے کہ اگر یہ دعا تم پڑھ لو اور اسی مرض میں مر جاؤ تو تمہارے لئے رضوان خداوندی اور جنت ہے اگر گناہگار ہوگے تو گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

”لا اله الا اللّٰه يحيي ويميت وهو حيٌّ لا يموت سبحان اللّٰه رب العباد والبلاد والحمد للّٰه حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه على كل حال واللّٰه اكبر كبيرا كبرياؤه وجلاله وقدرته بكل مكان، اللهم ان كنت امرضني لِتَقْبِضَ روحي في مرضي هذا فاجعل روحي في ارواح من سبقت لهم منك الحسنى واعذني من النار كما اعذت اولئك الذين سبقت لهم منك الحسنى.“ (شرح الصدور صفحہ ۴۰)

بوقت وفات کہنے سے جنت نصیب

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا جو شخص وفات کے وقت ان کلمات کو کہہ لے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

۳/مرتبہ۔ لا اله الا اللّٰه الحليم الكريم۔ ۳/مرتبہ۔ الحمد للّٰه رب العلمين. ۳/مرتبہ۔ تبارك الذي بيده الملك يحيي ويميت وهو على كل شي قدير۔ (شرح الصدور صفحہ ۴۰)

موت سے پہلے ہوسکے تو پاک صاف بہتر کپڑے پہن لے

حضرت ابوسعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی موت کا وقت جب آیا تو انہوں نے بہتر کپڑے منگوائے اور انہیں پہن لیا، اور فرمایا میں نے رسول پاک ﷺ سے سنا، میت اسی کپڑے میں اٹھایا جائے گا جس میں اسے موت آئی ہے۔ (سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۸۴، جمع الفوائد صفحہ ۲۷۲، حاکم جلد ۱ صفحہ ۳۴۰)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت نظیف اور صاف و پاک کپڑے بدن پر رہیں، اگر علامتوں سے موت کا علم ہوجائے تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ احادیث صحیحہ میں تو ہے کہ انسان کا حشر قبر سے ننگے بدن ننگے پیر ہوگا، علامہ خطابی نے دونوں حدیثوں کی رعایت کرتے ہوئے کہا اولاً تو ان کے کپڑوں میں اٹھایا جائے گا پھر حشر میں ننگے بدن ہوجائیں گے۔ (تلخیص صفحہ ۱۱۶)

اسی طرح ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ اولاً تو قبروں سے اپنے کپڑوں میں ملبوس ہوں گے پھر حشر میں ننگے ہوجائیں گے۔ اسی طرح ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ نظافت کی حالت میں موت کے فرشتوں کا اکرام اور استقبال

ہے، کہ ان کو نظافت اور صفائی پسند ہے اسی لئے طہارت کی حالت میں مرنا مستحب ہے۔ (مرقاۃ جلد۴ صفحہ ۳۶)

اچھی موت کی علامت

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کی موت پیشانی کے پسینہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ (ترمذی صفحہ ۱۹۲، ابن ماجہ صفحہ ۲۵۹، کشف الاستار جلد ۱ صفحہ ۲۷۰، حاکم جلد ۱ صفحہ ۳۶۱)

فائدہ: پیشانی کے پسینہ کا مطلب ملاعلی قاری نے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یا تو مطلب یہ ہے کہ اسے موت کی شدت اور کلفت محسوس ہوتی ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کی وہ پریشانی جو حلال کمائی کی طلب میں، نماز روزے اور دیگر عبادت کی ادائیگی میں تعب و مشقت اٹھائے ہوئے موت آجاتی ہے، یعنی عیش اور تنعم کی زندگی میں موت نہیں آتی۔ (مرقاۃ المفاتیح جلد ۴ صفحہ ۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں موت کے وقت مؤمن کی پیشانی پر پسینہ آنا اس وجہ سے کہ جو گناہ (زندگی کا) رہ جاتا ہے اس کے عوض موت کے وقت سختی دی جاتی ہے تو اس سے پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے۔ (اتحاف الخیر جلد ۳ صفحہ ۲۹۳، مطالب عالیہ جلد ۱ صفحہ ۱۹۴)

موت کے وقت پیشانی پر پسینہ آنا اچھی علامت ہے

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ وہ خراسان میں تھے، اپنے بھائی کی جو مریض تھے ان کی عیادت میں گئے، تو ان کو موت (نزع) کی حالت میں پایا، اور ان کی پیشانی سے پسینہ نکل رہا تھا، تو انہوں نے (مارے خوشی کے کہا، اللہ اکبر، کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا، مؤمن کی موت کے وقت پیشانی پر پسینہ آتا ہے۔ (الفتح الربانی جلد ۷ صفحہ ۵۹)

عمارہ نے بیان کیا کہ وہ حضرت عبداللہ کے اصحاب کے پاس ان کے مرض الموت کی حالت میں گئے، تو ان کی پیشانی پر پسینہ دیکھا، ایک آدمی ان کی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا، تو ان کے ہاتھ پر مارا، (منع کیا) حضرت سفیان نے کہا حضرات صحابہ پیشانی پر پسینہ آنا پسند کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۷۰)

فائدہ: شرح مرقات میں ہے کہ پیشانی پر پسینہ آجانا اچھی پہچان ہے، ایک قول یہ ہی ہے کہ بشارت پر خجل و شرمندگی کی وجہ سے پسینہ آجاتا ہے، کہ ادھر سے گناہ اور ادھر سے مغفرت۔ (مرقاۃ المفاتیح جلد ۵ صفحہ ۳۰۱)

شرح صدور میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مؤمن کی خطاؤں میں سے اگر کوئی خطا باقی رہ جاتی ہے تو مرتے وقت پیشانی کے پسینہ سے اس کا کفارہ کر دیا جاتا ہے، ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے ہے کہ پیشانی پر پسینہ آنا اس بات کی علامت ہے کہ اپنے کئے ہوئے کاموں پر شرمندہ ہے اور کافر میں چونکہ حیا کا نام نہیں۔ اس لئے پسینہ نہیں۔ (شرح صدور صفحہ ۳۲)

خاتمہ بالخیر کی علامت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پاک جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے استعمال کر لیتا ہے، پوچھا کیسے استعمال فرماتے ہیں، فرمایا موت سے قبل اچھے اعمال کی توفیق دے دیتا ہے۔ (ترمذی، حاکم، اتحاف ۱۰، صفحہ ۲۷۳)

فَائِدَہ: مطلب یہ ہے کہ جس کا خاتمہ بالخیر ہونا ہوتا ہے، اللہ پاک اسے موت سے پہلے اعمال صالحہ کے لئے قبول کر لیتا ہے، اور وہ اچھے اعمال عبادت تلاوت ذکر استغفار اور صدقہ خیرات وغیرہ میں اہتمام کرنے لگ جاتا ہے۔ چنانچہ شرح احیاء میں علامت خاتمہ بالخیر کے ذیل میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں آخر وقت میں کیا خاک مرد مسلمان ہوں گے غلط ہے۔

ابن الجوزی کہتے ہیں جب میرے استاذ ابوبکر بن حبیب کا انتقال ہونے لگا تو شاگردوں نے کہا کچھ وصیت فرما دیجئے فرمایا ۳/ چیزوں کی وصیت کرتا ہوں اللہ کا خوف، اس کا تنہائی میں مراقبہ اور جو چیز مجھے پیش آ رہی ہے یعنی موت اس کا خوف رکھا جائے مجھے اکسٹھ برس گزر گئے لیکن میں نے گویا دنیا کو دیکھا بھی نہیں، (ایسے جلدی گزر گئے) اس کے بعد ایک پاس بیٹھنے والے سے پوچھا دیکھو میری پیشانی پر پسینہ آگیا اس نے عرض کیا آگیا، فرمایا اللہ کا شکر ہے یہ ایمان پر موت کی علامت ہے۔ (فضائل اعمال دوم صفحہ ۴۸۲)

امام غزالی جن کی کتاب احیاء العلوم مشہور ہے دوشنبہ کی صبح کی نماز وضو کر کے پڑھی پھر اپنا کفن منگایا اس کو چوما، آنکھوں پر رکھا، اور کہا کہ بادشاہ کی خدمت میں (اللہ کی بارگاہ میں) حاضری کے لئے بڑی خوشی سے حاضر ہوں، یہ کہہ کر قبلہ رخ پاؤں پسار کر لیٹ گئے اور فوراً انتقال کر گئے۔ (فضائل اعمال صفحہ ۴۸۲)

حضرت عبداللہ بن موسیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علی بن صالح کا انتقال ہوا میں سفر میں تھا، (ان کے بھائی نے یہ واقعہ سنایا) جب ان پر نزع کی تکلیف شروع ہوئی تو مجھ سے پانی مانگا میں پانی لے کر گیا کہنے لگے میں نے تو پی لیا میں نے پوچھا کس نے پلایا، کہنے لگے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کی بہت سی صفوں کے ساتھ تشریف لائے تھے اور مجھے پانی پلا دیا، مجھے خیال ہوا کہیں غفلت میں نہ کہہ رہے ہوں اس لئے میں نے پوچھا کہ فرشتوں کی صفیں کس طرح تھیں کہنے لگے اوپر نیچے اس طرح تھیں، ایک ہاتھ کو دوسرے کے اوپر کر کے بتایا۔

(فضائل صفحہ ۴۸۱)

امام غزالی نے احیاء العلوم میں بیان کیا کہ حسن خاتمہ کی یہ علامات ہیں جو بوقت موت پائی جاتی ہیں۔

1. سنجیدگی اور طمانیت کا پایا جانا یعنی اچھلنا حرکت کرنا وغیرہ نہ ہو۔
2. زبان سے کلمہ کی ادائیگی ہو۔

④ دل سے خدائے تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن ہو۔

شرح احیاء میں ہے کہ جب آنکھیں ڈبڈبا جائیں پیشانی پر پسینہ آجائے، سانس لڑکھڑا جائے تو یہ رحمت خداوندی کی علامت ہے، اس کے برخلاف منہ میں جھاگ نکلنے لگے چہرہ سرخ ہو جائے، گلا گھوٹنے کی طرح آواز آنے لگے تو یہ گرفت الٰہی کی پہچان ہے (بہتر بات نہیں)۔ (شرح احیاء جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۳)

موت سے قبل استغفار کی کثرت اچھی علامت ہے

محدث ابن عساکر نے زید ابن اسلم کی روایت ان کے والد سے نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کی اس حدیث کا ذکر کیا کہ کوئی مسلمان ۲؍رات بھی ایسی نہ گزارے مگر یہ کہ وصیت نامہ اس کے سر کے پاس لکھا رہے، چنانچہ میں نے (اس حدیث پاک پر عمل کرنے کے لئے) کاغذ و دوات منگایا کہ اپنی وصیت لکھ ڈالوں، مگر نیند ایسی غالب آئی کہ میں سوگیا، اور لکھ نہ سکا، اسی درمیان کہ میں سو رہا تھا (خواب میں) دیکھا کہ سفید پوش خوبصورت خوشبو سے معطر ایک شخص گھر میں داخل ہوا، میں نے اس سے کہا اے فلاں کس نے تم کو اس گھر میں داخل کیا، اس نے جواب دیا اس گھر کے مالک نے مجھے داخل کیا، میں نے پوچھا تم کون ہو، اس نے کہا میں ملک الموت ہوں، میں خوفزدہ ہوگیا، اس نے کہا مت خوف کرو، مجھے (ابھی) تمہاری روح کے قبض کرنے کا حکم نہیں ہوا، تو میں نے کہا پھر جہنم سے ایک براءت نامہ لکھ دو، اس نے کہا لاؤ دوات کاغذ میں نے کاغذ و دوات کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے رکھ کر سو گیا تھا، میرے سر کے پاس پڑا تھا میں نے اسے دے دیا۔ اس نے لکھا، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم استغفراللّٰہ، استغفراللّٰہ یہاں تک کہ پورے کاغذ پر دونوں طرف بھر دیا، پھر اس نے مجھے دے دیا اور کہا یہ ہے براءت نامہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، میں خوفزدہ ہوکر بیدا ہوا، اور چراغ منگایا، اور دیکھا تو میرے سرہانے کاغذ پڑا ہوا تھا اور اس میں دونوں طرف استغفراللّٰہ استغفراللّٰہ سے لکھا بھرا تھا۔

فَائِدَة: اس سے معلوم ہوا کہ موت سے قبل جہنم سے برأت میں استغفار کو عظیم دخل ہے، اور اس کا کثرت سے وِرد رکھنا چاہئے۔ (اتحاف جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۳)

محدث ابن عساکر نے ذکر کیا ہے کہ ابوزرعہ نے کہا کہ مجھ سے نجیب بن ابج عبید البشری نے کہا میں نے ملک الموت کو خواب میں دیکھا اس نے مجھ سے کہا کہ اپنے والد سے کہہ دو، کہ وہ نماز میں مشغول ہو جائے، تاکہ اس کی روح کے قبض میں نرمی اور سہولت کرسکوں۔ (شرح احیاء جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۳)

والدین کی ناراضگی برے خاتمہ کا سبب

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس ایک شخص آیا کہ ایک نئی

عمر کا شخص ہے (موت کا وقت ہے) جب اسے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کو کہا جاتا ہے تو نہیں پڑھ سکتا، آپ نے پوچھا نماز پڑھتا تھا کہا ہاں آپ ﷺ اٹھے ہم لوگ بھی اٹھے اور اس جوان کے پاس آئے آپ نے اسے تلقین فرماتے ہوئے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہو اس نے کہا میں بول ہی نہیں سکتا اور اس نے والدہ کو ناراض کر رکھا تھا آپ ﷺ نے پوچھا اس کی والدہ زندہ ہے، لوگوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا ہاں ان کو بلاؤ پس بلایا تو وہ آئی آپ نے پوچھا یہ تمہارا بیٹا ہے اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اچھا بتاؤ اگر آگ بھڑکائی جائے اور تم سے کہا جائے اگر سفارش کرو تو میں اسے چھوڑ دوں ورنہ آگ میں جلا دوں تو تم اس کی سفارش کرو گی، (کہ تمہارے سامنے آگ میں نہ جل سکے) اس نے کہا ہاں اللہ کے رسول میں شفاعت کروں گی آپ نے فرمایا تم اللہ کو گواہ بناؤ اور مجھے گواہ بناؤ کہ میں اس (لڑکے) سے راضی ہوں چنانچہ اس نے کہا اے اللہ میں آپ کو آپ کے رسول کو گواہ بناتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں، چنانچہ آپ نے اس جوان سے کہا اے نوجوان کہو **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ** پس اس نے کہہ دیا فرمایا رسول پاک ﷺ نے شکر اللہ کا یہ میری وجہ سے جہنم سے بچ گیا۔ (بیہقی فی الشعب جلد ۶ صفحہ ۲۱۷، ترغیب صفحہ ۲۳۲، شرح احیاء جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۵)

فائدہ: اس قدر خوف کی بات ہے کہ والدین کی ناراضگی سوء خاتمہ کا باعث ہے یہ واقعہ بڑی عبرت اور سبق کا ہے آج کی دنیا اسی حالت سے گزر رہی ہے کتنوں نے اپنے والدین کو ناراض کر رکھا ہے اور کوئی خوف نہیں۔

اکابر و اسلاف کو برا کہنا سوء خاتمہ کا سبب

عبدالرحمٰن محاربی سے روایت ہے کہ ایک شخص کی وفات کا وقت قریب آگیا اسے کلمہ طیبہ پڑھنے کو کہا گیا، اس نے جواب دیا میں اس کے پڑھنے پر قادر نہیں، کیونکہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا جو مجھے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے برا بھلا کہنے کی تلقین کرتے تھے۔ (شرح الصدور صفحہ)

دیکھئے اکابر و اسلاف حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو برا و بھلا کہنے کی وجہ سے کلمہ نہ پڑھ سکے اور بری موت مرے، اس سے معلوم ہوا کہ اکابر اور اسلاف صالحین کو برا بھلا کہنا، ان پر سوء ظن قائم کرنا، ان کی شان میں بے ادبی کرنا برے خاتمہ کا سبب ہے، اللہ حفاظت فرمائے کیسی بری بلاء ہے۔

پریشانی اور مصائب سے تنگ آکر موت کی تمنا نہ کرے ہاں یہ کر سکتا ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کسی مصیبت سے پریشان ہو کر موت کی دعا نہ کرے، ہاں مجبور ہو جائے تو یہ دعا کرے۔

"**اللھم احیینی ما کانت الحیاۃ خیرا لی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیرالی.**"

(بخاری صفحہ ۸۴۷، مسلم صفحہ ۳۴۲، صحاح، نسائی صفحہ ۲۵۸)

دینی فتنہ کے مقابلے میں موت کی تمنا کر سکتا ہے

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے۔

"اللهم انى اسئلك فعل الخيرات وترك المنكرات وحب المساكين، واذا ارادت فتنة فاقبضنى اليك غير مفتون."

ترجمہ: "اے اللہ نیکی کے کرنے کا برائی کے چھوڑنے کا مساکین کی محبت کا سوال کرتا ہوں، اور جب فتنہ کا ارادہ فرمائیں تو فتنہ سے پہلے ہمیں وفات دے دیں۔"

شرح احیاء میں ہے کہ فتنہ میں ابتلا کے خوف سے موت کی تمنا اور دعا جائز ہے۔ (اتحاف جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۴)

فتنہ سے پریشان ہوکر موت کی تمنا قیامت کی علامت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ آدمی کسی کی قبر کے پاس سے نہ گزرے گا مگر یہ کہ وہ تمنا کرے گا کاش میں اس کی جگہ ہوتا۔

(مالک اتحاف السادۃ جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۴)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ بددینی کی حالت کو دیکھ کر جو دین مذہب کو ختم کرنے والا ہو مذہبی امور کو انجام دیتے ہوئے زندگی گزارنا مشکل ہو بددینی کا فتنہ عام ہوگیا ہو، تو ایک دیندار آدمی اس فتنے سے محفوظ قبر میں لوگوں کو دیکھ کر وہ بھی تمنا کرے گا کہ کاش میں بھی مرگیا ہوتا اور قبر میں چلا گیا ہوتا تو اس فتنہ سے محفوظ ہو جاتا۔

خیال رہے کہ اب ایسے حالات سنت و شریعت پر باقی رہ کر زندگی گزارنے والے کو پیش آنے لگے ہیں کہ دین و شریعت و سنت کو جاری رکھ کر اور اسے عملی زندگی میں لا کر زندگی گزارنا مشکل ہو رہا ہے۔ ماحول کی بددینی گناہ کی طرف کھینچ رہی ہے۔

آپ موت کی تمنا سے سختی سے منع فرمایا کرتے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موت کی تمنا سے منع فرماتے، اگر نیک ہے تو زندگی کی وجہ سے اس کی نیکیاں زائد ہوں گی جس میں اس کی بھلائی ہے، اور اگر برا ہے تو شاید توبہ کی توفیق مل جائے۔ (نسائی صفحہ ۲۵۸، اتحاف السادہ جلد ۸ صفحہ ۲۲۴، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۵۴)

موت کی تاخیر بہرصورت ہر ایک کے لئے بہتر ہے

حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عباس کی بیماری کی حالت میں آپ تشریف لے گئے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ موت کی تمنا اور خواہش کرنے لگے، تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے چچا موت کی تمنا مت کیجیے، اگر آپ نیکی کرنے والے ہیں تو اس کی تاخیر آپ کی نیکیوں کو اور بڑھائے گی جو بہتر

ہوگی۔ اگر آپ (بالفرض) برے ہیں تو موت کا موخر ہونا سبب بن سکتا ہے آپ کی برائیوں سے توبہ کا، پس موت کی تمنا نہ کیجئے۔ (اتحاف جلد۸ صفحہ۲۳۴، بسند احمد، طبرانی کنز العمال صفحہ۵۵۵)

حضرت قاسم مولی معاویہ سے مرسلاً مروی ہے کہ موت کی تمنامت کرو، اگر تم اہل جنت میں سے ہوتو تمہارا باقی رہنا اچھا اور بھلا ہے اور اہل دوزخ میں سے ہوتو پھر جلدی کیوں۔ (آئندہ نیکی یا توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے)۔ (کنز العمال جلد۱۵ صفحہ۵۵۳، اتحاف جلد۸ صفحہ۲۳۴)

کسی دنیاوی پریشانی کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کسی دنیاوی پریشانی کے پیش آنے پر موت کی تمنا نہ کرو۔ (بخاری مختصراً صفحہ۸۴۷، ابن حبان کنز العمال جلد۱۵ صفحہ۵۵۴)

موت کی سختی اور شدت کا احساس ہوتو کیا کہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ موت کی حالت میں ان کے پاس پانی کا پیالہ تھا اس میں ہاتھ مبارک داخل فرماتے اور اسے چہرے مبارک پر ملتے اور یہ دعا فرماتے۔

"اللھم اعنی علی غمرات الموت وسکرات الموت."

ترجمہ: "اے اللہ موت کی شدت اور سختی میں مدد فرما" (ترمذی صفحہ۱۹۲، مسند احمد مرتب جلد۷ صفحہ۶۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے۔

"اللھم ھون علی محمد سکرات الموت." (اتحاف السادۃ صفحہ۲۵۹)

ترجمہ: "اے اللہ محمد پر موت کی سختی کو آسان فرما۔"

طعمہ بن غیلان کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

"اللھم انک تاخذ الروح من بین الغصب والعقب والانامل اللھم فاعنی عِندَ الموت وھو نہ علی."

ترجمہ: "اے اللہ آپ روح کو پٹھوں سے ہڈیوں سے اور انگلیوں سے نکالتے ہیں اے اللہ تو موت کے وقت ہمارا تعاون فرما اور اس کو ہم پر آسان فرما۔" (اتحاف جلد۱۰ صفحہ۲۶۰، ابن ابی الدنیا)

آپ موت کے وقت کیا دعا فرماتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے جسم پر سہارا لگائے ہوئے تھے (موت کی حالت طاری ہونے پر) یہ پڑھ رہے تھے۔

"اللھم اغفر لی وارحمنی والحِقنِیْ بالرفیق الاعلٰی." (بخاری صفحہ ۸۴۷)

ترجمہ: "اے اللہ میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، اور مجھے ملاء اعلیٰ کی جماعت میں شامل فرما۔"

فائدہ: ملاء اعلیٰ سے مراد ملائکہ مقربین کا عالم ہے۔

نیکوں اور صالحین کو موت کے وقت شدت اور پریشانی

قتادہ نے کہا کہ حضرات صحابہ کرام نے پوچھا اے رسول اللہ ﷺ ہم دیکھتے ہیں جو نیک صالح ہوتے ہیں وہ بیمار پڑتے ہیں موت کے وقت ان پر مصائب اور سختی ہوتی ہے اور وہ آدمی بھی جس میں ہم کوئی نیکی نہیں دیکھتے بیمار پڑتا ہے (مرض الموت میں گرفتار ہوتا ہے) موت بہت آسانی سے آجاتی ہے (کوئی شدت اور پریشانی نہیں ہوتی) تو آپ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کا جو کوئی گناہ باقی رہ جاتا ہے تو موت کے وقت اس پر سختی کی جاتی ہے، تا کہ اللہ پاک سے ملاقات اس کی اس حالت میں ہو کہ اس پر کوئی گناہ نہ ہو۔ اور منافق (فاسق) کی کچھ نیکیاں جو باقی رہ جاتی ہیں تو اس کے بدلے اس پر آسان کردی جاتی ہے کہ خدا سے اس حالت میں اس کی ملاقات ہوتی ہے کہ کوئی نیکی اس کے پاس نہیں ہوتی۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۹۶)

موت کے وقت کی سختی محبوب

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھ پر موت کی سختی نہ ہو، چونکہ یہ آخری وقت ہے جس سے مسلمانوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

فائدہ: چنانچہ عامری نے شرح شہاب میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے پر اکرام کا معاملہ کرنا چاہتا ہے اسے اپنی ملاقات (موت کے وقت) گناہوں سے پاک وصاف کردیتا ہے موت کی سختی اور پریشانی نواز کر، جیسا کہ امراض اور مصائب کو زندگی میں موت سے قبل گناہوں کی معافی کا ذریعہ اور سبب بنا دیتا ہے۔ (گویا کہ موت کی سختی مؤمنین کے لئے سعادت مندی کی علامت ہے)۔ (شرح احیاء صفحہ ۲۲۸)

میت کو موت کے وقت سختی کیوں؟

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ مؤمن جو برا عمل کرتا ہے اس کی وجہ سے موت کے وقت اس پر سختی ہوتی ہے تا کہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

اور کافر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو موت کے وقت اس پر آسانی کردی جاتی ہے تا کہ اسے جزاء (اسی دنیا میں) مل جائے۔ (کنز العمال صفحہ ۵۶۴)

فائدہ: خیال رہے کہ موت کے وقت کی سختی کوئی بری علامت نہیں، بسا اوقات مؤمن کو یہ سختی دی جاتی ہے

تا کہ دنیا سے گناہوں سے پاک ہوکر آخرت جائے اور وہاں کی تکلیف نہ بھگتنی پڑے، موت کی تکلیف اور شدت تو حضرات انبیاء کو بھی محسوس ہوتی ہے، دوسری طرف کافر کو اگر اس نے کوئی نیک عمل کیا تو اس کی جزا چونکہ دنیا میں ملنی ہوتی ہے، اس لئے موت کے وقت سہولت کی جزاء دے دی جاتی ہے، تا کہ آخرت میں نیکی اور جزا حسنہ کا کوئی حصہ باقی نہ رہے۔

موت کے وقت کی شدت اور سختی آپ کو بھی ہوئی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی شدت اور سختی دیکھ کر (دونوں کے لئے) بہتر اور قابل رشک سمجھتی کہ اس سے موت کی آسانی اور سہولت ہوتی ہے۔

(ترمذی صفحہ ۱۹۲، شرح احیاء صفحہ ۲۶۰)

مطلب یہ ہے کہ پہلے تو اچھا اور بہتر سمجھتی تھی کہ کسی کو موت کی سختی اور شدت حاصل نہ ہو، اور اس کو برا اور بہتر نہ سمجھتی تھی کہ موت کی شدت میں کوئی مبتلا ہو، لیکن جب میں نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی شدت اور سختی دیکھی کہ دعا بھی خفت کی فرما رہے تھے اور چہرے پر بار بار پانی سے ہاتھ پھیر رہے تھے، تو سمجھ گئی کہ یہ بری علامت نہیں۔

ممکن ہے آپ کو یہ سختی امت کی تسلی اور تعلیم اور انتباہ کے لئے دی گئی ہو یہ بسا اوقات صالحین کو طبعاً یا رفع درجات کے لئے ہوتی ہے۔

موت کے وقت کی پریشانی دیکھ کر حضرت فاطمہ پر اثر

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر جب موت کی شدت اور تکلیف کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا تو کہا، ہائے رے مصیبت، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے بیٹی تمہارے باپ پر وہ (موت کی سختی) پیش آئی ہے جس سے اللہ پاک کسی کو نہیں چھوڑے گا، قیامت کے دن پانے کے لئے۔

(مسند احمد، مرتب جلد ۷ صفحہ ۶۶)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود یکہ مقربین رسول تھے معصوم تھے، خدا کے محبوب اور لاڈلے تھے مگر پھر بھی آپ کو پریشانی ہوئی، یہ پریشانی طبعی تھی، روح کے جسم سے نکلنے کا تعب تھا، جو ہر ایک کو ہوگا، کوئی اس سے بچ نہیں سکتا، اور موت ضروری ہے چونکہ قیامت قائم ہوئی ہے، لہٰذا جب موت ضروری تو موت کی تکلیف بھی جو جسمانی اور طبعی ہے لازم ہے، شرح مسند احمد میں ہے کہ موت کی تکلیف ہر ایک کو ہوتی ہے حتیٰ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے، خواہ امیر ہو یا غریب ہو یا ولی یا پیغمبر۔

(شرح مسند احمد جلد ۷ صفحہ ۶۸)

شہیدان جہاد کو موت کی پریشانی نہیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب جہاد کی ترغیب دیتے تو فرماتے اگر تم قتل (شہید) نہ کئے گئے تو بستر پر مرو گے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ہزار جگہ تلوار کی کاٹ سے مرنے کی تکلیف زیادہ سخت ہے۔ (فضائل صدقات صفحہ ۴۶۲)

موت فتنہ اور ابتلاء میں پڑنے سے بہتر ہے

حضرت محمود بن لبید کی روایت میں ہے کہ دو چیزوں کو ابن آدم ناپسندیدہ سمجھتا ہے، موت کو پسند نہیں کرتا حالانکہ فتنہ سے موت بہتر ہے، اور مال کی قلت کو پسند نہیں کرتا حالانکہ اس میں حساب کی کمی ہے۔

(مسند احمد اتحاف صفحہ ۲۳۰)

زرعہ بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آدمی زندگی کو محبوب رکھتا ہے حالانکہ موت اس کے لئے بہتر ہے اسی طرح مال کی فراوانی کو پسند کرتا ہے حالانکہ مال کی کمی بہتر ہے حساب کی کمی کی وجہ سے۔

(اتحاف جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۰)

جہاں موت مقدر ہوتی ہے وہاں ضرورت اسے کھینچ لاتی ہے

حضرت مطر بن عکاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندے کی موت کا اللہ پاک جس زمین پر فیصلہ فرماتے ہیں، اس کی طرف اللہ پاک ضرورت پیدا فرما دیتے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ جس جگہ اللہ موت کا فیصلہ فرماتے ہیں اس زمین کی طرف محبت اور ضرورت وابستہ فرما دیتے ہیں۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۶، حاکم، الفتح جلد ۷ صفحہ ۶۹)

عروہ بن مفرس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پاک جس زمین پر روح قبض فرمانا چاہتے ہیں وہاں اس کی ضرورت مقرر کر دیتے ہیں۔ (حاکم البلوغ الامانی صفحہ ۶۹)

ابو عزہ ہزلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پاک جس بندے کی جس زمین پر روح قبض کرنا چاہتے ہیں تو وہاں اس کی ضرورت وابستہ فرما دیتے ہیں پس وہ اس زمین پر پہنچ جاتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت الساعه ...... بای ارض تموت تک پڑھی۔ (تفسیر القرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۸۴)

فائدہ: یعنی جہاں موت مقدر ہوتی ہے وہاں کسی نہ کسی بہانے پہنچ جاتا ہے۔

شیطان موت کے وقت سب سے زیادہ قریب

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ شیطان سب سے زیادہ انسان کے قریب موت کے وقت ہوتا ہے۔

عطاء بن یسار سے مرسلاً مروی ہے کہ اللہ کا دشمن (شیطان) اس وقت (نزع کے وقت) انسان کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

ابوالحسین برجمی کی روایت میں ہے کہ انسان کا جس وقت دنیا سے جدائیگی کا وقت ہوتا ہے خدا کا دشمن ابلیس سب سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ (شرح احیاء، جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۲)

فَائِدَہ: مطلب یہ ہے کہ شیطان جب نزع کا وقت ہوتا ہے تو سب سے قریب ہو جاتا ہے، اور اس کے بالکل سینہ کے مقابلہ یا سامنے آجاتا ہے اور اسے بہکاتا ہے کفریہ باتوں کو دلیل سے سمجھاتا ہے، کفر اور شرک اور خدا کی شان میں گستاخانہ باتوں کو باطل دلائل سے سمجھا کر ہاں کراتا ہے تاکہ کفر پر اس کا انتقال ہو، عین آخری وقت میں آکر اسے سمجھاتا ہے جیسے ہی شیطان کی کفریہ باتوں پر ہاں کہتا ہے ادھر نزع روح ہو جاتی ہے، اللھم احفظنا عموماً وہ لوگ جن کی زندگی گناہوں۔ فسق میں گزرتی ہے جن کے گناہ نیکیوں سے زائد ہوتے ہیں جو ہمیشہ دنیا میں پھنسے رہتے ہیں، جن کو فرائض واجبات نماز روزہ سے تعلق نہیں ہوتا نماز تلاوت کے پابند نہیں ہوتے، جن کا مزاج دینی نہیں ہوتا جو آخرت کے اعمال سے غافل رہتے ہیں، شاذ و نادر ذکر استغفار کرتے ہیں ان پر ایسے وقت میں شیطان اور ابلیس کا حملہ کامیاب ہوتا ہے، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اور موقعوں پر تو ابلیس کی ذریات بہکانے آتی ہے مگر جانکنی کے وقت خود ابلیس آتا ہے تاکہ اپنے حربہ اور مکر و فریب سے انسان کا آخری وقت خراب کر دے اور سوءِ خاتمہ میں مبتلا کر کے اسے جہنم میں دھکیل دے۔ اللھم احفظنا.

امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا واقعہ

حضرت امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے صاحبزادے فرماتے ہیں، میرے والد کا جب انتقال ہونے لگا، تو میں ان کے پاس بیٹھا تھا کپڑا میرے ہاتھ میں تھا تاکہ انتقال کے بعد جبڑا باندھ دوں ان کو غشی ہو جاتی تھی جس سے ہمیں یہ خیال ہوتا تھا کہ انتقال ہو گیا، پھر افاقہ ہو جاتا تھا اور اس وقت وہ کہتے کہ ابھی نہیں ابھی نہیں، جب تیسری مرتبہ یہی صورت پیش آئی تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ یہ کیا فرماتے ہیں فرمانے لگے بیٹا تمہیں خبر نہیں شیطان ملعون میرے پاس کھڑا ہے اور رنج اور غصہ سے اپنی انگلی منہ سے دبا رہا ہے اور کہتا ہے اے احمد تو میرے ہاتھ سے نکل گیا، جب وہ کہتا ہے تو میں کہتا ہوں ابھی نہیں چھوٹا (اتنے جان نہ نکل جائے) تجھ سے اطمینان نہیں۔ (فضائل صفحہ ۴۸۱)

فَائِدَہ: دیکھئے حضرت امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کتنے بڑے جلیل القدر عالی مرتبہ بلند پایہ خدا کے مقرب اور برگزیدہ بندے تھے ان کو شیطان نے کس طرح مکر و فریب سے متاثر کرنا چاہا تھا اور کس طرح ان کے پیچھے پڑا، تو عامۃ الناس ہم جیسوں کے ساتھ ابلیس کی کتنی کوشش اور سعی ہوگی، اور کس قدر نازک وقت ہوتا، اللہ ہی

حفاظت فرمائے اسی لئے تمام خاتمہ بالخیر کی دعا کی تاکید ہے، اور ایسے وقت میں شیطان کے حملے سے بچنے اور حفاظت کی دعا کا حکم ہے۔ (اتحاف صفحہ ۲۷۹)

ملک الموت کے ساتھ رحمت اور عذاب کے فرشتے

حضرت ابوصالح نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے نقل کیا ہے کہ ملک الموت جو تمام جانوں کی روح کو قبض کرتے ہیں ان کے قبضہ میں پوری دنیا اس طرح (سامنے رہتی ہے) جس طرح لوگوں کی ہتھیلی ان کے ساتھ اور قبضہ میں رہتی ہے، اس کے ساتھ ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب رہتے ہیں جب نیک روح ہوتی ہے تو اسے ملائکہ رحمت کے حوالے کرتے ہیں اور بری روح ہوتی ہے تو اسے ملائکہ عذاب کے حوالے کرتے ہیں۔

ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے ذکر کیا ہے کہ ملک الموت کے سامنے پوری دنیا کی زمین اور پہاڑ دونوں رانوں کے درمیان ہے، اس کے ساتھ ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب رہتے ہیں، روح قبض کر کے نیک روح ملائکہ رحمت کے حوالے بروں کی روح ملائکہ عذاب کے حوالے کر دیتے ہیں۔ (اتحاف جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۰)

فائدہ: قبض روح کے بعد رحمت کے فرشتے نیک روحوں کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرتے ہیں اور ملائکہ عذاب بروں کے ساتھ ذلت و رسوائی اور عذاب کا معاملہ کرتے ہیں۔

موت کے وقت اس کے ہمسر جلساء کا استحضار ہو جاتا ہے

حضرت یزید بن شجرہ صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا جو شخص بھی مرتا ہے تو اس کی موت نزع کے وقت ہم مشرب رفقاء اور ہم نشینوں کا استحضار ہو جاتا ہے چنانچہ اگر وہ اہل لہو ولعب میں ہوتا ہے، تو اس کے سامنے وہی لہو لعب والے حاضر ہوتے ہیں، اگر نیک و صالح کا ہم نشیں ہوتا ہے تو انہیں نیکوں کا استحضار ہوتا ہے چنانچہ بیہقی فی الشعب میں ربیع بن برہ کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی سے (موت کے وقت) کہا گیا، لا الہ الا اللہ تو وہ کہنے لگا مجھے شراب دو، مجھے شراب پلاؤ، ایک آدمی جو مقام اہواز میں تھا اس سے (موت کے وقت) کہا گیا کلمہ پڑھ لو تو وہ دس، گیارہ، دس، گیارہ، کہنے لگا۔ (شرح احیاء جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۴)

موت اس کی شدت سختی اور کلفتوں کا ذکر

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مرفوعاً روایت ہے کہ موت کی شدت اور سختی تلوار کی ہزار مار سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (کنز العمال صفحہ ۵۷۰، شرح احیاء جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مرفوعاً مروی ہے کہ موت کی تکلیف نیزے کی مار ہے۔

(کنز العمال صفحہ دو)

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اولاد آدم کی پیدائش جب سے ہوئی ہے موت سے

زیادہ سخت اس پر کوئی تکلیف نہیں۔ (کنز العمال صفحہ دو)

ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے کہ اگر یہ جانور موت کے متعلق وہ جان لیتے جو انسان جانتا ہے تو کبھی بھی کھا کر موٹے نہ ہوتے۔ (کنز العمال صفحہ ۵۷)

عطا بن یسار سے مرسلاً مروی ہے کہ ملک الموت کی تکلیف تلوار کی ہزار چوٹ سے سخت ہے اور ہر مؤمن جس کی وفات ہوتی ہے وہ ہر ہر رگ میں اس کی تکلیف الگ الگ محسوس کرتا ہے۔ اس وقت خدا کا دشمن سب سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے، (بہکانے کے لئے)۔ (کنز العمال صفحہ، اتحاف السادۃ صفحہ ۲۷۱)

ضحاک بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت، قبض روح کی ادنی تکلیف کا بھی تلوار کی سو مار کے مثل ہے۔ (اتحاف)

ابو الشیخ نے بیان کیا کہ فضیل بن عیاض سے پوچھا گیا کہ میت کو قبض روح کے وقت اتنی تکلیف ہوتی ہے اور وہ خاموش پڑا رہتا ہے حالانکہ اسے (قبض روح کے علاوہ میں) ایک چیونٹی کاٹتی ہے تو اچھل اور پھڑک جاتا ہے، جواب دیا کہ فرشتے اسے مضبوطی سے باندھے رکھتے ہیں۔ (اتحاف صفحہ ۲۷۱)

فَائِدَہ: مطلب یہ ہے کہ نزع کے وقت بے انتہا تکلیف سے وہ اچھل کود اس وجہ سے نہیں کر پاتا ہے کہ فرشتے اسے مضبوطی سے کس کر باندھ رہتے ہیں، بخلاف موت کے علاوہ زندگی کی تکلیفوں میں یہ بات نہیں ہوتی اسی لئے وہ چیختا چلاتا اور اچھلتا کودتا ہے۔

حسن بصری نے فرمایا نزع کے وقت سب سے زیادہ تکلیف کی حالت اس وقت ہوتی ہے جب کہ روح حلق کے پاس آتی ہے اس وقت اس کی سانس اوپر نیچے ہوتی ہے۔

علامہ سیوطی نے بیان کیا کہ شہداء کو موت کی تکلیف نہیں ہوتی۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ شہید کو قتل کی تکلیف ایسی ہوتی ہے جیسے چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف ہوتی ہے۔

محمد بن کعب القرظی کی روایت میں ہے کہ سب سے آخر میں ملک الموت کی موت ہوگی جب اسے کہا جائے گا مر جاؤ تو وہ ایک چیخ بڑی زور سے (مارے تکلیف کے) مارے گا کہ اگر اس چیخ کو زمین آسمان والے سنیں گے تو خوف و دہشت کی وجہ سے مر جائیں گے۔

زیاد نمیری نے بیان کیا کہ تمام مخلوق سے زیادہ ملک الموت پر موت کی سختی اور تکلیف ہوگی۔

فَائِدَہ: یعنی موت کی سختی سے حضرت عزرائیل جیسے بلند بالا (فرشتے بھی بچ نہ سکیں گے تو عام مؤمنین کا کیا حال ہوگا کس قدر خوف اور پناہ کی بات ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ملک الموت پہلے مشاہد طور پر کھلم کھلا آتے تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے ایک طمانچہ مارا تو ان کی ایک آنکھ پھٹ گئی، یہ خداوند تعالیٰ کے پاس آئے اور کہا اے رب آپ کے بندے موسیٰ نے میری ایک آنکھ پھوڑ دی، اگر آپ کے نزدیک ان کا مقام نہ ہوتا تو میں بھی ان کو مارتا، تو اللہ پاک نے ان سے فرمایا جاؤ میرے بندے کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کی کھال پر رکھو ہر بال پر سال کی مدت پاؤ گے، آکر انہوں نے کہا اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اس کے بعد پھر۔ کہا موت، تو حضرت موسیٰ نے فرمایا تو پھر اسی وقت چنانچہ انہوں پھول سونگھا ملک الموت نے روح قبض کرلی، اللہ نے ان کی آنکھ درست کردی اس کے بعد لوگوں کے پاس مخفی طور سے آنے لگے۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے بعد ملک الموت پوشیدہ چھپ کر آنے لگے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ آخر مرنا ہی ہے تو اپنے وقت ہی پر موت بہتر ہے، چونکہ جو چیز بعد میں ہو اس کا پہلے ہونا بہتر ہے۔

موت کی شدت اور سختی

سفیان ثوری نے کہا جب ملک الموت (قبض روح کے لئے) انسان کی رگ کو دباتا ہے تو لوگوں کی پہچان بند ہوجاتی ہے بات کی طاقت جاتی رہتی ہے دنیا بھول جاتا ہے اور جو کچھ اس میں ہوتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ملک الموت کے پاس ایک نیزہ ہوتا ہے جو مشرق مغرب تک پہنچ جاتا ہے جب کسی کی موت کا وقت ہوتا ہے تو وہ نیزہ اس کے سر میں مارتے ہیں اور فرماتے ہیں اب موت کے لشکر موت کے فرشتے تمہارے پاس آئیں گے۔ (اتحاف صفحہ ۲۷۳)

ابن حاتم نے حضرت کعب سے نقل کیا ہے کہ کوئی گھر ایسا نہیں جس میں ملک الموت ۷/مرتبہ روزانہ نہ آتے ہوں، وہ دیکھتے ہیں کہ اس میں تو کوئی ایسا نہیں جس کی موت کا حکم ہو۔ (اتحاف جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۲)

حضرت حسن بصری کی روایت میں ہے کہ کوئی گھر ایسا نہیں جس میں ملک الموت دن میں ۳/مرتبہ تلاش کرنے نہ آتے ہوں کہ کون اس میں ہے جس نے اپنا رزق پورا کرلیا اپنی عمر پوری کرلی تو اس کی روح کو وہ قبض کرلیتے ہیں ملک الموت جب روح قبض کرلیتے ہیں تو اس کے گھر والے رونے لگ جاتے ہیں تو ملک الموت اس کے چوکھٹ کو پکڑ کر کہتے ہیں قسم خدا کی نہ میں نے اس کے رزق کو کھایا نہ میں نے اس کی عمر فنا کی نہ میں نے اس کے وقت عمر کو کم کیا، میرا آنا تو تمہارے پاس بار بار ہوتا رہے گا یہاں تک کہ تم میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ (اتحاف جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۲)

حارث ابن خزرج رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مرفوعاً روایت میں ہے کہ ملک الموت نے نبی پاک ﷺ سے فرمایا اے محمد میں اولاد آدم کی روح کو قبض کرتا ہوں جب کوئی چیخ لگاتا ہے تو میں گھر میں کھڑا ہو جاتا ہوں اور اس کی روح میرے قبضہ میں ہوتی ہے اور میں کہتا ہوں کون ہے چیخنے والا نہ کوئی میں نے ظلم کیا نہ میں نے اس کے وقت (موت میں) جلدی کی نہ میں نے اس کے روح کے لینے میں کوئی جرم کیا اگر اللہ کی اس حکمت پر راضی رہو گے تو ثواب پاؤ گے اور اگر ناراضگی ظاہر کرو گے تو گناہ مول لو گے، بوجھ اٹھاؤ گے، اور ہمیں تمہارے پاس بار بار آنا ہے، پس ڈرو، کوئی کچا یا پکا مکان نہیں اور نہ کوئی نیک یا برا نہیں، اور نہ کوئی میدان اور پہاڑ نہیں مگر یہ کہ میں وہاں تلاش کے لئے ہر دن چوبیس گھنٹے آتا رہتا ہوں (کہ کس کی روح کے کھینچنے کا حکم ہے) قسم خدا کی اگر میں چاہوں کہ کسی کے بدلہ کی روح کھینچ لوں تو مجھے بالکل اختیار نہیں یہاں تک کہ خدا ہی اجازت نہ دے دے۔

(شرح احیاء جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۲)

یزید رقاشی سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے بڑے فاخر اور متکبر بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اپنے گھر کے اندر اہل خانہ کے ساتھ بیٹھا تھا، کہ اچانک دروازے سے داخل ہونے والے ایک شخص پر نظر پڑی (جو اس کے گھر میں تنہائی کے موقعہ پر بلا اذن و اجازت لئے چلا آیا اس نے خوفزدہ اور غصہ ہوتے ہوئے پوچھا تم کون ہو اور کس نے میرے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی، اس نے جواب دیا بہر حال جس نے اس گھر میں آنے کا حکم دیا وہ اس گھر کا مالک ہے، اور میں وہ ہوں جس کو کوئی روکنے والا نہیں، روک سکتا، بادشاہوں کے یہاں بھی مجھے اجازت کی ضرورت نہیں پڑتی مجھے کسی ظالم کے حملہ کا بھی خوف نہیں ہوتا، مجھے کوئی ظالم معاند بھی نہیں روک سکتا اور نہ شیطان ہی روک سکتا ہے، پس وہ متکبر بادشاہ گر پڑا اور اس پر رعشہ طاری ہو گیا، چہرے کے بل گرا پھر (ذرا ہوش میں آیا تو) اپنے سر کو اٹھایا اور نہایت ذلت و انکساری سے کہا تب تو آپ ملک الموت معلوم ہوتے ہیں، کہا ہاں میں وہی ہوں تو اس نے کہا ذرا آپ موقعہ مہلت دیجئے کہ میں کچھ کر سکوں (توبہ یا کوئی ضروری کام) جواب دیا، افسوس تمہاری عمر پوری ہو گئی تمہاری سانس پوری ہو چکی تمہارا وقت ختم ہو گیا میں ذرا بھی تاخیر نہ کروں گا اس نے پوچھا پھر مجھے کہاں لے جاؤ گے جواب دیا تمہارے اس عمل کی طرف جو تم نے پہلے کیا اور اس گھر کی طرف جس کو تم نے (عمل کے ذریعہ) تیار کیا اس نے کہا میں نے تو کوئی بھی نیک عمل نہیں کیا، اور نہ میں نے کوئی گھر (عمل صالح) کر کے بنایا فرشتہ نے کہا تو پھر اس جہنم کی طرف جو کھال کو جھلسا دینے والی ہے پھر اس کی روح کو قبض کر لیا، پس وہ اپنے اہل کے درمیان گر پڑا لوگ چیختے اور روتے رہے۔ (شرح احیاء جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۳)

قبض روح کے عبرت آمیز واقعات

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ ملک الموت نے اللہ تعالیٰ سے کہا، اے اللہ آپ کے

بندے حضرت ابراہیم موت سے ڈرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا جاؤ ان سے کہہ دو دوست پر جب فراق کا زمانہ زائد گزر جاتا ہے تو وہ ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے، حضرت ابراہیم کو یہ خبر پہنچی تو کہا ہاں اے رب، مجھے آپ سے ملاقات کا شوق ہے چنانچہ ان کو ایک خوشبو دی گئی اس کو سونگھنے لگے، ملک الموت نے روح قبض کر لی۔

(شرح احیاء جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۳)

حضرت خیثمہ سے منقول ہے کہ ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں تشریف لائے، تو ان کی مجلس میں بیٹھے ایک شخص کو بہت غور سے بار بار دیکھنے لگے، یہ جب مجلس سے چلے گئے تو اس آدمی نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوچھا یہ کون تھا کہا ملک الموت اس نے کہا وہ مجھے اس طرح گھور کر دیکھ رہے تھے جیسا کہ معلوم ہو رہا تھا مجھے چاہ رہے تھے (یعنی میری روح کے پھیر میں تھے) حضرت سے اس نے کہا مجھے ہندوستان کے آخری خطے میں پہنچا دیجئے، چنانچہ انہوں نے ہوا کو حکم دیا، اس نے ہند کے انتہائی آخری خطہ میں پہنچا دیا۔ (وہاں اس کا انتقال ہو گیا)۔

پھر جب ملک الموت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دوبارہ ملاقات ہوئی تو پوچھا کہ اس آدمی کو تم بہت غور سے بار بار دیکھ رہے تھے کیا بات تھی، ملک الموت نے جواب دیا، مجھے اس آدمی کے قبض روح کا حکم ہند کے آخری خطہ میں ملا تھا، میں یہاں دیکھ کر تعجب کر رہا تھا کہ یہ یہاں ہے اور تھوڑی دیر میں روح کے قبض کا حکم ہے۔

(شرح احیاء صفحہ ۲۷۳)

فائدہ: جس جگہ موت مقدر ہوتی ہے وہاں آدمی کسی نہ کسی طرح پہنچ جاتا ہے جیسا کہ یہ شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہوا کے ذریعہ اقصی ہند میں پہنچ گیا، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے جہاں جس جگہ موت مقدر ہوتی ہے ضرورت وہاں کھینچ لے جاتی ہے، خدا کی جانب سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں وہاں کوئی ضرورت وابستہ ہوتی ہے جس سے وہ وہاں پہنچ جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جب وصال ہوا، تو حق تعالیٰ شانہ نے دریافت فرمایا کہ موت کو کیسا پایا، انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنی جان کو ایسا دیکھ رہا تھا جیسے زندہ چڑیا کو اس طرح آگ پر بھونا جا رہا ہو کہ نہ اس کی جان نکلی ہو نہ اڑنے کی کوئی صورت ہو، ایک روایت میں ہے کہ ایسی حالت تھی جیسا کہ زندہ بکری کی کھال اتاری جا رہی ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب سے دریافت کیا موت کی کیفیت بیان کرو، انہوں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین جس طرح ایک کانٹے دار ٹہنی کو آدمی کے اندر داخل کر دیا جائے جس کے ساتھ بدن کا ہر جز لپٹ جائے پھر ایک دم اس کو کھینچ لیا جائے اسی طرح جان کھینچی جاتی ہے۔ (فضائل اعمال صفحہ ۴۶۲)

فائدہ: قبض روح اور موت کی تکلیف کو مثالاً بیان کیا ہے۔

مُردوں کے حق میں بری اور نامناسب باتوں کا ذکر سخت منع ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کو برا مت کہو، جو انہوں نے کیا اس کا بدلہ پایا۔ (بخاری صفحہ، مسند احمد، سنن کبریٰ صفحہ ۷۵)

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مردوں کو برا مت کہو کہ زندوں کو تکلیف ہو۔ (ان کے رشتہ دار اہل محبت کو اس برائی سے تکلیف ہوگی)۔ (مسند احمد مرتب جلد ۸ صفحہ ۴۹)

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے انتقال کئے جا چکے لوگوں کو برا کہنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۶۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مر جانے والوں کے متعلق اچھی باتوں کو اور ان کی خوبیوں کو بیان کرو، ان کی برائیوں سے اپنی زبان روکو۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۷۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے اصحاب کا انتقال ہو جائے تو اسے چھوڑ دو اس کے پیچھے مت پڑو۔ (ابوداؤد نیل الاوطار صفحہ ۱۰۹)

فائدہ: معلوم ہوا کہ جس مسلمان کا انتقال ہو چکا ہو اس کی کسی قسم کی برائی کا بیان کرنا جائز نہیں البتہ اگر وہ علانیہ فاسق تھا اس کا فسق عام تھا۔ مثلاً مشہور چور ڈاکو وغیرہ تو اس کی گنجائش ہے۔ علامہ عینی نے ذکر کیا ہے کہ مردوں کی برائی غیبت ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے فتح الباری صفحہ ۲۵۹ پر ذکر کیا ہے۔ البتہ کافر کی برائی ذکر کی جاسکتی ہے۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ جس کا کفر پر انتقال ہوا اس کی تعریف کرنی جائز نہیں۔ چنانچہ ان کی ان خوبیوں کا ذکر جو ان امور کا تعریف کے طور پر ذکر نہیں کیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۳۳۰)

اس سے معلوم ہوا جو لوگ سیاسی اعتبار سے کافروں کی خوب تعریف کرتے ہیں جلسہ جلوس میں ان کی منقبت بیان کرتے ہیں درست نہیں چونکہ یہ اعداء اللہ ہیں اور اعداء کی تعریف ممنوع ہے۔ (فتح)

جس میت اور جنازہ کی تعریف لوگ کریں یہ اس کے لئے اچھی علامت ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک جنازہ لوگوں کے (صحابہ کرام) کے سامنے سے گزرا تو لوگوں نے اس کے بارے میں اچھائی بیان کی تو آپ نے فرمایا اس پر واجب ہوگئی (جنت) پھر دوسرا جنازہ گزرا لوگوں نے اس کے بارے میں برائی بیان کی، آپ نے فرمایا واجب ہوگئی (جہنم) اس پر حضرت عمر نے پوچھا کیا واجب؟ آپ نے فرمایا تم لوگوں نے اس کی اچھائی بھلائی بیان کی، تو اس کے لئے جنت لازم ہوگئی، اور تم نے اس کی برائی سے تعریف کی تو اس پر دوزخ لازم ہوگئی، تم لوگ زمین پر اللہ کے شہداء ہو۔

(بخاری صفحہ ۱۸۲، حاکم جلد ۱ صفحہ ۳۷۷)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے ایک جنازہ گزرا، آپ نے پوچھا یہ کیسا جنازہ ہے، لوگوں نے جواب دیا فلاں کا جنازہ ہے جو خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا تھا، خدا کی عبادت میں بہت جدوجہد کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، پھر ایک دوسرا جنازہ گزرا آپ نے پوچھا یہ جنازہ کیسا ہے جواب دیا فلاں بن فلاں کا ہے خدا اور اس کے رسول سے نفرت رکھتا تھا خدا کی نافرمانی کرتا تھا اور اس میں بہت جدوجہد کرتا تھا آپ نے ۳؍مرتبہ فرمایا واجب ہوگئی لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول آپ نے دونوں کے بارے میں فرمایا واجب ہوگئی ایک جنازہ کے متعلق تو تعریف کی گئی تھی اور دوسرے کے متعلق برائی بیان کی گئی آپ نے فرمایا اے ابوبکر (مجلس میں ہوں گے) اللہ تعالیٰ کے ایسے ملائکہ ہیں جو لوگوں کی زبان پر انسانوں کے خیر اور شر کے متعلق بولتے ہیں۔

(حاکم، عمدۃ القاری صفحہ ۱۹۴)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان میت پر ۴ معمولی اگل بغل کے رہنے والے شہادت دے دیں کہ وہ ان کے بارے میں سوائے بھلائی کے کچھ نہیں جانتے تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے تم لوگوں کی بات کو تسلیم کیا اور اس کی مغفرت کردی جسے تم نہیں جانتے ہو حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ۴؍ کے بجائے ۳؍ کا ذکر ہے۔ (حاکم صفحہ ۳۷۸، فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۳۱)

فائدہ: ایک مجمع کا یا اکثر و بیشتر لوگوں کا کسی کے حق میں تعریف کرنا یا برائی و مذمت بیان کرنا اس کے اچھے یا برے ہونے کی علامت ہے شرح مشکوٰۃ میں ہے اللہ پاک کا لوگوں کے دلوں میں ڈالنا کہ یہ نیک ہے یا بیشتر نیک لوگوں کی تعریفی کلمات اہل جنت کی علامت ہے۔ (مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۳۹۶)

علامہ نووی نے بیان کیا کہ جس جنازہ کی اہل فضل تعریف کریں اگر وہ واقعی ایسا ہی ہے تو اہل جنت میں سے ہے۔ (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۳۱)

جیسا کہ مشہور ہے زبان خلق نقارہ خدا۔ مخلوق کی زبان گویا خدا کی آواز ہے، اس کی بھلائی یا برائی عام ہوگی تب ہی تو ایسا کہا گیا بس جس جنازہ کے متعلق لوگوں نے تعریف کی یہ اس کے اچھے انجام کی پہچان ہے جس جنازہ کے متعلق لوگوں نے برے اور مذمت کے الفاظ استعمال کئے یہ اس کے برے انجام کی پہچان ہے اسی معیار پر آپ نے ان کے نتائج کو بیان کیا، علامہ عینی نے بیان کیا لوگوں کا تعریف کرنا اس کے اچھے ہونے اور لوگوں کا برائی بیان کرنا اس کے برے ہونے کی علامت ہوئی اس لئے آپ نے جنت یا جہنم کو واجب و لازم فرمایا۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۹۵)

اس سے معلوم ہوا کہ عامۃ الناس کی رائے جس کے بارے میں جو ہو اس کا اعتبار ہے، اور ایسا پایا بھی جاتا

ہے، ہاں بعض اور کچھ لوگوں کی رائے کا اعتبار نہیں شاید وہ اپنے مزاج کی عدم موافقت یا بدگمانی یا کسی غرض خیر یا غرض فاسد کی وجہ سے کہہ رہے ہوں جیسا کہ اس زمانہ میں رائج ہے۔ تو اس کا اعتبار نہیں۔

لوگوں کی زبانوں کا اللہ پاک اعتبار فرما لیتے ہیں

کعب ابن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا، فلاں کے متعلق تم لوگ کیا کہتے ہو جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوا، لوگوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے، آپ نے فرمایا انشاء اللہ جنت پھر آپ نے فرمایا فلاں آدمی کے بارے میں تم لوگ جو مر گیا کیا کہتے ہو، پس دو عادل آدمی کھڑے ہوئے اور کہا ہم لوگ اس کے بارے میں بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے، لوگوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے آپ نے فرمایا انشاء اللہ جنت پھر آپ نے فرمایا فلاں آدمی کے بارے میں جو مر گیا ہے کیا کہتے ہو، پس دو عادل آدمی کھڑے ہوئے اور کہا ہم لوگ اس کے بارے میں کوئی بھلائی نہیں جانتے (یعنی وہ اچھا آدمی نہیں تھا) لوگوں نے کہا اس کے لئے جہنم ہے آپ نے فرمایا گنہگار تھا اللہ غفور رحیم ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی مسلمان انتقال کرتا ہے اور اس کے پڑوسی وغیرہ میں سے ۴/ آدمی اس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تو اللہ پاک اس شخص کے بارے میں کہتے ہیں میں نے تمہاری جانکاری (کہنے کو) قبول کیا اور اسے معاف کیا جس کو تم نہیں جانتے ہو۔ (یعنی اس کی برائی جو تم پر مخفی تھی اسے میں جانتا تھا)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے کو تعریف، پردہ پوشی، لوگوں کی محبت سے نوازا جاتا ہے، فرشتے کہتے ہیں (لوگ اس کی اچھائی بیان کرتے ہیں اور لوگ اس سے محبت رکھتے ہیں) اے اللہ آپ بھی جانتے ہیں اور ہم بھی جانتے ہیں ایسا نہیں ہے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں۔ (یعنی لوگوں کے کہنے کے مطابق وہ شخص حقیقت میں ویسا نہیں ہے بلکہ برا ہے) تو اللہ پاک کہتے ہیں تم گواہ رہو میں نے اس کی مغفرت کر دی جس کو وہ نہیں جانتے اور ان کی گواہی (لوگوں کے نیک کہنے کو) قبول کر لیا جسے وہ کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری صفحہ ۱۹۷)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی زبان اور لوگوں کے کہنے کا بھی بسا اوقات اللہ پاک اعتبار کر لیتے ہیں، جس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ اس کا معاملہ اچھا تھا، لوگوں پر ظلم واذیت کا معاملہ نہیں تھا، لوگوں کے ساتھ اس کے اچھے حالات تھے، ہاں البتہ اس کا ذاتی حال بہتر نہ تھا جسے خدائے پاک اور اعمال لے جانے والے فرشتے جانتے تھے۔ لیکن اللہ پاک نے لوگوں کی زبان اور علم کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے ساتھ عفو اور مغفرت کا معاملہ کیا۔ شرح مشکوٰۃ میں علامہ نووی کے حوالہ سے ہے کہ ہر لوگوں کی تعریف اور مذمت کا اعتبار نہیں

بلکہ اہل علم صلاح کا اعتبار ہے اور یہ کہ یہ ذکر ان کے احوال کے مطابق بھی ہو۔ (خلاف واقعہ جھوٹ نہ ہو)۔

"هذا المخصوص من اثني عليه اهل الفضل وكان ثناء لهم مطابقا لا فعاله."

(مرقاۃ جلد۵ صفحہ۳۹۶)

شوہر وغیرہ کی وفات پر کیا کہے

حضرت ام سلمہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا کی روایت میں ہے کہ ابوسلمہ کی وفات پر میں نے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ آپ کی وفات ہوگئی ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ اللهم اغفرلي وله واعقبني عقبة حسنة **تَرْجَمَہ:** اے اللہ میری اور ان کی مغفرت فرما۔ اور اس سے بہتر اس کے بعد نصیب فرما۔ چنانچہ اس کی وجہ سے (دعا کی برکت سے) مجھے بہتر شوہر یعنی آپ ﷺ ملے۔ (ابن ماجہ صفحہ۱۰۴، نسائی صفحہ۲۵۸)

فَائِدَہ: بیوی کے لئے شوہر کی وفات پر یہ دعا مستحب ہے۔ اسی طرح اس بڑے اور نگراں اور ذمہ دار اور قائد کی وفات پر دعا مناسب ہے تاکہ خدائے تعالیٰ اس کا بہتر نعم البدل عطا فرمائے۔ اور بہتر طور پر اس کی ماتحتی میں پرورش اور کام ہوسکے۔ حضرت ام سلمہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا کو اس دعا کی برکت سے آپ ﷺ جیسا مبارک شوہر ملا۔

کسی مؤمن کی وفات کی خبر پر کیا کہنا سنت ہے

حضرت ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا موت خوفزدہ کرنے والی ہے۔ جب تمہیں اپنے بھائی کی موت کی خبر پہنچے تو یہ دعا پڑھو:

"انا لله وانا اليه راجعون وانا الى ربنا لمنقلبون اللهم اكتبه عندك في المحسنين واجعل كتابه في عليين واخلف عقبه في الآخرين اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده."

تَرْجَمَہ: "ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ہم اپنے رب ہی کی طرف واپس جائیں گے۔ اے اللہ ان کو اپنے نزدیک صالحین میں لکھ لیجئے۔ اور ان کی کتاب علیین میں رکھ دیجئے اور اس کے بعد والوں کو اس کا نائب بنا دیجئے۔ اے اللہ اس کے اجر سے ہمیں محروم نہ فرمایئے۔ اس کے بعد ہمیں آزمائش میں نہ ڈالئے۔" (طبرانی، کنز العمال جلد۱۵ صفحہ۵۷۱)

بوقت وفات میت کو کون سی دعا دینی سنت ہے

حضرت ام سلمہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ حضرت ابوسلمہ کی وفات کے موقعہ پر تشریف لائے۔ ان کی آنکھ پھٹی تھی۔ آپ نے بند فرمادی۔ اور فرمایا جب جان نکلتی ہے تو آنکھ نگاہ اس کے تابع ہوتی ہے (آنکھ پر موت کے نشان ظاہر ہوتے ہیں) چنانچہ گھر کے افراد زور سے رونے لگے اور آپ ﷺ نے فرمایا

بھلائی کے علاوہ کچھ مت کہو۔ جو کچھ تم کہو گے فرشتے آمین کہیں گے۔ پھر آپ نے ابوسلمہ کے حق میں یہ دعا فرمائی۔

"اللھم اغفر لابی سلمة وارفع درجته فی المھدیین واخلفه فی عقبه فی الغابرین واغفر لنا وله یارب العالمین وافتح له فی قبره ونور له فیه."

فائدہ: کسی میت کی وفات پر یہ دعا پڑھنی مسنون ہے۔ میت اور میت کے اہل خانہ کے حق میں یہ بڑی جامع ترین دعا ہے۔

میت کے پاس جائے تو خیر ہی کی بات کہے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کے پاس جاؤ تو خیر اور بھلائی ہی کی بات کہو۔ فرشتے جو تم کہے گے اس پر آمین کہیں گے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۰، نسائی صفحہ ۲۵۸، مسلم صفحہ ۳۰۰)

فائدہ: لہٰذا میت کے پاس جائے تو اس کے حق میں اور اپنے حق میں دعا کرے۔

میت کے پاس جائے تو کیا دعا پڑھے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مریض یا میت (جو مرنے کے قریب ہو) اس کے پاس جاؤ تو اچھی و بھلی بات کہو کہ جو تم اچھی بات (دعا وغیرہ) کہو گے فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ (ترمذی صفحہ ۱۹۲، مسلم صفحہ ۳۰۰)

فائدہ: جو شخص موت کی علامتوں میں گرفتار ہو۔ یا ایسی حالت معلوم ہو جائے جس سے موت کا گمان ہو جائے تو اس کے حق میں صحت اور عافیت کی بات کہے۔ امید صحت کا ذکر کرے۔ خدا کے کرم بخشش کا ذکر اطمینان و تسلی کی باتیں کرے۔ دعاء صحت کرے۔ ناامیدی اور گھبرانے والی بات نہ کرے۔

وفات کی خبر پر کیا کہے کیا دعا مسنون ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت گھبرا دینے والی ہوتی ہے۔ جب تمہارے پاس اپنے بھائی (کسی بھی مسلمان) کے موت کی خبر آئے تو یہ دعا پڑھو:

"انا للہ وانا الیه راجعون. وانا الی ربنا لمنقلبون اللھم اکتبه فی المحسنین واجعل کتابه فی علیین واخلف عقبه فی الآخرین اللھم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده." (جمع الفوائد صفحہ ۳۴۵)

بھائی یا قریبی رشتہ دار کی موت پر نماز

اسماعیل بن علیہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حالت سفر میں اپنے بھائی قثم کی وفات

کی خبر ملی تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور راستے سے ذرا ہٹ گئے۔ اونٹ کو روکا۔ اور دو رکعت نماز پڑھی اور خوب دیر بیٹھے۔ پھر سواری کی طرف آتے ہوئے یہ آیت پڑھی۔ **استعینوا بالصبر والصلوۃ** یعنی مصیبت اور حوادث کے موقعہ پر نماز سے مدد حاصل کرو۔ (استذ کار جلد ۸، صفحہ ۳۲۸، عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۱۰۰)

فَائِدَۃ: اللہ پاک نے غم رنج مصیبت پر نماز کے ذریعہ صبر اور مدد حاصل کرنے کو فرمایا ہے۔ ظاہر بات ہے بھائی کی موت ایک حادثہ اور بڑی مصیبت ہے۔ اس وجہ سے نماز کی جانب متوجہ ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی موت پر غم رنج ہو تو نماز پڑھے تاکہ خدا سے اظہار ہو اور اس کی جانب سے صبر و تسلی ہو۔ علامہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ ہر قسم کی پریشانیوں اور مصائب اور رنج و غم پر صبر کرنے اور نماز پڑھنے کو کہا گیا ہے۔
(جلد ۸ صفحہ ۱۰۰)

چھوٹے بچوں کی موت پر والدین کو اجر و ثواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے جس کے دو بچے مر جائیں۔ وہ دونوں اس کو جنت میں داخل کریں گے۔ (ترمذی صفحہ ۲۰۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس مؤمن بندے کی کیا جزا ہے جس کے محبوب بچے کو میں نے لے لیا دنیا سے پھر اس نے صبر کیا سوائے جنت کے۔
(فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۱۹)

۳؍ چھوٹے بچوں کی موت جہنم سے نجات

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے ۳؍ نابالغ بچوں کی موت ہو جائے۔ یہ ان کے لئے مضبوط قلعہ بن جائیں گے۔ (یعنی جہنم سے بچنے کے لئے مضبوط روک ہو جائیں گے)۔ (ترمذی صفحہ ۲۰۴، ابن ماجہ، فتح الباری صفحہ ۱۱۹)

جہنم برائے نام چھوئے گی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان کے ۳؍ بچوں کا انتقال ہو جائے اسے اگر جہنم چھوئے تو صرف قسم پورا کرنے کی طرح۔ (یعنی کسی وجہ سے جہنم جائیں گے تو جہنم اسے جلائے گی اور خاک نہیں کرے گی اور جلنے کی تکلیف نہ ہوگی۔ ہاں مگر تھوڑی سی آگ چھوئے گی۔ تاکہ آگ کا لگنا اور چھونا ثابت ہو جائے۔ (بخاری صفحہ، ترمذی صفحہ ۲۰۴، ابن ماجہ صفحہ)

جنت واجب

حضرت ابو اسود دیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان کے ۳؍ بچے

ان کی زندگی میں انتقال کر گئے ان کے لئے جنت واجب ہے۔ حضرات صحابہ نے پوچھا اور جس کے دو بچے آپ نے فرمایا دو بچوں پر بھی۔ (ترمذی صفحہ۲۰۲)

جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ۳؍بچوں کو دفن کیا اس پر صبر کیا اور ثواب سمجھا اس کے لئے جنت واجب ہے۔ اس پر ام ایمن نے عرض کیا اور ایک بچے پر۔ تو آپ خاموش ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا اے ایمن جس نے ایک کو دفن کیا اور اس پر صبر اور ثواب سمجھا تو اس کے لئے بھی جنت واجب۔ (مجمع الزوائد جلد۳ صفحہ۱۳)

۳؍بچوں کی موت پر جنت کے آٹھوں دروازوں سے استقبال

حضرت عتبہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس مسلمان کے ۳؍بچوں کا انتقال ہو جائے جو سن بلوغ کو نہ پہنچے ہوں تو جنت کے آٹھوں دروازے ان کا استقبال کریں گے۔ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔ (ابن ماجہ صفحہ۱۱۵)

فائدہ: چھوٹے بچے جو سن بلوغ کو نہ پہنچے ہوں ان کے مر جانے پر حدیث پاک میں والدین کے لئے بڑا اجر ثواب مذکور ہے۔ جس میں ان کا جہنم سے بچنا جنت میں جانے کا ذکر ہے۔ یہ بچے اس وقت تک جنت میں نہ جائیں گے۔ جب تک کہ یہ والدین کو جنت میں لے جانے میں کامیاب نہ ہوں گے۔ یہ ثواب اور فضیلت اس وقت ہے جب کہ وہ صبر کریں۔ خدا کے فیصلے پر راضی رہیں۔ جزع فزع بے صبری کی باتیں، شکایت کی باتیں زبان پر نہ لائیں۔ عموماً شیطان اور نفس ایسے موقعہ پر جزع فزع شکایت و بے صبری کی باتیں صادر کرا دیتا ہے۔ اس لئے تازہ تازہ جب رنج وغم کا واقعہ پیش آیا ہو اس وقت صبر و تحمل سے کام لیا ہو اسی لئے سنن ترمذی میں امام ترمذی فرماتے ہیں۔

حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ثواب کی نیت ہو۔ یعنی صبر کیا ہو ثواب کی نیت سے ورنہ یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ (صفحہ۱۱۹)

شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ اگر ثواب نہ سمجھا اور اللہ کے فیصلہ پر راضی نہ رہا تو یہ ثواب حاصل نہ ہوگا۔

(مرقاۃ المفاتیح جلد۵ صفحہ۴۷۱)

ہاں دل سے غمگین اور آنکھوں سے رونا اس سے ثواب میں کمی نہیں ہوتی یہ تو فطری باتیں ہیں۔ ایسے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرات گرے ہیں اور آپ نے زبان سے بھی رنج کا اظہار کیا ہے۔

خیال رہے کہ ایک بچہ کے انتقال پر اگر اس نے صبر و ثواب کی نیت رکھی تو بھی جزا ملے گی۔

(فتح الباری جلد۳ صفحہ۱۱۹)

جیسا کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے۔

حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ اہل ایمان کے بچے جنتی ہوں گے۔ اور ان کی برکت سے ان کے والدین کی بھی مغفرت ہو جائے گی۔ (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۲۴)

حمل ساقط ہونے اور ناتمام بچے کی موت ہو جانے پر بھی اجر ثواب

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ناتمام بچہ اپنی ماں کو نال (آنول) کے سہارے کھینچ کر جنت لے جائے گا۔ اگر اس نے صبر کیا ہو۔

(ابن ماجہ صفحہ ۱۱۵، مجمع الزوائد صفحہ ۱۲)

ناتمام بچہ بھی جہنم سے والدین کو بچالے گا

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ناتمام بچہ اپنے رب سے مخاصمت اور جھگڑے گا۔ جب کہ اس کے والدین کو جہنم میں بھیجا جائے گا۔ پس اسے کہا جائے گا کہ اپنے والدین کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ پس وہ اپنے نال سے کھینچتا ہوا ان کو جنت میں داخل کر لے گا۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۱۵)

سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح کرو میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ اور ناتمام بچہ (جو مرا پیدا ہوا ہوگا) جنت کے دروازے پر رکا ہوگا۔ اسے جب کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ کہے گا جب میرے والدین داخل ہوں گے تب۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۴)

فائدہ: حمل ساقط ہو جائے یا وقت پورا ہونے سے قبل ناتمام بچہ مرا ہوا یا پیدا ہو کر مر جائے اس پر بھی والدین نے ثواب کی نیت سے صبر کیا تو یہ بچہ ان کے حق میں جہنم سے نجات اور جنت میں جانے کا سبب بنے گا۔

دودھ پیتے بچوں کے انتقال پر عالم قبر میں دودھ کا انتظام

محدث ابن ابی الدنیا نے بیان کیا جس دودھ پیتے بچے کا انتقال ہو جاتا ہے تو جنت میں ایک درخت ہے جسے طوبیٰ کہا جاتا ہے۔ وہ دودھ کے تھن کے مانند ہے اس درخت سے ایسے بچوں کو دودھ پلایا جاتا ہے۔ اس کی دیکھ بھال حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ (شرح صدور صفحہ ۳۶۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم (آپ کے بیٹے) کی وفات پر آپ نے فرمایا اس کے لئے جنت میں دودھ پلانے والی کا انتظام ہے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۰۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومنین کے بچے جنت میں ایک پہاڑ پر ہوں گے۔ ان کی کفالت حضرت ابراہیم و سارہ علیہما السلام کرتے ہیں جسے وہ قیامت کے دن ان کے والدین کے حوالہ کر دیں گے۔ (مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۳۸۴، شرح صدور صفحہ)

عبیداللہ عمیر نے بیان کیا کہ جنت میں ایک درخت ہے۔ جس میں گائے کی تھن کی طرح تھن لگے ہیں۔ جنت میں چھوٹے بچوں کو اس سے دودھ پلایا جائے گا۔ (ابن ابی الدنیا، شرح صدور صفحہ ۳۶۵)

دارقطنی کی روایت میں ہے روضہ نام سے جنت میں ایک مقام ہے جہاں دودھ پیتے چھوٹے بچے رہتے ہیں ان بچوں کی نگرانی قیامت تک حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ (شرح صدور صفحہ ۱۶۷)

آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ عرش کے سایہ میں

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ (ایک انصاری کے بچے کے انتقال پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ تمہارے صاحبزادے، ابراہیم جو میرے بیٹے ہیں ان کے ساتھ عرش کے سایہ میں کھیل رہے ہوں گے۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۳)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ دودھ پیتے بچے کا جب انتقال ہو جاتا ہے۔ تو اس کے دودھ پلانے کا انتظام جنت میں ہوتا ہے۔ ایسے نومولود بچے عرش کے سایہ میں کھیلتے کودتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نگرانی اور کفالت میں رہتے ہیں۔ حافظ نے لکھا ہے کہ مؤمن کی چھوٹے نابالغ اولاد جنتی ہیں۔ عذاب قبر اور حساب کتاب سے بھی محفوظ ہیں۔

اولاد کی وفات پر بلا چلائے آنسو کا گرنا سنت سے ثابت ہے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑا اور اپنے صاحبزادے ابراہیم (جہاں پرورش پا رہے تھے) تشریف لے گئے آپ نے ان کو اس حالت میں پایا کہ ان کی سانس چل رہی تھی آپ نے ان کو لیا اور گود میں رکھا۔ اور رونے لگے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن نے پوچھا اے اللہ کے رسول آپ رو رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا ہاں اُس رونے سے منع کیا ہے جو مصیبت کے وقت چیخ و پکار کر رونا ہو چلا کر گلے پھاڑ کر رونا ہو۔ چہروں کو نوچتے ہوئے دامن کو پھاڑتے ہوئے شیطان کی طرح بار بار بچک کر رونا ہو۔ (ترمذی صفحہ ۱۹۶)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے آپ کے سامنے نزع کی حالت میں تھے۔ تو آپ کی آنکھ مبارک سے آنسو کے قطرات ٹپکنے لگے اور آپ فرما رہے تھے۔ آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں دل غمگین ہے۔ اللہ پاک کی مرضی کے علاوہ کچھ نہیں کہتے۔ اے ابراہیم ہم تمہاری وفات سے غمگین ہیں۔

(ابوداؤد صفحہ ۴۴۶، مسند احمد، الفتح الربانی جلد ۷ صفحہ ۱۳۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے وفات کے موقعہ پر تھا۔

آپ ان کی قبر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

(بخاری صفحہ ۱۷۹-۱۲۸۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی بیٹی (نواسی) کی وفات کے موقعہ پر تشریف لائے۔ آپ نے اسے لیا اور گود میں رکھا۔ اور آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

(الفتح الربانی جلد ۷ صفحہ ۱۳۷)

آپ عورتوں کو میت پر شریعت کے مطابق اعتدال کے ساتھ رونے کی اجازت دیتے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات پر عورتیں رونے لگیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو روکنے لگے اور اس پر مارنے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ چھڑی سے مارنے لگے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ سے چھڑی لے لی اور فرمایا چھوڑو ان کو رونے دو۔ اور آپ نے فرمایا روؤ مگر شیطان کی طرح چلانے سے بچو۔ سو جو رونا آنکھ اور دل سے ہو (رنج وغم) تو وہ رحمت کے سبب سے ہے۔ اور جو رونا زبان سے (چلانے اور چیخنے سے) اور ہاتھ (پھاڑنے اور پٹکنے سے) وہ شیطان کی جانب سے ہے۔ (مسند احمد جلد ا صفحہ ۲۳۷، سبل الہدیٰ جلد ا صفحہ ۳۵۷)

متعلق رشتہ دار کی وفات پر آنسو کے قطرات

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بوسہ لیا اور آپ کے (رونے سے) آنسو کے قطرات گر رہے تھے جو ان کے چہرے پر ٹپکے۔

(بخاری، ترمذی، صفحہ ۱۱۸، ابن ماجہ صفحہ ۱۰۵)

آنکھوں سے آنسو گرنا اور دل سے رنجیدہ و غمگین ہونا اور اس کا اظہار خلاف سنت نہیں

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے جنازہ میں حاضر ہوا۔ تو آپ قبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں نے دیکھا کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۱۷۱)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم کی وفات پر میں نے دیکھا کہ آپ رو رہے تھے اور فرمایا کہ میری آنکھیں رو رہی ہیں اور دل غمگین ہے۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۱۷۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان بن مظعون کی وفات پر دیکھا کہ دونوں آنکھوں سے آنسو کے قطرات ٹپک رہے ہیں۔ (ابوداؤد صفحہ، ابن ماجہ صفحہ ۱۰۵، ترمذی صفحہ ۱۹۳)

نزع کے وقت عورتوں کا مجمع میت کے پاس بہتر نہیں ممنوع ہے

حضرت حذیفہ کی بہن خولہ بنت یمان سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ عورتوں کی

جماعت (نماز کی جماعت) میں کوئی اچھائی نہیں۔ اور نہ ان کا میت کے پاس جمع ہونا اچھی بات ہے۔

(طبرانی، مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۳۳۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ عورتوں کی جماعت میں بھلائی ہے اور نہ میت پر ان کے جمع ہونے میں اچھائی ہے کہ اِدھر اُدھر کی بات کہیں گی۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۹)

علامہ شامی اور علامہ طحطاوی نے لکھا ہے کہ میت کے سامنے (جانکنی کے وقت) حائضہ نفساء اور جنبی کو الگ اور ہٹا دیا جائے کہ اس کی وجہ سے فرشتے نہ داخل ہوں گے۔ (طحطاوی جلد ۱ صفحہ ۳۶۵)

حافظ ابن حجر نے ایک حدیث کی وضاحت میں ابن حبان کے حوالے سے لکھا ہے کہ میت جس گھر میں ہو (مرنے اور نزع کے وقت میں) فاسق اور فاجر کا وہاں رہنا منع ہے۔ (تلخیص الجبیر صفحہ ۱۱۱)

اور کفار غیر مسلموں کا رہنا بھی اچھا نہیں۔ اگر ہوں تو وہاں پر سے ان کو ہٹا دیا جائے۔

(طحطاوی علی الدرر صفحہ ۳۰۸)

چونکہ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ ملائکہ رحمت نہ آئیں اور ان کے فسق و فجور کی نحوست سے رحمت خداوندی نہ متوجہ ہو۔ اس لئے بہتر ہے جانکنی کے وقت میں صالحین اور اہل تقویٰ کی جماعت یا اس کے افراد رہیں نیک اور صالح لوگوں کو بلایا جائے اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اصحاب کے جانکنی کا علم ہوتا تو آپ بلا بلائے از خود تشریف لے جاتے۔

افسوس در افسوس کہ آج ایسے وقت میں عورتوں کی اور دین سے آزاد لوگوں کی ان کے پاس بھیڑ لگ جاتی ہے آل اولاد بیوی کی محبت میں ہائے افسوس کرتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ نہ کلمہ کی تلقین ہو پاتی ہے اور نہ نیک وصالح لوگوں کو بلایا جاتا ہے۔

سوچ لیجئے یہ خاتمہ کا وقت بڑا نازک ہوتا ہے۔ خاتمہ ہی کے وقت کا اعتبار ہے۔ جب علامتوں اور قرائن سے معلوم ہو جائے کہ آخری وقت ہے تو گھر کے بڑے اور سمجھدار اس کے پاس سے بیوی اور خصوصاً چھوٹے بچے اور بچیوں کو ہٹا دیں۔ گھر یا محلے و اردگرد کے صالح لوگوں کو فوراً بلا کر ذکر خدا میں لگا دیں۔ اور آہستہ آہستہ کلمہ کی تلقین کریں۔ اور کوئی یٰس شریف پڑھنے میں لگ جائے۔ ان کے سامنے عورتوں اور بچوں کا اور زندگی میں جس سے ان کو زیادہ تعلق تھا سامنے نہ کریں۔ تاکہ ان پر ہائے افسوس کرتے ہوئے روح نہ نکلے کہ مؤمن کے لئے اچھی بات نہیں۔

جاہل لوگ ایسے نازک وقت میں بیوی بچوں کو ان کے سامنے لا کھڑا کر دیتے ہیں بہت بری عادت ہے اب تو بہرحال ان کا چھوٹنا ہی ہے۔ خدا کی یاد اور ذکر اور اس کی ملاقات کی تمنا کے ساتھ روح کا نکلنا ہر میت کے

حق میں اچھی بات ہے۔

نزع کے وقت آپ کو اطلاع دی جاتی آپ تشریف لاتے

حضرت ابو سعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ جب آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (ہمارے یہاں مدینہ) تشریف لے آئے تو ہم لوگ اپنے اصحاب کے نزع کی حالت میں آپ کو اطلاع کرتے، آپ ان کی موت سے پہلے (اطلاع ملتے ہی بلا تاخیر) تشریف لاتے آپ ان کی موت کا (بیٹھے) انتظار فرماتے، اور ان کے لئے استغفار فرماتے، بسا اوقات بہت زیادہ دیر تک بیٹھنا بھی ہو جاتا جس سے آپ کو مشقت بھی ہوتی (الفتح الربانی جلد ۷ صفحہ ۶۰)

فَائِدَہ: اس سے معلوم ہوا کہ حالت سے جب اندازہ ہو جائے کہ اب بچیں گے نہیں، روح نکلنے کی علامت شروع ہو چکی ہے جسے اہل تجربہ علامتوں سے جان لیتے ہیں تو ایسی صورت میں نہ ڈاکٹر حکیم کے پاس لے جائے اور نہ ڈاکٹروں کو بلانے کی زحمت کرے، اور نہ اس کے بیوی بچوں اور اہل محبت وقرابت کو اس کے پاس بلائے اور نہ بچوں اور عورتوں کی بھیڑ لگائے بلکہ اپنے علاقے کے کسی نیک صالح اہل علم کو بلائے اور ان کے پاس بٹھا دے، اور وہ ان کے حق میں دعا واستغفار کرے، اور کلمہ کی تلقین کرے اور ان سے سورہ یٰس پڑھنے کو کہے، چنانچہ شرح مسند میں ہے۔ استحباب حضور الصالحين واهل الفضل عند المحتضر وصلاتهم عليه اذا مات۔ (الفتح الربانی جلد ۷ صفحہ ۶۱)

مرنے والے کی معرفت آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو سلام بھیجنا

محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے پاس ان کی موت کے وقت حاضر ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو میرا اسلام پیش کر دینا۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۰۴، مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۳)

حضرت کعب بن مالک کی وفات کے وقت ام مبشر آئی اور کہا، میرا اسلام حضور پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو پہنچا دینا۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۳۲۹)

میت کو قبلہ رخ کر دینا سنت ہے

حضرت ابوقتادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جب مدینہ منورہ تشریف لائے، تو آپ نے حضرت براء کے متعلق پوچھا (جن کی وفات مدینہ میں ہوگئی تھی) تو لوگوں نے کہا انہوں نے وفات پائی اور وصیت کی کہ ان کے مال کا ایک ثلث آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے لئے ہے اور یہ وصیت کی تھی کہ جب جانکنی اور نزع کا وقت آئے تو ان کو قبلہ رخ کر دیا جائے، تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، سنت کے مطابق اس نے کہا، پھر آپ نے ثلث ان کی اولاد کی طرف لوٹا دیا، پھر اس کے پاس گئے (قبر پر) اور نماز پڑھی اور یہ دعا کی اللهم اغفر له اللهم ارحمه وادخله جنتك۔ تَرْجَمَہ: اے اللہ ان کی مغفرت فرما اے اللہ ان پر رحم فرما اور ان کو اپنی

جنت میں داخل فرما۔ اور پھر فرمایا آپ نے (اللہ نے) ایسا کر دیا یعنی ان کی مغفرت ہوگئی اور وہ جنت میں داخل ہو گئے۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۳۸۴، تلخیص صفحہ ۱۰۸)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیت اللہ تمہارے زندوں کا بھی اور مردوں کا بھی قبلہ ہے۔ (ابوداود، نسائی، تلخیص صفحہ ۱۰۸)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ زندوں کا قبلہ سونے اور مجلس میں بیٹھنے اور نماز کے اعتبار سے ہے، اور مردوں کا قبلہ موت کے وقت اور قبر میں ہے ام سلمہ اور ابو رافع کی روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جب وفات ہوئی تو ان کو قبلہ رخ کر دیا گیا اور دائیں رخ ٹیک لگا دیا گیا، (تاکہ قبلہ رخ جسم رک جائے) (تلخیص صفحہ ۱۰۹)

فائدہ: میت کو قبلہ رخ کرنا مسنون ہے، حضرت عطا سے منقول ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نزاع کے وقت قبلہ کی جانب کر دینا مستحب سمجھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۹)

قبلہ رخ کرنے کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ ہے چت لٹا دیا جائے اور سر پورب اور پچھم کر دیا جائے، اور سر اونچا کر دیا جائے تا کہ چہرہ پورا رخ کعبہ ہو جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کروٹ میں دایاں رخ کر دیا جائے اور میت کو یا چارپائی کو اتر دکھن کر دیا جائے تا کہ پورا رخ دایاں قبلہ کی طرف ہو جائے۔ (بلوغ الامانی جلد ۷ صفحہ ۶۸)

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ دائیں کروٹ اور منہ قبلہ کی جانب کرنا سنت ہے۔ (بنایہ جلد ۳ صفحہ ۲۰۶)

فائدہ: فتح القدیر میں ہے جب جانکنی کا وقت آجائے اور علامتوں سے معلوم ہو جائے تو میت کو دائیں کروٹ قبلہ رخ کر دیا جائے، یہ سنت ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے چت لٹا دیا جائے اور سر کو ذرا اوپر اٹھا دے تا کہ سر قبلہ کی جانب ہو جائے آسمان کی جانب نہ ہو۔ (اس وقت سر پورب کی جانب کر دیا جائے گا، تب ہی تو چہرے کا رخ ذرا اٹھنے سے قبلہ رخ ہو جائے گا)۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۳)

خیال رہے کہ غسل کے وقت اور نماز جنازہ پڑھنے کے وقت اسے چت رکھا جائے گا۔

(طحطاوی علی المراقی صفحہ ۳۰۵)

روح نکل جانے کے بعد چادر سے ڈھانک دینا سنت ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب وفات پا گئے تو (جسم مبارک کو) یمنی چادر سے ڈھانک دیا۔ (بخاری صفحہ ۱۲۶، مسلم جلد ا صفحہ ۳۰۶، سنن کبریٰ صفحہ ۳۸۵، نسائی صفحہ ۲۶۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ (آپ کی وفات کے بعد) حضرت ابوبکر صدیق تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ چادر سے ڈھکے ہوئے تھے آپ کے چہرے مبارک کو کھولا اور جھک کر بوسہ لیا۔ (بخاری صفحہ ۱۲۶، احمد، نسائی صفحہ ۲۶۰، نیل صفحہ ۲۴)

فَائِدَۃ: میت کی جب روح نکل جائے تو اسے چادر سے ڈھانک دینا مستحب ہے، چنانچہ محدثین نے اس پر باب قائم کیا ہے، کہ پورے جسم کو کسی کپڑے سے ڈھانک دینا مستحب ہے۔
(کذا فی السنن کبریٰ جلد۳ صفحہ ۳۸۵، عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۱۴)

اس کے لئے سفید چادر کی قید نہیں چنانچہ آپ کو یمنی خوشنما چادر سے ڈھانک دیا تھا۔ طحطاوی میں ہے کہ اس پر چادر ڈال دی جائے اور پیٹ پر لوہا رکھ دیا جائے تاکہ پیٹ پھولے نہیں۔ (صفحہ ۳۰۸)

شامی میں ہے کہ جب جان نکل جائے تو جبڑے باندھ دے، دونوں آنکھیں بند کر دے، اعضا ہاتھ پیر کو تان دے یعنی لمبا کر دے، اور پیٹ پر لوہا یا آئینہ وغیرہ رکھ دے تاکہ پیٹ نہ پھولے، اور خوشبو سلگا دے، اور اس مقام سے حائضہ جنبی کو نکال دے۔ (شامی، طحطاوی علی الدر جلد ا صفحہ ۳۶۵)

اور دائیں ہاتھ کو دائیں جانب اور بائیں ہاتھ کو بائیں جانب کر دیا جائے ہاتھوں کو سینہ پر نہ رکھا جائے۔
(طحطاوی صفحہ ۳۶۵)

مراقی میں ہے کہ جبڑے اور داڑھ کو سر سے لے کر داڑھ تک ایک کپڑے کی پٹی سے باندھ دے تاکہ منہ کھلا نہ رہ جائے۔ (طحطاوی صفحہ ۳۰۸)

اگر حالت احرام میں حج کے دوران کسی کا انتقال ہو جائے تو احناف کے نزدیک اس کے سر کو ڈھانک دیا جائے گا۔ (شامی جلد ۲ صفحہ ۲۰۴)

علامہ نووی نے بیان کیا کہ وفات کے بعد چہرے کا ڈھانک دینا بالا جماع مستحب ہے۔ (مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۳۱۲)

جان نکلتے ہی آنکھوں کا بند کرنا سنت ہے

نبی پاک ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس (جانکنی) کے وقت تشریف لائے تو ان کی آنکھ کھلی تھی آپ نے ان کی آنکھ بند فرما دی اور آپ نے فرمایا روح جب نکل جاتی ہے تو آنکھ بھی اس کے پیچھے چلی جاتی ہے۔ (یعنی کھلی رہ جاتی ہے بند نہیں ہو پاتی)۔ (سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۸۴، مسلم صفحہ ۳۰۰، تلخیص جلد ۲ صفحہ ۱۱۱)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جب مرنے والے کے پاس آؤ تو اس کی آنکھ بند کر دو، آنکھ روح کے تابع ہوتی ہے اور اس کے حق میں اچھی بات کہو، ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کی آنکھ کو بند کر دیا۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۴۰، تلخیص جلد ۲ صفحہ ۱۱۱)

قبیصہ ابن ذویب نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے ابوسلمہ کی آنکھ بند فرما دی تھی۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۰)

ہدایہ میں ہے کہ جب جان نکل جائے تو اس کے جبڑوں کو باندھ دے، اور آنکھوں کو بند کر دے۔
(فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۴)

شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ قبض روح کے وقت جو حضرات ملائکہ حاضر ہوتے ہیں ان کو آنکھ سے دیکھتے ہیں ادھر روح کے جانے کی وجہ سے آنکھ کھلی رہ جاتی ہے اب چونکہ آنکھ سے دیکھنے کا فائدہ جاتا رہا اس لئے بند کر دیا جائے گا۔ (مرقاۃ جلد۵ صفحہ۳۱۱)

آنکھ بند کرتے وقت کیا دعا پڑھے

بکر مزنی نے بیان کیا کہ جب میت کی آنکھ بند کرو تو یہ دعا پڑھو۔

"بسم اللّٰه وعلی ملة رسول اللّٰه." (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۲۴۰، اتحاف السادۃ جلد۱۰ صفحہ۲۷۹)

فائدہ: فتح القدیر ابن ہمام نے لکھا ہے کہ جو میت کی آنکھوں کو بند کرے وہ یہ پڑھتے ہوئے بند کرے۔ (حلبی کبیری صفحہ۵۷۷)

"بسم اللّٰه وعلی ملة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اللهم یسر علیه امره وسهل علیه ما بعده واسعده بلقائك واجعل ما خرج الیه خیرا مما خرج منه." (صفحہ۱۰۵، طحطاوی علی المراقی صفحہ۳۰۸، درمختار الشامی صفحہ، کبیری صفحہ۵۷۷)

ازراہ محبت آپ میت کو بوسہ لے لیتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کا جب وہ وفات پا چکے تھے بوسہ لیا، اور آپ کی آنکھوں سے آنسو کے قطرات نکل رہے تھے جو حضرت عثمان کے چہرے پر گرے۔ (ابوداؤد صفحہ۴۵۱، ابن ماجہ صفحہ۱۰۵، ترمذی صفحہ۱۹۳)

فائدہ: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے دودھ شریک بھائی تھے، پہلے وہ مہاجر تھے جن کی وفات مدینہ میں ہوئی، آپ کو ان سے بہت محبت تھی ان کی وفات پر آپ کے آنسو گرنے لگے، بیہقی میں ہے کہ آپ کے اتنے آنسو ٹپکے اور روئے کہ دونوں گالوں پر بہنے لگے، حاکم کی روایت میں ہے کہ آپ رو رہے تھے اور آنسو بڑی تیزی سے بہہ رہے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اہل محبت پر رونا آنسو گرانا جائز ہے۔ (مرقاۃ جلد۵ صفحہ۱)

حضرت ابوبکر نے آپ کا بوسہ لیا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے آپ کا بوسہ لیا۔ (ترمذی صفحہ۱۹۳، ابن ماجہ صفحہ۱۰۵، نسائی صفحہ۲۶۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق مقام سخ سے اپنے گھر سے گھوڑے پر تشریف لائے اور سیدھے مسجد نبوی میں داخل ہوئے، اور لوگوں سے کوئی گفتگو نہیں کی، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یمنی چادروں سے (وفات کے بعد) ڈھانک دیا گیا تھا،

آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو کھولا آپ ﷺ پر جھکے اور بوسہ لیا، اور رونے لگے۔ (نسائی صفحہ ۲۶۰)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ عقیدت ومحبت کی بنیاد پر میت کی پیشانی کا بوسہ لیا جاسکتا ہے جب کہ میت صالحین اور نیک و برگزیدہ لوگوں میں سے ہو، خیال رہے کہ شوہر کے لئے بیوی کا بوسہ مرنے کے بعد جائز نہیں۔ حافظ ابن حجر نے بیان کیا تعظیماً اور تبرکاً میت کا بوسہ لینا اس سے جائز معلوم ہوا۔ (جلد۵ صفحہ ۳۱۶)

مؤمنین کی روحوں کے ساتھ فرشتوں کا اکرام واعزاز

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے "فالمدبرات امرا" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قبض روح کے وقت حضرات ملائکہ کی جماعت ملک الموت کے ساتھ مرنے والوں کے پاس آتی ہے۔

اس وقت کچھ فرشتے تو ان کی روح کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں، کچھ دعاؤں پر آمین میں لگ جاتے ہیں کچھ میت کے لئے استغفار میں لگ جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس پر رحمت نازل ہونے لگتی ہے، اور انہیں قبر میں اتارتے ہیں۔ (اتحاف صفحہ ۲۷۷)

فائدہ: وہ مؤمنین جو صلاح عبادت وتقویٰ سے متصف ہوتے ہیں فرشتے بوقت نزع ان کے ساتھ مختلف قسم کے اکرام کا برتاؤ کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ رحمت اور استغفار کی دعا میں لگ جاتے ہیں، اور قبر میں ڈالنے تک شریک رہتے ہیں۔ گو ان امور کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھتی مگر یہ امور ہوتے ہیں، اور اہل اللہ حضرات انبیاء وعارفین پر ان امور کا انکشاف ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میت کے پاس جب ملائکہ آتے ہیں اگر وہ آدمی نیک اور صالح ہوتا ہے تو فرشتے اسے (نہایت ہی اکرام سے) کہتے ہیں نکلو اے پاکیزہ نفس جو پاک جسم میں تھی، نکلو اے قابل تعریف خوشخبری پاؤ راحت کی جنت کی، اپنے رب کے غصہ نہ ہونے (بلکہ خوشی ہونے کی) اسی طرح اسے کہا جاتا ہے۔ (زور وشدت نہیں کی جاتی گرجا برسا ڈانٹ ڈپٹ مارا پیٹا نہیں جاتا جیسا کہ گناہگار اور کافر کو) یہاں تک کہ وہ نکل جاتی ہے پھر فرشتے لے کر اسے آسمان کی جانب چڑھتے ہیں اور آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پوچھا جاتا ہے یہ کون ہیں جواب دیا جاتا ہے، یہ فلاں (نیک) شخص ہے، تو فرشتے کہتے ہیں، مبارک ہو پاکیزہ جان جو پاک جسم میں تھی داخل ہوجاؤ اے قابل تعریف خوشخبری حاصل کرو جنت اور اس کی راحت کی اور اپنے رب کی خوشی کی، اسی طرح اس سے (ہر آسمان کے دروازے پر) کہا جاتا ہے یہاں تک کہ اس آسمان میں پہنچ جاتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ ہے یعنی عرش پر۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب مؤمن کی موت کا وقت ہوتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی لباس لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں نکل جاؤ اے نفس خوشی بخوشی اللہ کی

راحت و جنت کی جانب خوش وخرم رب کی جانب پس وہ جسم سے نکلتی ہے اس حال میں کہ اس میں مشک کی خوشبو ہوتی ہے۔ اور اسے فرشتے ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور اسے آسمان کے دروازے پر لے کر آتے ہیں تو فرشتے (آسمان کے) کہتے ہیں کیا ہی خوشبودار اور خوشگوار روح ہے، جو زمین پر سے آئی ہے۔ پس اس کے پاس مؤمنین کی دوسری روحیں آتی ہیں۔ ان کو اس سے مل کر بہت خوشی ہوتی ہے جیسا کہ تم میں سے کسی غائب کے آنے سے خوشی ہوتی ہے۔ پس یہ اسے پوچھتی ہیں کہ فلاں کیا کر رہا ہے فلاں کا کیا حال ہے۔ پس یہ کہتے ہیں کہ چھوڑو فلاں کو وہ دنیا کے غم میں پھنسا ہے۔ تو یہ شخص جواب دیتا ہے کہ ارے اس کا انتقال ہو گیا وہ تمہارے پاس (نیکیوں کی جگہ علیین) نہیں آیا ہے۔ کیا تو یہ لوگ کہتے ہیں تب تو وہ جہنم گیا۔

(مختصراً مشکوٰۃ صفحہ۱۴۲، بلوغ الامانی جلد صفحہ۷۲)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مؤمن کے لئے دنیا سے جانے کا آخری وقت دار آخرت کی طرف جانے کا وقت ہوتا ہے۔ تو آسمان سے خوبصورت چہرے والے فرشتے اترتے ہیں ان کا چہرہ مثل سورج کے ہوتا ہے۔ ان کے پاس جنت کا لایا ہوا کفن ہوتا ہے۔ جس میں جنت کی خوشبو لگی ہوتی ہے۔ یہ اس کی نگاہ کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر اس کے پاس ملک الموت آتے ہیں۔ اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور اس سے (نہایت ہی اکرام سے) کہتے ہیں اے پاکیزہ نفس نکلو اللہ کی مغفرت اور رضوان کی جانب پھر آپ نے فرمایا۔ روح اس طرح (آسانی سے نکلے) نکل جاتی ہے جس طرح مشکیزے سے پانی کا قطرہ پس ملک الموت اسے لے لیتے ہیں۔ روح اس حال میں نکلتی ہے کہ اس میں مشک کی ایسی خوشبو ہوتی ہے جو زمین میں نہیں پائی جاتی۔ آپ نے فرمایا پھر اسے آسمان پر لے کر یہ چڑھتے ہیں پس جہاں بھی ان کا گزر ہوتا ہے فرشتے کہتے ہیں کیسی پاکیزہ روح ہے وہ کہتے ہیں یہ فلاں ابن فلاں ہے۔ اور دنیا کے ناموں میں سے بہترین ناموں میں سے اسے یاد کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ اسے آسمان دنیا تک لے آتے ہیں۔ اس کے لئے دروازہ کھلواتے ہیں تو ان کے لئے کھول دیا جاتا ہے۔ پس یہ سب فرشتے ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک ان کے ساتھ جاتے ہیں۔ تو اللہ پاک اس کے متعلق فرماتے ہیں۔ اس پر میرے بندے کو علیین میں جگہ دو پھر اسے زمین پر (قبر میں) لے جاؤ۔ اسی مٹی سے میں نے اسے پیدا کیا اسی مٹی سے دوبارہ پیدا کروں گا۔ (مختصراً مشکوٰۃ صفحہ۱۴۲، مسند احمد مرتب جلد۷ صفحہ۷۴)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کی جان قبض کی جاتی ہے تو اسے فرشتہ رحمت بشارت دیتے ہیں۔ جیسے دنیا میں بشارت دینے والا بشارت دیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دیکھو ان صاحب کو آرام دو اس نے دنیا میں (عبادت اور صبر) تکلیف اٹھائی ہے۔ (مجمع الزوائد صفحہ۳۲۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی مؤمن (صالح نیک) بندے کی وفات فرماتے ہیں تو اس کی جانب دو فرشتوں کو جنتی کفن لے کر بھیجتے ہیں اور جنت کی خوشبو میں سے خوشبو پس وہ کہتے ہیں اے نفس مطمئنہ نکلو۔ جنت کی جانب خوشنودی رب کی جانب پس کیا ہی اچھا کیا جو تم نے آگے بھیجا۔ پس وہ مشک کی خوشبو کی طرح نکلتی ہے جو تم سونگھتے ہو۔ اور آسمان میں ان کے انتظار میں ملائکہ ہوتے ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں سبحان اللہ آج زمین سے پاکیزہ روح آئی ہے۔ جس دروازے سے اس کا گزر ہوتا ہے وہ اس کے لئے کھول دیا جاتا ہے۔ فرشتے اس کے لئے دعاء رحمت کرتے ہیں اور اس کے لئے شفاعت کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ کے پاس اسے حاضر کرتے ہیں اس سے قبل وہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ یہ آپ کا فلاں بندہ ہے جس کی میں نے روح کھینچی ہے اور آپ اس سے خوب واقف ہیں۔ پس اسے سجدہ کا حکم ہوتا ہے۔ وہ روح سجدہ کرتی ہے پھر حضرت میکائیل کو بلایا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے اس روح کو مؤمنین کی روحوں میں لے جاؤ قیامت کے دن اس کے بارے میں تم سے مطالبہ کروں گا۔ (مختصراً مجمع صفحہ ۲۲۸)

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (جب کسی صالح بندے کی وفات کا ارادہ فرماتے ہیں تو) ملک الموت سے کہتے ہیں میرے دوست کے پاس جاؤ اور اسے لے آؤ۔ چونکہ میں نے اسے رنج و راحت دونوں ہی سے آزمایا ہے۔ اسے اپنی رضا کے مطابق پایا تو میں چاہتا ہوں کہ اسے دنیا کے غموں سے نجات دلاؤں تو ملک الموت پانچ سو فرشتوں کی جماعت کے ساتھ آتے ہیں ان کے ساتھ جنت کی خوشبو والے کفن ہوتے ہیں اور پھولوں کی شاخیں ہوتی ہیں جس میں مختلف خوشبو کی مہکیں ہوتی ہیں۔ اور یہ بیسیوں رنگ کی ہوتی ہے ان کے پاس مشک میں بسا ہوا سفید ریشمی کپڑا ہوتا ہے۔ ملک الموت فرشتوں کے ہمراہ بیٹھ جاتے ہیں ہر فرشتہ اپنا ہاتھ اس کے ایک عضو پر رکھ لیتا ہے۔ اور مشک میں بسے ہوئے اس ریشم کو اس کی ٹھوڑی کے نیچے بچھا دیا جاتا ہے اور ایک دروازہ جنت کی طرف کھول دیا جاتا ہے۔ اب اس کا دل جنت کی جانب رغبت کرتا ہے کبھی پاکیزہ بیویوں (حوروں کی جانب) کبھی لباس (جنت) کی طرف کبھی پھلوں کی طرف جس طرح گھر والے روتے ہوئے بچوں کا دل بہلاتے ہیں اسی طرح اس کا دل بہلایا جاتا ہے۔ اور جنتی حوریں خوش ہو رہی ہوتی ہیں اس کی روح کودتی ہے۔ (ادھر) فرشتہ کہتا ہے اے پاک نفس اچھے درختوں، دراز سایوں، بہتے پانی کی طرف چلو ملک الموت اس پر ماں سے بھی زائد شفقت کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ روح اللہ کے نزدیک محبوب ہے تو وہ اس روح پر نرمی کر کے خدا کی خوشنودی چاہتا ہے پس اس کی روح اس طرح نکالی جاتی ہے جس طرح آٹے سے بال ادھر اس کی روح نکلتی ہے ادھر تمام فرشتے کہتے ہیں۔ **سلام علیکم ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون**۔ (شرح صدور)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا جب مؤمن کی وفات کا وقت آتا ہے تو فرشتے ریشم اور خوشبو اور ٹہنیاں لے کر آتے ہیں اور اس کی روح کو اس طرح نکالتے ہیں جیسے آٹے سے بال اور اس سے کہتے ہیں اے نفس مطمئنہ اللہ کی رحمت اور اکرام کی طرف نکل۔ جب اس کی روح نکلتی ہے تو اسے مشک اور خوشبو پر رکھا جاتا ہے پھر ریشم میں رکھ کر علیین میں لے جاتے ہیں۔ (شرح الصدور صفحہ ۶۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کعب احبار سے پوچھا "ان الابرار لفی علیین" کے کیا معنی؟ تو آپ نے فرمایا جب مؤمن کی روح قبض ہوتی ہے تو فرشتے اس کو لے کر آسمان کی جانب جاتے ہیں دوسرے فرشتوں کی جماعت آکر اسے جنت کی بشارت دیتی ہے یہاں تک کہ اسے عرش الٰہی تک لے جاتے ہیں پھر فرشتے عرش کے نیچے سے ایک کتاب لاتے ہیں اس پر کچھ لکھ کر مہر لگا کر وہیں رکھ دیا جاتا ہے تاکہ قیامت کے دن اس کی نجات اس کتاب کے ذریعہ سے ہو یہی وہ کتاب ہے جس کا ذکر مذکورہ آیت میں ہے۔ (شرح الصدور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص جنت یا جہنم میں اپنا ٹھکانا دیکھے بغیر دنیا سے رخصت نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جب وہ مرنے کے قریب ہوتا ہے۔ تو فرشتوں کی دو صفیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ان کے چہرے آفتاب کی طرح چمکتے ہیں مردہ ہی ان کو دیکھتا ہے اور کوئی نہیں۔ گو تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہا ہے۔ ہر فرشتہ کے پاس جنتی کفن اور خوشبو ہوتی ہے مرنے والا مؤمن (صالح) ہوتا ہے۔ تو فرشتے اس کو جنت کی بشارت دے کر کہتے ہیں اے نفس مطمئنہ اللہ کی رضا اور اس کی جنت کی طرف نکل آ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے وہ انعامات رکھے ہیں جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ فرشتے نہایت نرمی اور مہربانی سے اسے یہ خبر سناتے ہیں پھر یکے بعد دیگرے ہر ناخن اور جوڑ سے اس کی روح نکال لیتے ہیں۔ اور یہ اس پر آسانی سے ہوتا ہے۔ (شرح الصدور صفحہ ۶۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مؤمن کی روح قبض ہونے سے پہلے اسے بشارت سنا دی جاتی ہے جب اس کی روح قبض ہوتی ہے تو وہ پکارتا ہے انسان اور جنات کے علاوہ اس کی آواز کو گھر میں رہنے والا ہر چھوٹا بڑا جانور سنتا ہے آواز یہ ہوتی ہے کہ مجھے جلد ارحم الراحمین کی بارگاہ میں لے چلو جب اسے تخت پر رکھا جاتا ہے تو کہتا ہے جانے میں دیر کیوں کرتے ہو جب اسے قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اسے بٹھایا جاتا ہے اور اسے جنت اور وہ تمام چیزیں جن کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا دکھائی جاتی ہیں اور قبر پھولوں اور خوشبوؤں سے پر کر دی جاتی ہے۔ (شرح الصدور صفحہ ۶۸)

حضرت بکر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ جب ملک الموت کو مؤمن (صالح) کی روح کو قبض کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو اسے جنت کا پھول دے کر کہا جاتا ہے اس کی روح ان پھولوں میں رکھ کر لاؤ۔ (شرح الصدور)

حضرت ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ جب کسی مقرب بندے کی روح قبض ہوتی ہے تو اس کے پاس جنتی پھولوں کی ٹہنیاں لائی جاتی ہیں وہ اسے سونگھتا ہے اور اس کی جان پرواز کر جاتی ہے۔ (شرح الصدور صفحہ ۸۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مؤمن کی روح قبض کرنا چاہتا ہے تو ملک الموت کو حکم دیتا ہے کہ اس بندے کو میرا سلام پہنچاؤ چنانچہ ملک الموت اس بندے کو خدا کا سلام پہنچاتا ہے۔ (جس سے وہ ملاقات کے لئے بے چین ہو جاتا ہے اور اس کی جان شوق کی وجہ سے آسانی سے نکل جاتی ہے)۔ (شرح الصدور صفحہ ۸۵)

حضرت محمد بن کعب القرظی کہتے ہیں جب مؤمن کی روح کے قبض کرنے کا وقت ہوتا ہے تو ملک الموت آکر کہتے ہیں "السلام علیك یا ولی اللّٰہ" آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے۔ پھر اس آیت کو دلیل میں پیش کیا ہے۔ الذین تتوفا ھم الملائکۃ طیبین یقولون سلام علیکم۔ (بیہقی، شرح الصدور)

حضرت عبید بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے آپ نے فرمایا موت کی وجہ سے اس کی ہر رگ دردمند تھی لیکن اس کے رب کی جانب سے اس کو یہ خوش خبری دی گئی کہ اس تکلیف کے بعد کوئی تکلیف نہیں پس اسے سکون مل گیا۔ (بیہقی، شرح الصدور صفحہ)

میت کی معرفت متعارف اہل برزخ کو سلام

عبدالرحمٰن بن کعب نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ جب حضرت کعب کی وفات کا وقت آیا تو ان کے پاس ام بشر بنت البراء آئیں اور کہا اے ابوعبدالرحمٰن اگر تمہاری فلاں سے ملاقات ہو (والد یا بیٹے جن کا انتقال ہو چکا تھا) تو ان کو میرا سلام پیش کرنا۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۰۴، مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۳)

امام بخاری نے تاریخ میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت قتادہ کی صاحبزادی ام المؤمنین اپنے والد کی وفات کے نصف ماہ بعد عبداللہ بن انیس کے پاس آئیں جب کہ وہ مرض وفات میں تھے۔ اس سے کہا اے میرے چچا آپ میرے والد کو میری طرف سے سلام پہنچا دیں گے۔ (اصابہ، مرقاۃ المفاتیح صفحہ ۳۲۷)

زہری نے حضرت عبدالرحمٰن بن کعب سے نقل کیا ہے کہ ام مبشر کعب کی وفات کے وقت آئیں اور کہا اے کعب میرے بیٹے کو میری طرف سے سلام پیش کر دینا یعنی بشر کو۔ (مسند احمد، مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۳۳۵)

ابن ابی الدنیا نے بیان کیا کہ بشر بن براء بن معرور کا انتقال ہوا تو اس کی والدہ (ام مبشر) کو بہت سخت صدمہ اور رنج ہوا۔ وہ حضور پاک کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ وفات پاتے رہتے ہیں یہ ان کا قبیلہ تھا) کیا یہ مردے آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ میں مبشر کو (ان مرنے والوں کے ہاتھ) سلام بھیج دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں قسم خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ وہ آپس میں ایک

دوسرے کو پہچانتے ہیں جس طرح درختوں پر رہنے والے پرندے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ چنانچہ (اس کے بعد) قبیلہ بنی سلمہ میں سے کسی کا بھی انتقال ہوتا تو وہ اس کے پاس آتیں اور سلام کہتیں اور یہ کہتیں کہ میری جانب سے بشر کو سلام پیش کر دینا۔ (مرعاۃ جلد۵ صفحہ۲۳۳، مرقاۃ جلد۵ صفحہ۳۰)

عبدالرحمٰن سے منقول ہے کہ جب حضرت سعد بن مالک کی وفات کا وقت آیا تو ام مبشر حاضر ہوئیں اور کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن اگر (برزخ میں) میرے والد سے آپ کی ملاقات ہو جائے تو میرا اسلام پہنچا دیجیے۔

(مجمع الزوائد جلد۲ صفحہ۳۲۹، شرح الصدور صفحہ۲۳۲)

فائدہ: حدیث پاک میں ہے کہ روحیں ایک دوسرے سے متعارف ہوتی ہیں۔ اور برزخ میں ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں۔ جانے والی روحوں کی وہاں موجود سے ملاقات ہوتی ہے۔ باہم گفتگو ہوتی ہے۔ جانے والوں سے دنیا میں اپنے رشتہ داروں کے احوال معلوم کرتے ہیں خیریت پوچھتے ہیں۔ ابونعیم نے حلیہ میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ ساتویں آسمان پر ایک گھر ہے جس کا نام دار بیضاء ہے۔ اس میں روحیں جمع ہوتی ہیں اور جب کوئی نئی روح آتی ہے تو یہ اس کا استقبال کرتی ہے اور اس سے دنیا والوں کے حالات اس طرح دریافت کرتی ہیں جس طرح دنیا میں مسافر سے کئے جاتے ہیں۔ (شرح الصدور صفحہ۲۳۵)

جب روحوں کی ملاقات ہوتی ہے تو مرنے والوں کی معرفت سلام ان کو جو پہلے جا چکے ہیں بھیجا جا سکتا ہے۔ چنانچہ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ محمد بن منکدر وغیرہ کی احادیث سے مردوں کو سلام بھیجنے کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ (مرقاۃ صفحہ۳۳۷)

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ مرنے والے کی معرفت اس شخص کو جو پہلے وفات پا چکا ہو۔ سلام بھیجا جا سکتا ہے۔



میت کے غسل کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ شمائل اور تعلیمات کا بیان

غسل اور کفن اور خوشبو وغیرہ کی ابتداء ملائکہ سے

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام مرض موت میں مبتلا ہوئے تو اپنے بیٹوں سے کہا میں مریض ہوں، میری وہی خواہش ہے جو مریض کی ہوتی ہے کچھ میرے لئے جنت کا پھل تلاش کر لاؤ، چنانچہ وہ نکلے زمین پر تلاش کے لئے چلنے لگے تو سامنے فرشتوں سے ملاقات ہوگئی فرشتوں نے کہا اے آدم کی اولاد کہاں جارہے ہو، کہا میرے والد نے جنت کے پھل کی خواہش کی ہے۔ (جنت جانے کی) کہا تم لوٹ جاؤ، تمہارے والد کی روح قبض کر کے جنت میں پہنچانے کا حکم ہوگیا ہے۔ چنانچہ فرشتوں نے ان کی روح قبض کی، اور وہ سب دیکھ رہے تھے پھر انہوں نے کفنایا خوشبو لگائی وہ (اولاد) دیکھ رہے تھے ان پر جنازہ پڑھی، وہ دیکھ رہے تھے پھر فرشتوں نے کہا اے آدم کی اولاد تمہارے مرنے والوں کے لئے یہی طریقہ ہے۔ (یعنی غسل دینے کفنانے اور خوشبو لگانے نماز جنازہ پڑھنے اور دفنانے کا)۔

(سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۴۰۴، حاکم صفحہ ۳۴۴، بنایہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۰)

حضرت ابی کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت واثلہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بیری کے پانی سے غسل دیا کفنایا بغلی قبر کھودی اور اس میں دفن کیا، پھر کہا تمہارے مردوں کا یہی طریقہ ہے۔

(طبرانی کنز جلد ۱۵ صفحہ ۱۸۰، کشف الغمہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۳)

عمدۃ القاری میں علامہ عینی نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو حضرات ملائکہ نے غسل دیا کفن پہنایا خوشبو لگائی، قبر کھودی، بغلی قبر بنائی اس پر نماز جنازہ پڑھی، پھر قبر میں داخل کیا کچی اینٹوں سے بند کیا، پھر قبر سے نکلے، پھر ان پر مٹی ڈالی پھر کہا یہی طریقہ ہے ابن آدم کے دفنانے کا۔ (عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۳۶)

فَائِدَہ: شرعی اعتبار سے انسان کے دفن اور غسل کی ابتدا حضرات ملائکہ سے ہوئی ہے جو انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں کیا تھا، گویا حضرات فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ سے انسان کو دفن کرنے

کی تعلیم دی، جس کو مسلمان اور ایمان والوں نے باقی رکھا اور غیروں نے کفر اور جہالت سے چھوڑ ڈالا۔ فطرت اور عقل کا بھی تقاضہ ہے کہ انسان کے اکرام اور احترام کے پیش نظر اسے غسل دیا جائے خوشبو اور کافور لگا کر جس سے (یعنی مٹی سے) پیدا ہوا ہے اسی میں ڈال کر جس نے پیدا کیا ہے جو اس کا مالک ہے اس کے حوالہ کیا جائے۔ نہ اسے جلایا جائے۔

چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی موت نسل انسانی کا پہلا واقعہ تھا، ان کی اولاد کو طریقہ تدفین معلوم نہیں تھا اس لئے حضرات ملائکہ نے اس کا طریقہ بتایا۔

میت کو غسل دینے کی فضیلت اور ثواب

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو میت کو غسل دے اس میں امانت داری ادا کرے، کوئی چیز دیکھے تو اس کا افشاء نہ کرے تو وہ گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے اس کی ماں نے آج ہی اسے جنا ہو۔ (مسند احمد صفحہ ۱۵۳، مجمع جلد ۳ صفحہ ۲۲ کنز)

حضرت معاویہ بن خدیج کی روایت ہے کہ جو کسی میت کو غسل دے، اسے کفنائے، اس کے جنازے میں چلے اور اسے دفن کر کے آئے تو وہ مغفرت شدہ لوٹے گا۔ (مجمع صفحہ ۲۲، بلوغ الامانی صفحہ ۱۵۳)

حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میت کو غسل دے اور (ناپسندیدہ بات) چھپائے تو اس کی ۴۰ مرتبہ مغفرت کی جائے گی۔ (حاکم صفحہ ۳۶۲)

یحیٰ بن کثیر کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی میت کو غسل دے وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے آج ہی اس کی ماں نے جنا ہو۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۰۴)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبروں کی زیارت کیا کرو، وہ آخرت یاد دلاتی ہیں، مُردوں کو غسل دیا کرو، جسم کا علاج اور بلیغ نصیحت ہے، نماز جنازہ پڑھا کرو اس سے غم پیدا ہوگا اور غمزدہ خدا کے سایہ میں ہوگا ہر بھلائی کو پائے گا۔ (حاکم جلد ۱ صفحہ ۳۷۷)

غسل میت کے وقت کوئی نامناسب چیز دیکھے تو اس کے چھپانے کی ترغیب

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی میت کو غسل دیا، اور اس کی بات کو چھپایا وہ گناہوں سے پاک ہو جائے گا۔ اگر اس نے اسے کفن دیا تو خدا اسے ریشمی لباس پہنائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ کسی بندہ کی بات کو دنیا میں چھپاتا ہے خدا اس کی بات کو قیامت میں چھپائے گا۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۱۵۴)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میت کو غسل دیا اسے کفنایا خوشبو لگائی اس کے جنازہ کو اٹھایا اس پر نماز جنازہ پڑھی اس کے کسی نامناسب امور کو دیکھ کر لوگوں پر ظاہر نہ کیا تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا، جیسے کہ اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہو، نامناسب سے مراد یہ ہے کہ مثلاً چہرہ یا کسی عضو کا سیاہ ہو جانا دیکھ لے زبان ٹیڑھی ہو جانا دیکھ لے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۰۵)

یا زیر ناف بال کا بڑا ہونا محسوس ہو جائے یا جسم کی ہیئت بدل جائے ڈراؤنی ہو جائے مسخ ہو جائے تو ان امور کو دوسرے سے بیان کرنا جائز نہیں ہاں کھلم کھلا فاسق و ظالم تھا تو درست ہے۔

اگر کوئی اچھی حالت دیکھے مثلاً چہرہ کا نورانی ہو جانا یا روشنی کا ظاہر ہونا خوشبو کا مہکنا یا اور کوئی اچھی بات تو اس کا لوگوں میں ظاہر کر دینا مستحسن ہے۔ (طحطاوی علی صفحہ ۳۱۶)

غسل دینے کفن پہنانے اور قبر کھودنے کا ثواب

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو قبر کو کھودے گا اس کے لئے خدا جنت میں گھر بنائے گا، جو میت کو غسل دے گا گناہ سے ایسے پاک ہو جائے گا جیسا کہ اس کی ماں نے آج ہی جنا ہو، اور جو کسی کو کفن دے گا اللہ پاک اسے جنت کے جوڑے پہنائے گا، جو کسی غمزدہ کو تسلی دے گا اسے خدا تقویٰ کا لباس پہنائے گا اور روحوں میں سے اس کی روح پر رحمت ہوگی جو کسی کی موت پر تعزیت کرے گا خدا اسے جنت کے دو جوڑے پہنائے گا، جس کی قیمت دنیا ادا نہ کر سکے گی، اور جو جنازہ کے پیچھے چلے گا یہاں تک اسے دفن کر دے اس کے لئے ۳ر قیراط لکھے جائیں گے جس کا ایک قیراط احد پہاڑ سے بڑا ہوگا، جو کسی یتیم یا بیوہ کی کفالت کرے گا اللہ پاک اسے اپنے سایہ میں رکھے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (طبرانی مجمع جلد ۳ صفحہ ۲۲)

حضرت ابو رافع کی حدیث میں ہے کہ جس نے کسی کے لئے قبر کھودی اور اس میں اس کو دفن کیا اس نے اس کو مکان دینے کا ثواب قیامت تک پایا، جس نے کسی کو کفن دیا اللہ پاک اسے ریشم سندس اور استبرق کا جوڑا جنت میں دے گا۔ (سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۹۵)

میت کو بہر صورت غسل دینے کا حکم فرماتے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ میں جب مر جاؤں تو مجھے سات مشکیزہ سے غسل دینا میرے کنویں بئر غرس سے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۰۶، صفحہ ۱۴۶۸، کنز صفحہ ۵۷۳)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امانت داری کا لحاظ کرتے ہوئے مردوں کو غسل دو۔ (یعنی نامناسب بات دیکھو تو اسے چھپا دو)۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۰۵)

فَائِدَہ: میت کو غسل دینا فرض ہے، اگر اس کا غسل کرنے کے بعد متصلاً انتقال ہوا ہو تو بھی زندہ پر اس کو غسل دینا فرض ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے کہ اس کا انتقال ہو جائے تو اسے غسل دے۔ (شرح وجیز میں ہے کہ میت کو غسل دینا کفنانا نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے)۔

(عمدۃ القاری صفحہ ۳۵)

فتح القدیر میں ہے کہ غسل دینا بالاجماع فرض ہے، (جلد ۲ صفحہ ۱۰۵)

خنثی مشکل کو غسل دینا فرض نہیں۔ غسل صرف شہید (معرکہ) کو نہیں دیا جائے گا۔

(فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۵، نفع المفتی صفحہ ۱۴۱)

غسل دینا زندوں پر فرض کفایہ ہے، اگر بارش کے پانی سے میت کا بدن دھل جائے تب بھی غسل دینا واجب ہے سمندر میں ڈوب کر مر گیا اس کو بھی شرعی غسل دیا جائے گا۔ (بحرالرائق صفحہ ۱۸۷)

جمہور علماء کے نزدیک زندوں پر مردوں کو غسل دینا فرض کفایہ ہے۔ (مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۳۳۹)

فَائِدَہ: لہٰذا کسی نے غسل نہیں دیا اور دفن کر دیا، تو سب گنہگار ہوں گے۔

میت کے تمام امور طاق عدد میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب کہا کرتے تھے کہ میت کے (تمام امور) غسل دینا کفن پہنانا دھونی دینا طاق عدد میں، ۳، ۵، ۷/عدد میں سنت ہے۔ (ابن شیبہ صفحہ ۱۴۶)

حضرت ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ میت کا غسل اس کی تکفین اور اس کو خوشبو سے دھونی دینا سب طاق عدد میں ہے۔ (استذکار جلد ۸ صفحہ ۲۱۵)

خیال رہے کہ میت کو غسل کسی تخت وغیرہ پر غسل دے زمین پر نہ دے۔ (کبیری صفحہ ۵۷۸)

میت کو غسل گرم پانی سے دینا

حماد نے بیان کیا کہ میت کے لئے پانی گرم کیا جائے گا۔

عبداللہ بن الحارث کہتے ہیں میت کو غسل گرم پانی سے دیا جائے گا۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۶)

ام قیس سے مروی ہے کہ انہوں نے غسل دینے والے سے کہا کہ میرے بیٹے کو ٹھنڈے پانی سے غسل مت دینا کہ اسے تم مار ڈالو۔ (نسائی صفحہ ۳۴۶)

فَائِدَہ: میت کو گرم پانی سے غسل دینا افضل ہے خواہ بدن پر میل ہو یا نہ ہو۔

(طحطاوی صفحہ ۳۱۱، عنایہ، فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۸، نفع المفتی صفحہ ۱۴۲)

بنایہ میں ہے کہ گرم پانی جس میں بیری کے پتے کو کھولایا گیا ہو غسل دیا جائے گا۔ (جلد ۳ صفحہ ۲۱۶)

میت کو کسی تخت وغیرہ پر رکھ کر غسل دینا سنت ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میت کو تخت پر رکھ دو تو غسل دے دو۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۲۵)

فائدہ: بنایہ شرح ہدایہ میں ہے میت کو تخت پر رکھے۔ (جلد ۳ صفحہ ۲۱۹، کبیری صفحہ ۵۷۷)

میت کو کسی تخت پر رکھ کر غسل دیا جائے گا۔ خواہ تخت کو پورب پچھم رکھے یا اتر دکھن یا کسی اور طرح جس طرح سہولت ہو۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۶) میت کو کسی تخت پر چت لٹائے۔ (عنایہ علی الفتح صفحہ ۱۰۶)

اسبیجابی اور صاحب شرح طحاوی نے بیان کیا کہ چت لٹائے اور پیر قبلہ رخ کر دے جیسے کے موت کے وقت۔ (بنایہ صفحہ ۲۱۱)

جس تخت پر میت کو غسل دیا جائے گا اس کو ۳/۵/ یا زائد ۷/ مرتبہ دھونی خوشبو کی مثلاً لوبان کی دی جائے گی اس کا طریقہ یہ ہے کہ تخت کے چاروں طرف اسے گھمایا جائے گا۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۰۸، طحطاوی علی المراقی صفحہ ۳۱۰)

غسل کی ابتداء دائیں طرف سے مسنون ہے

حفصہ بنت سیرین کی روایت ام عطیہ سے ہے کہ اپنی بیٹی کے غسل کے بارے میں فرمایا غسل دائیں جانب سے کرو، اور وضو کے مقامات سے۔ (بخاری صفحہ ۱۶۸، ابوداؤد صفحہ ۴۴۸، مسلم صفحہ ۳۵۰، ترمذی صفحہ، ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۴۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز میں دایاں رخ پسند تھا حتیٰ کہ غسل میں اور بال جھاڑنے میں بھی۔ (بنایہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۷)

فائدہ: خیال رہے کہ اولاً وضو کے بعد سر کو غسل دیا جائے گا، پھر دائیں جانب اور بائیں جانب لیکن اس کا طریقہ یہ ہے اولاً بائیں کروٹ کیا جائے گا تاکہ دائیں طرف پانی پہنچ جائے پھر دائیں کروٹ تاکہ دائیں کے بعد بائیں طرف پانی پہنچ جائے اسی طرح غسل مسنون ہے۔ (فتح القدیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۹)

شرح ہدایہ میں ہے کہ پہلے دائیں جانب کو دھوئے کہ یہ سنت ہے۔ (بنایہ صفحہ ۲۱۷)

غسل کی ابتداء سر اور داڑھی سے سنت ہے

محمد بن علی بن حسین کی روایت میں ہے کہ ابتداء سر اور ڈاڑھی سے کرے۔

ابوقلابہ نے کہا کہ اولاً سر سے ابتداء کرے، پھر داڑھی، پھر دائیں جانب سے غسل دے اور ۳/ مرتبہ دے ہر مرتبہ بیری کے پانی سے دے اور ایک مرتبہ خالص پانی سے دے۔ (مصنف بن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۳۹۷)

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں میت کو وضو کرانے کے بعد سر کی جانب سے غسل دینا شروع کیا جائے گا۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۴۵)

فَائِدَہ: میت کو وضو کرانے کے بعد بیری کے پانی سے غسل دیا جائے گا۔ اور سر کو اولاً خطمی سے دھویا جائے گا۔
(طحطاوی علی العراقی)

خیال رہے کہ میت کے غسل کی ابتداء سر سے ہوگی اور زندوں کو غسل میں اولاً ہاتھ دھونا مسنون ہے۔
(نفع المفتی والسائل صفحہ ۱۴۲)

میت کو بیری کے پتے سے غسل دینا مسنون ہے

ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (زینب کا) وصال ہوا تو آپ نے فرمایا، ان ۳ / یا ۵ / یا اس سے زائد (۷ / مرتبہ) غسل دو، اور ان کو بیری کے پتوں کے پانی سے (بیری کے پتوں کو پانی میں پکا کر اس پانی سے) غسل دو۔ (بخاری صفحہ ۱۶۸، نسائی صفحہ ۲۶۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (حجۃ الوداع کے موقعہ پر) ایک آدمی تھا حالت احرام میں اونٹنی پر سے گر گیا اور مر گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے بیری کے پانی سے غسل دو۔
(مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۳، متفق علیہ)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر بیری کا پتہ نہ ملے تو خطمی (ایک بیج ہے) اس کے پانی سے غسل کرایا جائے گا۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں بیری کے پتہ سے غسل دیا جائے گا اگر یہ نہ ملے تو خطمی سے اور خطمی بھی نہ ملے تو اشنان (صابون) سے غسل دیا جائے گا۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۴۴)

شرح مسند احمد میں علامہ نووی کے حوالہ سے ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک میت کو بیری کے پتہ سے غسل دینا مستحب ہے۔ (بلوغ الامانی جلد ۷ صفحہ ۱۶۶)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ خطمی بھی اس کے مثل ہے، اگر یہ نہ مل سکے تو صابن بھی اس کی جگہ ہے۔
(عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۴۰)

ابن ہمام اور دیگر فقہاء نے لکھا ہے کہ اولاً خالص میت کو پانی سے غسل دیا جائے تاکہ میل وغیرہ صاف ہو جائے اس کے بعد دوسری مرتبہ بیری کے پتوں کے ابالے پانی سے غسل دیا جائے، پھر تیسری مرتبہ کافور ڈالے پانی سے غسل دیا جائے تاکہ نظافت حاصل ہو جائے اور یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ دو مرتبہ بیری کے پتوں والے پانی سے (یا صابن سے) اور تیسری مرتبہ کافور کے پانی سے غسل دے دیا جائے۔ (فتح القدیر صفحہ)

ملا علی قاری نے بھی شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ دو مرتبہ بیری کے پتوں والے پانی سے اور ایک مرتبہ کافوری پانی سے غسل دے۔ (مرقات جلد ۴ صفحہ ۳۴)

شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ کافور کے استعمال کی حکمت یہ ہے کہ یہ جلدی سڑان کو روکتا ہے۔

علامہ عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں کہ ۳ / مرتبہ غسل دینا سنت ہے، اور بدائع میں ہے کہ ایک مرتبہ دینا واجب ہے۔ (بنایہ صفحہ ۲۱۸)

انتباہ۔ آج کل لوگ صرف صابن سے غسل دے دیتے ہیں یہ جائز ہے مگر سنت کے خلاف ہے، بیری کے پتے آسانی سے مل جاتے ہیں اسی طرح کافور بھی لہٰذا سنت کی رعایت کرتے ہوئے اولاً خالص پانی سے پھر بیری کے پانی سے پھر کافور ڈالے ہوئے سے غسل دینا چاہئے، یہ سب آخری رسوم ہیں اس میں بھی سنت کی رعایت نہ کی جائے گی تو بڑے افسوس کی بات ہے۔

میت کے لئے کافور کا استعمال سنت ہے

حضرت ام عطیہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے (اپنی بیٹی کے غسل کا طریقہ بتاتے ہوئے) فرمایا، آخر میں کافور کا استعمال کرنا، کچھ کافور لگانا۔ (بخاری صفحہ ۱۶۸، فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۳۳)

اس طرح نسائی کی روایت میں ہے، اس کے بعد (غسل کے بعد) کافور لگانا۔ (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۳۲)

فائدہ: میت کے لئے کافور کا استعمال سنت ہے، آپ نے غسل کے آخیر میں اس کے استعمال کرنے کو فرمایا، اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ آخری غسل کے پانی میں کافور ڈال کر استعمال کیا جائے، چنانچہ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں بحوالہ محیط ومبسوط میں غسل کی ترتیب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پہلی مرتبہ خالص پانی سے دوسری مرتبہ بیری کے پتوں والے پانی سے تیسری مرتبہ کافور کی آمیزش والے پانی سے غسل دیا جائے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۳۶)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ بیری اور کافور (کا پانی) میت کے حق میں سنت مستحب ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۴۱)

اسی طرح غسل کے بعد کفنانے کے وقت سجدہ کے مقامات پر کافور لگا دے، اور وہ پیشانی ہے ناک ہے دونوں ہاتھ گھٹنے اور دونوں پیر ہیں، اسی طرح سجدہ کے مقامات پر خوشبو بھی لگا دے۔ غسل کے بعد میت کے سر اور داڑھی میں بھی کافور لگایا جائے۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۱۰، فتح القدیر طحطاوی صفحہ ۳۱۲)

غسل کپڑے اور پردے کے ساتھ سنت ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کو لوگوں نے غسل دیا، اس حال میں کہ آپ پر کرتا تھا، اور کرتے کے اوپر سے لوگ پانی بہا رہے تھے اور اپنے ہاتھوں سے بدن کو نہیں رگڑ رہے تھے۔ (بلکہ کپڑے سے) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کو لوگوں نے غسل دینے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اس امر میں اختلاف کیا کہ بعضوں نے کہا کہ آپ کے کپڑے قمیص کو اتار کر ننگا کر کے غسل دیں، بعضوں نے کہا کپڑے ہی پر سے غسل دیا جائے، سو اس پر اللہ پاک نے ان پر اونگھ طاری کر دی یہاں تک کہ ان

کے سر ٹھوڑیوں میں لگنے لگے۔

پھر گھر کے کنارے سے کسی کہنے والے کی آواز آئی کہ آپ کو غسل اس طرح دیا جائے کہ ان پر قمیص رہے، پس لوگوں نے قمیص پر سے غسل دیا، اور اسی پر سے پانی بہاتے رہے۔ اور اوپر سے رگڑتے رہے، یعنی ہاتھ بدن کے اندر نہیں لے گئے۔ (سنن کبریٰ جلد۳ صفحہ ۳۸۷، ابوداؤد صفحہ ۴۴۸)

حضرت جعفر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب لوگوں نے آپ ﷺ کو (وفات کے بعد) غسل دینے کا ارادہ کیا تو ارادہ کیا کہ کپڑے اتار دیں، تو لوگوں نے گھر سے ایک (غائبانہ) آواز سنی قمیص نہ اتاری جائے۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۲۴۰)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کو قمیص کی حالت میں غسل دیا گیا۔ (ابن ابی شیبہ)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کو قمیص پہننے کی حالت میں غسل دیا گیا، اور لوگ قمیص کے اوپر سے پانی بہاتے تھے۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۳۸۷)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب آپ کو غسل کے لئے لایا گیا تو گھر کے اندر سے آواز آئی کہ آپ کی قمیص کو نہ کھولا جائے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۰۵، تلخیص الحبیر صفحہ ۱۱۳، حاکم جلد۱ صفحہ ۳۵۴)

فائدہ: خیال رہے کہ قمیص کا نہ کھولنا اور قمیص پہنے غسل کرانا یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی، عام لوگوں کا کرتا سینا اور پیٹ کا لباس کھول دیا جائے گا، البتہ ناف سے لے کر گھٹنے تک مثل لنگی کے کپڑے سے چھپا کر غسل دیا جائے گا۔ آپ ﷺ کو غسل دینا پاکی اور طہارت کے لئے نہیں تھا آپ زندگی میں اور موت کے بعد بہر صورت پاک ہیں۔ (اعلاء السنن صفحہ ۱۷۷)

ابن ہمام اور دیگر تمام فقہاء نے لکھا ہے کہ صرف ناف سے لے کر گھٹنے تک ایک کپڑا ڈال دیا جائے گا باقی میت کا کرتا بنیان پائجامہ وغیرہ سب کھول کر خالی بدن کر دیا جائے گا، چونکہ کپڑے کے ساتھ پوری صفائی حاصل نہ ہوسکے گی۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۰۷، عنایہ نور الایضاح، طحطاوی علی المراقی صفحہ ۳۱۰، کبیری صفحہ ۵۷۷)

میت کے مقام ستر کا نہ دیکھنا جائز ہے اور نہ ہاتھ سے چھونا جائز ہے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، نہ زندوں کے نہ مردوں کے ستر کو دیکھو

ضمرہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی ران کو مت کھولو، اور نہ کسی زندہ اور نہ مردہ کی ران (ستر عورت) پر نظر ڈالو۔ (استذکار صفحہ ۱۹۵، ابوداؤد صفحہ ۴۴۸)

فائدہ: خیال رہے میت کے غسل کے وقت گھٹنے سے لے کر ناف تک کپڑے سے چھپانا ضروری ہے، اس پر نگاہ کا پڑنا جائز نہیں اسی طرح اس مقام پر غسل کے وقت ہاتھ کا لگانا ہاتھ سے رگڑنا درست نہیں ہے، البتہ ہاتھ

میں کپڑے کا ایک دستانہ پہن لے اسی کو اس کے بدن پر پھیر دے۔

ابن عبدالبر مالکی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ زندہ اور مردہ کے ستر کا نہ دیکھنا جائز ہے اور نہ اسے ہاتھ سے چھونا جائز ہے۔ (استذ کار جلد ۸ صفحہ ۱۹۴)

ابن ہمام اور دیگر فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کے ستر عورت ناف سے لے کر گھٹنے تک ایک کپڑے کا ٹکڑا ڈال دیا جائے تا کہ غسل کے وقت ستر عورت نظر نہ آئے۔ (وجعلوا علی عورته خرقة)۔ (بنایہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۲)

شرح منیہ میں ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک کپڑے سے پردہ کیا جائے کہ مردوں کا بھی وہی حکم ہے جو زندہ کا ہے، (صفحہ ۵۷۷) یعنی غسل کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی لنگی کی طرح کپڑے سے ناف سے لے کر گھٹنے تک چھپا دے باقی پورے جسم کو کھلا رکھ کر غسل دے۔

حضرت ام سلیم کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب کسی عورت کا انتقال ہو جائے اور تم اس کے غسل دینے کا ارادہ کرو تو اس کے پیٹ سے (غسل کی ابتدا اس طرح کرو) کہ اس کے پیٹ پر ہلکے سے ہاتھ پھیرو، بشرطیکہ عورت حاملہ نہ ہو، اگر حاملہ ہو تو پھر پیٹ کو حرکت مت دو۔ (کنز العمال اعلاء السنن جلد ۸ صفحہ ۱۸۰)

منقول ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ ﷺ کو غسل دیا تو غسل کے بعد نرمی سے آپ کے پیٹ مبارک پر ہاتھ پھیرا تا کہ کچھ نکلنا ہو تو نکل جائے مگر کچھ نہیں نکلا، اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا آپ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے موت کے بعد بھی پاکیزہ۔ (عنایہ فتح القدیر صفحہ ۱۰۹)

فائدہ: سنت یہ ہے کہ غسل کے بعد پیٹ پر ذرا ہلکے سے ہاتھ پھیرے اس طرح کہ اس کو ذرا بٹھائے اسے ذرا پیچھے سے سہارا دے کر اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیرے اگر کوئی چیز نکلے تو صرف اسی مقام کو دھوئے دوبارہ غسل کرانے کی اب ضرورت نہیں، اور نہ وضو دوبارہ کرنے کی ضرورت خیال رہے کہ غسل کے بعد پیٹ کو ہلکا سا سہارا دیا جائے پہلے نہیں۔ (عنایہ فتح القدیر صفحہ ۱۰۹)

کپڑے کا دستانہ سنت ہے

حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کو غسل دیا، اور آپ قمیص پہنے ہوئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ایک کپڑے کا دستانہ تھا، جس سے وہ غسل دے رہے تھے، وہ قمیص کے نیچے اپنا ہاتھ ڈالتے اور غسل دیتے۔

(ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۰، سنن کبری جلد ۳ صفحہ ۳۸۸، حاکم اعلاء السنن جلد ۸ صفحہ ۱۷۷، طحاوی)

فائدہ: ابن ہمام نے لکھا ہے غسل دینے والے کے لئے مستحب ہے کہ ہاتھ میں کپڑے کا دستانہ باندھ لے۔

(فتح القدیر جلد صفحہ ۱۰۷)

فَائِدَہ: میت کو جو غسل دے رہے ہوں کسی کپڑے کے ٹکڑے کو اپنے ہاتھ میں باندھ لیں یہی دستانہ ہے اس کے سہارے میت کے بدن کے اندر کے اندرونی حصہ کو دھوئے۔ (اعلاء السنن جلد ۸ صفحہ ۱۷۶)

شرح منیہ میں ہے کہ غسل دینے والا ہاتھ میں کوئی کپڑا لپیٹ لے اور اس کے دانت مسوڑھے، ہونٹ وغیرہ پر پھیرے اسی پر امت کا عمل ہے۔ (صفحہ ۵۷۸)

غسل کے وقت ہلکے سے پیٹ کو نچوڑا جائے، تاکہ نجاست وغیرہ نکل جائے

ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میت کے پیٹ کو غسل کی ابتداء میں ہلکے سے نچوڑا جائے، حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں میت کے پیٹ کو ایک دو مرتبہ ہلکے سے نچوڑا جائے گا۔ ابن مسیب کہتے ہیں کہ لوگوں نے رسول پاک ﷺ کے پیٹ مبارک سے چاہا کہ کچھ نکل جائے جیسا کہ عموماً میت کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ (یعنی نچوڑا مگر کچھ نہیں نکلا) اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا زندگی اور حیات بھی پاکیزہ موت بھی پاکیزہ۔

(ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۴۶، سنن کبریٰ صفحہ ۳۸۸، ابن ماجہ صفحہ ۱۰۶)

غسل میں میت کو وضو کرانا سنت ہے

ابو قلابہ حضرت ابراہیم حضرت ابن سیرین کہتے ہیں کہ میت کو (غسل میں) نماز کے وضو کی طرح وضو کرایا جائے گا۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۱)

فَائِدَہ: میت کو وضو کرانا مستحب ہے۔ (شرح مسلم صفحہ ۳۰۵)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ میت کو وضو کرایا جائے گا مگر ناک میں پانی اور کلی نہیں کرائی جائے گی چونکہ منہ اور ناک میں پانی ڈالنا میت کے لئے مشکل ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۴۳، مراقی الفلاح صفحہ ۳۱۰، فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۷)

غسل کی سنت میں وضو ہے اس لئے میت کو وضو سنت ہے البتہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنا پھر نکالنا متعذر ہے اس لئے اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۰۸)

ایسے ہی چھوٹے بچے کو جو نماز کی عقل اور سمجھ نہیں رکھتا اس کو وضو غسل کے موقعہ پر نہیں کرایا جائے گا۔ ہاں اگر نماز کی سمجھ رکھتا ہو تو وضو کرایا جائے گا۔ (مراقی صفحہ ۳۱۰، شامی صفحہ، نفع المفتی صفحہ ۱۴۲)

میت کے منہ اور ناک میں پانی ڈالنے کا طریقہ

حضرت ابراہیم نے فرمایا (غسل یا وضو کے وقت) میت کے ناک اور منہ میں پانی نہ ڈالا جائے بلکہ ایک صاف کپڑا (یا روئی لی جائے) اس کے ذریعہ سے منہ اور ناک کو تر کر دیا جائے۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۳)

فَائِدَہ: میت کے وضو میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنا مسنون نہیں، البتہ اگر میت ناپاک ہے، مثلاً مرد کا انتقال

جنابت کی حالت میں اور عورت کا انتقال حیض یا ولادت کی حالت میں ہوا ہو تو ناک میں پانی ڈال کر اسے کپڑے یا روئی سے نکال لینا لازم ہوگا۔

غسل طاق عدد میں دینا سنت ہے

ام عطیہ الضاریہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا کی روایت میں ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنی بیٹی کی وفات پر فرمایا اسے طاق عدد میں غسل دو۔ (نسائی صفحہ ۲۶۶، بخاری صفحہ ۱۶۷، مسلم صفحہ ۳۰۵)

انہیں کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ۳، ۵، ۷، یا اس سے زائد مرتبہ غسل دو۔

(ابوداؤد صفحہ، نسائی صفحہ ۲۶۶، مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۳، ابن ماجہ ترمذی صفحہ ۱۹۳، استذکار صفحہ ۱۱۵)

فَائِدَة: خیال رہے کہ میت کو طاق عدد میں غسل دینا سنت ہے، اسی وجہ سے محدثین نے اس کے مستحب ہونے پر باب قائم کیا ہے۔ (بخاری صفحہ)

امام ترمذی فرماتے ہیں ۳/مرتبہ دے ۳/کافی ہو جائے تو زائد اختیار نہ کرے، اگر زیادہ کرے تو پھر ۵/مرتبہ دے، (شرح مسند احمد صفحہ ۱۶۶)

ابن عبدالبر مالکی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى نے لکھا ہے کہ غسل کی مقدار ۳/مرتبہ ہے، اگر تیسری مرتبہ غسل کے بعد کچھ نکلے تو اسے دھودے غسل کا اعادہ نہ کرے۔ (استذکار جلد ۸ صفحہ ۱۹۱)

غسل کے بعد کچھ نکلے تو دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں

حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى فرماتے ہیں کہ غسل دینے کے بعد اگر کچھ (پیٹ وغیرہ سے نکلے) تو صرف اسی جگہ کو دھودے دوبارہ غسل لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حماد سے پوچھا کہ غسل دینے کے بعد اگر میت (کے پیٹ) سے کچھ نکلے تو؟ انہوں نے جواب دیا صرف جگہ کو دھودے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۴۵)

فَائِدَة: میت کو غسل دینے کے بعد اگر جسم یا پاخانہ و پیشاب کے راستہ سے کوئی نجاست وغیرہ نکلے تو اس صورت میں نہ دوبارہ غسل دیا جائے گا اور نہ وضو کرایا جائے گا، اس سے میت کا غسل وضو نہیں ٹوٹتا ہاں زندوں کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ صرف دھودینا کافی ہے۔ (نفع المفتی والسائل صفحہ ۱۴۲)

بعض لوگ ایسی صورت میں دوبارہ غسل کی زحمت کرتے ہیں یہ خلاف شرع زحمت برداشت کرنی ہے۔

غسل وغیرہ میں وصیت کی رعایت

ام جعفر نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا نے اسماء رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا کو وصیت کی تھی کہ میں جب

میں مر جاؤں تو اے اسماء تم مجھے غسل دینا اور میرے شوہر حضرت علی چنانچہ ان کو حضرت اسماء اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے غسل دیا۔ (سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۹۷)

میت کو کسی چارپائی وغیرہ پر غسل کے بعد رکھے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد منگل کے دن گھر میں چارپائی پر رکھ دیا گیا تھا۔ (سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۸۵)

فائدہ: غسل سے فارغ ہونے کے بعد میت کو پاک وصاف جگہ میں رکھ دیا جائے، اگر لوگ دیکھنا چاہیں تو دکھا دیا جائے، اور اس وقت قریب میں قرآن پاک بھی پڑھا جا سکتا ہے، اس کے بعد دفن کے لئے لے جایا جائے تاخیر ممنوع ہے۔

عورت شوہر کو ضرورت پر غسل دے سکتی ہے

حضرت ابوبکر نے وصیت کی تھی کہ حضرت اسماء بنت عمیس غسل دیں۔ (ابن ابی شیبہ سنن کبریٰ صفحہ ۳۹۷)

جابر بن زید نے وصیت کی تھی کہ ان کی بیوی ان کو غسل دے۔

عطاء نے بیان کیا کہ ابوسلمہ نے کہا اگر مرد کا عورتوں کی جماعت میں انتقال ہو جائے تو اس کی بیوی اسے غسل دے سکتی ہے۔

عطاء نے بیان کیا عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔

عطاء بن رباح نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر کو ان کی بیوی اسماء بنت عمیس نے غسل دیا تھا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو اس کی وصیت کی تھی۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۳۹۷، ابن ابی شیبہ، موطا امام مالک صفحہ ۷۷)

ابن میسب سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا اس عورت پر رحم فرمائے جس نے اپنے شوہر کو غسل دیا اور اسے کفنایا۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۳۹۷)

فائدہ: خیال رہے کہ بیوی اپنے شوہر کو غسل میت دے سکتی ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں تمام علماء کے نزدیک جائز ہے۔ (اگر کوئی مرد ہو تب بھی عورت غسل دے سکتی ہے)۔ (اعلاء السنن صفحہ ۱۸۵)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ بیوی عدت میں رہنے کی وجہ سے غسل دے سکتی ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۴۰۹)

شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا

اشعث نے حضرت شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے۔

امام ابوحنیفہ سفیان ثوری کی بھی یہی رائے ہے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۵۰)

امام سفیان ثوری کہتے ہیں آدمی شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد۳ صفحہ۳۰۹)

فَائِدَۃ: چونکہ عورت کی وفات کے بعد اس کا رشتہ نکاح ٹوٹ جاتا ہے، مرد پر عدت نہیں کہ تعلق نکاح باقی رہے اس لئے اجنبی ہو جانے کی وجہ سے غسل جائز نہیں۔ بعض روایتوں میں جو مرد کے غسل کے بارے میں آیا ہے۔ اس سے مراد غسل کے امور میں تعاون اور مدد کرنا ہے۔ (اعلاء السنن جلد۸ صفحہ۱۸۵)

ملا عبدالحیٔ فرنگی محلی لکھتے ہیں:

"فان الزوجة اذا ماتت حرم على الزوج ان يغسلها اويمسها اما النظر فلا يمنع على الاصح." (نفع المفتی صفحہ۱۲۳)

بیوی کا انتقال ہو جائے تو شوہر کو غسل دینا اور چھونا ناجائز ہے۔ ہاں دیکھنا درست ہے۔ اسی طرح غسل میں تعاون کرنا درست ہے۔ اسی طرح فتح القدیر میں ہے "لا يغسل الزوج امراته." (جلد۲ صفحہ۱۱۱)

میت کو غسل دینے کا مسنون طریقہ

ماقبل کی بیان کردہ احادیث و آثار اور فقہاء کرام کے کلام کے اعتبار سے میت کو غسل دینے کا مسنون و مستحب طریقہ ہے۔

اولاً بیری کے پتوں کا پکایا ہوا پانی ایک برتن میں تیار رکھے اسی طرح دوسرے برتن میں کافور کا پانی تیار رکھے۔

❶ جس تختہ پر غسل دیا جائے اس کو اولاً ۳/ یا ۵/ یا ۷/ بار لوبان یا کسی خوشبو کی دھونی دے دے۔

❷ میت کو اس تخت پر اس طرح لا کر لٹا دے کہ قبلہ اس کے دائیں طرف ہو یہ بہتر ہے۔ ورنہ جس رخ آسان ہو لٹا دے۔

❸ میت کے بدن کے تمام کپڑے چاک (کاٹ یا پھاڑ کر) کر کے اس طرح نکال لے کہ اس کی ناف سے لے کر پنڈلی تک ایک تہبند اولاً رکھ دے پھر ان کپڑوں کو اندر ہی اندر سے نکال لے ذرا بے ستری نہ ہو۔

❹ یہ تہبند اتنا دبیز یا موٹا ہو کہ بھیگنے سے بدن کی رنگت نظر نہ آئے۔

❺ غسل شروع کرنے سے پہلے بائیں ہاتھ میں دستانہ پہن لے۔ پھر مٹی کے ۳/ یا ۵/ ڈھیلے سے استنجا کرائے، پھر پانی بہا کر پاک کرائے۔

❻ پھر میت کو وضو کرائے۔ البتہ نہ کلی کرائے اور نہ ناک میں پانی ڈالے۔

❼ روئی کا پھایا پانی سے بھگا کر ہونٹوں، دانتوں اور مسوڑھوں پر پھیر کر اسے پھینک دے اس طرح ۳/ مرتبہ کرے۔

۸ اسی طرح روئی کے تر پھائے سے ناک کے سوراخوں کو ۳/مرتبہ تر کر کے روئی پھینک دے۔

نوٹ: اگر عورت کا انتقال حیض یا بچہ کی ولادت کے موقعہ پر ہوا ہو۔ یا مرد کا انتقال جنابت حاجت غسل میں ہوا ہو تو منہ اور ناک میں پانی کا ڈالنا ضروری ہے۔ پانی ڈال کر اسے نکال لے۔

۹ ناک اور منہ میں روئی کا پھایا رکھ دے تا کہ وضو یا غسل کے وقت پانی منہ یا ناک کے اندر نہ جائے۔

۱۰ وضو کرانے میں اولاً منہ دھلائے۔ پھر ہاتھ کہنی سمیت پھر سر کا مسح پھر ۳/دفعہ پیر دھلائے۔

۱۱ وضو سے فارغ ہونے کے بعد غسل کی ابتداء، غسل کی ابتداء سر سے کرے سر کو اور داڑھی ہونے کی صورت میں داڑھی کے بالوں کو خطمی یا صابن سے صاف کرے اور دھوئے۔

۱۲ پھر میت کو بائیں کروٹ دے اور اس رخ سے پانی بہا کر غسل دے۔ بیری کے پتوں کا پکایا ہوا نیم گرم پانی اسے دائیں کروٹ پر سر سے لے کر پیر تک ڈالے۔ اس روانی کے ساتھ ڈالے کہ پانی بائیں کروٹ نیچے تک پہنچ جائے۔

۱۳ پھر میت کو دائیں کروٹ لٹادے۔ سر سے پیر تک پانی ڈالے کہ نیچے کے حصہ تک پانی پہنچ جائے۔

۱۴ اس کے بعد میت کو بدن کے سہارے اس طرح کرے کہ بیٹھنے کے قریب ہو جائے۔ پھر اس کے پیٹ پر اوپر سے نیچے کی جانب ہاتھ پھیرے، اور ہلکا سا دبائے تا کہ کچھ پاخانہ پیشاب پیٹ میں ہو تو نکل جائے۔ اگر نکلے تو اچھی ح پانی بہا کر صاف کر دے اور دھو دے دوبارہ غسل کے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

۱۵ پھر میت کو بائیں کروٹ کر دے اور کافور ملا ہوا پانی سر سے پیر تک ۳/دفعہ بہا دے کہ نیچے بائیں حصہ میں خوب اچھی طرح پانی پہنچ جائے۔

۱۶ پھر دوسرا نیا دستانہ پہن کر سارا بدن کسی تولیہ سے یا صاف کپڑے سے خشک کر کے تہ بند بدل ڈالے۔

۱۷ پھر میت کو آہستہ سے غسل کے تختہ سے اٹھا کر کفن پر لٹا دے۔ ناک کان اور منہ سے روئی کے پھاؤں کو نکال ڈالے۔

۱۸ کسی تجربہ کار غسل دینے والے سے تعاون حاصل کرے۔

میت کو غسل دینے والے کے لئے غسل سنت ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۴/موقعہ پر غسل فرماتے جنابت سے جمعہ کے دن، پچھنا لگانے کے بعد اور میت کو غسل دینے کے بعد۔ (ابوداؤد صفحہ ۴۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میت کو غسل دے اس پر غسل ہے۔ اور جو اسے اٹھائے تو باوضو ہو۔ (ترمذی صفحہ ۱۹۳)

مغیرہ بن شعبہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جو میت کو غسل دے اسے چاہئے کہ وہ غسل کرے۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۲۵)

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ ہم میں سے بعض میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۴۸)

حضرت سعید بن جبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ میری والدہ نے کسی عورت کو غسل دیا۔ تو مجھے پوچھنے بھیجا کہ کیا میرے اوپر غسل ہے۔ میں حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے پاس آیا اور پوچھا تو انہوں نے کہا ارے کسی ناپاک کو غسل دیا گیا۔ (یعنی غسل نہیں ہے) پھر حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے پاس آیا اور پوچھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ (جس کا مطلب یہ ہے کہ غسل واجب نہیں)۔

عطا نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے نقل کیا ہے کہ میت کو غسل دینے والے پر غسل کرنا واجب نہیں۔ (عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۳۷)

حضرت اسماء بنت عمیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا جو حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بیوی تھیں ان کی وفات کے بعد انہوں نے ان کو غسل دیا۔ پھر مہاجرین سے پوچھا کہ سردی بہت سخت ہے اور میں روزے سے بھی ہوں۔ کیا میرے اوپر غسل واجب ہے۔ کہا نہیں۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۱۰)

ابن شہاب زہری نے کہا میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا سنت ہے۔ یعنی واجب نہیں۔

(ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۰۸)

میدان جنگ کے شہداء کو غسل نہیں دیا جائے گا

حضرت جابر بن عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے شہداء احد کے متعلق فرمایا تھا ان کو غسل مت دو۔ ان کا ہر زخم اور خون قیامت کے دن مشک کی خوشبو دے گا اور نہ نماز پڑھی۔

(بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ، کبریٰ)

عبداللہ بن ثعلبہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جنگ احد میں فرمایا تھا کہ ان کو انہی کے کپڑوں میں (جو خون آلود ہیں بلا غسل کے) دفن کرو۔ اور ایک قبر میں کئی لوگ ڈالے گئے۔ اور آپ نے فرمایا جو قرآن زائد پڑھے ہیں ان کو آگے رکھو۔ (ابوداؤد، مسند احمد مرتب صفحہ ۱۸۶)

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے شہداء احد کے متعلق فرمایا کہ ان سے ہتھیار اور زرہ وغیرہ نکال دیا جائے۔ ان کو انہی خون میں اور انہی کے کپڑوں میں دفن کر دیا جائے۔ (یعنی غسل نہ دیا جائے)۔ (ابوداؤد صفحہ ۴۴۷)

میدان جنگ کے علاوہ شہداء کو غسل دیا جائے گا

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نیزہ مارنے کے ۳ر دن بعد زندہ رہے پھر انتقال ہوا، ان کو غسل دیا گیا اور کفنایا گیا۔ (تلخیص الجبیر صفحہ ۱۵۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضرات صحابہ میدان جہاد کے علاوہ جو ظلماً شہید ہو جاتا اس کو غسل دیتے چنانچہ حضرت عمر، حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہید ہوئے ان کو غسل دیا (کشف الغمہ ۱۶۴)

فائدہ: میدان جنگ میں شہید ہونے والے شہید حقیقی کے علاوہ جو دوسرے شہداء ہیں جسے حدیث پاک میں شہید کے نام سے یاد کیا گیا یہ شہید حکمی ہیں، ان سب کو غسل دیا جائے گا۔

چنانچہ حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے شہید جہاد کے علاوہ ۷ر شہداء ہیں۔

① طاعون میں مرنے والے، ② ڈوبنے والے، ③ پہلو کی بیماری میں مرنے والے، ④ پیٹ کی بیماری میں مرنے والے، ⑤ جل کر مرنے والے، ⑥ گر کر دب کر مرنے والے، ⑦ ولادت کے موقعہ پر مرنے والی عورتیں۔ ابن ماجہ کی روایت کے اعتبار سے حالت سفر میں مرنے والے۔ (تلخیص الجبیر صفحہ ۱۴۹، حاکم صفحہ ۳۵۲)

ان سب کو شریعت نے شہید سے یاد کیا ہے یعنی شہادت کا ثواب ملے گا مگر ان کو غسل دیا جائے گا۔ اور کفنایا جائے گا۔

میت کو غسل ان کے قریبی رشتہ دار دیں اور وہی قبر میں اتاریں

سالم بن عبید الاشجعی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا آپ کو کون غسل دے گا۔ تو فرمایا خاندان کے وہ افراد جو سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہیں۔

(سنن کبری جلد ۳ صفحہ ۳۹۵)

شعبی کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل حضرت علی، حضرت عباس اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیا۔ اور انہیں لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں اتارا ایک روایت میں ہے کہ ان کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن عوف بھی تھے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی عباس اور فضل رضوان اللہ علیہم تھے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں اتارنے والے یہ حضرات تھے علی، فضل، قثم، شقران جن کو صالح بھی کہا جاتا ہے (یہ آپ کے غلام تھے)۔ (تلخیص صفحہ ۱۳۶)

ابن عبدالبر نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو غسل اور کفن دیا اور ساتھ میں حضرت فضل بن عباس اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ (استذکار صفحہ ۲۰۹)

مرد اجنبی عورتوں میں اور عورت مردوں کے درمیان مرجائے تو تیمم کرایا جائے گا

حضرت مکحول نے بیان کیا کہ اگر عورت ایسے مقام میں مرجائے جہاں مرد کے علاوہ عورتیں نہ ہوں اسی طرح مرد عورتوں کے درمیان مرجائے ایسی صورت میں تیمم کرایا جائے گا اور دفن کر دیا جائے گا۔

(سنن کبریٰ صفحہ ۳۹۸)

فائدہ: پردہ کی رعایت میں ایسا ہوگا۔

میت غسل دینے والے، اٹھانے والے، قبر میں ڈالنے والے کو جان لیتا ہے

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو میت کو اٹھاتا ہے، غسل دیتا ہے، اور جو اسے قبر میں ڈالتا ہے اس کو پہچان لیتا ہے۔

(کنزالعمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۹۲، مسند احمد، کشف الغمہ صفحہ ۱۶۳، اتحاف الخیرہ صفحہ ۲۲۵)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ میت اگرچہ ظاہری زبان سے بول نہیں سکتا مگر اس کی روحانی معرفت اور ادراک باقی رہتا ہے اسی لئے وہ ان لوگوں کو جان لیتا ہے، کہ کون اس کے ساتھ کیا خدمت اور تعاون کر رہا ہے۔

سمندری سفر میں انتقال ہو جائے تو کیا کرے

واصل نے حضرت حسن بصری سے نقل کیا کہ سمندر میں (جہاز وغیرہ) پر کسی کا انتقال ہو جائے تو (کفنا کر) کسی ٹوکری وغیرہ میں رکھ کر اسے سمندر میں ڈال دیا جائے۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۷، ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۴۸)

حضرت عطاء فرماتے ہیں اگر کسی کا انتقال سمندری سفر میں ہو جائے اسے غسل دیا جائے، کفنا دیا جائے، خوشبو لگا دی جائے اس پر جنازہ پڑھ لیا جائے، پھر اس کے پیروں کو باندھ کر (تاکہ پیر پھٹیں نہ) سمندر میں ڈال دیا جائے۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۸)

اگر کسی کا سمندر میں انتقال ہو جائے اور قریب میں کوئی خشکی یا جزیرہ نہ ہو اس کا علم ہو، تو لاش کو ساحل کی منزل کے انتظار میں روک کر نہیں رکھا جائے گا۔ بلکہ غسل دے کر کفن پہنا کر جنازہ پڑھ لیا جائے گا اور اسے سمندر میں ڈال دیا جائے گا۔ (شامی صفحہ ۲۲۵، فتح القدیر صفحہ)

اور کسی پتھر سے باندھ دے تاکہ نیچے ڈوب جائے۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۱، بحرالرائق صفحہ ۲۰۸)

اگر ساحل کے قریب ہونے کا علم ہو اور لاش کے تغیر سے قبل منزل یا ساحل تک پہنچ جائے گا تو پھر سمندر میں ڈوبانا جائز نہیں۔

"اما اذا لم يخف عليه التغير ولو بعد البر او كان البر قريبا وامكن خروجه فلا

یرمی." (طحطاوی علی المراقی صفحہ ۳۳۶)

حج کے دوران احرام کی حالت میں انتقال ہو جائے تو

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے کا انتقال حالت احرام میں ہوگیا تو انہوں نے اسے کفنایا، چہرہ کو ڈھانک دیا اور سر کو چھپا دیا کپڑا رکھ دیا حضرت حسن بصری نے فرمایا محرم کا جب انتقال ہو جائے تو اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے حضرت عامر کی روایت ہے محرم جب انتقال کرتا ہے تو اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے طاؤس نے کہا محرم جب مر جائے گا تو اس کے سر کو ڈھانک دیا جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ محرم جب وفات پا جائے تو اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن حزم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے محرم کو وفات پا جانے کے بعد خوشبو لگائی ہے اس کے سر کو ڈھانک دیا ہے، جابر نے حضرت ابو جعفر سے روایت کی ہے کہ اس کے سر کو چھپایا جائے گا کھلا نہ رکھا جائے گا حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ محرم کی (وفات ہو جائے تو صرف) سر کو نہ چھپاؤ بلکہ اس کے پورے چہرے کو چھپاؤ۔ (عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۵۱)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص احرام کی حالت میں مر جائے تو اس سے احرام کی ساری پابندی موت کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے، چونکہ اب وہ مکلف نہیں رہتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان جب مر جاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اسے خطمی اور بیری کے پتے اور کافور سے غسل دینا جائز ہو جائے گا، اور خوشبو کا لگانا اس کے لئے جائز ہو جائے گا۔

سر اور چہرہ کا ڈھانکنا درست ہو جائے گا۔ چنانچہ فقہاء احناف نے اس کی تصریح کی ہے۔ (درمختار میں ہے محرم مثل حلال کے ہے، اس کی شرح میں علامہ شامی لکھتے ہیں، پس اس کے سر کو چھپایا جائے گا، اور اس کے کفن میں خوشبو لگائی جائے گی۔ (جلد ۲ صفحہ ۲۰۴)

شرح منیہ میں ہے کہ عطاء نے کہا آپ سے محرم حالت احرام میں مر جانے والے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے سر اور چہرہ کو چھپا دو یہود کی طرح مت کرو، (کھلا مت رکھو) حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے اسی طرح کرو جس طرح اپنے مردوں کے ساتھ کرتے ہو (یعنی خوشبو لگاؤ، سر منہ ڈھانک دو)۔

(کبیری صفحہ ۵۸۴)



کفن کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور پاکیزہ تعلیمات کا بیان

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو غسل دیتے کفن پہناتے

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے (ایک صحابی کی میت پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھے، یہاں تک کہ اس کی جھونپڑی کے قریب گئے تو آپ نے اپنے احباب سے فرمایا، اس جھونپڑی میں میرے علاوہ کوئی اور نہ آئے، چنانچہ آپ اس جھونپڑی میں گئے، تو دیکھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اس کے سرہانے کھڑے ہوئے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے فرمایا، اے اللہ کے رسول، اگر آپ نہ تشریف لاتے تو اس کام کے لئے میں کافی ہوتا۔ (یعنی غسل و کفن کے لئے) اب تو آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اپنے ہاتھ سے ان کو غسل دیا، کفنایا اس پر نماز جنازہ پڑھی، اسے قبر میں داخل کیا۔

(اتحاف الخیرہ جلد ۳ صفحہ ۲۲۳، مطالب عالیہ جلد ۴ صفحہ ۱۰۱، سبل جلد ۸ صفحہ ۳۵۹)

فائدہ: کسی میت کو غسل دینا کفنانا سنت اور باعث فضیلت ہے، اس کا بڑا ثواب ہے، بعض لوگ ایسے کام سے بچتے ہیں اور اسے نیچے درجہ اور گھٹیا کام خیال کرتے ہیں سو یہ صحیح نہیں، احباب ہوں رشتہ دار ہوں تو سبقت کرنا چاہئے۔ مستحب یہ ہے کہ میت کو غسل اس کے قریبی رشتہ دار دیں۔ اگر رشتہ دار نہ دے سکیں تو کوئی صالح متقی پرہیزگار دے۔ جنبی اور حائضہ کا غسل دینا مکروہ ہے۔ (الشامی، بحر صفحہ ۱۸۸)

میت کے کفن دفن کا صرفہ میت کے پورے مال سے ہوگا

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میت کے کفن (دفن اور ضروری امور کا) صرفہ میت کے پورے مال سے (تہائی سے نہیں جیسا کہ وصیت میں ہے) ہوگا۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۶، طبرانی)

صحیح بخاری میں ہے کہ کفن کا خرچہ پورے مال سے ہوگا یہی عطا، زہری، عمر بن دینار اور قتادہ نے کہا سفیان نے کہا اسی طرح قبر کی کھدائی اور غسل کا صرفہ بھی کفن کے متعلقات میں ہے۔ عمر بن دینار نے کہا کہ خوشبو کا صرفہ

بھی اسی میں ہے۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت میں ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ میت کے پورے مال سے کفن کا انتظام فرماتے، اگر اس سے پورا نہ ہوتا تو پھر دوسرے مال سے (میت کے مال کے علاوہ) پورا فرماتے۔

(کشف الغمہ صفحہ ۱۶۴)

فَائِدَہ: حافظ ابن حجر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بیان کیا اس پر اہل علم کا اجماع ہے کہ میت کے پورے مال سے کفن اور اس کے متعلقات کا انتظام ہوگا۔ (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۴۱)

علامہ عینی نے بھی جمہور کا یہی قول لکھا ہے، یعنی وصیت کی طرح ثلث مال سے اس کا حساب نہیں ہوگا بلکہ جو مال میت چھوڑ گیا ہے اس پورے مال میں سے اس کا انتظام ہوگا۔ (عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۵۸)

صحیح بخاری میں ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ میت کے مال سے سب سے پہلے کفن وغیرہ کا خرچہ دیا جائے گا پھر اس کے بعد قرضہ جو اس کا ہوگا ادا کیا جائے گا۔ پھر اس کے بعد اگر اس نے وصیت کی ہوگی تو اس باقی مال کی تہائی سے اسے ادا کیا جائے گا۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۷۰)

بحر الرائق میں ہے کہ کفن دفن کا خرچہ دین قرضہ اور وراثت سے پہلے ہوگا۔ (بحر الرائق صفحہ ۱۹۱)

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر میت مال چھوڑ کر مرا ہے تو کفن دفن وغیرہ اسی کے مال سے ہوگا (ہاں اگر کوئی اولاد اپنی طرف سے یا اور کوئی رشتہ دار یا احباب ثواباً دینا چاہے تو دے سکتا ہے اگر اس نے مال نہیں چھوڑا ہے تو یہ صرف اس کے ذمہ ہوگا جس کے ذمہ اس کا نفقہ خرچہ اور دیکھ بھال تھا، اگر کوئی رشتہ دار نہیں تو اس کا صرفہ بیت المال (عام مؤمنین کے) ذمہ ہوگا۔ (صفحہ ۱۱۳)

اس زمانہ میں بیت المال نہیں ہے تو محلے والے کے چندہ سے اس کا نظم ہوگا۔

بیوی کا کفن شوہر کے ذمہ بہر صورت ہوگا خواہ اس نے اپنا ذاتی مال کیوں نہ چھوڑا ہو۔ (بحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۱۹۱)

اسی طرح کبیری میں ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے۔ (صفحہ ۵۸۳)

جاننا چاہئے کہ میت کے مال سے کفن سنت ہی ادا کیا جائے گا اس کے علاوہ نہیں۔ (بحر الرائق صفحہ ۱۹۱)

مسنون کفن کے علاوہ میت کے مال سے جائز نہیں۔

یہ جو لوگ امام کا مصلیٰ نکال لیتے ہیں جائز نہیں میت کے مال میں سے اس کا شمار نہ ہوگا۔

مردوں کو ۳ر کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو ۳ر کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا۔

(ابوداؤد صفحہ ۴۴۹)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳/ کپڑوں میں کفن دیا گیا، قمیص، ازار، لفافہ۔ (تلخیص الحبیر صفحہ ۱۱۵، کشف الاستار جلد ا صفحہ ۳۸۴)

حضرت ابوجعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳/ کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا۔ (الاستذکار جلد ۸ صفحہ ۱۸۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳/ کپڑوں میں کفن دیا ایک قمیص جس میں آپ کی وفات ہوئی تھی (یعنی بوقت وفات زیب تن فرماتے) اور نجرانی جوڑے۔
(استذکار جلد ۸ صفحہ ۱۸۵، ابوداؤد صفحہ ۴۴۹)

ابن عبدالبر مالکی نے بیان کیا یہ قمیص جو پہنے ہوئے تھے اس میں آپ کو غسل دیا گیا تھا جس کی وجہ سے تر ہوگیا تھا اور تر اور بھیگا کپڑا کفن میں نہیں ہوتا۔ (استذکار جلد ۸ صفحہ ۱۸۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳/ یمنی کپڑوں میں کفن دیا گیا۔
(استذکار صفحہ ۲۰۶، بخاری صفحہ ۱۶۹، مسلم صفحہ ۳۰۵)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا، کہا ۳/ کپڑوں میں فرمایا مجھے بھی ۳/ کپڑوں میں کفن دینا۔ (استذکار صفحہ ۲۱۴)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳/ کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا۔ (عمدۃ القاری: ۸/۴۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳/ یمنی کپڑوں میں کفنایا گیا۔
(عمدۃ جلد ۸ صفحہ ۴۹)

فائدہ: علامہ عینی نے شرح بخاری میں بکثرت روایتوں سے ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۳/ کپڑوں میں کفن دیئے گئے تھے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۴۹، فتح الباری صفحہ)

فائدہ: احناف کے یہاں مردوں کو ۳/ کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے۔ (استذکار جلد ۸ صفحہ ۱۲۱۰)

زائد دینا بہتر نہیں۔ (جلد ۸ صفحہ ۲۱۵)

شرح مسلم میں ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مردوں کو ۳/ کپڑوں میں کفنانا مستحب ہے، اور عورتوں کو ۵/ کپڑوں میں کفنانا مستحب ہے۔

۵/ سے زائد مردوں اور عورتوں کے حق میں اسراف (مکروہ) ہے۔ (صفحہ ۳۰۵)

کبیری شرح منیہ میں ہے کہ مردوں کو ۳ کپڑے قمیص ازار لفافے میں کفن دینا سنت ہے۔ (صفحہ ۵۸۰)

اسی طرح علامہ شامی نے اور تمام فقہاء احناف نے ۳/ کپڑوں میں کفن دینا سنت لکھا ہے۔ (شامی جلد ۲ صفحہ ۲۰۲)

نابالغ چھوٹے بچے کے کفن کے متعلق علامہ شامی نے بیان کیا ہے کہ بچے کو دو کفن دیا جائے ایک ازار ایک

چادر تو یہ بھی حسن اور بہتر ہے، بیشتر فقہاء کرام نے بیان کیا کہ بچوں کو بھی بڑوں کی طرح ۳ر کفن دیا جائے تو بہتر ہے۔ (شامی صفحہ ۲۰۴)

اسی طرح منیۃ المصلی کی شرح کبیری میں ہے۔ (صفحہ ۵۸۱)

محیط کے حوالے سے ہے کہ بچے قریب البلوغ، چھوٹی لڑکی، قریب البلوغ لڑکیاں سب کو بڑوں کے مثل کفن دیا جائے۔ (کبیری صفحہ ۵۸۱)

دو کفن پر بھی اکتفا کیا جاسکتا ہے

جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳ر کفن دیا گیا تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو کفن دیا گیا تھا۔ (کشف الاستار صفحہ ۳۸۴)

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بہترین کفن حلہ (جوڑا قمیص اور ازار کا) ہے۔ (ابوداؤد صفحہ ۴۵۰، اعلاء السنن صفحہ ۲۰۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دو کپڑوں کے بارے میں فرمایا جس میں وہ مرض الموت میں تھے کہ انہی دونوں کو دھو دینا اور ان دونوں میں مجھے کفنانا، حضرت عائشہ نے فرمایا آپ کے لئے نیا کفن نہ خریدوں۔ فرمایا میت کے مقابلہ میں زندہ نئے کپڑے کے زیادہ لائق ہے۔

(مصنف ابن عبدالرزاق، نصب الرایہ، اعلاء السنن جلد ۸ صفحہ ۲۰۰)

قاسم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، مجھے ان دو کپڑوں میں کفنانا جس میں میں نماز پڑھتا رہا۔ (ابن سعد اعلاء صفحہ ۲۰۲)

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب قائم کیا ہے الکفن ثوبین اس سے اشارہ ہے کہ دو کفن پر وقت پڑنے پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔ (بخاری صفحہ ۱۶۹)

اسی طرح کفن کے لئے نیا ہونا سنت ہے صاف دھلے ہوئے کپڑوں میں بھی کفن دیا جاسکتا ہے۔

(اعلاء السنن صفحہ ۲۲۰، عمدۃ القاری صفحہ ۲۲۰)

فتح القدیر میں ہے نیا اور صاف دھلا دونوں ہوسکتا ہے۔

تین کفن نہ ہوں تو ایک پر بھی اکتفا کیا جاسکتا ہے

حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد میں شہید ہوگئے تھے، ان کے پاس صرف ایک دھاری دار چادر تھی، جب سر کی طرف ڈھانکا جاتا تو پیر کھل جاتا، اور پیر

ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا تو آپ نے فرمایا سر ڈھانک دو اور دونوں پیروں پر اذخر گھاس ڈال دو۔ مستدرک حاکم میں حضرت انس کی روایت حضرت حمزہ کے بارے میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ (تلخیص الحبیر ۱۱۵، بخاری ۱۷۰)

حضرت خباب ہی کی روایت میں ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے کوئی کفن مہیا نہ ہو سکا سوائے ایک چادر کے کہ وہ (اتنا چھوٹا تھا کہ) سر کی جانب رکھا جاتا تو پیر نہ چھپتا اور پیر کی جانب رکھا جاتا تو سر کھل جاتا، تو سر کی جانب کر کے پیر کی جانب اذخر گھاس ڈال دیا گیا۔ (مسند احمد مرتب صفحہ ۱۸۴)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ تنگی ہو گنجائش نہ ہو تو ایک کفن پر اکتفا کیا جا سکتا ہے، اور یہ کہ اگر ایک کفن اتنا چھوٹا ہو کہ پورے بدن پر نہ آ سکے تو سر کو ڈھانک کر پیروں کی جانب کوئی گھاس یا پتے وغیرہ ڈال دیا جائے۔
(شرح مسند احمد صفحہ ۱۸۵)

حضرت حمزہ اور حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایک ہی کپڑے میں کفن دیا گیا تھا۔
(طحطاوی علی المراقی صفحہ ۳۱۷، فتح القدیر صفحہ ۱۱۶)

کفن میں نیا کپڑا ہی سنت نہیں ہے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے پرانے کپڑوں ہی میں دفن کیا جائے، نئے کپڑے کے زندہ لوگ زیادہ مستحق ہیں۔ (تلخیص الحبیر صفحہ ۱۵۱، موطا صفحہ ۷۸)

عبادہ بن نسی کہتے ہیں کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا، میرے ان دو کپڑوں کو دھو دو، انہیں دو کپڑوں میں مجھے کفن دینا، تمہارے والد دو میں ایک ہوں گے یا تو ان کو بہترین جوڑا پہنایا جائے گا۔ یا برے سے برا کفن ہوا تو اسے کھینچ لیا جائے گا۔ (برے اعمال کی سزا میں)۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۱۷۱)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا یہ میرے دو کپڑے دھو دو اسی میں کفن دینا اور ایک کپڑا خرید لینا، اور گراں نہ خریدنا حضرت عائشہ نے فرمایا مجھے وسعت ہے فرمایا اے بیٹی زندہ زیادہ مستحق ہے نئے کپڑے کا مرنے والے کے مقابلہ میں۔ (ابن عبدالرزاق صفحہ ۴۲۴، استذکار جلد ۸ صفحہ ۲۱۳)

عمدۃ القاری میں ہے کہ دھلے ہوئے کپڑوں میں بھی کفن دینا صحیح ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۲۲۰)

نئے اور دھلے صاف دونوں برابر ہیں۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۱۴)

اسی طرح کبیری میں ہے نئے اور دھلے دونوں برابر ہیں۔ (صفحہ ۵۸۱)

عورتوں کے لئے ۵؍ کفن سنت ہے

لیلیٰ ثقفیہ نے بیان کیا میں ان عورتوں میں تھی جنہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا تھا، سب سے پہلے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (اس کفن کے لئے) دیا وہ ازار تھا۔ پھر قمیص دی پھر خمار دیا، پھر ملحفہ دیا پھر ایک کپڑا دیا جس میں ان کو لپیٹ دیا، راوی نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر تھے اور آپ کے پاس کفن تھا، آپ ایک ایک کر کے دے رہے تھے۔

(مسند احمد مرتب جلد ۷ صفحہ ۷۶، ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۴۵۰، سنن کبریٰ)

حضرت ام عطیہ کی روایت میں ہے کہ ہم نے ان کو (حضرت ام کلثوم) پانچ کفن دیا تھا، اور خمار اسی طرح دیا جیسا زندوں کو دیا جاتا ہے۔ (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۳۳)

فائدہ: عورت کے لئے ۵؍ کفن سنت ہے۔ درع، ازار، خمار، لفافہ، سینہ بند۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۱۵)

ابراہیم نخعی نے فرمایا عورتوں کو پانچ کپڑوں میں کفنایا جائے گا۔ (ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۳۴)

فائدہ: شرح مسلم میں ہے کہ عورتوں کو ۵؍ کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے، اور اس سے زائد اسراف (مکروہ) ہے۔ (صفحہ ۳۰۵)

شرح بخاری فتح الباری میں ہے، عورت کو ۵؍ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا۔ (جلد ۳ صفحہ ۱۳۳)

وہ پانچ یہ ہیں کرتا، ازار، خمار، لفافہ، سینہ بند۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۱۵، طحطاوی صفحہ ۳۱۶)

اگر عورت غریب ہو ۵؍ کی وسعت نہ ہو، ۳؍ کفن پر اکتفا کیا جا سکتا ہے، قمیص، ازار، لفافہ، اس سے کم دینا مکروہ ممنوع ہے۔ (فتح صفحہ ۱۱۶)

شرح منیہ میں ہے کہ عورتوں کے لئے ۵؍ کفن سنت ہے۔ (کبیری صفحہ ۵۸۰)

کفن میں عمامہ سنت نہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے گھر والوں سے مرتے وقت کہا، مجھے عمامہ نہ دینا۔ حضرت عطاء سے پوچھا گیا کیا میت کو عمامہ دیا جائے گا کہا نہیں۔ (مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ ۴۲۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳؍ سفید یمنی کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا۔ جس میں قمیص (نئی قمیص) اور عمامہ نہیں تھا۔ (بخاری صفحہ)

یعنی حافظ نے بیان کیا کہ یعنی نئی قمیص نہیں تھی۔ (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۴۰)

جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳؍ کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا، قمیص (جو آپ کے بدن پر تھی) ازار اور لفافہ۔ چنانچہ عبداللہ بن معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ کے کفن میں وہی قمیص تھی جس میں آپ وفات پائے تھے۔ (بنایہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۸، عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۵۰)

فائدہ: علامہ عینی نے ذکر کیا ہے کہ آپ کے کفن میں عمامہ کا ذکر نہیں ہے، آپ کو عمامہ نہیں دیا گیا تھا (لہٰذا

عمامہ سنت نہ ہوگا)۔

مبسوط میں ہے کہ ہمارے بعض مشائخ نے عمامہ کو مکروہ قرار دیا ہے۔ بعض مشائخ (غیر احناف) نے مستحسن سمجھا ہے چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے بیٹے واقد کے کفن میں عمامہ دیا تھا۔

(عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۵۰)

امام مالک کے نزدیک عمامہ سنت ہے۔ (عمدۃ القاری)

عمامہ کے سلسلے میں فقہاء احناف کی دو روایتیں ہیں علامہ عینی نے بعض مشائخ کا قول لکھا ہے کہ اگر مشہور معروف عالموں میں سے یا اشراف میں سے ہے تو عمامہ دیا جاسکتا ہے۔ (بنایہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۰)

صاحب درمختار نے بھی متاخرین فقہاء کا قول لکھا ہے کہ علماء اور اشراف کو عمامہ دینا مستحسن ہے، مگر علامہ شامی نے اصح قول ہر ایک کے لئے مکروہ لکھا ہے۔ (الشامی جلد ۲ صفحہ ۲۰۲)

طحطاوی علی المراقی نے بھی اصح قول مطلقاً مکروہ لکھا ہے اور بدائع نے بھی اسی کو دلیل سے ثابت کیا ہے۔

(صفحہ ۳۱۶)

سوتی کفن سنت ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳ سفید یمنی سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا۔

(مسلم صفحہ ۳۰۵)

فائدہ: علامہ نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ سوتی کپڑوں میں کفن دینا مستحب ہے (صفحہ ۳۰۵) چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوتی کپڑے میں ہی کفنایا گیا۔

ولی کو بہتر کفن دینے کا حکم

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ولی کو چاہئے کہ اپنے بھائی کو بہتر کفن دے۔ (نسائی صفحہ ۲۶۷)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا ولی ہو تو چاہئے کہ عمدہ کفن دے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۰۶)

فائدہ: عمدہ اور اچھا کفن دینے کا مطلب حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ مراد صاف نظیف ہے قیمتی اور گراں کپڑا نہیں ہے۔ (تلخیص صفحہ ۱۱۶)

حدیث پاک میں گراں کفن کی ممانعت ہے، اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی اس پر نکیر وارد ہے، علامہ نووی نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ بہتر کفن دینے کے متعلق جو ہے اس سے مراد صاف اور نظیف ہے،

گراں مہنگا قیمتی اور نفیس مراد نہیں ہے۔ (صفحہ ۳۰۶)

سفید کفن دینا سنت ہے

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تم سفید کپڑے پہنا کرو، اور سفید کفن مردوں کو دیا کرو۔
(نسائی صفحہ ۲۶۸، ابن ماجہ صفحہ ۱۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کو تین سفید یمنی کفن دیا گیا تھا۔ (نسائی صفحہ ۱۷)

فائدہ: علامہ نووی نے لکھا کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے، سفید کفن دینا مستحب ہے۔ رنگین کپڑوں میں کفن دینا اور مزین اور منقش کپڑوں کا کفن دینا مکروہ ہے۔ (شرح مسلم جلد ا صفحہ ۳۰۵)

علامہ حلبی کی کبیری میں ہے کہ سفید کفن دینا مستحب ہے۔ (صفحہ ۵۸۱)

گراں اور قیمتی کفن دینا خلاف سنت ممنوع ہے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قیمتی کفن مت اختیار کرو، میں نے رسول پاک ﷺ سے سنا ہے بیش قیمت کفن مت اختیار کرو کہ وہ بہت جلدی خراب سڑ جائے گا۔ (سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۴۰۳، ابوداؤد صفحہ ۴۴۹)

یحییٰ بن راشد نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت میں تھا کہ کفن متوسط درجہ کا خریدنا، اگر میرا حال خدا کے نزدیک اچھا ہوگا تو اس سے بہترین کپڑا مل جائے گا۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۱۷۱)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موت کے وقت کہا تھا، میرے لئے دو سفید کپڑے کفن کے لئے خرید لینا، اور گراں قیمتی نہ خریدنا اس لئے کہ یہ کچھ وقت رہے گا اس کے بعد بہترین اور بالا ترین جوڑے سے اسے بدل دیا جائے گا۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۱۷۲)

فائدہ: یعنی اہل جنت ہونے کی بنیاد پر جنتی کو خوشنما جوڑا ملے گا، دنیاوی جوڑا اتار دیا جائے گا، اس صورت میں دنیاوی جوڑا خواہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو رائیگاں جائے گا۔ علامہ نووی نے بیان کیا اچھا بہتر کفن دینے کا مطلب صاف ونظیف دینا ہے گراں اور قیمتی نہیں ہے۔ (شرح مسند جلد ۷ صفحہ ۱۷۲)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ حدیث پاک میں ہے کہ متوسط درجہ کا کفن بہتر ہے۔ (صفحہ ۳۵۲)

اپنا کفن تیار رکھنے کی گنجائش

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے چادر مانگ لی تاکہ وہ اس کا کفن بنائے جس دن اس کا انتقال ہوگا، حضرت سہل کہتے ہیں جب وہ مرا تو اسی میں کفنایا گیا۔
(سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۱۰۱، بخاری جلد ا صفحہ ۱۷۰، عمدہ صفحہ ۶۱)

فَائِدَہ: آپ ﷺ نے کفن کے لئے چادر اس کے مانگنے پر عطا فرمادی انکار نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ زندگی میں اپنے لئے کفن تیار رکھنا درست ہے، چنانچہ امام بخاری نے اس کے جائز اور مباح ہونے پر باب قائم کیا ہے۔ (بخاری عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۶۱)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ کفن جو چیزیں میت کے لئے ہوتی ہیں مثلاً کافور خوشبو وغیرہ زندگی میں اپنے لئے رکھ سکتا ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۶۱)

البتہ اپنی قبر متعین نہیں کرسکتا ہے، کہ قبر کھود کر رکھ دے، (اعلاء صفحہ.....)

ہاں صالحین کے بغل میں دفنانے کی وصیت کرسکتا ہے۔

شرح منیہ میں ہے کہ آدمی کفن کو اپنے لئے تیار رکھ سکتا ہے۔ ہاں قبر کو نہیں کیا پتہ کہاں کس زمین میں انتقال ہو۔ (کبیری صفحہ ۶۱۰)

کفن کا انتظام آدمی پہلے سے رکھ سکتا ہے

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت آپ ﷺ کی خدمت میں چادر بن کر لائی جس کے کنارے بنے ہوئے تھے، اس عورت نے کہا میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بنا ہے، میں بن کر لائی ہوں تا کہ آپ اسے پہنیں، آپ نے ضرورت سمجھ کر اسے قبول فرمالیا۔

آپ نکلے اور اسے پہنے ہوئے تھے ایک شخص کو یہ چادر بہت عمدہ معلوم ہوئی، اس نے کہا بہت اچھا ہے، یہ مجھے بخش دیجئے، لوگوں نے (اسے منع کرتے ہوئے) کہا کہاں اچھا ہے؟ آپ ﷺ کو ضرورت تھی آپ نے اسے پہنا ہے، اور تم اسے مانگ رہے ہو، تم کو نہیں معلوم کہ آپ کسی کو واپس نہیں کرتے، تو اس نے کہا قسم خدا کی میں نے اسے پہننے کے لئے نہیں مانگا ہے، میں نے کفن بنانے کے لئے مانگا ہے، سہل کہتے ہیں پھر اس نے اس کا کفن بنالیا۔ (بخاری صفحہ ۱۰۷)

یعنی آپ نے اسے دے دیا تو اس نے اپنے کفن کے لئے رکھ دیا، چنانچہ وہ اسی میں کفنایا گیا۔

فَائِدَہ: اس بات کی شرعاً اجازت ہے کہ آدمی اپنے کفن کا انتظام پہلے سے رکھے، کپڑا چادر وغیرہ اپنی حیات میں رکھ دے کہ اسی میں مجھے کفن دیا جائے۔ (اعلاء السنن صفحہ ۲۷۱)

چنانچہ امام بخاری نے باب قائم کیا ہے۔

اس پر علامہ عینی اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آدمی اپنی زندگی میں کفن اور اس کے متعلقات تیار رکھ سکتا ہے۔ (فتح جلد ۳ صفحہ ۱۴۳، عمدۃ جلد ۸ صفحہ ۶۱)

کفن پہنانے سے قبل طاق عدد میں اسے دھونی دی جائے گی

حضرت ابراہیم فرمایا کرتے تھے کفن کو اس کے پہنانے سے قبل (طاق عدد میں) دھونی دی جائے گی حفص نے بیان کیا میت کو دھونی نہیں دی جائے گی بلکہ اس کے کفن کو دھونی دی جائے گی۔

حضرت اسماء نے اپنی موت کے وقت کہا تھا کہ میں جب مر جاؤں تو مجھے غسل دینا، کفن دینا اور میرے کفن میں دھونی دینا۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۲۶۵)

کفن میت کو طاق عدد میں دھونی دینی سنت ہے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب دھونی دو تو طاق عدد میں دھونی دو، ایک روایت میں ہے کفن کو ۳ ر مرتبہ دھونی دو۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۴۰۵، بزار صفحہ ۳۸۵، حاکم احمد صفحہ ۳۵۵)

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ میرے کپڑوں (کفن کو) دھونی دینا۔ (سنن کبریٰ جلد۳ صفحہ ۴۰۵)

ایک روایت میں ہے کہ میت کے کفن کو ۳ ر مرتبہ دھونی دو۔ (شرح مسند جلد۷ صفحہ ۱۸۸)

فقہاء نے بیان کیا کہ اس تختہ کو بھی طاق عدد میں دھونی دی جائے گی جس پر غسل دیا جائے گا پھر کفن کو بھی دھونی ۳ مرتبہ دی جائے گی۔ (شامی طحطاوی علی المراقی صفحہ ۴۵۶)

چارپائی کے چاروں طرف دھونی کا پھیرا لگایا جائے گا۔ مراقی الفلاح اور درمختار میں ہے کہ ۳ ر موقعوں پر دھونی دی جائے گی، روح چلی جانے کے وقت اس وقت خوشبو رکھ دی جائے (یا خوشبو جلا دی جائے)۔ دوسری تختہ غسل پر، تیسرے کفن پر، اور قبر میں دھونی یا اگر بتی کی خوشبو نہیں دی جائے گی۔

(طحطاوی علی المراقی صفحہ ۳۶۵)

پانچ یا سات مرتبہ سے زائد دھونی دینا منع ہے، طحطاوی علی المراقی، (صفحہ ۳۱۷)

بحرالرائق میں ہے کہ کفن کو پہنانے سے قبل خوشبو کی دھونی سنت ہے۔ (جلد۲ صفحہ ۱۹۱)

دھونی دینے کا مسنون طریقہ

حضرت سلمان بن موسیٰ کہتے ہیں کہ جب میت کو دھونی دی جائے تو سر کی طرف سے شروع کیا جائے یہاں تک کہ پیر کی طرف آئے، اور طاق عدد میں دھونی دی جائے، آپ ﷺ نے اسی طرح حکم دیا ہے۔

(ابن عبدالرزاق صفحہ ۴۱۹)

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ دھونی میت کے کپڑے میں کفنانے سے قبل دی جائے گی ان کے بدن کو دھونی نہ

دی جائے گی۔ (ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۱۹)

سجدہ کے مقام پر کافور وخوشبو لگانا سنت ہے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میت کے سجدہ کے مقام پر کافور لگائی جائے حضرت ابراہیم نے کہا کہ جب غسل سے فارغ ہو جاؤ تو سجدہ کے مقام پر خوشبو لگا دی جائے۔

(ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۴، ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۵۵)

ابراہیم نخعی نے بیان کیا کہ سجدہ کے مقامات پر خوشبو لگا دی جائے گی۔ (ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۱۶)

اشعث ابن قیس کا جب انتقال ہو گیا تو حضرت حسن بن علی نے کہا غسل سے فارغ ہونا تو مجھے بلا لینا چنانچہ جب غسل سے فارغ ہو گئے تو ان کو بلایا وہ کافور لے کر آئے، انہوں نے میت کو وضو کرایا (غسل کے وقت وضو کرایا جائے گا) اس کے بعد ان کے چہرے پر دونوں ہاتھوں میں پیشانی پر دونوں پیروں پر لگایا اور کہا ان کو اب کفن میں لپیٹ دو۔ (ابن عبدالرزاق)

فائدہ: شرح منیہ میں علامہ حلبی نے ذکر کیا ہے میت کے مقام سجدہ پر کافور لگایا جائے گا، اور وہ مقام سجدہ یہ ہے، پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلی، دونوں گھٹنے اور دونوں قدم۔ (کبیری صفحہ ۵۷۹)

ابراہیم نخعی نے کہا کہ مرکب خوشبو ان مقامات پر لگائے۔ (کبیری صفحہ ۵۷۹)

کفنانے کا مسنون طریقہ

مرد کے لئے ۳ رکفن کے کپڑے مسنون ہیں۔

1. ازار۔ یہ سر سے پاؤں تک ہوتا ہے۔
2. لفافہ اسے چادر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ازار سے قریب ۴ر گز بڑا ہوتا ہے۔
3. قمیص یا کرتا، بغیر کلی کا ہوتا ہے، اسے کفنی بھی کہا جاتا ہے، یہ گردن سے لے کر پاؤں تک لمبا ہوتا ہے۔

مرد کو کفنانے کا مسنون طریقہ

1. اولاً چارپائی پر لفافہ بچھا دیا جائے، پھر اس پر ازار بچھا دیا جائے، پھر قمیص کا نچلا حصہ بچھا دیا جائے، اوپر کا باقی حصہ سمیٹ کر سرہانے کی طرف رکھ دیا جائے۔
2. اب میت کو غسل کے تختے سے اٹھا کر اس بچھے ہوئے کفن پر لٹا دیا جائے۔

پھر قمیص کا وہ حصہ جو سرہانے کی طرف رکھا ہوا تھا اس کو سر کی طرف سے اس طرح لایا جائے کہ قمیص کا گریبان گلے میں آجائے، پھر اس حصہ کو پیروں کی طرف لمبان میں کر دیا جائے کہ دونوں حصے پیر تک

آجائیں۔

۳ اس کے بعد جو تہ بند میت کے بدن پر غسل کے بعد ڈالا گیا تھا، اسے نکال دیا جائے۔

۴ سر داڑھی پر عطر یا کوئی خوشبو لگا دیا جائے، پھر سجدہ کے مقام، پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلیوں دونوں گھٹنوں دونوں پاؤں پر کافور مل دیا جائے۔

۵ اس کے بعد ازار کا بایاں پلہ میت کے اوپر لپیٹ دیا جائے، پھر دایاں پلہ لپیٹ دیا جائے اس طرح کہ بایاں پلہ نیچے رہے اور دایاں اوپر، پھر اسی طرح لفافے کے دو پلے ڈال دیئے جائیں کہ بایاں پلہ نیچے رہے اور دایاں اوپر۔

۶ پھر کپڑے کی لمبے ڈور سے سر کی طرف کمر بیچ کے حصہ میں پھر پیر کی جانب ایک طرف سے دوسری طرف نکال کر باندھ دیا جائے، تاکہ کفن نہ کھلے۔

۷ یہ بندھن اور گرہیں قبر میں کھول دیئے جائیں گے۔

۸ خیال رہے کہ بعض لوگ اور بعض علاقے میں کفن میں مصلّی کے نام کپڑا نکال لیتے ہیں، مصلّی کے لئے کپڑا نکالنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کا صدقہ امام کو لینا دینا جائز ہے، اگر کفن میت کے ترکہ سے ہے تو اس کا نکالنا حرام ہے۔

عورتوں کے لئے پانچ کپڑے کفن میں مسنون ہیں

۱ ایک کپڑا جو سر سے پاؤں تک ہوگا۔

۲ لفافہ چادر جو ازار سے قریب ۴ر گز بڑا ہوتا ہے۔

۳ قمیص یا کرتہ، بغیر آستین اور کلی کا ہوتا ہے، گردن سے پاؤں تک۔

۴ سینہ بند، بغل سے رانوں تک اور ناف و کمر تک بھی درست ہے۔

۵ خمار، سر بند، اوڑھنی قریب ۳ر ہاتھ لمبی۔

عورت کو کفنانے کا مسنون طریقہ

۱ اولاً پہلے لفافہ چارپائی پر بچھا دیا جائے، پھر اس پر سینہ بند پھر ازار بچھا دیا جائے پھر قمیص کا نچلا حصہ بچھا دیا جائے، اور اوپر کا باقی حصہ سمیٹ کر سرہانے کی طرف رہنے دیا جائے۔

۲ پھر میت کو غسل کے تختہ سے لا کر اس بچھے ہوئے کپڑے پر لٹا دیا جائے، قمیص کا جو حصہ سرہانے کی طرف تھا اسے سر کی طرف اس طرح الٹ دیا جائے کہ قمیص کا سوراخ گریبان گلے میں آجائے، اور اسے پیر کی

طرف بڑھا دیا جائے، تاکہ دونوں حصے پیروں کے پاس آجائیں۔

❸ پھر تہ بند غسل کے بعد ڈالا گیا تھا نکال دیا جائے۔

❹ سر پر عطر یا خوشبو مل دیا جائے، پھر پیشانی ناک دونوں ہاتھوں دونوں گھٹنوں اور دونوں پیروں پر کافور مل دیا جائے۔

❺ پھر سر کے بالوں کو دو حصہ کر کے قمیص کے اوپر سینہ پر ڈال دیا جائے، کہ ایک حصہ داہنی طرف دوسرا حصہ بائیں طرف۔

❻ پھر سر بند اس کے سر پر اور بالوں پر رکھ دیا جائے، اسے باندھا یا لپیٹا نہیں جائے گا۔

❼ پھر ازار کا اولاً بایاں پلہ پھر دایاں پلہ ڈال دیا جائے، ایسے طور سے کہ سر بند اس کے نیچے ہو جائے۔

❽ اس کے بعد سینہ بند، سینہ کے اوپر بغل سے نکال کر گھٹنوں تک دائیں بائیں باندھ دیا جائے۔

❾ اس کے بعد کپڑے کی لمبی ڈوری سے سر کی طرف بیچ کمر کی طرف اوپر کی طرف پورے کفن کو باندھ دیا جائے گرہیں لگا دے تاکہ اٹھانے اور لے جانے کی صورت میں کفن نہ کھلے۔

❿ خیال رہے کہ اوپر بیان کردہ ترتیب میں سینہ بند ازار کے اوپر اور لفافہ کے اندر ہو جائے گا۔ اگر یہ سینہ بند قمیص کے اوپر ازار سے پہلے باندھ دیا جائے تو یہ بھی ٹھیک ہے، اسی طرح سینہ بند تمام کپڑوں کے اوپر لفافہ سے بھی اوپر باندھ دیا جائے تب بھی درست ہے۔

کفنانے کے بعد چہرے کا دکھانا سنت سے ثابت ہے

حضرت انس بن مالک رَضِوَاللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ کہتے ہیں کہ جب آپ کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات ہوگئی تو آپ نے فرمایا اسے کفن میں بندمت کرنا تاوقتیکہ میں دیکھ نہ لوں، چنانچہ آپ تشریف لائے اور اس پر جھک گئے اور رونے لگے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۰۶)

فَائِدَہ: میت کو کفن میں داخل کرنے کے بعد اس کا چہرہ کھول کر دیکھنے والے کو دکھایا جا سکتا ہے اسی جواز کی طرف امام ابن ماجہ نے باب قائم کر کے۔

"النظر الی المیت اذا درج فی اکفانہ" سے اشارہ کیا ہے۔ (صفحہ ۱۰۶)

مگر خیال رہے کہ اسے رسم بنانا اور اس کی وجہ سے تاخیر کرنا درست نہیں۔

کسی دوسرے کو کفن دینے کا ثواب

حضرت سعید بن المسیب رَضِوَاللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جس نے کسی میت کو کفن

دیا، خدائے پاک اسے جنت میں حریر وریشم کا لباس پہنائے گا۔

حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے جس نے کسی کو کفن دیا۔ خدائے پاک اسے جنت میں سندس اور استبرق ریشم کا جوڑا جنت میں پہنائے گا۔ (سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۹۵، حاکم صفحہ ۳۵۴، ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۸۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی کو کفن دیا اس کو ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔ (کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۷۸)

یوسف نے بیان کیا کہ میں نے تورات میں پایا ہے کہ جس نے میت کو کفن دیا اس نے گویا بچپن سے لے کر بڑے تک کفالت اور تربیت کی یعنی اس کا ثواب پایا۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۰۵)



میت کے جنازہ کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل اور طریق مبارک کا بیان

میت پر جنازہ پڑھنے کا حکم فرماتے

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے بھائی کا (کسی مسلمان کا) انتقال ہوگیا چلو کھڑے ہو اس پر نماز جنازہ پڑھو۔ (نسائی صفحہ ۲۷۵)

حضرت خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام خیبر میں تھے، قبیلہ اشجع کے ایک آدمی کا انتقال ہوگیا، تو آپ نے فرمایا، اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ (حاکم جلد اصفحہ ۳۶۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج ایک نیک بندہ اصحمہ کا انتقال ہوگیا ہے چلو ان کی نماز جنازہ پڑھو، چنانچہ آپ کھڑے ہوئے ہم لوگوں کی امامت فرمائی، اور ہم نے نماز جنازہ پڑھی۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۹)

فائدہ: میت پر نماز جنازہ حاضرین پر فرض کفایہ ہے، چند لوگ پڑھ لیں گے تو تمام لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۱۶، طحطاوی صفحہ ۳۱۸)

خیال رہے کہ نماز جنازہ میں جماعت کا ہونا شرط نہیں ہے۔ (طحطاوی علی البراقی صفحہ ۳۱۸)

لہٰذا کوئی ایسی جگہ جنازہ ہے جہاں صرف ایک ہی مسلمان شخص ہے تو یہی نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دے۔

اگر کہیں ایسا واقعہ پیش آیا کہ میت کے علاوہ کوئی مرد نہیں سوا عورت کے تو عورت ہی نماز جنازہ پڑھے، پھر بعد میں مرد آجائیں تو نماز جنازہ کا اعادہ نہیں، حتیٰ کہ مرد کے رہتے ہوئے کسی عورت نے ہی جنازہ پڑھایا تب بھی صحیح ہوگیا اب اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (نفع المفتی صفحہ ۱۴۳، کبیری صفحہ......)

اگر کوئی لاش مسلمانی علاقے میں ملی اور اس پر مسلمان ہونے کی کوئی علامت ونشان نہیں ہے تو بھی اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اس کے برخلاف مسلمان ہونے کی کوئی علامت نہیں اور غیر مسلم کے علاقے میں پائی گئی تو اس پر جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ (فتح القدیر)

اگر علامت ہو تو علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۱۲)

جنازہ میں حاضری کی اطلاع کے لئے میت کا اعلان سنت اور مشروع ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی موت کی اطلاع اور خبر فرمائی جس دن ان کا انتقال ہوا آپ جنازہ گاہ کی طرف نکلے اور صف بندی فرمائی۔ (بخاری صفحہ ۱۷۸)

حضرت رافع کا انتقال عصر کے بعد ہوگیا، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کی موت کی خبر دی گئی ان سے پوچھا گیا، کیا اسی وقت جنازہ نکال لیا جائے (بغیر اطلاع و اعلان کے) تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، حضرت رافع جیسی ہستی کا جنازہ اس طرح نہیں (دفن کر دیا جائے گا) بلکہ بستی کے اردگرد اطلاع کی جائے گی پس صبح کو ان کا جنازہ نکالا گیا۔ (بیہقی، بلوغ الامانی جلد ۸ صفحہ ۱۴۶)

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، لوگوں میں یہ اعلان کرنا کہ فلاں کا انتقال ہوگیا ہے جنازہ میں آجائیں مباح ہے۔

زین الدین عراقی نے بیان کیا کہ مرنے کی اطلاع رشتہ دار اقارب اور احباب کو کرنا مستحسن ہے، ابراہیم نخعی نے بیان کیا کہ اہل قرابت کو اطلاع کرنے میں کوئی حرج نہیں حلیۃ الروبانی میں ہے اطلاع کر دے تاکہ جنازہ کے شرکاء زائد ہوں، علامہ نووی نے بیان کیا کہ محض لوگوں کو اطلاع کرنا مستحب ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا اطلاع میں کوئی حرج نہیں۔ (عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۱۹)

البتہ جاہلیت کی طرح رو دھو کر اس کے مبالغہ اوصاف کو بیان کرنا گلیوں بازاروں میں غم کا اظہار کرنا یہ امور منع ہیں، اسے نعی جاہلیت کہہ کر منع کیا گیا ہے، میت کی اطلاع اور جنازہ کے لئے خبر کرنا ممنوع نہیں ہے۔ البتہ اس میں زیادہ مبالغہ اور اہتمام کی ضرورت نہیں، حاضرین اہل محلہ احباب کو اطلاع کرنا کافی ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے کہ میت کے اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ جنازہ میں شرکاء کی زیادتی کے لئے لوگوں کو اطلاع مستحب ہے، اور بیشتر مشائخ نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا کہ اس کے رشتہ داروں کو احباب و رفقاء کو اس کی خبر دی جائے، ہاں اس کی مبالغہ آمیز تعریف سے گریز کیا جائے۔ (طحطاوی علی المراقی صفحہ ۳۰۹)

ہاں اقارب رشتہ دار کے آنے کی وجہ سے تاخیر کرنا کہ صبح کا جنازہ رات میں اور رات کا جنازہ دوپہر شام تک دفن کرنا سخت کراہیت اور ممنوع ہے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدی تدفین کا حکم دیا ہے، اس بات سے منع کیا ہے کہ مسلمان کا جنازہ ان کے اہل کے درمیان پڑا رہے۔ (طحطاوی صفحہ ۳۰۹)

شامی میں ہے کہ موت کی اطلاع کرنی اور ایک دوسرے کو بلانا درست ہے۔ (صفحہ ۲۳۹)

علامہ عینی نے بیان کیا کہ صحیح روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید اور حضرت جعفر

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی موت کی خبر اور اطلاع دی، علامہ عینی نے نووی کے حوالہ سے لکھا ہے جاہلیت کے زمانہ کی طرح مبالغہ آمیزی کے ساتھ تشہیر کرتے پھرنا منع ہے، ورنہ تو رشتہ داروں اور احباب کو مطلع کرنا مستحب ہے۔ (عمدۃ القاری جلد۸ صفحہ۲۰)

خیال رہے کہ جنازہ میں زائد سے زائد لوگوں کی شرکت کی فضیلت ہے، اور شرکت بلا اطلاع اور اعلان کے نہیں ہوسکتی ہے، اس لئے موت کی اطلاع دینی اور جنازہ کے وقت کا اعلان کرنا مستحب اور درست ہی نہیں بلکہ بہتر ہے۔ چنانچہ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اعلان کرنا تاکہ نماز جنازہ میں شرکاء زائد ہوجائیں مستحب و سنت ہے۔ (بلوغ الامانی جلد۸ صفحہ۱۴۷)

شرح مشکوۃ میں ہے کہ اعلان کی تین صورتیں ہیں ① قرابت اور اہل صلاح کو مطلع کرنا، یہ جائز ہے، ② فخر ومباہات کے لئے بلانا اور اعلان کرنا یہ مکروہ ہے، ③ نوحہ کے لئے یا نوحہ کے طور پر اعلان کرنا یہ حرام ہے۔ (مرقاۃ صفحہ۳۷۱)

بعض صحابہ اعلان اور اطلاع کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے اور اسے بھی ممنوع سمجھتے تھے چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے مرنے کی اطلاع کسی کو مت کرو، مجھے خوف ہے کہیں نعی (جو ممنوع ہے) نہ ہوجائے۔ (مرعاۃ جلد۴ صفحہ۳۷۱)

نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہی سنت اور مشروع ہیں

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز جنازہ پڑھی تو ۴ر تکبیریں پڑھیں۔ (بخاری صفحہ۱۷۸، مسلم صفحہ۳۰۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ صف لگائی اور (جنازہ پر) ۴ر تکبیریں ادا کیں۔ (بخاری صفحہ۱۷۷)

ابووائل کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ ۶/۵/۷ر تکبیریں کہا کرتے تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام حضرات صحابہ کو جمع کیا، ہر ایک نے اپنی رائے دی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سب کو ۴ر تکبیروں پر جمع کردیا۔ (پس ۴ر پر اجماع ہوگیا)۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۳۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری عہد میں ۴ر تکبیریں ادا فرماتے تھے۔ (سنن کبریٰ صفحہ۱۱)

ابووائل کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور جنازہ کی تکبیروں کے سلسلہ میں مشورہ فرمایا، بعضوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ر تکبیریں کہیں بعضوں نے کہا آپ نے ۵ر تکبیریں کہی ہیں بعضوں نے کہا آپ ۴ر تکبیر کہتے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۴ر پر اجماع کرلیا۔

مستدرک حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ میں ۴ر تکبیر کہتے تھے۔ (حاکم، فتح صفحہ۳، فتح القدیر صفحہ ۱۲۳)

سلیمان ابن ابی حثمہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ پر (ابتداء میں کبھی) ۴ر کبھی ۵ر کبھی ۷ر کبھی ۸ر تکبیریں کہتے تھے۔

یہاں تک نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا آپ جنازہ گاہ کی طرف نکلے لوگوں نے صف بندی کی، آپ نے ۴ر تکبیریں ادا کیں، پھر آپ ۴ر ہی تکبیریں ادا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ وفات پا گئے۔

(استذکار صفحہ، فتح القدیر جلد۲ صفحہ ۱۲۳)

منیۃ المصلی کی شرح کبیری میں ہے کہ آخری نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی اس میں چار تکبیر ادا فرمائی تھی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے جنازہ پر ۴ر تکبیر ادا فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ۴ر تکبیر ادا کیں، حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ۴ر تکبیر ادا کیں، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ۴ر تکبیر ادا کیں۔ ابن عبدالبر نے ۴ر تکبیر پر اجماع کیا ہے۔ (صفحہ ۵۸۶)

حضرات ملائکہ نے حضرت آدم کے جنازہ میں ۴ر تکبیر کہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر حضرات ملائکہ نے جنازہ کی نماز پڑھی تو ۴ر تکبیر ادا کیں۔ (سنن کبریٰ، کنز العمال صفحہ ۵۸۳)

حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے غسل دیا اور (جنازہ میں) ۴ر تکبیر ادا کیں۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۲۸)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام پر ۴ر تکبیر ادا کیں۔

(حاکم صفحہ ۳۸۵)

فائدہ: پس معلوم ہوا کہ جنازہ کی ۴ر تکبیریں سنت انبیاء، حضرت آدم علیہ السلام اور فرشتوں کی سنت ہے، اسی وجہ سے تو فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ اگر ۵ر تکبیریں امام سہواً کہے تو اس میں اس کی اتباع نہ کی جائے گی۔

نماز جنازہ کی پہلی تکبیر میں ہاتھ باندھنا سنت ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ کی نماز پڑھتے تو پہلی تکبیر میں دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ دیتے۔ (ترمذی، عمدۃ القاری جلد۸ صفحہ ۱۲۳، سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۳۸)

حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ کی نماز پڑھتے تو پہلی تکبیر میں دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے۔ پھر تکبیروں میں دوبارہ نہ اٹھاتے۔

(دارقطنی، تلخیص جلد۲ صفحہ۱۵۴، عمدۃ صفحہ۱۲۳)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک تکبیر (پہلی) جنازہ کے استفتاح (شروع میں ہاتھ باندھنے) کے لئے ہے۔ (بخاری صفحہ۱۷۶)

حضرت ابن عمر، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھایا جائے گا۔ (عمدہ)

حضرت حسن اور ابراہیم فرماتے ہیں جنازہ میں صرف پہلی تکبیر ہی میں ہاتھ اٹھایا جائے گا۔ (عمدہ)

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ ابن منذر کہتے ہیں پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھانے پر اجماع ہے۔ (عمدۃ القاری جلد۸ صفحہ۱۲۳)

ابن حزم نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کی پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، پس پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ اٹھانا درست نہیں۔ (کبیری صفحہ۵۸۸)

جنازہ کی ۴ر تکبیروں کی ترتیب اور اس میں کیا پڑھا جائے

امام شعبی نے بیان کیا کہ جنازہ کی پہلی تکبیر کے بعد خدا کی حمد وثنا (سبحانک اللھم الخ) دوسری تکبیر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، اور تیسری تکبیر میں میت کے لئے دعا اور چوتھی تکبیر میں سلام کیا جائے گا۔

(ابن عبدالرزاق صفحہ۴۹۱، ابی ابی شیبہ صفحہ۲۹۵)

ابوامامہ کی روایت میں ہے کہ نماز جنازہ میں اولاً امام تکبیر کہے گا، پھر (دوسری تکبیر میں) درود شریف پڑھے گا پھر تیسری تکبیر میں دعا پڑھے گا پھر سلام پھیر لے گے آہستہ سے۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۴۰)

فَائِدَہ: جنازہ میں ۴ر تکبیریں ہیں، پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ اٹھا کر باندھ لیا جائے، تکبیر کے بعد ثنا پڑھے "سبحانك اللھمر وبحمدك وتبارك اسمك وتعالیٰ جدك وجل ثناء ك ولا اله غيرك" دوسری تکبیر کے بعد درود شریف کوئی سا بھی پڑھے، درود ابراہیمی جو نماز میں پڑھا جاتا ہے وہ پڑھ لیا جائے۔

تیسری تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھے۔

"اللھمر اغفر لحينا وميتنا رشاهدنا وغائبنا وصغيرنا وكبيرنا وذكرنا وانثانا اللھمر من احييته منا فاحيه على الاسلامر ومن توفيته منا فتوفه على الايمان"

اور چوتھی تکبیر کے بعد بلا کوئی چیز پڑھے دونوں طرف سلام پھیرے۔ (الشامی صفحہ۲۱۲، فتح القدیر صفحہ۱۲۳)

اور بعض مشائخ نے اجازت دی ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد "ربنا اتنا فى الدنيا حسنة" پڑھ لے۔

(فتح القدیر صفحہ۱۲۳)

اور یہ بھی ہے کہ خواہ خاموش رہے یا دعا پڑھ لے، اصل تو یہ ہے کہ سلام تکبیر کے بعد متصلاً ہو۔
(الشامی جلد۲ صفحہ ۲۱۳)

شرح منیۃ المصلی میں جنازہ کی نماز کے متعلق لکھا ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھے، اور دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھے تیسری تکبیر کے بعد دعاء پڑھے، اور چوتھی کے بعد بلا تاخیر کے سلام پھیرے، اور بعض مشائخ نے "ربنا آتنا فی الدنیا" آخر تک یا سبحان ایک کے پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ (صفحہ ۵۸۶)

امام اگر بھولے سے پانچویں تکبیر کہنے لگے مقتدی خاموش رہے، اس میں اس کی اتباع نہ کرے۔
(کبیری صفحہ ۵۸۶)

جنازہ میں آپ کیا دعا پڑھتے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ پڑھتے تو یہ دعا پڑھتے۔

"اللهم اغفر لحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا وصغيرنا وكبيرنا وذكرنا وانثانا اللهم من احييته منا فاحيه على الاسلام ومن توفيته منا فتوفه على الايمان." (حاکم جلد۱ صفحہ ۳۵۸، ابوداؤد صفحہ ۴۵۶، ترمذی صفحہ ۱۹۸، مسند احمد صفحہ ۲۹۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھتے:

"اللهم اغفر لحينا وميتنا وذكرنا وانثانا وغائبنا وشاهدنا وصغيرنا وكبيرنا اللهم من احييته منا فاحيه على الاسلام ومن توفيته منا فتوفه على الايمان." (سنن کبریٰ صفحہ ۴۱)

فائدہ: علامہ شامی اور دیگر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ اسی مذکورہ ماثورہ کا پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔
(شامی صفحہ ۲۱۲)

اور اسی پر امت کا تعامل بھی ہے، یہی راجح بھی ہے۔

خیال رہے کہ تمام دعائیں، ثنا، اور درود سب آہستہ پڑھی جائیں گی صرف امام تکبیر زور سے کہے گا۔
(شامی جلد۲ صفحہ ۱۲۳)

علامہ شامی نے اس دعاء ماثورہ کے بعد اس کا بھی اضافہ کیا جس کا پڑھنا افضل اور بہتر ہے، جو حدیث پاک سے ثابت ہے اگر یاد ہو تو پڑھ لیا جائے۔

"اللهم اغفرلنا وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله و وسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس، وابدله دارا خيرا من داره واهلا خيرا من اهله وزوجا خيرا من زوجه وادخله

الجنه واعذه من عذاب القبر وعذاب النار." (الشامی صفحہ ۲۱۲)

جنازہ کی نماز میں دونوں جانب سلام پھیرنا سنت ہے

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحبزادی کی نماز جنازہ پڑھی، چار تکبیر کہیں، پھر ذرا وقفہ کیا جو ہم نے گمان کیا کہ (شاید) پانچویں تکبیر کہیں گے تو انہوں نے دائیں جانب پھر بائیں جانب سلام کیا پھر انہوں نے کہا اسی طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

(سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۴۳، شرح مسند احمد جلد۷ صفحہ۲۳۴، حاکم عمدۃ القاری جلد۸ صفحہ۱۲۳)

حریث نے کہا کہ میں نے حضرت عامر کو دیکھا کہ انہوں نے جنازہ پڑھایا تو دائیں جانب بائیں جانب سلام کیا، ابوالہیثم نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم نخعی نماز جنازہ میں دائیں جانب بائیں جانب سلام کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۳۰۸)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنازہ کی نماز پڑھی، آپ نے دائیں جانب بائیں جانب سلام پھیرا۔ (طبرانی سبل الہدیٰ مجمع جلد۳ ص......)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جس کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور لوگوں نے اسے چھوڑ دیا، ان میں سے ایک جنازہ پر سلام کرنا ہے، لوگوں نے ایک سلام پر عمل کرلیا (حالانکہ آپ دو سلام جنازہ میں کیا کرتے تھے)۔ (عمدۃ القاری صفحہ۲۳)

حضرت عطا نے بیان کیا کہ جنازہ میں اسی طرح سلام کیا جائے گا جس طرح نماز میں (دو سلام کیا جاتا ہے)۔ (ابن عبدالرزاق صفحہ۴۹۵)

جنازہ کی نماز میں سلام سے قبل دونوں ہاتھوں کو چھوڑ دینا اور پھر سلام کرنا بہتر ہے۔ (ہاتھ چھوڑ کر سلام کرنا احسن ہے)، احسن الفتاویٰ میں ہے۔ تکبیرات ختم ہونے پر سلام سے قبل ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں۔

(کذا فی خلاصۃ الفتاویٰ)

"ولا يعقد بعد التكبير الرابع لانه لا يبقى ذكر مسنون حتى يعقد فاالصحيح انه يحل اليدين ثم يسلم تسلمتين ...... وقال العلامة اللكهنوى ليس بعد التكبير الا خير ذكر مسنون فيسن فيه الارسال."

(السعایہ صفحہ۱۵۹، احسن الفتاویٰ جلد۴ صفحہ۲۳۸)

پس ہاتھ چھوڑ کر دونوں سلام کرنا بہتر معلوم ہوا۔

اگر جنازہ کی تکبیر چھوٹ جائے مسبوق ہو جائے تو؟

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اگر جنازہ کی کوئی تکبیر چھوٹ جائے تو جلدی سے جنازہ اٹھنے سے پہلے پڑھ لے یہی حکم ابن جریج نے عطاء سے ثوری نے حماد سے نقل کیا ہے۔ (مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ ۴۸۵)

فَائِدَہ: اگر نماز جنازہ میں کوئی مسبوق ہو جائے یعنی اس کی تکبیریں کچھ چھوٹ جائیں تو وہ امام کی تکبیر کہنے کے بعد تکبیر کہہ کر شریک ہو، اور اپنی چھوٹی تکبیر امام کے سلام کے بعد فوراً ادا کرے اس طور پر کہ جنازہ اٹھنے سے پہلے تکبیر ادا ہو جائے۔ (عنایہ علی الفتح القدیر صفحہ ۱۲۵)

خیال رہے کہ پہلی تکبیر چھوٹ جائے تو اب مسنون ہے کہ اس وقت تکبیر کہے جب امام دوسری تکبیر کہے، بیچ میں نہ کہے۔ (کبیری صفحہ ۵۸۷)

اسی طرح وہ چار تکبیر بلا دعا درود کے پوری کرے، تا کہ جنازہ اٹھنے سے قبل پوری ہو جائے۔

(کبیری صفحہ ۵۸۷)

صرف نماز جنازہ میں شریک ہونے پر ایک قیراط ثواب

حضرت ابوسعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جو نماز جنازہ پڑھے اور اس کے ساتھ (دفن کے لئے) نہ چلے تو ایک قیراط ثواب۔ (مسلم صفحہ ۳۰۷، ترمذی صفحہ ۲۰۱، کنز صفحہ ۵۸۶)

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، جو جنازہ میں حاضر ہوتا کہ نماز پڑھے اس کے لئے ایک قیراط ثواب، اور جو دفن تک رہا اس کے لئے دو قیراط اور دو قیراط دو بڑے پہاڑ کے مثل ہے۔ (بخاری صفحہ ۱۷۷)

جنازہ کے بعد دفن سے فارغ ہونے تک رہے تو دو قیراط

حضرت عبداللہ بن مغفل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ جو نماز جنازہ پڑھے اس کے لئے ایک قیراط اور جو انتظار کرے یہاں تک کہ (دفن وغیرہ سے) فارغ ہو جائے تو اس کے لئے دو قیراط۔

(ترمذی صفحہ ۲۰۱، مسلم صفحہ ۳۰۷، کنز صفحہ ۵۸۶)

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جو شخص جنازہ کے ساتھ اس کے گھر سے نکلے، اس پر جنازہ پڑھے، پھر اس کے پیچھے جائے یہاں تک کہ دفن میں شریک ہو، اس کے لئے دو قیراط ثواب ہوگا، اور جو نماز جنازہ پڑھ کر لوٹ آئے اس کے لئے ایک قیراط اور ایک قیراط احد کے برابر ثواب ہے۔

(مسلم جلد ا صفحہ ۳۰۷، ابوداؤد صفحہ ۴۰۵، کنز العمال صفحہ ۵۸۹)

فَائِدَہ: ابن قدامہ نے بیان کیا کہ جنازہ کے پیچھے جانا سنت ہے، چنانچہ حضرت براء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت میں ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہمیں حکم دیا کہ جنازہ کے پیچھے جایا کریں، اس کی ۳ر صورتیں ہیں:

① نماز جنازہ پڑھ کر واپس آجائے، زید بن ثابت کہتے ہیں کہ جب تم نے نماز جنازہ پڑھ لیا تو جو تمہارے پر حق تھا تم نے ادا کر دیا، ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے کتنی مرتبہ امام احمد کو دیکھا کہ نماز جنازہ پڑھ کر واپس آگئے اور اس کے ساتھ نہ گئے اور نہ (ولی جنازہ سے) اجازت لی۔

② یہ کہ قبر تک جائے پھر رکا رہے یہاں تک کہ دفن ہو جائے۔ (دفن اور مٹی تک شریک رہے)۔

③ دفن کے بعد رکا رہے، اس کی مغفرت کی دعا کرے، اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرے اس کے لئے رحمت کی دعا کرے کہ مروی ہے کہ نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے کہ آپ جب کسی میت کو دفن کرتے تو دفن کے بعد رکے رہتے اور فرماتے اس کے لئے مغفرت کی دعا کرو، اور دعا کرو کہ ثابت قدم رہے اس سے اس وقت سوال کیا جائے گا۔ (ابوداؤد، اعلاء السنن صفحہ ۳۰۳)

فَائِدَہ: مطلب یہ ہے کہ میت کے امور میں شریک ہونے کے ۳ر درجے اور ۳ر صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ صرف جنازہ پڑھ کر واپس آجائے، اس پر ایک قیراط ثواب ہے، یہ عام آدمی کے لئے ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نماز جنازہ پڑھے، نماز جنازہ کی چارپائی کے ساتھ پیچھے پیچھے جائے، اور دفن تک شریک رہے، دفن کے بعد چلا آئے، اس پر دو قیراط ثواب ہے، اقارب رشتہ دار، احباب رفقاء، پڑوسی کا اور اہل محلّہ کا حق ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ دفن کے بعد تھوڑی دیر رکا رہے، اور میت کے حق میں دعاء مغفرت اور دعاء رحمت کرے۔ اور منکر نکیر کے سوال پر ثابت قدم رہنے کی دعا کرے، قریب ۱۰/۱۵/۲۰ منٹ رک کر اس کے حق میں دعا کر کے آئے جیسے کہ آپ اپنے احباب کے لئے کیا کرتے تھے، یہ سنت ہے۔ بعض رشتہ دار احباب رفقاء کا حق ہے پہلا نمبر جنازہ میں چلنا، حدیث پاک میں اس کا حکم اور اس کی تاکید آئی ہے، اس کا ثواب ہے، یہ واجب کفایہ ہے جنازہ میں جانا تمام لوگوں کے لئے سنت ہے، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ نفل نماز سے مشغول ہونے سے اس میں زیادہ ثواب ہے۔

"الاتباع افضل من النوافل." (الشامی جلد ۲ صفحہ ۲۳۹)

لہٰذا تمام نوافل نماز، ذکر، تلاوت، وغیرہ سے افضل عمل ہے۔

مجاہد سے پوچھا گیا کہ نفل نماز میں مشغول ہونا افضل ہے یا جنازہ کے پیچھے چلنا، کہا کہ جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ (مصنف عبدالرزاق صفحہ ۴۵۱)

جنازہ کا پورا ثواب اور پوری فضیلت اس میں ہے کہ مٹی دے کر آئے، چنانچہ حضرت ابوداؤد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ

فرماتے ہیں جنازہ کا پورا ثواب اس میں ہے کہ ان کے ساتھ پیدل جائے، چاروں کندھا دے، قبر پر ہاتھ سے مٹی ڈالے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۸۳)

جنازہ کی امامت کا مستحق کون؟

حضرت سالم قاسم طاؤس مجاہد عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ یہ حضرات جنازہ کی امامت میں امام (محلے) کو آگے کیا کرتے تھے۔ منصور کہتے ہیں کہ میں ابراہیم کے ساتھ جنازہ میں حاضر ہوا، وہ اس کے ولی تھے تو انہوں نے محلے کے امام کو آگے بڑھایا۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۲۸۶)

مسلم کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کو دیکھا کہ اپنی والدہ کی نماز جنازہ کی امامت میں عبدالرحمٰن بن حکم کو آگے بڑھایا جو محلّہ کی مسجد کے امام تھے۔

حضرت حسن بصری فرمایا کرتے تھے میں نے حضرات صحابہ کرام کو دیکھا وہ نماز جنازہ پڑھانے کا اسی کو مستحق سمجھتے تھے جس کے پیچھے وہ فرائض پڑھنے پر راضی تھے۔ (یعنی اپنے محلے کے امام)۔

(بخاری صفحہ ۱۷۶، کشف الغمہ صفحہ ۱۷۰)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حماد کے واسطے سے ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ جنازہ مساجد کے امام پڑھائیں گے۔ (مصنف عبدالرزاق صفحہ ۴۷۰)

امام محمد نے اسی کو اختیار کیا ہے، مناسب یہ ہے کہ ولی امام مسجد کو آگے بڑھائے ہاں اسے مجبور نہیں کیا جائے گا، اسی کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا۔ (کتاب الآثار، اعلاء السنن جلد۸ صفحہ ۲۱۱)

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوگئے تو حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، کہ وہ فرائض کے امام تھے۔ (حاصل روایت)۔

(مستدرک حاکم، اعلاء السنن جلد۸ صفحہ ۲۰۸، مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ ۴۷۲)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب جنازہ حاضر ہو جائے اور امیر حاکم بھی آجائے تو حاکم نماز جنازہ کا زیادہ مستحق ہے۔ (مطالب عالیہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۷)

مسروق نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ولی زیادہ مستحق ہے نماز جنازہ کا۔

(ابن عبدالرزاق جلد۳ صفحہ ۴۷۳، اتحاف الخیرہ صفحہ ۲۳۸)

فائدہ: میت کے جنازہ پڑھانے کے سلسلے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر اس نے اپنی زندگی میں کسی کو جنازہ کی نماز پڑھانے کا کہہ دیا ہو تو وہی پڑھانے کا مستحق ہے۔ (اعلاء السنن صفحہ ۲۰۹)

ورنہ تو پھر ہمارے ملک میں محلے کی مسجد کا وہ امام ہے جس کے پیچھے اس نے فرائض پڑھی ہے، اعلاء السنن

میں ہے کہ گویا اجماع ہے اس امر پر کہ محلے کی مسجد کا امام جنازہ پڑھانے کے زیادہ لائق ہے۔ دوسرے اولیاء اور اہل فضل کے مقابلہ میں، اسی کے قائل امام نخعی ہیں اسی کو امام بخاری نے بیان کیا ہے۔

اگر محلے کا امام نہ ہو تو پھر اس میت کا ولی مثلاً باپ موجود ہو تو زیادہ لائق ہے، یا اس کی اولاد۔

(اعلاء السنن صفحہ ۲۰۹)

اگر باپ یا ولی نماز پڑھانے کے لائق نہ ہو تو پھر جو اس ماحول میں علم فضل کے اعتبار سے بہتر ہو اسی کو جنازہ کی امامت کے لئے آگے کر دیا جائے۔

ابن ہمام اور دیگر فقہاء لکھتے ہیں اگر حاکم اسلام یا قاضی نہ ہو تو نماز جنازہ محلے کے امام صاحب پڑھائیں گے۔ جوامع الفقہ کے حوالہ سے ہے کہ محلے کے امام اور جامع مسجد کے امام میں جامع مسجد کا امام اولیٰ ہے۔

(فتح القدیر صفحہ ۱۱۸)

امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ کی رائے ہے کہ میت کا ولی ہر صورت میں زیادہ مستحق ہے۔

خیال رہے کہ محلے کے امام کا پڑھانا، واجب نہیں مستحب ہے، ولی بھی پڑھا سکتا ہے، مثلاً بیٹے کی نماز والد۔

(فتح القدیر صفحہ ۱۱۹)

خیال رہے کہ اگر ولی کی موجودگی میں لوگوں نے جنازہ پڑھ لیا تو ولی دوبارہ جنازہ پڑھ سکتا ہے۔

(فتح القدیر صفحہ ۱۱۹)

اگر ولی نے پڑھ لیا ہے تو اب کوئی دوبارہ نہیں پڑھ سکتا ہے۔ (فتح القدیر، شامی جلد ۲ صفحہ ۲۱۸)

میت کے سینے کے مقابل کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھائے

حضرت انس رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس مرد کا جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ جنازہ کی چارپائی کے سرہانے کھڑے ہوئے، اور ایک عورت کا جنازہ لایا گیا تو آپ ذرا نیچے کی طرف ہٹ کر کھڑے ہوئے۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۲)

ابو غالب کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت انس بن مالک رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ نے مرد کے جنازہ پر نماز پڑھی تو اس کے سرہانے کھڑے ہوئے، اور ایک عورت کا جنازہ لایا گیا تو اس کے بیچ میں کھڑے ہوئے اس پر علاء بن زیاد نے ان سے پوچھا کہ کیا اسی طرح آپ ﷺ کیا کرتے تھے، حضرت انس نے فرمایا ہاں، تو حضرت علاء نے ہم لوگوں کی طرف رخ کر کے کہا اسے یاد رکھو۔ (طحاوی جلد ۱ صفحہ ۲۸۳)

حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ عورتوں کے جنازہ میں اس کے سینہ کے مقابل (امام) کھڑا ہو۔

(مصنف عبد الرزاق صفحہ ۴۶۹)

لیث نے بیان کیا کہ حضرت عطاء نے بیان کیا جب کوئی نماز جنازہ پڑھے (خواہ مرد ہو یا عورت) سینہ کے مقابل کھڑا ہو۔

مغیرہ نے حضرت ابراہیم نخعی سے نقل کیا کہ جو نماز جنازہ پڑھائے وہ جنازہ کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو۔
(ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۳)

ابن عبدالبر مالکی نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود حضرت عطا حضرت ابراہیم جنازہ میں سینے کے مقابل کھڑے ہوتے تھے، اور اس میں مرد، عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ (یعنی دونوں کے جنازہ میں سینہ کے مقابل کھڑے ہوتے)۔ (استذکار جلد ۸ صفحہ ۲۸۱)

فائدہ: ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں ذکر کیا ہے کہ میت کے سینہ کے سامنے امام کھڑا ہو خواہ مرد ہو یا عورت۔ (مرقاۃ جلد ۲ صفحہ ۴۹)

ہدایہ فتح القدیر میں ہے کہ میت خواہ مرد ہو یا عورت اس کے سینے کے مقابل ہو کر امام نماز جنازہ پڑھائے۔
(فتح القدیر صفحہ ۱۳۰)

ملا علی قاری نے بیان کیا ہے کہ روایت میں جو ہے کہ آپ عورت کے صدر بیچ میں کھڑے ہوئے صدر کا مفہوم سینہ کے خلاف نہیں، اس لئے ہاتھ وسر اور پیٹ ران کے اعتبار سے سینہ وسط میں ہوگا۔ (مرقات جلد ۴ صفحہ ۴۹)

منیۃ المصلی کی شرح کبیری میں ہے، کہ جنازہ پڑھانے والا میت کے سینہ کے مقابل کھڑا ہوگا، خواہ مرد ہو یا عورت، چونکہ محل ایمان ہے اس سے اشارہ اس بات کی جانب ہے کہ شفاعت اور دعاء ایمان ہی کی وجہ سے ہے۔ (صفحہ ۵۸۸)

اگر نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کر جائے

محارب ابن دثار نے کہا کہ حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصیت کی تھی کہ ان کی نماز جنازہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھائیں۔ (سنن کبری صفحہ، ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۵)

ابواسحاق نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میرا جب وصال ہو جائے تو جنازہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھائیں۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۹)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ صحابہ کرام پڑھائیں ابن زیاد (جو اس زمانہ میں حکومت پر تھا) نہ پڑھائے۔ (سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۲۹)

ابومیسرہ نے وصیت کی تھی کہ ان کی نماز جنازہ قاضی شریح پڑھائیں۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۵)

یونس بن جبیر نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ حضرت انس بن مالک پڑھائیں۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۵)

حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے وصیت کی تھی ان کا جنازہ حضرت ابوبردہ پڑھائیں۔ (کشف الغمہ)

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ صہیب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ پڑھائیں۔

(مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ ۱۷۲، کشف الغمہ)

حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا نے وصیت کی تھی کہ ان کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ پڑھائیں۔ (کشف الغمہ صفحہ ۱۷۰)

فَائِدَہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا جس سے کسی کو عقیدہ ومحبت ہو اسے نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں وہی صاحب نماز جنازہ پڑھائیں گے اگر وصیت نہ کی ہو تو جس کے پیچھے فرائض پڑھتے تھے وہ نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ (اعلاء السنن صفحہ ۲۰۹)

دوسری مرتبہ جنازہ کی نماز ممنوع ہے

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ دوبارہ نہیں پڑھی جائے گی۔

نافع بیان کرتے ہیں حضرت ابن عمر ایک جنازہ میں تشریف لے گئے، تو نماز جنازہ ہو چکی تھی تو آپ دعا کر کے لوٹ آئے اور دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ جب نماز جنازہ فوت ہو جائے تو پھر دوبارہ نہ پڑھی جائے گی۔

(مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ ۵۱۹)

فَائِدَہ: دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اگر نماز جنازہ کا ارادہ تھا چھوٹ گئی تو اب صرف ان کے حق میں دعا واستغفار کر لی جائے جیسا کہ حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے کیا، ہاں اگر نماز جنازہ بغیر ولی کی اجازت کے ہوئی اور یا ولی شریک نماز جنازہ نہیں ہوسکا تو ولی کو اجازت ہے کہ وہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھ لے، بنایہ شرح ہدایہ میں ہے، اگر ولی اور خلیفہ وقت کے علاوہ کسی نے جنازہ پڑھائی تو ولی دوبارہ لوٹا سکتا ہے، اور اگر ولی جو میت کا شرعی ذمہ دار ہے اس نے جنازہ میں شرکت کر لی تو پھر اب دوبارہ نماز جنازہ نہیں ہوسکتی۔ (بنایہ صفحہ ۲۴۶)

سامنے کے رخ قبر ہو تو نماز کو منع فرماتے

ابومرثد غنوی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فرما رہے تھے، قبروں کے رخ نماز نہ پڑھو، اور قبر پر نہ بیٹھو۔ (مسلم صفحہ ۳۱۲، مسند احمد صفحہ ۷۹)

حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قبروں کے درمیان نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرماتے (پس قبرستان کے باہر پڑھتے)۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۳۹)

حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم قبروں کے درمیان نماز جنازہ کو مکروہ فرماتے تھے۔
(بحرالرائق صفحہ ۲۰۹)

بدائع میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا۔ "لا ينبغي ان يصلي علي ميت بين القبور، وكان علي وابن عباس يكرهان ذالك."

طحطاوی علی المراقی میں ہے کہ اگر عذر ہو (کہ کوئی جگہ ہی سوا اس کے نہ ہو) تو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے۔
ایسے طور پر نماز پڑھنا کہ سامنے قبر ہو، ہاں پیچھے یا بغل میں ہوتو درست ہے۔
"تكره الصلاة في المقبرة اذا كان المقبرة بين يدى المصلي."
(شرح بلوغ الامانی جلد ۸ صفحہ ۸۶)

علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ قبروں کے درمیان نماز جنازہ نہ پڑھے۔ اگر پڑھ لیا تو کراہت کے ساتھ جائز ہوگا اب لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا قبرستان کے حلقہ میں نماز جنازہ نہ ادا کرے۔ بلکہ باہر ادا کرے۔

نومولود زندہ پیدا ہونے والے بچے پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بچہ پیدا ہو کر رو دے تو وراثت بھی ہوگی اور اس پر جنازہ پڑھی جائے گی۔ (سنن کبری جلد ۴ صفحہ ۹، حاکم جلد ۱ صفحہ ۳۶۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نومولود قبل از وقت پیدا ہونے والے بچے پر اس وقت تک نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی، جب تک کہ وہ روئے (یا آواز نہ کرے جس سے زندہ پیدا ہونا معلوم ہو)۔
(سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۹)

حضرت ابراہیم کہتے ہیں کہ ناتمام بچے کی پیدائش پر اس وقت تک نماز نہیں پڑھی جائے گی جب تک کہ وہ روئے نہیں۔

ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ نومولود بچہ پر جب تک کہ رونے کی آواز نہ سنی جائے نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی نہ وارث ہوگا۔

شعبی نے کہا جب بچہ پیدا ہو کر رو دے تو اس کی جنازہ پڑھی جائے گی حضرت جابر فرماتے ہیں بچہ پیدا ہوا اور نہ رویا تو اس کی جنازہ نہ ہوگی۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۹)

دودھ پیتے بچے پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم پر نماز ہ پڑھی تھی وہ ۱۶/ ماہ کے تھے اور فرمایا کہ اس کی مدت رضاعت جنت میں پوری ہوگی (سنن کبریٰ ۹/۴)

مسلم کی روایت میں ہے کہ اس کے لئے دودھ پلانے والیاں ہوں گی۔ (الفتح الربانی جلد ۷ صفحہ ۲۰۷)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم پر نماز جنازہ پڑھی اور ۴ر تکبیریں ادا کیں۔ (شرح مسند احمد جلد ۷ صفحہ ۲۱۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی، اور فرمایا ان کے لئے دودھ پلانے والی جنت میں مقرر کی گئی۔

(مختصراً ابن ماجہ)

فائدہ: یہ احادیث وآثار اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ نومولود بچوں پر اور وہ نومولود جو پیدا ہو کر رویا چلایا یا اس میں حیات کے آثار تھے پھر موت ہوگئی ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (شرح مسند احمد جلد ۷ صفحہ ۲۱۰)

چنانچہ اسی وجہ سے ارباب حدیث نے باب قائم کیا ہے، "**باب السقط یغسل ویصلی علیه ان استهل او عرفت له حیاة.**" (بیہقی جلد ۴ صفحہ ۸)

نومولود کو غسل دیا جائے گا اور جنازہ پڑھی جائے گی جب کہ وہ رویا ہو یا اس میں حیات کی علامت مثلاً حرکت وغیرہ پائی گئی ہو۔

ایسا ناتمام بچہ جو مکمل نہ ہو جیسے حمل ساقط ہونے کی صورت میں تو اسے صرف کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا اس کے لئے نہ کفن نہ نماز جنازہ۔ (نفع المفتی والسائل صفحہ ۱۴۲، کذا فی البحر الرائق)

اگر نومولود بچے میں زندگی کے آثار نہیں تو نماز جنازہ نہیں

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نومولود بچے میں اگر رونا نہ ہوا (یا اور دوسری حیات کی علامت نہ پائی گئی) تو نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ وہ وارث بنے گا اور نہ مورث۔

(فتح القدیر صفحہ ۱۳۱، ابن ماجہ)

ابراہیم نخعی نے فرمایا، بچہ جب روئے (یا حرکت کرے) تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

(مصنف ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۳۱)

ابن شہاب زہری نے کہا ناتمام بچہ پیدا ہوتا ہے بچہ زندہ پیدا ہوا تو اس وقت تک اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی جب تک رونے (یا حرکت وغیرہ) کی آواز نہ ہو۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۳۰)

حسن بصری فرماتے ہیں جب بچہ (پیدا ہو کر) روئے چیخے تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (ابن عبدالرزاق)

فائدہ: پیدا شدہ بچے میں اگر حیات کی کوئی بھی علامت پائی گئی مثلاً رونا، خواہ ایک سکنڈ، کسی عضو کی حرکت، یا کسی قسم یا کسی طرح کی آواز، تو ایسے بچے پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۳۰، الشامی صفحہ ۲۲۷)

اس کا نام رکھا جائے گا۔ کفن غسل دیا جائے گا۔ اگر پیدا ہوا، پیدا ہوتے ہوئے ابھی پورا باہر آیا نہیں کہ مر گیا تو ایسی صورت میں دیکھا جائے گا، کہ اگر آدھے سے زائد باہر آ کر مرا ہے تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اگر آدھے سے کم باہر آیا تھا کہ مر گیا تو نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۳۰)

اگر صرف سر ہی نکلا تھا کہ مر گیا جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ (الشامی صفحہ ۲۲۷)

اگر بچہ پیر کی طرف سے پیدا ہوا ہے تو سینہ اکثر حصہ ہوگا، اگر بچہ سر کی طرف سے پیدا ہوا ہے تو ناف اکثر حصہ شمار ہوگا، اسی اکثر حصہ کو دیکھ کر نماز جنازہ کا حکم لگے گا۔ (الشامی صفحہ.....)

اگر پیدا شدہ بچے میں بوقت پیدائش سے ہی کوئی حیات کی علامت نہیں پائی گئی تو اسے کسی کپڑے میں لپیٹ کر بلا نماز جنازہ کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے گا۔ (الشامی صفحہ ۲۲۸)

ناتمام یا مردے بچے کو غسل دیا جائے گا مگر سنت کی رعایت کے ساتھ نہیں ایسے ہی پانی گرا کر دھو دیا جائے، اگر بچہ ناتمام پیدا ہو گیا، حمل ساقط ہو گیا، بعض عضو بنے ہیں اور بعض عضو نہیں بنے ہیں تو اسے غسل دے کر کسی کپڑے میں ڈھانک کر بلا نماز جنازہ کے دفن کر دیا جائے گا۔ (الشامی صفحہ ۲۲۸، منحۃ الخالق حاشیہ بحر صفحہ ۲۰۳)

نومولود بچہ کے پیدا ہونے کے وقت زندگی اور حیات کے سلسلہ میں تنہا دائی، یا ماں کی بات کا اعتبار ہوگا۔ اگر یہ دونوں یا کوئی ایک یہ کہہ دے کہ پیدا ہوتے وقت چلایا یا رویا یا زندگی کے یہ آثار تھے پھر مر گیا، تو ان کی بات کا اعتبار کر کے شریعت کے مطابق غسل کفن اور جنازہ ہوگا۔ (الشامی جلد ۲ صفحہ ۲۲۶)

اگر بچہ کا سر ظاہر ہوا، چیخنے رونے کی آواز آئی، پھر باقی جسم کے نکلنے سے پہلے مر گیا تو نماز جنازہ نہیں ہوگی۔ (بحرالرائق جلد ۲ صفحہ ۲۰۲)

جنازہ اٹھا کر چلنے پر چالیس گناہ کبیرہ معاف

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جنازہ کے چارپائیوں کو اٹھا کر چلے اس کے چالیس گناہ معاف ہوں گے۔

(کنز جلد ۱۶ صفحہ ۵۹۸، مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۹، نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۶۹، بنایہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۲، بحرالرائق جلد ۲ صفحہ ۲۰۸)

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جنازہ کے پیچھے چلے اور اسے چاروں کندھے دے تو اس کے چالیس ایسے گناہ جو کبیرہ ہوں معاف ہو جاتے ہیں۔ (کنزالعمال جلد ۱۶ صفحہ ۵۹۳)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جنازہ کے پیچھے چلے اور اسے چاروں کندھے دے تو اس کے چالیس ایسے گناہ جو کبیرہ ہوں معاف ہو جاتے ہیں۔

(مطالب عالیہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۲، اتحاف الخیرہ صفحہ ۳۵۵)

فَائِدَہ: شرح کبیری میں ہے کہ جو جنازہ اٹھا کر چالیس قدم چلے اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف ہوں گے۔ (صفحہ۵۹۲)

جنازہ اٹھاتے وقت کیا پڑھے

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ جنازہ اٹھاتے وقت بسم اللہ کہو، بکر بن عبداللہ سے منقول ہے کہ جنازہ اٹھایا تو بسم اللہ سبحان اللہ کہا انہیں سے منقول ہے کہ جب جنازہ اٹھاؤ تو بسم اللہ سبحان اللہ کہو۔

(ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۲۸۵)

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ جب جنازہ اٹھاؤ تو بسم اللہ کہو۔ (ابن عبدالرزاق)

فَائِدَہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جب جنازہ سے چلنے کے لئے جنازہ کے پائے کو اٹھائے تو بسم اللہ کہنا نہ بھولے بہتر ہے کہ ذرا زور سے بسم اللہ کہے تاکہ دوسروں کو بھی یاد آجائے۔

جنازہ کے چاروں پایوں کو اٹھانے کا بڑا ثواب

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ جو جنازہ کے چاروں پایوں کو اٹھائے گا اللہ پاک اس کے ۴۰ کبیرہ گناہوں کو معاف فرمائیں گے۔ (کنز، طبرانی)

حضرت انس کی ایک روایت میں ہے کہ جو جنازہ کے چاروں پایوں کو ایمان اور ثواب کی نیت سے اٹھائے گا اس کے ۴۰ / بڑے گناہ معاف ہوں گے۔ (مجمع جلد۳ صفحہ۲۹، کنز صفحہ۵۹۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی جنازہ اٹھائے تو اس کے چاروں پایوں کو اٹھائے پھر بعد میں اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ (چاروں پایوں کو اٹھانا) سنت ہے۔ (سنن کبریٰ ۳/۲۰)

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ جس نے جنازہ کے چاروں پایوں کو کندھے سے اٹھایا اس نے گویا اس کا حق ادا کردیا۔ (بنایہ جلد۳ صفحہ۲۸۲)

حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا کہ جنازہ کا پورا ثواب اس میں ہے کہ لوگوں کے ساتھ پیدل چلے۔ چاروں پایوں کا کندھا دے ہاتھ سے قبر پر مٹی ڈالے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ۲۸۳)

فَائِدَہ: ملا علی قاری نے بیان کیا کہ احناف کے نزدیک چاروں پایوں کو اپنے کندھے پر اٹھانا سنت ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف ایک کندھا دینے سے سنت کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔ (مرقاۃ جلد۴ صفحہ۵۸، مرقاۃ صفحہ۴۰۹)

ابن قدامہ نے بیان کیا کہ چار مرتبہ کندھا دینا سنت ہے۔ حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت کی وجہ سے، کہ تم میں سے کوئی جب جنازہ کے پیچھے چلے تو اسے چاہئے کہ چاروں پایوں کو پکڑے نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

کی سنت یہی ہے یعنی چاروں کندھے دینا سنت ہے۔ (مرعاۃ صفحہ ۴۰۹)
ملا علی قاری نے بھی بیان کیا کہ حدیث پاک کے اعتبار سے بھی یہی (چاروں کندھے دینا) سنت ہے۔
(مرقاۃ صفحہ ۵۹)

پس اس سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں اور کندھا نہیں دیتے۔ یہ ایک عظیم ثواب سے محرومی کا باعث ہے۔ تاہم جنازہ کے پیچھے چل کر اس نے ایک حق ادا کیا۔ پھر کچھ لوگ کندھا دیتے ہیں مگر کیف ما اتفق کوئی ترتیب نہیں۔ کچھ لوگ ایک ہی مرتبہ کندھا ذرا دے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر بھیڑ از دحام کی وجہ سے ہو تو دوسری بات ہے ورنہ چاروں کندھے دس دس قدم پر دینا اصل سنت ہے۔ علامہ عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں کہ حاصل یہ ہے کہ سنت ہمارے نزدیک یہ ہے کہ چاروں طرف سے چار مرتبہ اٹھائے اور ہر جانب سے دس قدم چلے۔ (بنایہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۳)

جنازہ کے چاروں پایوں کو اٹھانا اور پکڑنا سنت ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے جنازہ اٹھایا اور اس کے چاروں پایوں کو پکڑا اس نے گویا کہ وہ حق ادا کر دیا جو اس کے ذمہ تھا۔ (ترمذی، عبدالرزاق، تلخیص صفحہ ۱۱۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جو جنازے کے پیچھے چلے چاہئے کہ اس کے تمام پایوں کو اٹھائے۔ یہی سنت ہے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۰۶، اعلاء السنن صفحہ ۲۴۰، تلخیص صفحہ ۱۱)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جنازہ کا ثواب اس میں ہے کہ اس کے چاروں پایوں کو پکڑ کر اٹھائے اور یہ کہ اس کی قبر میں مٹی ڈالے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ، اعلاء السنن صفحہ ۲۴۱، بلوغ الامانی جلد ۸ صفحہ ۹)

علی ازدی کی روایت میں ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ جنازے کے چار پایوں کو پکڑتے اور اٹھاتے تھے۔ (نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۶۶، بلوغ الامانی صفحہ ۱۰)

فائدہ: احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ جنازے کے اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ چاروں طرف سے پکڑے۔ (نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۶۹)

کبیری میں ہے کہ ہر چاروں جانب سے دس دس قدم چلے۔ (صفحہ ۵۹۲)

جنازہ کے چاروں پایوں کے اٹھانے کا مسنون طریقہ

یوسف بن مالک کہتے ہیں کہ میں حضرت رافع بن خدیج کے جنازہ میں حاضر ہوا اس میں حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما شریک تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بڑھے اور چارپائی کا اگلا حصہ

دونوں پایوں کے درمیان پکڑا اور اپنے کندھے پر رکھا اور چلے۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۲۱)

خالد بن ابی بکر کہتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ اپنی والدہ کو لے کر گھر کے دروازے سے نکلے چارپائی کے دائیں جانب کو پھر بائیں جانب پکڑا۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۲۷۲)

علی ازدی کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو دیکھا کہ انہوں نے جنازہ کے چاروں پایوں کو اٹھایا۔ اور دائیں طرف سے اٹھایا پھر الگ ہوگئے۔ (یعنی پھر بائیں جانب اٹھایا)۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۲۸۳)

حضرت سعید بن جبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا اگر تم سے ہوسکے تو پہلے دایاں طرف اپنے کندھے پر لو۔ پھر چارپائی کے گرد گھوم جاؤ قریب سے۔ (یعنی چاروں پایوں کو ترتیب سے لو)۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۲۸۲)

فَائِدَۃ: جاننا چاہئے کہ جنازہ کے اٹھانے اور اس کے پایوں کے پکڑ کر چلنے کا مسنون ومشروع طریقہ لوگوں کے درمیان متروک ہے۔ بہت ہی کم لوگ مسنون طریقے سے واقف ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ عموماً تمام لوگوں کا یہ حال ہے کہ جس طرح چاہتے ہیں جنازہ کے پایوں کو پکڑ کر اٹھا لیتے ہیں۔ سو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا مسنون طریقہ کیا ہے جسے فقہاء کرام نے بیان کیا ہے۔

وہ یہ ہے کہ پہلے میت کے سرہانے کا دایاں جانب اپنے دائیں کندھے پر رکھے اور ۱۰ قدم چلے۔ پھر اس کے بعد میت کے سرہانے بائیں جانب آجائے اور بائیں پائے کو اپنے بائیں کندھے پر رکھے۔ (دائیں مونڈھے اور دائیں کندھے) پر نہ اٹھائے اکثر لوگوں سے یہی غلطی ہو جاتی ہے۔ پھر میت کے پیر کی جانب چلا آئے اور اپنے بائیں کندھے پر اسے اٹھائے۔ اور دس قدم چلے۔ اس طرح چالیس قدم چلے۔ حدیث پاک میں جنازے کو لے کر چالیس قدم تک چلنے کی بڑی فضیلت ہے۔ جو چالیس قدم چلے گا اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف ہوں گے۔ (طحطاوی علی المراقی صفحہ۳۳۱، الشامی جلد۲ صفحہ۲۳۱، کبیری صفحہ۵۹۲، بحرالرائق صفحہ۲۰۷)

میت کے پایوں کو اٹھانے میں اصولی طور پر یہ خیال رہے کہ اول میت کا بھی دایاں مونڈھا اور اٹھانے والے کا بھی دایاں کندھا ہو۔ اس کے بعد پیچھے آکر میت کا پچھلا یعنی پیر کی جانب والا اپنے دائیں کندھے پر اٹھائے اس کے بعد پیچھے سے میت کے بائیں جانب سر کی طرف چلا جائے اسے اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے۔ پھر پیچھے پیر کی جانب آجائے اور پچھلا بایاں طرف بائیں کندھے سے اٹھائے۔ اس طرح اول دایاں رخ ہوگا۔ پھر بایاں رخ ہوگا۔ اور اٹھانے والے کا بھی اولاً دایاں ہوگا اور پھر بایاں۔ اس طرح دائیں سے شروع بائیں پر اختتام ہوگا۔ (بحرالرائق صفحہ۲۰۷)

ہر چہار جانب سے دس دس قدم لے چلنا مستحب ہے۔ (بحرالرائق، شامی)

خیال رہے کہ میت کے آگے سے جا کر پایوں کو پکڑنا خلافِ سنت ہے۔ (بحرالرائق)

اس طریقہ کو اور ترتیب کو جو سنت ہے اور باعث فضیلت وثواب ہے۔

ذہن میں محفوظ رکھئے اکثر کتاب میں بھی اور لوگوں کا عمل بھی اس سے خالی ہے۔ محققین فقہاء نے اسے بیان کیا ہے جو احادیث سے ماخوذ ہے۔ خود بھی عمل کیجئے اور دوسروں کو بھی یہ مسنون طریقہ بیان کر کے سنت کی ترویج کا عظیم ثواب پایئے۔

جنازہ کے ساتھ پیدل جانا سنت ہے

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ کے ساتھ چل رہے تھے آپ کے لئے سواری لائی گئی تو آپ نے انکار فرما دیا، پھر واپسی میں سواری پیش کی گئی تو آپ سوار ہو گئے، اور فرمایا ملائکہ بھی (جاتے وقت) ساتھ چل رہے تھے تو میں سوار نہ ہوا کہ وہ پیدل چل رہے ہیں، جب وہ (واپسی کے وقت) چلے گئے تو میں سوار ہو گیا۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۳، حاکم جلد ا صفحہ ۳۵۵)

حضرت ثوبان ایک جنازہ میں نکلے، لوگوں کو دیکھا کہ اپنی سواریوں پر سوار چلے آرہے ہیں تو ان سے کہا تم شرم نہیں محسوس کرتے ہو کہ حضرات ملائکہ پیدل چل رہے ہیں اور تم سواریوں پر سوار ہو۔

(سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۲۳، حاکم صفحہ ۳۵۶)

فائدہ: جنازہ کے ساتھ پیدل چلنا مستحب اور افضل ہے، اسی میں تواضع ہے۔ (کبیری صفحہ ۵۹۳)

جنازہ میں سواری پر جانا خلاف سنت ہے

حضرت زہری نے بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ میں کبھی سواری پر سوار ہو کر نہ جاتے، اور نہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ (مصنف عبدالرزاق)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنازہ میں سوار ہو کر چلنا مکروہ سمجھتے تھے۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۵۴)

فائدہ: کبیری میں ہے کہ اگر (عذر کی وجہ سے) جنازہ میں سواری سے جائے تو زیادہ پیچھے رہے۔

(کبریٰ صفحہ ۵۹۲)

جنازہ کے پیچھے چلنا سنت ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ میں چلنے کے متعلق پوچھا، تو آپ نے فرمایا اس کے پیچھے چلا جائے گا۔ (مسند احمد مرتب جلد ۸ صفحہ ۱۱۷، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی)

عبدالرحمن بن ابزی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنازہ میں آگے آگے چلتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے چلتے تھے، تو میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو کہا ان دونوں کو معلوم تھا کہ جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے، لیکن وہ دونوں لوگوں کی سہولت کے پیش نظر ایسا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو (چلنے میں) آسانی ہو۔ (بزار صفحہ ۳۹۱، عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۷)

سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے پیچھے چلا کرتے تھے (عمدۃ القاری ۸/۸)

مسروق سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر امت کے لئے قربان ہے، اس امت کا قربان اس کے میت ہیں پس اپنے مردوں کو آگے رکھا کرو۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۸، ابن ابی شیبہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جنازہ کے پیچھے پیچھے چلا کرو، جنازہ کے آگے کی جگہ ملائکہ کے لئے اور اس کے پیچھے انسانوں کے لئے ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۸)

فائدہ: جنازہ کے پیچھے چلنا سنت ہے، آگے ہونا خلاف ادب ہے۔

جنازہ خاموشی سے لے چلنا سنت ہے

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ پاک جل شانہ تین مقام پر خاموشی، پسند فرماتے ہیں، ① تلاوت قرآن کے وقت، ② جہادی مقابلہ کے وقت، ③ جنازہ جاتے وقت۔

(مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۲، مطالب عالیہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ میں شریک ہوتے تو آپ پر رنج و غم کے آثار نمایاں دیکھے جاتے، اور بہت کثرت سے خاموش رہتے۔ (کشف الغمہ صفحہ ۱۶۷)

عبدالعزیز بن ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ میں حاضر ہوتے تو بہت زیادہ کثرت سے خاموش رہتے۔ (سبل جلد ۸ صفحہ ۲۶۳، طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۴)

ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ کے پیچھے چلتے تو بہت خاموش رہتے، اکثر فکر مند ہوتے (یعنی گفتگو کرتے نہیں بولتے نہیں)۔ (ابن عبدالرزاق صفحہ ۴۵۳)

جنازہ کو ذرا تیزی سے لے چلنا سنت ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنازہ کو تیزی سے لے چلو، اگر وہ نیک ہے تو اچھا ہے اسے جلدی پہنچادو، اگر اس کے علاوہ (برا ہے) تو شر ہے اپنی گردن سے ہٹاؤ۔

(ابوداؤد صفحہ ۱۷۶، ابوداؤد صفحہ ۴۵۳)

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ کچھ لوگ ایک جنازہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے بڑی تیز رفتاری سے لے جارہے تھے تو آپ نے فرمایا، ذرا ٹھیک سے اطمینان سے لے جاؤ۔

(مسند احمد، مرتب جلد ۸ صفحہ ۹)

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کو ذرا تیزی سے لے جانے کو فرماتے، آہستہ سست رفتاری سے نہیں، لیکن اتنی تیز رفتاری سے لے جانا کہ میت ہلنے لگے یا کسی نامناسب امر کا اندیشہ ہو جائے منع ہے، سست رفتاری کے مقابلہ میں ذرا تیزی مستحب ہے نہ کہ دوڑنا، چنانچہ شرح بخاری میں کہ تیز چلنا مستحب ہے مگر اس طرح تیز نہیں کہ گڑ بڑ ہو جائے یا ساتھ یا پیچھے چلنے والوں کو مشقت اور پریشانی ہو جائے۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۸۴)

جنازہ اتنی تیزی سے لے چلے کہ ہلنے لگے منع ہے

عطاء کہتے ہیں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ میں سرف نامی جگہ میں نکلا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا یہ میمونہ ہیں جب ان کے جنازہ کو اٹھانا نہ حرکت دینا اور نہ ہلانا، ٹھیک سے لے چلنا حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا، وہ مشکیزہ کی طرح اسے ہلائے جارہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنازہ ٹھیک سے لے جانا تم پر لازم ہے۔

(عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۱۱۴)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ زیادہ تیز رفتاری سے لے جارہے تھے، اس وجہ سے آپ نے منع کیا۔ (عمدۃ)

خیال رہے جنازہ ہلکی چال اور سست رفتاری سے لے جانا منع ہے بلکہ ذرا تیزی سے لے جائے، مگر اتنا تیز نہ لے جائے کہ جنازہ ہلنے لگے، یا نامناسب واقعہ کے پیش آنے کا اندیشہ ہو، حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ تیزی سے چلنا مستحب تو ضرور ہے لیکن اتنا یا اس طرح نہیں کہ کوئی گڑ بڑ ہو جائے یا ساتھ چلنے والے کو پریشانی ہو جائے۔ (فتح صفحہ ۱۸۴)

جنازہ کا ہلکا ہونا سعادت کی بات

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ہم لوگ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ میں تھے ہم نے ان سے ہلکا جنازہ کوئی نہیں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے فرشتوں کو ان کا جنازہ اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ (اعلاء السنن جلد ۸ صفحہ ۲۴۱)

جس جنازہ پر ۱۰۰/سو آدمی شریک ہو جائیں

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جس جنازہ پر ۱۰۰/آدمی ہو جائیں، اس

کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ (کنز العمال صفحہ ۵۸۲، سنن کبری، ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۲۲، عمدۃ القاری صفحہ ۱۱۶)

حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے کہ جس مرد مؤمن کا انتقال ہو جائے اور اس پر مسلمانوں کی جماعت جنازہ کی نماز پڑھیں جو سو یا اس سے زائد پہنچ جائیں تو اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

(ترمذی صفحہ ۲۰۰، مسند احمد، مرتب صفحہ ۲۰۲، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۸۱، مصنف عبد الرزاق صفحہ ۵۲۷)

جنازہ میں کثرت سے لوگوں کے شامل ہونے کی فضیلت تین صف کی فضیلت

مالک بن ہبیرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس ایمان والے کا انتقال ہو جائے، اس پر مسلمانوں کی ایک جماعت نماز پڑھے، جو ۳/صف کو پہنچ جائے تو اس کی مغفرت ہو جاتی ہے، چنانچہ حضرت مالک بن ہبیرہ جب اہل جنازہ کو کم پاتے تو ۳/صف میں ان کو کردیا کرتے تھے۔

(ابوداؤد صفحہ ۴۵۱، ابن ماجہ صفحہ ۱۰۷، سنن کبری صفحہ، ترمذی صفحہ ۲۰۰، مسند احمد صفحہ ۲۰۱)

مرثد کہتے ہیں کہ مالک ابن ہبیرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو صحابی ہیں جب کسی جنازہ میں شریک ہوتے تو ان کے ذمہ داروں سے کہتے تین صف کرو پھر نماز پڑھو اور یہ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس جنازے پر مسلمانوں کی تین صفیں ہو جائیں تو اس کے لئے (جنت یا مغفرت) لازم ہو جاتی ہے۔

(مستدرک حاکم جلد صفحہ ۳۶۲، کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۵۵۱)

فَائِدَۃ: عمدۃ القاری میں ہے کہ جنازہ میں ۳/صف کا ہونا (خواہ لوگوں کی تعداد کم ہی ہو) مستحب ہے۔

(صفحہ ۵۱۱، فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۸۶)

اگر ۳/صف نہ ہو سکے تو امام کے علاوہ ۲/صف بھی مستحب ہے، چنانچہ امام بخاری نے باب صف صفین اور ثلثہ سے اسی کی جانب اشارہ کیا ہے۔

(شرح بخاری میں ہے ہمارے نزدیک بہر صورت ۳/صف بہتر ہے خواہ لوگ کم ہی کیوں ہوں)۔

(عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۱۲۱)

علامہ شامی نے بیان کیا ہے کہ کم آدمی ہوں تو بھی ۳/صف بہتر ہے، چنانچہ کل ۷/آدمی مثلاً جنازہ میں ہیں تو ایک امام بن کر آگے ہو جائے، اس کے پیچھے صف اول میں ۳/صف دوم میں ۲/اور تیسری صف میں ایک کھڑا ہو۔ جنازہ کی صف میں پچھلی صف میں اکیلا کھڑا ہونا مکروہ نہیں۔ (شامی صفحہ ۲۱۴)

خیال رہے کہ جنازہ میں آخری صف کو اول کے مقابلہ میں فضیلت حاصل ہے۔ (شامی)

۴۰/آدمی کے شریک ہونے پر فضیلت

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جس مرد مؤمن کا انتقال ہو

جائے اور اس کے جنازہ میں ۴۰ر مسلمان شریک ہوں تو اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

(مسند احمد صفحہ ۲۰۶، کنز صفحہ ۵۸۱، ابوداؤد صفحہ ۱۵۲)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس جنازہ پر لوگوں کی ایک جماعت نماز جنازہ پڑھے تو اس کی شفاعت (مغفرت) قبول کی جاتی ہے، راوی کہتے ہیں میں نے ابوالملیح سے پوچھا جماعت کی کتنی مقدار مراد ہے، کہا ۴۰ر آدمی۔ (نسائی صفحہ ۲۸۲، عمدہ صفحہ ۱۱۶)

کسی جنازہ میں عام لوگوں کا شریک نہ ہونا بڑی بری بات

حارث ابن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ اس وقت دین کو پکڑے رہیں گے جب تک کہ جنازہ کو صرف اسی کے رشتہ داروں کے ہی حوالہ نہ کریں گے (بلکہ محلے ٹولے اور عام لوگ بھی شریک ہوں گے)۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۱۵، حاکم صفحہ ۳۷۰)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ دین پر ہونے کی علامت یہ ہوگی کہ جنازہ میں صرف رشتہ دار گھر والے ہی شریک نہ ہوں گے صرف ان ہی لوگوں کے حوالہ نہ ہوگا بلکہ محلے اور بستی کے وہ احباب بھی جنازہ اور تدفین وغیرہ میں شریک ہوں گے جو رشتہ دار نہ ہوں گے، لہٰذا جب مسلمانوں کے جنازہ میں عام لوگ شریک ہونا چھوڑ دیں، بستی کے عام لوگ شریک نہ ہوں صرف ان کے گھر والے اور رشتہ دار ہی اس کام کو انجام دیں تو یہ بے دینی اور بری بات ہوگی، اس لئے کہ اس سے اسلامی بھائی چارگی کے اور اسلامی ہمدردی اور ربط کے نہ ہونے کا پتہ چلتا ہے، جو اسلامی طریق اور مزاج کے خلاف ہے کہ ہر مسلمان ایک دوسرے کا بھائی اسلامی اخوت کے ناطے غمی اور خوشی میں شریک ہونا ایک دینی اخلاقی فریضہ ہے۔

صالحین اور نیکوں کے جنازہ میں شرکت کی فضیلت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ کسی اہل جنت کا انتقال ہو جائے، اس کے جنازہ کو کوئی اٹھائے اس کے پیچھے چلے، اور اس پر نماز جنازہ پڑھے تو اللہ پاک کو شرم آتی ہے کہ اسے عذاب دے۔

(کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۵۹۵)

عام لوگوں کے جنازہ میں شریک ہونا سنت ہے

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے غریب لوگوں کی عیادت فرماتے، اور ان کے (اہل مدینہ کے) جنازہ میں شریک ہوتے۔ (مطالب عالیہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۵)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طبقہ کے لوگوں کی عیادت فرماتے اور عوام خواص کے جنازہ میں

شریک ہوتے ایسا نہیں جیسا کہ آج کل امراء خواص کی لوگ عیادت کرتے ہیں، غریب کمزور عام لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں، اسی طرح لوگ رشتہ داروں اور خواص کے جنازہ میں حاضر ہوتے ہیں، بستی کے عام لوگوں کے جنازہ کو چھوڑ دیتے ہیں آپ ایسا نہیں کرتے بلکہ اہل مدینہ کے غرباء کے جنازہ میں بھی شریک ہوتے بلکہ آپ تاکید فرماتے کہ مجھے موت اور جنازہ کی اطلاع کی جائے۔

جو جنازہ میں شریک ہوا اس نے ایک حق ادا کردیا

زید بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ جب تم نے جنازہ کی نماز ادا کردی تو گویا تم نے ایک حق جو تھا ادا کردیا، پس اسے چھوڑ سکتے ہو (بلا دفن کے آسکتے ہو)۔

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہا کرتے تھے جب تم نے جنازہ پڑھ لیا تو ایک حق ادا کردیا، پس تم اسے (بلا دفن کئے) چھوڑ سکتے ہو، چنانچہ وہ (کبھی) لوٹ آتے اور اس کی اجازت نہ لیتے۔ (یعنی ولی سے واپسی کی اجازت نہ لیتے کہ اس کی ضرورت نہیں)۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۱۴)

فاسق وفاجر کبائر میں مشغول پر بھی جنازہ پڑھنے کا حکم

ابووائل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا نبی پاک ﷺ نے ہر شخص پر نماز جنازہ پڑھی ہے جس نے قبلہ رخ نماز پڑھی ہے، حضرت نعمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ذکر کیا کہ آپ ﷺ نے ولدالزنا پر اور اس کی ماں پر جو نفاس کی حالت میں مرگئی نماز جنازہ پڑھی ہے۔

ابن سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بیان کیا کہ مجھے نہیں معلوم کہ اہل علم صحابہ وتابعین میں سے کسی نے گنہگار مسلمان پر نماز جنازہ چھوڑ دی ہو۔

حضرت ابراہیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا، خودکشی کرنے والے اور زنا کرنے والی عورت جو نفاس کی حالت میں مرجائے اور جو شراب کے نشہ میں مرجائے، ان سب پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے معلوم کیا گیا کہ جو زانیہ عورت حالت نفاس میں ہی مرجائے اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، انہوں نے کہا ہاں ہر کلمہ گو پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

(ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۵۰، استذکار جلد ۸ صفحہ ۲۸۴)

حکم نے مالک سے نقل کیا ہے کہ جو رخ قبلہ نماز پڑھنے والا ہو (مسلمان) اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، تمام فقہاء کا قول ہے کہ ہر کلمہ گو کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (استذکار جلد ۸ صفحہ ۲۸۵)

اگر بلا جنازہ پڑھے دفن کردیا تو قبر پر جنازہ پڑھی جائے گی

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ایک حبشی مسجد کی صفائی کیا کرتا تھا، اس کا انتقال ہوا تو رات ہی

میں دفن کر دیا گیا، آپ کو اس کی خبر دی گئی، تو آپ نے فرمایا، لے چلو اس کی قبر کی طرف چنانچہ لوگ آپ کو اس کی قبر کی طرف لے گئے۔ آپ نے فرمایا۔ قبریں اہل قبور کے لئے ظلمت و تاریکی سے بھری ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری نماز سے ان کو نور سے بھر دیتا ہے۔ چنانچہ آپ قبر پر تشریف لائے اور نماز پڑھی۔ ایک انصاری صحابی نے آپ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے بھائی کا انتقال ہوگیا اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ (اور دفن کر دیا گیا) آپ نے پوچھا اس کی قبر کہاں ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ اس انصاری کے ساتھ گئے۔

(مسند احمد مرتب صفحہ ۲۲۵)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک عورت کی قبر پر اس کے دفن ہونے کے بعد نماز جنازہ پڑھی۔ (نسائی صفحہ ۲۵۴)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ امام مالک، ابراہیم نخعی، ابن مبارک، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اگر کسی کی نماز جنازہ نہیں ہوئی اور دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۲۲۸)

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے بیان کیا اگر کسی میت کو بلا نماز پڑھے دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر پر اس وقت تک جنازہ پڑھ سکتے ہیں، جب تک کہ اس کے سڑنے اور گلنے کا اندیشہ نہ ہو، محیط کے حوالہ سے ہے کہ اگر ولی نے نماز جنازہ نہ پڑھی ہو تو پھٹنے کے احتمال سے پہلے ولی قبر پر نماز پڑھ سکتا ہے۔

امام ابو یوسف نے ۳؍دن تک قبر پر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، علامہ عینی نے لکھا ہے کہ معتبر اس میں ظن غالب ہے، اگر ظن غالب ہے کہ ابھی لاش پھٹی اور سڑی نہ ہوگی، تو پڑھا جاسکتا ہے۔

(عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۲۶، صفحہ ۱۲۱، بحرالرائق صفحہ ۱۹۰)

اسی طرح فتح القدیر میں ہے اگر میت کو بلا نماز پڑھے دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی، اگر غسل نہ دیا گیا ہو تب بھی نماز پڑھی جائے گی۔ ہاں اگر قبر میں ڈالا تھا مگر مٹی نہیں ڈالی گئی تھی اور نماز نہ پڑھنے کا علم ہوگیا، یا کوئی نماز پڑھنے والا مل گیا تو قبر سے نکال کر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (فتح القدیر ۱۲۱، بحرالرائق ۱۹۰)

ہاں اگر گمان اور دنوں سے اندازہ ہو جائے کہ میت پھول کر پھٹ گئی ہوگی تو پھر پڑھنا جائز نہیں۔

(فتح القدیر الشامیہ جلد ۳ صفحہ ۲۲۴)

عورتوں کو جنازہ کے ساتھ نکلنا سخت منع اور حرام ہے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے (ایک جنازہ پر عورتوں کو جاتے ہوئے دیکھا تو) فرمایا تم واپس لوٹ جاؤ تم کو کوئی ثواب نہیں، بلکہ گناہ ہے۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۷۸)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو (راستہ میں دیکھا اور محلے میں کسی کا جنازہ گیا تھا) دیکھا تو پوچھا کہاں سے آرہی ہو، کہا اس آدمی کے جنازہ کے پیچھے (کھڑی تھی، آپ نے پوچھا کیا اس جنازہ کے ساتھ کدیٰ (قبرستان تک) گئی تھی تو جواب دیا نہیں، کیسے یہ ہوسکتا ہے جب کہ اس کے متعلق آپ سے جو سنا ہے سو سنا ہے، (یعنی سخت وعید سنی ہے پھر کیسے جنازہ کے ساتھ جاؤں گی)۔ آپ نے فرمایا اگر تو اس کے جنازہ کے ساتھ قبرستان کدیٰ تک جاتی تو جنت دیکھ بھی نہیں سکتی تھی یہاں تک کہ تیرے باپ کے دادا دیکھتے۔

(سنن کبریٰ صفحہ ۷۸، ابوداؤد صفحہ ۴۴۵، حاکم جلد ا صفحہ ۳۷۳، عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۶۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، عورتوں کو جنازہ میں جانے پر کوئی ثواب نہیں۔ (مجمع صفحہ ۳۱)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول پاک ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں نکلے، تو آپ نے کچھ عورتوں کو بھی دیکھا، آپ نے ان سے پوچھا، کیا تم مردوں کو اٹھانے آئی ہو، کہا نہیں، آپ نے کہا دفن کرنے آئی ہو، کہا نہیں، آپ نے فرمایا چلی جاؤ بلا ثواب کے (یعنی آنے کا بھی ذرا بھی ثواب نہیں ملا)۔

(مجمع الزوائد)

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک جنازہ میں تشریف لائے کہ نماز جنازہ پڑھیں، دیکھا تو ایک عورت (جنازہ کی طرف) آتی ہوئی نظر آئی، تو آپ ﷺ نے بارہا فرمایا، اسے بھگاؤ اسے بھگاؤ، یہاں تک کہ وہ عورت بھاگ گئی نظروں سے اوجھل ہوگئی، آپ نے جب دیکھ لیا کہ وہ اوجھل ہوگئی تب آپ نے تکبیر کہی۔۔ (مجمع صفحہ ۳۲)

عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں حاضر ہوا، آپ نے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا، تو ایک عورت پر نظر پڑی، پس آپ نے اسے بھگا دیا، یہاں تک کہ وہ جب نہیں نظر آنے لگی تب آپ آگے بڑھے اور چار تکبیریں ادا کیں۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۳)

یزید بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک آدمی کے جنازہ میں تشریف لے گئے جب اسے رکھا گیا تا کہ نماز پڑھیں تو آپ کی نگاہ ایک عورت پر پڑی، آپ نے اس کے متعلق پوچھا یہ کون ہے، کہا گیا یہ میت کی بہن ہے، آپ نے اس سے کہا واپس چلی جاؤ اس وقت تک آپ نے جنازہ نہیں پڑھا جب کہ وہ نگاہوں سے چھپ نہ گئی، ایک دوسری عورت سے آپ نے فرمایا، واپس چلی جاؤ ورنہ میں چلا جاؤں گا۔

(عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۶۴)

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک جنازہ کے ساتھ تھے، آپ نے جنازہ کے پیچھے ایک عورت کو

دیکھا تو آپ نے جنازہ کو رکنے کا حکم دیا، اور آپ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ اس عورت کو واپس لوٹا دے، چنانچہ اس نے عورت کو واپس لوٹا دیا، یہاں تک کہ وہ عورت جب گھروں میں چھپ گئی (نظر نہ آنے لگی) تب آپ نے جنازہ کے چلنے کا حکم دیا۔ (مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ ۴۵۶)

پس معلوم ہوا کہ عورتوں کو جنازہ میں تدفین کے امور میں اور قبرستان میں جانا ناجائز اور حرام ہے۔

فرض نماز کے وقت جنازہ آجائے تو

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ پہلے فرض نماز ادا کی جائے گی۔

حضرت سعید بن میسب، حضرت حسن، ابن سیرین رحمہم اللہ تعالیٰ یہ کہتے ہیں کہ جب جنازہ بھی آجائے اور فرض نماز کا بھی وقت ہو تو پہلے فرض نماز پڑھی جائے گی۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۸)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب جنازہ آجائے اور فرض نماز کا وقت بھی ہو تو پہلے فرض پڑھ لو، (پھر جنازہ کی نماز پڑھو)۔ (مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ ۵۲۶)

فائدہ: اگر جنازہ اس وقت آیا کہ فرض نماز کی جماعت یا جمعہ کی نماز جماعت کا وقت ہو رہا ہو تو پہلے فرض اور سنتیں پڑھ لی جائیں، پھر جنازہ کی نماز پڑھی جائے۔

اگر عید کی نماز کے وقت جنازہ آیا ہے تو پہلے عید کی نماز اس کے بعد عید کا خطبہ۔ پھر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی۔ (الشامی صفحہ)

صبح اور عصر کے بعد نماز جنازہ درست ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنازہ کی نماز صبح اور عصر کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

معمر نے بیان کیا کہ حضرت قتادہ اور حسن بصری جنازہ کی نماز عصر اور صبح (کی نماز) کے بعد پڑھ لیا کرتے تھے۔ (مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ)

فائدہ: خیال رہے کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے اور عصر کے بعد آفتاب کے زرد ہونے تک تمام نفل نمازوں کا پڑھنا مکروہ تحریمی ممنوع ہے مگر نماز جنازہ بلا کراہت کے درست ہے۔

اور عین سورج نکلنے کی حالت میں اور زوال کے وقت اور سورج ڈوبتے وقت جس طرح فرض و نفل نمازیں ممنوع ہیں اسی طرح نماز جنازہ بھی ممنوع ہے۔

ہاں اگر جنازہ انہی تین وقت میں آجائے تو ان اوقات میں پڑھنا جائز ہے۔ مثلاً لوگ جنازہ کی تیاری اور نماز پڑھنے کے لئے بیٹھے منتظر ہیں اور جنازہ آگیا، اور یہ وقت زوال کا ہے، تو ایسی صورت میں اس وقت پڑھنا

جائز ہے۔ (شامی جلد ۱ صفحہ ۳۴۷)

اگر زوال یا مکروہ وقت میں جنازہ آجائے تو

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا اے علی ۳؍ چیز میں تاخیر مت کرو۔ نماز جب کہ اس کا وقت آجائے، جنازہ جب کہ سامنے آجائے، غیر شادی شدہ لڑکے اور لڑکیاں جب کہ ان کا کفو مل جائے۔ (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۳، ۲۰۶، جامع الصغیر صفحہ ۲۱۰)

فائدہ: اس میں آپ ﷺ نے ایک نماز کا وقت آجائے بلا تاخیر دیر کیے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ عموماً دیر ہو جانے سے اور دیر ہو جاتی ہے بسا اوقات مکروہ اور قضا وقت کی نوبت آجاتی ہے۔

اسی طرح لڑکے لڑکیاں جب نکاح کے قابل ہو جائیں اور رشتہ مل جائے تو تاخیر کرنا منع ہے۔

آج کل جو نکاح بہت تاخیر سے کرتے ہیں جس کی وجہ سے خاصی عمر جوانی کی گزر جاتی ہے آپ نے اس سے منع کیا ہے۔ عموماً اس کی وجہ سے بہت سے مخفی گناہوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، بسا اوقات صحت خراب ہو جاتی ہے اس لئے عمر ہو جانے کے بعد والدین کو بہت جلد اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جانا چاہئے۔ بہت سارے مقاصد اور باتوں کو شادی میں تلاش نہیں کرنا چاہئے۔ دین کی بنیاد پر شادی جلد اور سادگی کے ساتھ کر دینی چاہئے۔

اس میں ایک جنازہ کے متعلق ہے کہ جب جنازہ آجائے تو اس میں تاخیر نہ کرو۔ فوراً پڑھ لو۔

اس حدیث پاک کے مطلب میں علماء اور ائمہ مجتہدین نے بیان کیا کہ اگر مکروہ وقت مثلاً عین نصف النہار اور زوال کا وقت آجائے اور جنازہ پڑھنے والے موجود ہوں تو اس مکروہ وقت میں بھی جنازہ پڑھ لیا جائے۔ اس وقت آنے سے پڑھنا مکروہ نہ ہوگا۔ بعض نصف النہار کے وقت جنازہ آجانے سے نہیں پڑھتے ہیں اور اسے ناجائز سمجھتے ہیں یہ مسئلہ سے نادانی کی بات ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری شرح مشکوۃ میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

"فیه دلیل علی ان الصلاة علی الجنازة لا تکره فی الاوقات المکروهة وهو کذالك عندنا ایضاً اذا حضرت تلك الاوقات من الطلوع والغروب والاستواء." (مرقات جد ۲ صفحہ ۱۳۶)

اسی طرح طحطاوی علی المراقی میں ہے:

"الافضل ان یصلی علی جنازة حضرت فی تلك الاوقات ولا یوخرها." (صفحہ ۱۰۰)

اسی طرح علامہ شامی نے بھی لکھا ہے کہ زوال کے وقت جنازہ آجائے تو اسی وقت پڑھنا بلا کراہت کے درست ہے۔

"او علی جنازة ای اذا حضرت فی ذلك الوقت، اذا كان الافضل عدم التاخير فی الجنازة فلا كراهة اصلا." (جلد ا صفحہ ۳۷۴)

علامہ طحطاوی نے تو لکھا ہے کہ اسی وقت پڑھنا افضل ہے دیر کرنا کہ وقت مکروہ نکل جائے مکروہ ہے۔

"بل فی الايضاح والتبين التاخير مكروه." (طحطاوی علی المراقی صفحہ ۱۰۰)

خلاصہ یہ نکلا کہ اگر عین طلوع یا عین نصف النہار کے وقت لوگوں کے سامنے جنازہ آجائے تو اس وقت جنازہ کی نماز درست اور بلا کراہت صحیح ہے۔ البتہ وقت مکروہ کے جانے اور ختم ہونے کے انتظار کو فقہاء کی ایک جماعت نے مکروہ قرار دیا ہے۔ اور بعض اہل علم نے تاخیر کو اولیٰ قرار دیا ہے تاکہ وقت مکروہ نکل جائے۔

درس ترمذی میں ہے اگر جنازہ وقت مکروہہ میں آجائے یا اس وقت آیت سجدہ تلاوت کی جائے تو ایسی صورت میں نہ سجدہ مکروہ ہوگا نہ نماز جنازہ۔ لیکن اس صورت میں وقت مکروہ کے ختم ہونے تک ان دونوں کا موخر کرنا اولیٰ ہے۔ (جلد ۳ صفحہ ۳۰۶)

لیکن اگر جنازہ پہلے سے موجود ہو اور پھر وقت مکروہ مثلاً نصف النہار یا عین غروب کے وقت پڑھا جائے تو اس کی اجازت نہیں یہ مکروہ تحریمی ہے۔ مرقات میں ہے:

"اما اذا حضرت قبلها وصلی عليها فی تلك الاوقات فمكروهة."

(مرقات جلد ا صفحہ ۱۳۶)

علامہ طحطاوی نے تو ایسی صورت میں دوبارہ پڑھنے کو لکھ دیا ہے۔

"لو حضرت الجنازة فی غير وقت مكروه فاخرها حتی صلاها فی الوقت المكروه ثانها لا تصح." (صفحہ ۱۰۰)

مگر استیجابی میں ہے کہ کراہت کے ساتھ ہو جائے گی اعادہ واجب نہیں ہے۔

خیال رہے کہ یہ تفصیل ائمہ احناف کے یہاں ہے حضرت امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے یہاں ہر صورت میں بلا کراہت جائز ہے۔

مرد اور عورت دونوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ سنت ہے

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ذکر کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں جنازہ میں مرد عورت کی نماز ایک ساتھ ہوتی تھی۔ (استذکار جلد ۸ صفحہ ۲۷۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ۹؍ کی جنازہ (ایک ساتھ) پڑھیں مردوں کو امام کے متصل رکھا، اور عورتوں کو قبلہ کے رخ رکھا اور ایک صف میں سب کو رکھا۔ (سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۳۳)

فائدہ: شرح منیہ میں ہے کہ چند مختلف جنازے اگر جمع ہو جائیں تو امام کے متصل آگے مرد رہیں گے، پھر عورت اور یہ بھی جائز ہے کہ سب کی جنازہ الگ الگ پڑھے، اور افضل الگ الگ پڑھنا ہے۔ "وجاز ان يصلي على كل واحد على حدة وهو الافضل." (کبیری صفحہ ۶۰۶)

اگر جنازہ میں مرد عورت آجائے تو امام کے آگے مرد پھر عورت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ مدینہ میں لوگ، صحابہ کرام مرد، عورت (اگر دونوں جمع ہو جائیں) کے جنازہ کی نماز ایک ساتھ پڑھتے، مرد کو امام کے متصل اور اس کے بعد عورتوں کو رکھا جاتا۔
(استذکار صفحہ ۲۷۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ۷؍ لوگوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھی، جس میں مرد اور عورتیں تھیں۔
تو مرد تو امام کے قریب رہے اور بچے کو (نماز جنازہ میں) مردوں کے پیچھے متصل پھر عورت کو رکھا۔
(تلخیص صفحہ ۱۴۶)

حضرت عثمان بن موہب نے ذکر کیا کہ میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ایک جنازہ میں تھا۔ جس میں مرد عورت تھے تو انہوں نے مرد کو تو امام کے متصل رکھا اس کے بعد عورت کو رکھا اور چار تکبیر ادا کی۔ (عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۶۴)

عورت اور نابالغ لڑکا جنازہ میں جمع ہو جائے تو

حضرت سعید بن العاص نے حضرت زید بن عمر بن الخطاب اور ان کی والدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر نماز جنازہ پڑھی تو اپنے سامنے لڑکے کو رکھا پھر عورت کو اس کے بعد۔ (جنازہ میں) قریب اسی ۸۰؍ صحابہ کرام تھے تمام نے اسے صحیح قرار دیا اور کہا یہی سنت ہے۔ (تلخیص صفحہ ۱۴۶)

حضرت عمار مولیٰ حارث کی روایت میں ہے کہ وہ ام کلثوم اور ان کے لڑکے کے جنازہ میں حاضر ہوئے تھے، تو لڑکے کو امام کے قریب رکھا گیا (تو بعضوں کو تعجب ہوا، پہلے نابالغ بچے کو رکھا گیا) وہاں حضرت ابن عباس، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوقتادہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے انہوں نے کہا یہی سنت ہے (کہ پہلے نابالغ لڑکے کو پھر عورت کو)۔ (ابوداؤد صفحہ ۴۵۵)

جنازہ کی صف میں لڑکوں کا بڑوں کے ساتھ شریک ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ (ایک جنازہ میں) آپ کھڑے ہوئے، ہم لوگوں نے

آپ کے پیچھے صف لگائی، میں ان (بڑوں) کے ساتھ تھا، آپ ﷺ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔

(بخاری صفحہ ۱۷۶)

فائدہ: علامہ عینی نے لکھا کہ بچوں کا مردوں کی صف میں جنازہ میں کھڑا ہونا درست ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۲۰)

شرح بخاری میں ہے کہ جنازہ کی صف میں بڑوں کے ساتھ لڑکے بھی کھڑے ہوں گے، اسی طرح نماز جنازہ میں بچوں کو بھی شریک ہونا چاہئے۔ (عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۱۳۱، فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۹۸)

نماز جنازہ مسجد سے باہر سنت ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ شاہ حبشہ نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جس دن انتقال ہوا آپ نے موت کی ہمیں اطلاع دی، اور فرمایا (چلو) ان کے لئے استغفار کرو، (نماز جنازہ پڑھو)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے مصلیٰ (جنازہ گاہ) میں نماز پڑھی۔ اور ۴/ مرتبہ تکبیر ادا کی۔ (بخاری صفحہ ۱۷۷، عمدہ صفحہ ۳۳۱)

فائدہ: علامہ عینی لکھتے ہیں آپ نے جنازہ کے لئے مسجد سے باہر جنازہ کو اختیار کیا مسجد میں جنازہ نہیں پڑھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جنازہ کی نماز کے لئے مسجد کے علاوہ وہ جگہ، جنازہ گاہ کو نماز کے لئے متعین کیا، کہ مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۳۳)

اور آپ ﷺ سے جو بعض کا جنازہ مسجد میں پڑھنا ثابت ہے وہ کسی عذر کی بنا پر تھا۔

فائدہ: کبیری میں ہے کہ مسجد جماعت میں جنازہ مکروہ ہے، یہی قول امام مالک کا بھی ہے، اور وہ جو مسجد میں جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے اس سے مراد جنازہ کا مسجد سے خارج رکھ کر لوگوں کا مسجد میں ہونا مراد ہے، اور یہ طریقہ ہمارے یہاں مکروہ نہیں ہے، چنانچہ اگر جنازہ کو مسجد کے باہر رکھا جائے اور امام اور کچھ لوگ مسجد میں ہو جائیں تو یہ صورت مکروہ نہیں ہے۔ (کبیری صفحہ ۵۸۹)



تدفین کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اسوۂ حسنہ اور تعلیمات کا بیان

وفات کے بعد تدفین میں تاخیر کرنے سے آپ منع فرماتے

حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر والوں سے تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ جلدی کرنا، کسی مسلمان میت کے لئے مناسب نہیں کہ وہ گھر والوں کے درمیان دیر تک رہے۔ (ابوداؤد صفحہ ۴۵۰، مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۱)

عروہ نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بیان کیا کہ جب ان کے اہل خاندان میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا تو کہتے جلدی کرو، جلدی نکالو جلدی نکالو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر کی وفات منگل کی رات ہوئی اور وہ منگل کی رات ہی میں دفن کئے گئے تھے۔ (دن کا بھی انتظار نہیں کیا گیا)۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۳۶۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو اسے روک کر مت رکھو اسے جلدی سے دفن کرو۔ (کنز العمال صفحہ ۲۰۱)

صبح انتقال ہو تو دوپہر تک دفن کردے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اگر صبح کو کسی کا انتقال ہو جائے تو دوپہر تک اسے دفن کر دیا جائے اور اگر شام کو انتقال ہو جائے تو رات تک اسے دفن کر دیا جائے۔ (طبرانی، کنز جلد ۱۵ صفحہ ۶۰۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جنازہ میں دیر مت کرو۔ (یعنی وفات کے بعد اس کی تجہیز اور تکفین میں)۔ (کشف الغمہ صفحہ ۱۶۹)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اسے روکے مت رکھو۔ (تاخیر مت کرو) اور اس کو قبر کی طرف جلد لے جاؤ۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۹، بیہقی فی الشعب)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جنازہ حاضر تیار ہو جائے تو دیر مت کرو۔

(بیہقی، کنز جلد۱۵ صفحہ۵۹۳)

فائدہ: علامہ شامی نے اس قدر جلدی کرنے کو کہا اور تاخیر سے منع کیا ہے۔ چنانچہ جمعہ کے انتظار میں جمعہ کے بعد مجمع کثیر ہوگا منع لکھا ہے۔

"ولذا كره تاخير صلاته ودفنه ليصلى عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة."

(الشامی صفحہ۲۳۹)

شرح مشکوٰۃ میں ابن ہمام کا قول ہے کہ مرنے کے بعد تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا مستحب ہے۔

(مرقاۃ صفحہ۴۵۲)

آج کل لوگ رشتہ دار اور اعزاء و اقارب کی آمد کی وجہ سے تاخیر کرتے ہیں یہ درست نہیں اور نہ سنت ہے، اتنی تاخیر کے میت میں تغیر ہونے کا احتمال ہو حرام اور ناجائز ہے۔ صبح کے جنازہ میں شام تک اور رات کے جنازہ میں صبح تک گنجائش ہے۔ آپ ﷺ سے حضرات صحابہ اور خیر القرون سے ثابت نہیں کہ بیٹا بیٹی رشتہ داروں کی آمد کے انتظار میں زائد تاخیر کی ہو۔ یہ اس زمانہ کی جہالت ہے جو خلاف سنت و شریعت ہے۔

حضرت ابی ملیکہ کہتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ اگر میں عبدالرحمٰن کی وفات کے موقعہ پر موجود ہوتی تو وہ اسی مقام پر دفن کیے جاتے جہاں ان کا انتقال ہوا کہ ان کا انتقال حبشہ مقام پر ہوا تھا وہ اعلیٰ مکہ میں دفن کئے گئے۔ اور حبشہ مکہ کے قریب ایک مقام ہے۔ (مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ۵۱۷)

(حاشیہ مصنف میں ہے کہ حبشہ مقام مکہ سے ۶ر میل کے فاصلہ پر تھا)۔

اپنے اقرباء احباب رفقاء کے بغل میں دفن ہونا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات کے وقت کہا کہ مجھے ازواج مطہرات کے ساتھ (بغل میں) دفن کرنا۔ چونکہ میں آپ ﷺ کی وفات کے بعد ان کے ساتھ بات (وقت گزارتی تھی) کیا کرتی تھی۔ آپ کے ساتھ دفن ہو کر میں اپنی بڑائی نہیں چاہتی۔ (بخاری صفحہ۱۸۶، ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۳۴۹)

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی بہن اسماء کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تھا کہ مجھے بقیع میں جہاں دیگر ازواج مطہرات دفن ہیں وہیں دفن کرنا۔ چونکہ ہماری زیادہ تر صحبت اور گفتگو انہی سے رہا کرتی تھی انہی سے ان کا ربط تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اپنے احباب رفقاء جن کے ساتھ زندگی میں انس ربط و تعلق و مصاحبت کا معاملہ تھا ان کے بغل اور درمیان میں دفن ہونے کی خواہش رکھنا اور یا وصیت کر جانا بہتر اور مشروع ہے۔ چونکہ مردے

عالم برزخ میں اپنے رفقاء سے انس میں اسی طرح راحت حاصل کرتے ہیں جس طرح زندگی اور حیات میں۔ اجانب اور بے ربط لوگوں سے ان کو کلفت ہوتی ہے جیسے زندگی میں کہ آدمی ایسوں سے مربوط نہیں ہوتا۔

مزید اگر کسی نے خواہش نہیں ظاہر کی تو بھی اہل اور ذمہ داروں کو چاہئے کہ اسی مقام پر ان کو دفن کریں جہاں ان کے اقرباء واحباب کی قبریں ہوں۔

دوسرا جملہ جو حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا کہ میں آپ کے حجرے مبارک میں دفن ہو کر اپنی بڑائی و بزرگی کا اظہار نہیں چاہتی۔ اس کا مطلب علامہ عینی نے لکھا کہ انہوں نے تواضعاً عام قبرستان میں دفن ہونا چاہا۔ حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا جملہ انتہائی سبق اور عبرت کی بات ہے کہ مرنے کے بعد بھی بڑائی فوقیت شہرت سے احتیاط اختیار کر رہی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی خاص جگہ میں جہاں شہرت اور فوقیت ہو اس کے مقابلہ میں عام قبرستان میں جہاں عام لوگوں کے ساتھ رل مل جائے دفن ہونا بہتر ہے۔ اس طرح عالم برزخ میں سکون اور انابت الی اللہ کا موقعہ زیادہ ملتا ہے۔ اور عوام الناس کی وہ بدعتیں جو عموماً قبروں پر ہونے لگتی ہیں اس سے حفاظت ہوتی ہے۔

کسی نیک صالح کی بغل میں دفن کی خواہش مشروع اور بہتر ہے

حضرت عمر بن عمرالازدی کہتے ہیں کہ (شہادت کے موقعہ پر) حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے صاحبزادے ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے کہا حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے پاس جاؤ۔ اور کہو کہ حضرت عمر تمہیں سلام کہتے ہیں پھر ان سے (میری تمنا) ظاہر کرو کہ میں اپنے دونوں رفیق کے بغل میں دفن ہونا چاہتا ہوں۔ تو حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے اس جگہ کا (جو آپ کے بغل حجرہ میں خالی ہے) اپنے لئے ارادہ کیا تھا (کہ میں دفن ہوؤں) پس آج میں اپنے اوپر ان کو ترجیح دیتی ہوں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان کے پاس آئے تو ان سے پوچھا کیا جواب ہے۔ تو عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے کہا انہوں نے دفن ہونے کی اجازت اے امیرالمؤمنین آپ کو دے دی۔ (بخاری صفحہ ۱۸۶، ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۴۹)

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے حجرہ عائشہ میں جہاں آپ کے شوہر نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور ان کے والد محترم صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مدفون تھے ارادہ رکھا تھا۔ اور خواہش کی تھی کہ دفن ہوں۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۲۲۸)

چنانچہ انہوں نے اس تمنا کا اظہار آپ کی زندگی میں بھی کر دیا تھا۔ پھر بعد میں حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس جگہ مدفون ہونے کا ارادہ کیا تو آپ نے اپنے اوپر حضرت عمر کو ترجیح دی خود بقیع میں دفن ہونے کی وصیت کر گئیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی نیک اور صالح کے بغل میں دفن کا ارادہ اور اس کی وصیت درست ہے۔ اور یہ تمنا

بہتر ہے تاکہ اس کے صلاح اور نیکی کا فائدہ برزخ میں حاصل ہو چونکہ جس طرح دنیا میں نیک پڑوسی سے فائدہ ہوتا ہے اسی طرح برزخ میں بھی نیک سے فائدہ اور بروں سے پریشانی حاصل ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ اگر عام قبرستان ہے تب تو کہنے اور وصیت سے عمل کیا جاسکتا ہے۔ اگر کسی کی ملک اور خاص قبرستان ہے تو پھر مالک سے بغیر اجازت کے دفن کرنا درست نہیں۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی اس قسم کے دفن کی وصیت اور تمنا منقول ہے۔

حضرت ابوعبیدہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس دفن کرنا، حضرت خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے فقراء، تو اُمہ کے مقبرہ میں دفن کرنا۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۳۴۹)

علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے صلحاء اور نیکوں کے بغل میں دفن ہونے کی خواہش کہ نزول رحمت اور لوگوں کی دعاؤں میں یہ بھی شامل ہو جائے اس کی طلب حرص ہونی چاہئے۔

(عمدۃ جلد۸ صفحہ ۲۳۰، فتح الباری صفحہ ۲۷۰)

میت کو نیک اور صلحاء کے درمیان دفن کرے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صالحین نیکوں کے درمیان مردوں کو دفن کرو، کہ میت کو بھی اپنے برے پڑوسی سے تکلیف پہنچتی ہے جس طرح زندوں کو برے پڑوسی سے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ

ہم اپنے مرنے والوں کو صالح لوگوں کے درمیان دفن کریں، چونکہ میت بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں جیسے زندوں کو برے پڑوس سے تکلیف پہنچتی ہے۔ (المؤتلف والمختلف صفحہ، اعلاء السنن صفحہ ۲۶۸، کنز جلد ۱۵ صفحہ ۵۹۹)

فائدہ: جس طرح اچھے پڑوسی اور اچھوں کی مصاحبت سے آرام اور راحت ملتی ہے اور بروں سے تکلیف، اسی طرح برزخ اور عالم قبر میں بھی اچھے پڑوس سے راحت اور بروں سے کلفت محسوس ہوتی ہے، چنانچہ ابوقدامہ کی مغنی میں ہے کہ جہاں صلحاء وغیرہ ہوں دفن کرنا مستحب ہے۔ تاکہ ان کی برکت ان کو بھی شامل ہو، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت ہونے لگی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ایک پتھر کی مار کی مسافت کی مقدار بیت المقدس کے قریب کر دیا جائے، اسی طرح اپنے رشتہ داروں کے درمیان دفن کرنا بہتر ہے۔ (اعلاء السنن ۸/۲۶۸)

حافظ ابن حجر نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حجرہ عائشہ میں دفن ہونے کی تمنا پر لکھا ہے کہ صالحین کے بغل اور قریب دفن ہونے کی ترغیب ہے کہ اس پر نازل ہونے والی رحمتوں میں اور لوگوں کی دعاؤں میں وہ بھی شریک ہو جائے گا۔ (فتح الباری جلد۳ صفحہ ۲۵۸، عمدہ صفحہ)

اس کا مشاہدہ بھی ہے کہ بغل میں رہنے سے وہ بھی رحمت و انعام میں شریک ہو جاتا ہے۔

جس مٹی سے اس کی پیدائش ہوتی ہے اسی جگہ دفن ہوتا ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حبشہ کے باشندہ کا دفن مدینہ منورہ میں ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی مٹی میں دفن ہوا جس سے پیدا ہوا تھا۔ (مجمع جلد ۳ صفحہ ۴۵، طبرانی کبیر صفحہ ۳۸۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنازہ میں ایک قبر کے پاس سے گزرے تو پوچھا یہ کس کی قبر ہے، کہا گیا فلاں حبشی کی ہے، تو آپ نے کہا لا الہ الا اللّٰہ۔ آسمان اور زمین اسے اس مٹی کی جانب کھینچ لایا جس سے وہ پیدا ہوا تھا۔ (عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۲۲۲، مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۴۵)

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے قریب سے گزرے ہم ایک قبر کھود رہے تھے، آپ نے پوچھا کیا کر رہے ہو ہم نے کہا اس حبشی کی قبر کھود رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا اس کو موت اپنی مٹی کی طرف لے آئی۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۴۵)

فائدہ: معلوم ہوا آدمی جہاں کی مٹی پیدائش میں شامل ہوئی ہے وہاں ہی دفن ہوتا ہے۔

اقارب اور رشتہ داروں کے بغل میں دفن کرنا

مطلب کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے سرہانے ایک پتھر رکھ دیا اور فرمایا تاکہ اپنے بھائی کی قبر معلوم رہے، اپنے خاندان والوں کو اسی مقام پر دفن کروں۔ (سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۴۱۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کو حضرت عثمان بن مظعون کے پائینتی دفن کیا (کشف الغمہ ۱۷۲، مرعاۃ ۵۴۷)

فائدہ: شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ میت کو اقرباء اعزہ کے مابین دفن کرنا سنت ہے (بشرطیکہ وہ صالح ہوں)۔

(مرعاۃ صفحہ ۵۴۷، مرقات جلد ۴ صفحہ ۷۸)

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ تمام اقارب و رشتہ دار کو (باپ بیٹے بہو والدہ بھائی بہن وغیرہ) کو ایک مقام پر یعنی ایک دوسرے کے قریب دفن کرنا مستحب ہے۔ (مرقات جلد ۴ صفحہ ۷۸)

چونکہ اہل برزخ زندوں کی طرح ایک دوسرے سے انس اور محبت کرتے ہیں، اسی لئے بہتر ہے کہ جن دو کے درمیان تعلق نہ ہو منافرت ہو جن کا اختلاف ہو بغل میں نہ دفن کرنا بہتر ہے، مگر یہ حکم شرعی نہیں ہے۔

مؤمن صالح تدفین میں جلدی چاہتا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مؤمن کو جب (جنازہ کی)

چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے مجھے جلدی بڑھاؤ جلدی بڑھاؤ، اور جب کافر کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو کہتا ہے ارے افسوس ہلاکت مجھے کہاں لئے جارہے ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی کہ جب میں مرجاؤں تو مجھ پر (جنازہ پر عورتوں کی طرح) خیمہ نہ کسنا، میرے ساتھ آگ مت لے چلنا، مجھے جلدی لے چلنا کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث (جو اوپر ذکر کی گئی ہے) سنی ہے۔ (ابوداؤد، طیالسی، عمدۃ القاری صفحہ ۱۱۴)

جہاں انتقال ہوا اسی جگہ دفن ہونا سنت ہے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی جگہ جسم دفن کیا جائے جہاں ان کی روح قبض ہوئی ہو۔ (استذکار جلد ۸ صفحہ ۲۹۴، ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۶)

یحییٰ بن مہمان کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسم وہیں دفن کیا جائے گا جہاں روح قبض ہوئی ہے، عبدالرزاق نے کہا یعنی جس بستی میں انتقال ہوا ہے وہیں دفن کیا جائے گا دوسری بستی منتقل نہیں کیا جائے گا، اسی بستی و علاقے کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ (ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۱۶)

حضرت عبداللہ بن معیہ سے روایت ہے کہ یوم الطائف (جنگ کے موقعہ میں) دو آدمی مسلمانوں کی جماعت سے مرگئے، تو ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اٹھا کر لایا جانے لگا (مدینہ) آپ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے آدمی بھیج کر کہلوایا جس جگہ ان کا انتقال ہوا ہے اسی جگہ ان کو دفن کیا جائے۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۵)

علامہ ابن عبدالبر مالکی نے بیان کیا کہ جس جگہ روح قبض ہوئی بعینہ اسی جگہ دفن کرے ذرا سا بھی اِدھر اُدھر نہ ہٹائے یہ ہرگز مراد نہیں، بلکہ یہ مطلب ہے کہ اسی قصبہ اور شہر اور اسی علاقے میں دفن کرے، کہیں دوسری جگہ نہ لے جائے، جو سفر وغیرہ کی مدت ہو۔ (استذکار جلد ۸ صفحہ ۲۹۴)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا انتقال مقام حبشہ میں ہوگیا تھا، تو ان کو لوگ مکہ میں اٹھا لائے اور یہاں دفن کیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہاں آئیں تو ان کی قبر پر آئیں، اور فرمایا قسم خدا کی اگر میں موجود رہتی تو جس مقام پر انتقال ہوا تھا اسی مقام پر تم کو دفن کرواتی۔ (کشف الغمہ صفحہ ۱۷۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر پر زیارت کے لئے گئیں کہ ان کی وفات تو شام میں ہوئی تھی ان کا جنازہ اٹھا کر لایا گیا تھا تو فرمایا، اگر تمہارا معاملہ میرے اختیار میں ہوتا (بوقت وفات میں ہوتی) تو میں تمہیں منتقل نہ ہونے دیتی، اسی جگہ دفن کراتی جہاں تمہارا انتقال ہوا تھا۔

(فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۱، مراقی الفلاح صفحہ ۳۳۷، بحرالرائق صفحہ ۲۱۰)

عروہ ابن رویم نے بیان کیا کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کا وصال مقام فحل میں ہوگیا تھا، تو انہوں نے کہا

کہ مجھے نہر کے پیچھے لے جا کر دفن کرنا، پھر کہا نہیں جس جگہ میرا انتقال ہو جائے وہیں دفن کرنا۔

(سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۵۷)

صفیہ اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا کے ایک بھائی کا انتقال حبشہ کی کسی وادی میں ہوگیا، ان کو اٹھا کر ان کے گھر لے آئے، صفیہ کی والدہ کہتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا کے پاس تعزیت میں گئی، تو انہوں نے کہا مجھے اور کوئی غم تو نہیں مگر یہ کہ میں چاہتی تھی ان کو اسی جگہ دفن کر دیتے۔ (یعنی یہاں وطن اٹھا لانا غلط تھا)۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۵۷)

پس اس سے معلوم ہوا آدمی کا جہاں جس علاقے وبستی میں انتقال ہوا ہو وہیں دفن کرنا سنت ہے۔ دوسری جگہ مثلاً اپنی بستی میں لے جا کر دفن کرنا خلاف سنت ہے، مکروہ ہے۔

قاضی خاں نے ایک دوسرا یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام کی مصر میں وفات ہوئی اور شام منتقل کئے گئے، اسی طرح حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام مصر سے شام ایک زمانہ کے بعد منتقل کئے گئے۔ (فتح القدیر مراقی علی الطحاوی صفحہ ۳۲۷)

ابن نجیم نے بحر الرائق میں لکھا ہے:

"لکن مع هذا اذا نقل میلا او میلین او نحو ذلك فلا باس وان نقل من بلد الی بلد فلا اثم فیه لانه روی ان یعقوب صلوة الله علیه بمصر فحمل الی ارض الشام وموسی علیه السلام حمل تابوت یوسف علیه السلام بعد ما اتی علیه زمان الی ارض الشام، من مصر لیکون عظامه مع عظام ابائه، وسعد بن وقاص مات فی ضیعة علی اربعة فراسخ من المدینة فحمل من المدینة فحمل علی اعناق الرجال الی المدینة." (صفحہ ۲۱۰)

علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے:

"وقال المارزی ظاهر مذهبنا جواز نقل المیت من بلد الی آخر وقد مات سعد بن وقاص وسعید بن زید بالعقیق ودفنا بالمدینة." (بنایہ جلد۳ صفحہ ۲۰۲)

لیکن علامہ شامی اس واقعہ سے جواز کے اثبات پر رد اور استدراک کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "لا یخفی ان هذا." (حاشیہ بحر صفحہ ۲۱۰)

اسی طرح فتح القدیر میں بھی استدراک کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ولا یخفی ان هذا شرع من قبلنا ولم یتوفر فیه شروط کونه شرعا لنا."

لیکن ابن ہمام نے سعد بن وقاص کے واقعہ سے جو اس امت کا ہے اشارۃ گنجائش دکھایا ہے۔

"الا انه نقل سعد بن وقاص رضی اللّٰه عنه انه مات فی ضیعة علی اربعة فراسخ من المدینة فحمل علی اعناق الرجال الیها." (فتح جلد۲ صفحہ۱۴۱)

علامہ ابن نجیم صاحب بحر کی رائے بھی جواز کی جانب مشیر ہے، چونکہ انہوں نے امم ماضی کے واقعات کے نقل کے بعد کوئی استدارک نہیں کیا، اور نہ اشارۃً وصراحۃً رد کیا ہے، بخلاف علامہ شامی کے ان کی رائے کراہت کی معلوم ہوتی ہے۔

جیسا کہ منحۃ الخالق کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، علامہ طحطاوی کی رائے بھی شرح مراقی میں کراہت کی معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے حضرت سعد کے واقعہ سے استدلال پر رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کے اوپر دوسرے اجسام کو قیاس کرنا غلط ہے۔ چونکہ ان کا جسم متغیر ہونے والا نہیں تھا جیسا کہ دوسرے اجسام جلدی تغیر اور سڑان کو قبول کر لیتے ہیں۔

میت کے منتقل کرنے کا مسئلہ اور اس کی تحقیق

میت کا جس شہر اور جس علاقے میں انتقال ہوا ہے اس سے دوسرے شہر اور علاقے میں منتقل کرنا ممنوع اور مکروہ ہے۔

امام سرخسی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے نقل کیا ہے کہ میت کو اس کے اس شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے۔

(فتح القدیر، مراقی، طحطاوی صفحہ۳۳۷)

سنت یہ ہے کہ اسی شہر کے قبرستان میں دفن کرے جہاں اس کا انتقال ہوا ہے۔ ہاں میت کو ایک میل یا دو میل کا فاصلہ ہو تو بلا کراہت منتقل کیا جا سکتا ہے۔ (فتح القدیر جلد۲ صفحہ۱۴۱)

امام شمس الائمہ سرخسی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے نقل کیا ہے جو امام محمد کا قول ہے میت کو ایک میل یا دو میل کے فاصلہ تک ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے۔ یہی ظہیریہ میں ہے اور برہان میں ہے۔

(مراقی الفلاح طحطاوی صفحہ۳۳۷)

دو میل کے آگے پیچھے منتقل کیا جا سکتا ہے، اس سے زائد (مثلاً ۱۵، ۲۰ میل اور زائد) تو مکروہ ہے۔

(طحطاوی المراقی صفحہ۳۳۷)

میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

"ان النقل من بلد الی بلد مکروہ ای تحریماً، لان قدر المسلمین فیه ضرورة ولا ضرورة فی النقل الی بلد آخر." (طحطاوی علی المراقی)

مطلب یہ ہے کہ شہری حدود میں ایک دو میل کے قریب مسافت طے کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً ایک محلے سے دوسرے محلے یا قبرستان کا فاصلہ ہوتا ہے اس کی ضرورت کی وجہ سے گنجائش ہے، پس اس عبارت سے یہ مستفادہ ہوا کہ شہر کے ایک محلے سے دوسرے محلّہ یا آخری حدود تک جہاں عموماً قبرستان ہوتا ہے بلا کراہت کے لے جایا جا سکتا ہے، خواہ دو تین میل سے زائد، جیسا کہ دہلی بمبئی کلکتہ لکھنؤ کانپور وغیرہ کے قبرستان۔ بسا اوقات جس جگہ اور جس محلّہ میں میت کا انتقال ہوا ہے وہاں سے قبرستان کئی میل کے فیصلہ پر ہوتا ہے تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔

"لان مقابر البلد ربما بلغت المسافة فيكره فيما زاد."

اگر دو قصبے قریب قریب ہیں دو تین میل سے فاصلہ زائد نہیں تو بھی میت کو ایک بستی اور قصبہ سے دوسرے قصبہ اور بستی میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔

"لا تظهر الكراهة في نقله من بلد الى بلد الا اذا كانت المسافة اكثر ميلين."

(طحطاوی صفحہ ۳۲۷)

علامہ شامی نے ایک قول لکھا ہے کہ مدت سفر سے کم یعنی ۴۸ میل سے کم ہو تو منتقل کیا جا سکتا ہے۔

(صفحہ ۲۳۹)

مطلب یہ ہے کہ شرف صحابیت کی وجہ سے کرامۃ لاش کے متغیر نہ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہوگا دوسروں میں یہ وجہ نہیں پائی جا سکتی۔

"كسعد رضى الله عنه ليسو كغيرهم ممن جيفتهم اشد نتناً من جيفة البهائم فلا يلحق بهم." (طحطاوی المراقی صفحہ ۳۲۷)

علامہ طحطاوی نے شرح در میں بھی کسی رخ کا متعین فیصلہ نہ کر سکے اور تینوں اور صحابہ کے واقعات سے استدلال پر رد کرتے ہوئے کہا۔

"على ان غير الانبياء عليهم السلام لا يقاس عليهم لانهم اطيب ما يكون في الموت كالحياة لا يعتبر هم متغيرا."

پھر آگے گنجائش نکالتے ہوئے کہتے ہیں رہی بات کہ یہ شرع ما قبل ہے جو ہمارا مستدل بن سکتا ہے تو اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ کتاب سنت سے نسخ اور انکار نہ ہو تو گنجائش ہے۔

"ان شرع من قبلنا شرع لنا اذا لم يظهر نسخه ولم ينكر عليه من كتاب او سنة." (طحطاوی علی الدرر صفحہ ۳۸۲)

دوسرے ائمہ میں امام بغوی اور قاضی حسین اور محدث دارمی بھی منتقل کرنے کی حرمت کے قائل ہیں اور امام نووی نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔ (بنایہ صفحہ ۳۰۲)

صاحب مراقی نے کراہت اور عدم کراہت دونوں مستدلات کو ساتھ رکھ کر ایک علت سے اسے معلل قرار دیا ہے کہ منتقل کرنے سے اگر لاش کے بدلنے اور تغیر کا اندیشہ ہو تو جائز نہیں ورنہ گنجائش ہے۔

"يمكن الجمع بان الزيادة مكروهة في تغير الرائحة او خشيتها وتنتقي بانتفائها، لمن هو مثل يعقوب عليه السلام او سعد رضي الله عنهما لانهما احياء الدارين."

اس سے معلوم ہوا کہ کراہت اس وقت ہوگی جب کہ لاش اتنی مسافت لے جائی جائے کہ اس میں کچھ تغیر پیدا ہو جائے، اگر تغیر پیدا ہونا وقت کی وجہ سے نہ ہو یا کرامت کی وجہ سے ہو یا جیسا کہ حضرت یعقوب اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے۔ تو جائز ہے۔

لہٰذا اب دو میل ۳ر میل کی مسافت پر کراہت کا مدار نہیں، بلکہ لاش کا تغیر اور تغیر اصل ممانعت و کراہیت کی علت ہے۔

اس اعتبار سے ۸، ۱۰ر گھنٹے کی مسافت کی گنجائش نکل آئے گی، چونکہ عموماً ۱۰، ۱۲ گھنٹے کے بعد تغیر شروع ہو جاتا ہے۔

بعض حضرات صحابہ نے میت کو منتقل بھی کیا ہے

حضرت امیر المؤمنین عبداللہ بن مبارک کی روایت میں ہے، کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال مقام عقیق میں ہو گیا، داؤد ایک راوی ہیں انہوں نے کہا کہ قریب وہ دس کے فاصلہ پر تھا (مدینہ سے) لوگ ان کو اپنی گردنوں پر اٹھا لائے یہاں تک دار مروان کی جانب سے مسجد نبوی میں (لے آئے)، (قریب) اور ازواج مطہرات کے سامنے حجر کے میدان میں لاکر رکھا، پھر امام نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۵۷)

زہری کہتے ہیں کہ مقام عقیق سے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کو مدینہ منورہ لایا گیا، اس طرح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقام جرف سے لایا گیا۔

ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ سے کئی میل فاصلہ پر حبشہ میں انتقال کر گئے، ابن صفوان ان کو مکہ مکرمہ اٹھا لائے۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۵۷)

حضرت سعید بن زید ان کا انتقال اپنے مکان عتیق میں ہوا تھا، ان کو مدینہ منورہ منتقل کیا اور یہیں دفن کیا۔
(کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۸)

وصیت کے مطابق دفن کرنے کی اجازت

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے وفات کے وقت کہا کہ مجھے ازواج مطہرات کے ساتھ (بغل میں) دفن کرنا، چونکہ میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی وفات کے بعد ان ہی کے ساتھ بات کرتی تھی رہتی سہتی تھی۔

(ابن ابی شیبہ، بخاری صفحہ ۱۸۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے وصیت کی تھی کہ مجھے حضرت عثمان بن مظعون رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی قبر کے پاس دفن کرنا۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۹)

حضرت خیثم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے وصیت کی تھی کہ ان کو فقراء تو اُمہ کے قبرستان میں دفن کرنا۔

فَائِدَہ: اگر کسی شخص نے اپنے شہر اور علاقے کی کسی خاص جگہ مثلاً قبرستان یا کسی خاص شخص کے بغل میں دفن ہونے کی وصیت کی ہے، تو شریعت کے خلاف نہ ہونے کی صورت میں اس جگہ دفن کرنا درست ہے، مثلاً اگر کسی کے بغل میں دفن کرنے کی وصیت کی ہے اور وہ زمین و جگہ کسی کی ملک ہے تو مالک کی بلا اجازت کے دفن کرنا درست نہیں ہاں عام قبرستان میں ہو تو پھر درست ہے۔

رات کی تدفین بہتر نہیں گو جائز ہے

حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک دن خطبہ دیا، اور ایک آدمی کا ذکر کیا جس کا انتقال ہو گیا تھا، اور اسے گھٹیا درجہ کے کفن میں کفنایا گیا، اور رات میں دفن کر دیا گیا، تو آپ نے ڈانٹا کہ رات میں دفن کیا جائے یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھی جائے ہاں مگر مجبوری ہو تو (پھر کوئی حرج نہیں)۔

(مسند احمد صفحہ ۱۶۹، ابوداؤد صفحہ ۴۴۹، سنن کبری حاکم جلد ۱ صفحہ ۳۶۹، ابن ماجہ صفحہ ۱۰۹، عمدۃ القاری صفحہ ۱۲۱)

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ کو رات میں دفن کیا۔

(طحطاوی صفحہ ۲۹۶)

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رات میں دفن کئے گئے۔ (طحطاوی صفحہ ۲۹۶)

فَائِدَہ: چونکہ گھٹیا درجہ کا کفن دے کر رات میں چھپانے کی وجہ سے دفن کر دیا گیا تھا اس سے آپ نے منع فرمایا تھا طحاوی میں ہے کہ لوگ اپنے میت کو برا کفن دے کر رات میں دفن کر دیا کرتے تھے اس لئے آپ نے منع فرمایا تھا۔ (صفحہ ۲۹۵)

شرح مسند احمد میں ہے کہ رات کی وجہ سے لوگ جنازہ میں شریک نہ ہو سکیں گے چند حضرات ہی ہو سکیں گے اس لئے آپ نے منع فرمایا۔ (جلد ۷ صفحہ ۱۶۹)

ورنہ تو رات میں دفن کرنے میں کوئی کراہت نہیں اگر دن کو انتقال ہوا ہے تو رات تک دفن کرنے سے آدمی کم ہوں گے اور دن میں آدمی زیادہ ہوں گے، یا آپ نے اس وجہ سے منع کیا کہ ردی اور گھٹیا درجہ کا کفن دے کر رات میں دفن کر دیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم نہ ہو۔ (صفحہ ۳۰۶)

عمدۃ القاری میں ہے کہ رات میں دفن کرنا درست ہے، خلفاء اربعہ رات ہی میں دفن کئے گئے۔

(عمدۃ القاری صفحہ ۱۲۱)

علامہ عینی نے بیان کیا ابتداء آپ نے منع کیا پھر بعد میں اجازت دے دی۔ (عمدۃ)

ابن عبدالبر نے بیان کیا کہ رات میں کوئی مکروہ وقت تو ہے نہیں کہ مکروہ ہو۔ (اس لئے گنجائش ہے)۔

(استذکار جلد ۸ صفحہ ۲۹۰)

رات کی تدفین میں روشنی کا استعمال سنت سے ثابت ہے

حضرت ابوذر غفاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں رات کو نکلا تو نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو میں نے قبرستان میں دیکھا کسی آدمی کو دفن کر رہے تھے اور آپ کے ساتھ روشنی تھی۔ (ابن ابی شیبہ، عمدۃ القاری صفحہ ۲۶)

حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت میں ہے کہ قبرستان میں آگ (روشنی) دیکھی گئی تو دیکھا گیا کہ ایک قبر میں آپ تشریف فرما ہیں، (اور میت کو قبر میں اتارنے کے لئے) فرما رہے ہیں لاؤ میرے ساتھی کو۔

(طحطاوی صفحہ ۲۹۵)

فَائِدَۃٌ: خیال رہے کہ جنازہ کے ساتھ اور ضرورت کی وجہ سے قبرستان میں روشنی کا ساتھ لے جانا اور رکھنا جائز ہے چونکہ رات کی تاریکی میں یہ کام کیسے ہوگا، ہاں مگر قبرستان کو رات میں روشن رکھنا قمقمہ اور روشنی جلانا درست نہیں ہے۔

عام قبرستان میں دفن ہونا یا کرنا سنت ہے

حضرت عروہ ابن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو وصیت فرمائی تھی کہ مجھے ان کے ساتھ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ساتھ) دفن نہ کرنا، بلکہ میری سوکنوں کے پاس بقیع (مدینہ منورہ کے عام قبرستان) میں دفن کرنا۔ (بخاری صفحہ ۱۸۶)

علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا جب بیمار ہوئیں تو حضرت عبداللہ بن زبیر سے کہلوایا کہ مجھے میری سوکنوں کے ساتھ بقیع میں دفن کرنا۔ (کشف الغمہ صفحہ ۱۷۲)

علامہ شعرانی نے ذکر کیا کہ حضرت ابودرداء نے حضرت سلمان کو خط لکھا کہ چلے آؤ بیت المقدس شاید وہیں

انتقال ہو جائے (اور دفن ہونے کا شرف حاصل ہو جائے) اس پر حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا۔ زمین آدمی کو مقدس نہیں بناتی آدمی کو اس کا نیک عمل مقدس بناتا ہے۔ (صفحہ ۱۷۸)

مطلب یہ ہے کہ کسی زمین پر یا خاص مقبرہ میں دفن ہونے سے کوئی فائدہ زمین نہیں پہنچاتی عمل سے فائدہ ہوتا ہے، جس جگہ کی فضیلت حدیث پاک سے ثابت ہو وہ مستثنیٰ ہے جسے مدینہ پاک اور مکہ مکرمہ کا قبرستان بقیع اور جنت المعلیٰ ہے۔

فَائِدَہ: عہد نبوی کی تاریخ اور احادیث کے ذخیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو اپنے اقرباء واعزہ اور قبیلہ والوں کو عام قبرستان میں جو "بقیع" کے نام سے موسوم تھا، دفن فرماتے۔

کسی کو بھی گھر میں یا باغ باغیچہ میں آپ نے نہ دفن کیا اور نہ پسند کیا اور نہ حکم دیا، گھر میں دفن ہونا حضرات انبیاء کرام کی خاصیت ہے۔

ابن ہمام شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں، کسی چھوٹے بڑے کو گھر میں (یا گھر کے احاطہ میں) دفن نہ کرے، عام قبرستان میں کرے۔ (فتح جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

"ولا يدفن صغير ولا كبير في البيت الذي مات فيه كان ذلك خاص بالانبياء بل ينقل الى مقابر المسلمين."

اسی طرح علامہ شامی لکھتے ہیں، لوگوں کو عام قبرستان میں دفن کرنا چاہئے گھر میں یا احاطہ میں دفن ہونا، کرنا مکروہ ہے اسی طرح مدرسہ اور مسجد کے احاطہ میں کرنا مکروہ ہے، اسی طرح جو لوگ اپنے بنائے ہوئے مدرسہ کا احاطہ یا مسجد کے احاطہ میں دفن کی وصیت یا خواہش وتمنا کر جاتے ہیں یہ مکروہ ہے، ایسی وصیت خلاف سنت و ممنوع ہے، چنانچہ علامہ شامی کراہت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"لا يدفن في مدفن خاص كما يفعله من يبني مدرسه ونحوها ويبني له بقربها مدفن، تامل." (الشامی جلد ۲ صفحہ ۲۳۵)

اسی طرح شرح منیہ کبیری میں مکروہ ہے۔ (صفحہ ۶۰۷)

احسن الفتاویٰ میں ہے، مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کرنا مسنون ہے، اس کے خلاف کسی خاص مقام میں دفن کرنا مکروہ ہے، عالم اور بزرگ کو کسی مدرسہ یا مسجد یا اور کسی خاص مقام میں دفن کرنے کی وبا عام ہوگئی ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے اس پر خصوصیت سے نکیر فرمائی ہے۔ (احسن الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۲۱۵)

خیال رہے کہ عام قبرستان میں جو لوگ قریب قریب روز میت کے دفن پر ایصال ثواب جو کرتے ہیں، اور عمومی قبرستان والوں کو جو ایصال ثواب ہوتا رہتا ہے، اس عظیم ثواب سے یہ محروم رہیں گے۔ جو بڑے گھاٹے اور

خسارے کی بات ہے اس وجہ سے بھی خاص احاطہ وغیرہ میں دفن بہتر نہیں ہے۔

بغلی قبر بہتر اور سنت

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ بغلی قبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بنائی گئی، اسی طرح حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے، نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی بغلی قبر کی وصیت کی تھی۔

(استذکار صفحہ ۲۸۹)

جعفر نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بغلی قبر حضرت ابوطلحہ نے کھودی تھی، حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو حضرات ملائکہ نے ان کو طاق عدد میں غسل دیا، اور ان کو بغلی قبر میں داخل کیا گیا، اور کہا کہ یہی حضرت آدم اور ان کی اولاد کے لئے سنت ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۴۵)

جریر بن عبداللہ البجلی کی روایت میں ہے کہ (ایک شخص کی وفات پر) آپ تشریف لائے اور قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور فرمایا قبر بغلی قبر بناؤ۔ سیدھی نہ بناؤ بغلی قبر ہم لوگوں کے لئے ہے اور سیدھی قبر ہمارے غیروں کے لئے۔ (مسند احمد، مرتب جلد ۸ صفحہ ۵۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بغلی قبر ہمارے لئے اور سیدھی قبر غیروں کے لئے ہے۔ (نسائی صفحہ ۲۸۲)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جہاں کی زمین سخت مضبوط ہو بغلی کھدائی ہوسکتی ہو، بغلی قبر کھودی جائے اس لئے کہ بغلی قبر مستحب اور سنت ہے، گو سیدھی قبر بھی جائز ہے، شرح مسلم میں امام نووی نے لکھا ہے کہ اجماع ہے کہ دونوں جائز ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ اگر زمین سخت ہو تو بغلی قبر افضل ہے، اور اگر زمین کمزور ہے نرم مٹی ہے دھنس اور گر جاتی ہے تو سیدھی قبر افضل ہے۔

فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی قبر بھی بغلی کھودی تھی اور فرمایا تھا کہ یہی سنت ہے تمہاری نسلوں کے لئے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۵۹)

بغلی قبر اور اس کا طریقہ

بغلی قبر جو مسنون ہے وہ یہ ہے کہ قبر کا ایک گڑھا کھودے، پھر اسی قبر کے پچھم جانب حجرہ نما گڑھا کھودے بلکہ کاٹے کہ اوپر کی مٹی چھت کے مانند ہو جائے، اسی میں میت کو ڈالے۔ (الشامیہ صفحہ ۲۳۴، عنایہ علی الفتح صفحہ ۱۲۷)

علامہ شامی اور دیگر فقہاء نے بیان کیا کہ بغلی ہی قبر بنائے ہاں مجبوری ہو تو پھر غیر بغلی بنالے جیسے زمین نرم ہو۔ (الشامیہ صفحہ ۲۳۴، عنایہ علی الفتح صفحہ ۱۳۷)

مراقی الفلاح میں ہے کہ قبر بغلی ہی بنائے، سیدھی قبر نہ بنائے ہاں مگر یہ کہ زمین نرم ہو تو نہیں بنائے۔ (طحطاوی صفحہ ۳۳۳)

اسی طرح ملا علی قاری نے کہا کہ بغلی قبر سنت ہے ہاں مگر یہ کہ زمین نرم ہو۔ (مرقات صفحہ ۷۸)

قبر کو کشادہ گہرا کھودنے کا حکم فرماتے

ہشام بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر کھودو، کشادہ اور گہرا کھودو۔
(تلخیص الحبیر صفحہ ۱۴۴، سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۴۱۳، نسائی صفحہ ۲۸۴، ابوداؤد صفحہ ۴۵۹)

عامر بن کلیب نے ایک انصاری صحابی سے نقل کیا کہ ہم لوگ ایک جنازہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تو میں نے دیکھا کہ قبر کے پاس آپ کھڑے ہیں اور قبر کھودنے والے کو نصیحت کر رہے ہیں پیر کی جانب چوڑا کرو، سر کی جانب چوڑا کشادہ کرو۔ (تلخیص صفحہ ۱۴۴، سنن کبریٰ)

ادرع سلمی کی روایت میں ہے کہ (ایک صحابی کا) مدینہ میں انتقال ہو گیا، لوگ اس کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو گئے، اس کے جنازہ کو اٹھا لے چلے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذرا اسے نرمی سے "اعتدال" سے لے چلو یہ خدا رسول کا محبوب ہے اس کے لئے قبر کھودی گئی، تو آپ نے فرمایا، ذرا کشادہ کھودنا، اللہ تمہیں کشادہ رکھے گا، بعض اصحاب نے آپ سے کہا اے اللہ کے رسول آپ کو اس کا بڑا غم ہے، آپ نے جواب دیا ہاں یہ خدا رسول سے محبت (خاص طور پر) رکھتا تھا۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۱۲)

ابن العلاء نے بیان کیا کہ حضرت ابوموسیٰ نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر ذرا گہری کھودی جائے۔

ہشام نے بیان کیا کہ حسن اور محمد قبر کو گہرا کھودنا مستحب فرمایا کرتے تھے۔ حسن نے بیان کیا کہ حضرت عمر نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر گہری کھودی جائے۔ جو ان کی قامت کے وسط تک آئے، ابراہیم نخعی نے کہا کہ قبر اتنی کھودی جائے جو ناف تک آجائے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۱۶)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ قبر کشادہ اور ذرا گہری کھودے، کم گہرائی خلافت سنت ہے جو بہتر نہیں، گہرائی کی حد کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ ناف تک ہو، امام یحییٰ قائل ہیں کہ سینے تک ہو، گہرائی کی کم سے کم مقدار یہ ہو کہ میت کی درندہ وغیرہ سے حفاظت ہو جائے۔ (نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۷۸)

بہتر یہ ہے کہ قبر میت کے نصف قد کے برابر گہری ہو، اگر اس سے زائد ہو تو بہتر ہے، اعلیٰ اور بہتر تو پوری قامت کے برابر ہے، اور ادنیٰ درجہ بہتر ہونے میں نصف قامت ہے۔ (اعلاء السنن صفحہ ۲۵۰)

علامہ شامی نے کہا کہ میت کے نصف قد کے برابر قبر ہو اس سے زائد ہو تو بہتر ہے، آخری درجہ نصف قامت ہے، اور اعلیٰ درجہ پوری قامت ہے اور اس کے مابین بھی اجازت ہے۔ (الشامیہ صفحہ ۲۳۴)

قبر کی کھدائی میں ہڈی مل جائے تو ہڈی نہ توڑے جگہ بدل دے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کی ہڈی کا توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندوں کی توڑنا۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۵۸، ابن ماجہ صفحہ ۱۱۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کھودنے والے کو منع فرمایا کرتے تھے کہ وہ مردوں کی ہڈیوں کو توڑیں۔

یعنی قبر میں ہڈی آجائے تو اسے توڑ پھوڑ کر قبر صاف نہ کرے بلکہ جگہ بدل دے۔ (کشف الغمہ صفحہ ۱۷۲)

میت کے اجزاء، ہڈی وغیرہ ہوں تو اس کو اسی مقام پر رہنے دیا جائے دوسری جگہ اس کا منتقل کرنا منع ہے ناجائز ہے۔ (الشامی صفحہ ۲۳۳)

اگر کسی قبر میں میت سڑ گل کر مٹی نہ ہوئی ہو تو ایسی قبر کا کھودنا منع ہے، میت کے احترام کے خلاف ہے۔

اگر میت بالکل مٹی ہو جائے تب دوسری قبر اس میں جائز ہے، قبر ہی نہیں اس پر کھیتی بھی جائز ہے۔

(الشامیہ صفحہ ۲۳۳)

پھاوڑے یا کدال سے مٹی کو برابر کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کو جانا ہی نہیں یہاں تک کہ بدھ کی آخری شب میں پھاوڑے کی آواز کو سنا۔ (طحطاوی جلد ۱ صفحہ ۲۹۵، الاستذکار جلد ۸ صفحہ ۲۹۰)

قبرستان آنے والے لوگ جب اپنے ہاتھوں سے مٹی دینے سے فارغ ہو جائیں تو باقی مٹی کو پھاوڑے اور کدال سے ڈال کر برابر کیا جا سکتا ہے اسی وجہ سے امام بیہقی نے باب قائم کیا ہے۔ "**اهالة التراب فی القبر بالمساحی والا یدی**" پھاوڑے اور کدال و ہاتھوں سے قبروں پر مٹی ڈالنا آخر میں مٹی زمین سے لگ جاتی ہے ہاتھ سے محض اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے پھاوڑے اور کدال سے لینے اور ڈالنے کی ضرورت پڑتی ہے جو صحیح ہے۔

میت کو کون لوگ قبر میں اتاریں

حضرت شعبی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی، حضرت فضل، حضرت اسامہ نے قبر میں اتارا۔

(سنن کبریٰ، ابوداؤد صفحہ ۴۵۸)

شعبی کہتے ہیں کہ میت کو قبر میں اتارنے والے اس کے خاندان اور رشتہ دار کے لوگ ہوں۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن ابزی کہتے ہیں حضرت زینب بن جحش کا انتقال ہوا، حضرت عمر نے ۴ تکبیر جنازہ پڑھی، پھر ازواج مطہرات سے پوچھا کہ ان کو قبر میں کون لوگ اتاریں، انہوں نے جواب دیا، جو زندگی میں ان کے پاس آجا سکتے تھے (یعنی رشتہ دار)۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۵۳، ابن ابی شیبہ صفحہ۳۲۴)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں کہ قبر میں داخل کرنے والے طاق عدد میں ہوں یا جوڑے عدد میں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ میت کو قبر میں اتارنا ان لوگوں کو سنت ہے جو ان کے بھائی چچا رشتہ دار لوگ ہوں۔

اسی طرح عورتوں کو بھی قبر میں وہی لوگ اتاریں جو ان کے محرم اور رشتہ دار ہوں، اجنبی اور غیر لوگ نہ اتاریں کہ عورتوں کے حق میں یہ منع ہے، اور قبر میں اتارنے والے طاق غیر طاق دونوں ہو سکتے ہیں۔

ابن نجیم لکھتے ہیں قریبی رشتہ دار کا اتارنا بہتر ہے اجنبی کے اتارنے سے، اسی طرح عورتوں کو بھی اس کے محرم کا اتارنا افضل ہے مثلاً بھائی باپ وغیرہ، اگر قریبی رشتہ دار نہ ہوں تو اجنبی غیر رشتہ دار اتاریں۔

(بحرالرائق صفحہ۲۰۸)

اپنے متعلقین واحباب کو قبر میں ڈالنے کے لئے اترنا سنت ہے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبرستان میں روشنی دیکھی تو میں وہاں گیا، تو میں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں دیکھا اور آپ کہہ رہے ہیں لاؤ اپنے اصحاب کو۔ (ابوداؤد صفحہ۴۵۱، حاکم جلد۱ صفحہ۳۶۸)

عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت میں مروی ہے کہ آپ نے (ایک صحابی کو) اپنے ہاتھ سے غسل دیا، کفنایا، نماز پڑھی اور قبر میں داخل کیا۔ (سبل الہدیٰ جلد۸ صفحہ۳۵۹، مطالب عالیہ جلد۴ صفحہ۱۰۴)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا احباب واعزہ کو اتارنے میں سبقت کرے۔

عورتوں کو قبر میں داخل کرتے وقت کپڑے کا پردہ کیا جائے گا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک جنازہ میں تشریف لائے لوگ میت دفن کر رہے تھے، اور اس کی قبر پر کپڑا تانے ہوئے تھے، (پردہ کے لئے) تو حضرت علی نے کپڑا کھینچ لیا، اور فرمایا عورتوں کی قبر میں (دفن کے وقت ایسا) کیا جاتا ہے۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۵۴)

فائدہ: میت عورت ہو تو اسے قبر میں ڈالتے وقت ایک کپڑا چادر وغیرہ سے قبر پر سائبان کی طرح کر دیا جائے گا، خنثیٰ مشکل کے قبر میں ڈالتے وقت بھی پردہ کیا جائے گا۔

(نفع المفتی والسائل صفحہ۱۴۲، شامی صفحہ۲۳۶، بحرالرائق جلد۲ صفحہ۲۰۹، کبیری صفحہ۵۹۷)

اور شامی میں ہے کہ مستحب یہ ہے کہ عورتوں اور خنثیٰ مشکل کو قبر میں ڈالنے پر کسی کپڑے سے پردہ کیا جائے گا۔ اگر کفن کے کچھ کھل جانے کا بدن کے نظر آجانے کا احتمال ہو تو پھر پردہ کرنا واجب ہے۔ (ردمحتار صفحہ۲۳۶)
مرد کے لئے یہ طریقہ مکروہ ہے۔

میت کو قبلہ کی جانب سے اتارنا سنت ہے

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بغلی قبر بنائی گئی اس میں کچی اینٹیں اٹھا دی گئیں، اور قبلہ کی جانب سے لیا گیا (قبر میں ڈالنے کے لئے)۔ (مجمع الزوائد صفحہ۴۵، تلخیص صفحہ۱۳۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبلہ کی جانب سے لیا گیا تھا، (یعنی قبر میں اتارتے وقت آپ کو قبلہ کی طرف سے لے کر داخل کیا گیا تھا۔

(ابن ماجہ صفحہ۱۱۱، تلخیص الحبیر جلد۲ صفحہ۱۳۷، فتح صفحہ۱۳۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میت کو قبلہ کی طرف سے داخل کرتے تھے۔ (مجمع جلد۳ صفحہ۴۶)

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قبلہ کی جانب سے داخل کیا گیا تھا لسبان کی جانب سے نہیں۔ (مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ۴۹۹، فتح القدیر صفحہ۱۳۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں دفن کیا گیا تھا روشنی جلائی گئی تھی۔ (صفحہ۱۳۸)

اور قبلہ کی جانب سے لیا گیا تھا۔ (کبیری صفحہ۵۹۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو محمد بن حنفیہ نے جب قبر میں ڈالا تو قبلہ کی جانب سے ڈالا۔

(ابن عبدالرزاق صفحہ۵۹۶)

فائدہ: میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں اتارنا مسنون ہے، علامہ ابن نجیم نے بیان کیا کہ جنازہ (یا اس کی چارپائی) کو قبر سے پچھم رخ کرے، اور میت کو (قبر میں اتر کر) اسے پچھم جانب سے لیا جائے۔

اور جو لوگ قبر میں اسے اتاریں گے ان کا رخ بھی پچھم جانب قبلہ رہے، اور قبر میں اتارنے والے خواہ ۳ر رہیں یا ۴ر رہیں ہر طرح اجازت ہے۔ اور قریبی رشتہ دار اتاریں تو بہتر ہے۔ ورنہ پھر اجنبی غیر رشتہ دار۔ اور اتارنے میں بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ پڑھیں گے۔

(بحرالرائق صفحہ۲۰۸، الشامی صفحہ۲۳۵، طحطاوی علی المراقی صفحہ۳۳۴، فتح القدیر صفحہ۱۳۷)

شرح منیہ میں ہے کہ ارباب حدیث کا اتفاق ہے کہ میت کو قبلہ کی جانب سے لیا جائے گا۔ اور جہت قبلہ کو

شرف حاصل ہے اسی لئے یہی افضل ہے۔ (صفحہ ۵۹۷)

میت کو قبر میں اتارنے والے کیا دعا پڑھیں

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میت کو قبر میں رکھتے تو فرماتے "بسم اللّٰه وعلی ملّة رسول اللّٰه." (تلخیص صفحہ ۱۲۷)

بیاضی نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھا جائے تو جو اسے قبر میں اتارے تو اتارتے وقت یہ پڑھے۔ "بسم اللّٰه وباللّٰه وعلی ملّة رسول اللّٰه." (حاکم جلد ا صفحہ ۳۶۶)

قبر میں میت کو ڈھیلا یا پتھر لگا کر قبلہ رخ کر دینا سنت ہے

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کی عادت طیبہ تھی کہ) میت کو جب قبر میں رکھتے تو "بسم اللّٰه وعلی سنة رسول اللّٰه" پڑھتے اور اس کی پیٹھ کے پیچھے ایک مٹی کا بڑا ڈھیلا رکھ دیتے اسی طرح دونوں مونڈھوں کے درمیان۔ دونوں گھٹنوں کے درمیان اور پشت کی جانب مٹی کا ڈھیلا رکھ دیتے (تاکہ میت کا رخ قبلہ کی طرف مکمل طور پر ہو جائے)۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۴۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبلہ کی جانب سے (قبر میں) لیا گیا تھا اور ٹیک لگا کر قبلہ کے رخ کر دیا تھا یعنی ڈھیلے کے سہارے کر دیا گیا ہوگا۔ (تلخیص الحبیر صفحہ ۱۲۷)

عبید بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا خانہ کعبہ تمہارے زندوں کا بھی اور مردوں کا بھی قبلہ ہے۔ (سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۴۰۹)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ بنی مطلب کا ایک آدمی انتقال کر گیا۔ تو آپ نے دفن کے وقت فرمایا اے علی اسے قبلہ رخ کر دو۔ (عنایہ علی الفتح جلد ۲ صفحہ ۱۳۹)

تمام ائمہ محدثین اور اصحاب فقہ و فتاویٰ نے بیان کیا ہے کہ میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اسے قبلہ رخ کر دیا جائے۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۳۹، بحرالرائق صفحہ ۲۰۸)

شرح مسند احمد بلوغ الامانی میں۔ ہے کہ میت کو قبر میں دائیں کروٹ قبلہ رخ لازمی طور پر کر دے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا گیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ مستحب طریقہ یہ ہے کہ کسی اینٹ جو کچی ہو یا پتھر سے پیچھے کی جانب ٹیک لگا دے (تاکہ چست نہ رہے قبلہ رخ کروٹ سے ہو جائے)۔ (بلوغ الامانی جلد ۸ صفحہ ۶۵)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ دائیں کروٹ قبلہ رخ کرنا مسنون ہے۔ چہرہ کا رخ صرف کر دینا کافی نہیں۔

صرف منہ قبلہ رخ کر دینا کافی نہیں دائیں کروٹ قبلہ رخ کرنا مسنون ہے

حدیث پاک میں اور فقہاء کرام کی عبارت میں پورے جسم کا قبلہ رخ کرنا مذکور ہے۔ صرف سر کا یا منہ کا بجانب پچھم کر دینا نہیں ہے۔

عموماً اس دور میں یہ رائج ہے کہ دفن کے بعد صرف میت کا سر قبلہ کی جانب کر دیتے ہیں۔ اور پورا جسم چت رہتا ہے۔ یعنی سینہ پیٹ اور پورے جسم کا رخ بجانب آسمان ہوتا ہے۔ جیسا کہ پیٹھ کے بل سونے میں۔ یہ غلط اور خلاف سنت طریقہ رائج ہو گیا ہے۔

استقبال قبلہ سے مراد جسم کا پورا رخ سینہ، پیٹ وغیرہ سب قبلہ رخ کر دینا مراد ہے۔ کیا نہیں دیکھتے نماز میں قبلہ رخ ہونے کا کیا مطلب ہے۔ صرف سر یا منہ، ہرگز نہیں بلکہ پورا بدن سر سینہ وغیرہ حتیٰ کہ اگر صرف چہرہ کا رخ قبلہ کیا اور سینہ اور بدن کا رخ نہ کیا تو اسے استقبال قبلہ نہ کہا جائے گا۔ اور نماز نہ ہوگی۔ اسی طرح یہاں بھی استقبال اور قبلہ رخ کہا گیا ہے۔ مراد اس سے پورے جسم کا قبلہ رخ ہونا ہے۔ اسی کا دوسرا مطلب و مفہوم دائیں کروٹ دینا ہے۔ اس سے پورے جسم کا رخ قبلہ کی طرف ہو جائے گا۔ چنانچہ بحرالرائق میں ہے:

"ویکون علی شقه الایمن." (صفحہ ۲۰۸)

علامہ طحطاوی شرح مراقی میں لکھتے ہیں:

"ویوجه الی القبلة علی جنبه الایمن ...... وجوبا کما فی الدرر ...... بذلك امر النبی صلی الله علیه وسلم." (صفحہ ۳۳۴)

خیال رہے کہ فقہاء کرام کی ایک جماعت نے دائیں کروٹ کو واجب قرار دیا ہے۔ وجوبا کما فی الدرر کی عبارت سے جیسا کہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ابن امیر حاج نے امام احمد صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر قبلہ رخ نہیں رکھا یا بائیں کروٹ کر دیا۔ پھر یاد آ گیا کہ ایسا کیا تو اگر مٹی ابھی ڈالنی شروع نہیں کی صرف لحد کے اندر کچی اینٹ لگائی ہے تو اینٹ ہٹا کر اس میت کو قبلہ رخ دائیں کروٹ کیا جائے گا۔

درمختار میں بھی قبلہ رخ کرنے کو واجب کہا گیا ہے۔

"ویوجهه الیها وجوبا وینبغی کونه علی شقه الایمن." (الشامی جلد ۲ صفحہ ۲۳۶)

پس معلوم ہوا کہ میت کو قبر میں لٹانے اور رکھنے کا مسنون اور سنت طریقہ یہ ہے کہ پورے جسم کو دائیں کروٹ دے پیچھے کی جانب سرہانے بیچ اور پیر کی جانب کسی بڑے ڈھیلے یا کچی اینٹ کے سہارے کر دے اگر پیچھے سے پتھر یا ڈھیلا نہ لگایا جائے گا تو میت چت ہو جائے گی اور قبلہ رخ نہ ہو سکے گی اس لئے اس کا خیال رکھا جائے گا کہ عام طور پر یہ طریقہ چھوٹ گیا ہے۔

قبر میں کفن کی گرہوں کو کھول دیا جائے گا

حضرت سمرہ کے بیٹے کی جب وفات ہوئی (اوران کی لاش کو قبر میں بندھی رکھی گئی تو) تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کے سر اور پیروں کے بندھن کو کھول دو۔ (مراقی الفلاح صفحہ ۳۳۴)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جب میت کو قبر میں داخل کیا جائے گا تو کفن کے بندھن اور گرہوں کو کھول دیا جائے۔

حسن اور ابن سیرین نے کہا قبر میں میت کے گرہوں کو کھول دیا جائے گا۔

ضحاک نے وصیت کی تھی کہ گرہوں کو کھول دیا جائے اور کفن سے چہرہ کھول دیا جائے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۲۷)

منقول ہے کہ آپ ﷺ نے جب نعیم بن مسعود کو قبر میں رکھا تو گرہوں کو کھول دیا۔ (کبیری صفحہ ۵۹۷)

فائدہ: قبر میں جب میت کو رکھا جائے گا تو کفن کے تمام گرہوں کو جیسے باندھا گیا تھا کھول دیا جائے گا۔

(فتح القدیر صفحہ ۱۳۹، شامی جلد ۲ صفحہ ۲۳۶، طحطاوی علی المراقی صفحہ ۳۳۴، بنایہ علی الہدایہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۷)

طحطاوی میں ہے کہ گرہوں اور بندھن کو کھولنے والا یہ کہے گا:

"اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده." (طحطاوی صفحہ ۳۳۴)

اے اللہ اس کے ثواب سے ہمیں محروم نہ فرما اور اس کے بعد ہمیں آزمائش میں نہ ڈال۔

جب مٹی ڈالنے اور کچی اینٹ لگانے لگے تو کیا پڑھے

ابن میسب کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک ہوا جب جنازہ قبر میں رکھا تو انہوں نے پڑھا:

"بسم الله وفي سبيل الله وعلى ملة رسول الله صلى الله عليه وسلم."

اور جب قبر میں کچی اینٹیں دے کر قبر کو بند کرنے لگے تو یہ پڑھا:

"اللهم اجرها من الشيطان ومن عذاب القبر اللهم جاف الارض عن جنبيها وصعد روحها ولقها منك رضوانا."

ترجمہ: "اے اللہ اسے شیطان سے پناہ دیجئے اور عذاب قبر سے بچایئے۔ اور زمین کو اس کے پہلو کے لئے کشادہ فرما دیجئے اس کی روح کو عالم بالا میں پہنچا دیجئے۔ اسے اپنی رضا مندی سے نوازیئے۔"

میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، آپ نے جو یہ پڑھا حضور پاک ﷺ سے سنا یا اپنی

طرف سے پڑھا انہوں نے کہا میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے۔ (جمع الفوائد صفحہ ۲۸۷)

فائدہ: جب بغلی قبر کو کچی اینٹوں وغیرہ سے بند کرنے لگے یا سیدھی قبر میں بانس تختہ وغیرہ ڈال کر مٹی ڈالنے لگے تب یہ دعا پڑھے۔

بغلی قبر میں بانس کے ٹکڑے یا کچی اینٹیں مسنون ہیں

امام شعبی نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ کی بغلی قبر میں بانس کے ٹکڑے رکھوائے گئے، حضرت علی بن حسین سے منقول ہے کہ نبی پاک ﷺ کی قبر مبارک میں کچی اینٹیں لگائی گئی تھیں، حضرت ابو جعفر، سالم اور قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ذکر کیا کہ نبی پاک ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبروں میں قبلہ رخ (جیسا کہ بغلی قبر میں ضرورت پڑتی ہے) کچی اینٹیں لگائی گئی تھیں۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۲۲)

فائدہ: قبر میں کچی اینٹوں یا کچے ڈھیلوں کا استعمال کرنا اور لگانا درست ہے، پکی ہوئی اینٹوں کا استعمال مکروہ تحریمی ہے۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۳۹، مراقی الفلاح صفحہ ۳۳۵)

قبر میں میت کو کسی کپڑے پر لٹانا یا کوئی کپڑا وغیرہ رکھ دینا ممنوع ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے منع فرمایا ہے کہ میت کے نیچے قبر میں کوئی چیز رکھی جائے۔ (ترمذی صفحہ ۲۰۲)

فائدہ: قبر میں کسی کپڑے یا چادر کا رکھ کر پھر میت کو قبر میں ڈالنا یہ ممنوع ہے، علماء کرام اور فقہاء نے اس سے منع کیا ہے کبیری میں ہے کہ، قبر میں کسی کپڑے پر مردہ کو رکھنا مکروہ ہے، سنت یہ ہے کہ قبر کی زمین پر میت کو رکھے۔

اگر قبر میں نمی ہو تو سوکھی مٹی ڈال دے۔ (کبیری صفحہ ۵۹۷)

اور وہ جو حضرت جعفر اور حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے خادم شقران نے آپ کی قبر میں چادر رکھ دی تھی۔ (ترمذی صفحہ ۲۰۳)

سو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مٹی ڈالنے سے پہلے یہ چادر نکال لی گئی تھی۔

(مرعاۃ المفاتیح صفحہ ۴۲۷، مرقات جلد ۴ صفحہ ۶۷)

دوسرا جواب یہ ہے کہ شقران نے اس وجہ سے ڈال دی تھی تا کہ آپ کے بعد اسے کوئی استعمال نہ کرے۔

(شرح منیۃ المصلی صفحہ ۵۹۸)

پس یہ آپ کے ساتھ خاص ہوا، امت کے حق میں ایسا نہیں، حضرت ابو موسیٰ نے فرما دیا تھا کہ میرے اور

زمین کے درمیان کچھ مت ڈالنا۔ (کبیری صفحہ ۵۹۸)

شرح مشکوٰۃ میں ہے "ذهب الجمهور الى كراهة" علامہ نووی نے کہا شقران نے اپنی رائے سے ڈالی تھی، حضرات صحابہ کو اس کا علم نہیں ہوا، ابن عبدالبر نے کہا مٹی ڈالنے سے پہلے صحابہ نے نکال لی تھی۔

(مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۴۲۷)

قبر میں کوئی خلا نہ رکھے، مکمل طور پر بھرنا سنت ہے

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ (ام کلثوم صاحبزادی مبارکہ کی) قبر پر جب بغلی قبر کو مٹی وغیرہ سے بھرا جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کچی اینٹوں کے درمیان خلا کو بند کر دو۔

(مسند احمد مرتب صفحہ ۵۷)

مطلب یہ ہے کہ جس چیز سے قبر کو پاٹا جا رہا ہو خواہ کچی اینٹ سے یا لکڑی کے تختوں سے تو اس میں خلا، اور پھوڑ نہ رہنا چاہئے بلکہ ایک دوسرے سے بالکل ملا ہوا پیوست رہنا چاہئے، اور نہ کسی قسم کا سوراخ رہنا چاہئے، تا کہ فوری طور پر کوئی جانور وغیرہ اذیت کا باعث نہ بنے اور اسے کھائے نہیں کہ جسم انسانی کے احترام کے خلاف ہے ہاں خود سے سڑگل کر مٹی ہو جانا دوسری بات ہے۔

طحطاوی میں ہے، کہ قبر کے تمام سوراخوں اور پھوڑ وغیرہ کو اس وقت بند کر دے، ایسے طور پر کہ مٹی میت پر نہ جا گرے۔

"يسدد شقوقه لئلا ينزل التراب منها على الميت." (صفحہ ۳۳۴)

شامی میں ہے بھرنے کے وقت کچی اینٹوں (بانس یا لکڑی وغیرہ) کے درمیان خلا اور پھوڑ رہے تو اسے بھر دے تا کہ مٹی میت پر نہ گرے۔ (ردمختار صفحہ ۲۳۶)

عموماً لوگ جلدی میں اس کا خیال نہیں کرتے پھوڑ اور خلا کی وجہ سے میت پر مٹی ڈالنے کے وقت مٹی گرنے لگتی ہے جو اکرام اور احترام کے خلاف ہے۔

قبر پر کھودی ہوئی مٹی کے علاوہ مٹی ڈالنی ممنوع ہے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ قبر پر کھودی ہوئی مٹی کے علاوہ زیادہ کی جائے۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۴۱۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرمایا کرتے تھے کہ قبر پر اس کی (کھودی ہوئی) مٹی سے زائد ڈالی جائے۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جو مٹی قبر سے نکلی ہے، اس کے علاوہ اور مٹی نہ ڈالی

جائے۔ (کشف صفحہ ۱۷۳)

ایک صحابی نے کہا کہ ایک میت کی تدفین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوئے، تو آپ نے فرمایا اپنے صاحب پر بوجھ مت ڈالو۔ (اعلاء السنن جلد ۸ صفحہ ۲۶۵)

سفیان نے کہا کہ یعنی اس پر کھودی ہوئی مٹی سے زائد مت ڈالو۔ (مطالب عالیہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۷)

فائدہ: اعلاء السنن میں ابن قدامہ کے حوالہ سے ہے کہ قبر پر کھودی ہوئی مٹی سے زائد الگ سے ڈالنی منع ہے۔

خیال رہے کہ قبر کی ساری مٹی کا قبر پر اس طرح ڈالنا کہ قبر ایک بالشت سے زیادہ اٹھ جائے خلاف سنت ہے، تمام مٹیوں کو اس قبر کے اوپر چاروں طرف پھیلا دے اور پھر قبر پر ایک بالشت اونچی مٹی پھیلا دے، یہی سنت ہے، آج کل جو قبر پر مٹی انڈیل کر ہاتھ ڈیڑھ ہاتھ اونچی کر دی جاتی ہے۔ یہ ممنوع ہے ابن نجیم لکھتے ہیں قبر کی مٹی کے علاوہ دوسری مٹی ڈالنی مکروہ ہے۔ (بحرالرائق صفحہ ۲۰۹، الشامی صفحہ ۲۳۶)

قبر میں کوئی سوراخ وغیرہ ہو تو اسے بند کرا دیتے

حضرت مکحول بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (صاحبزادہ کے دفن کے موقع پر قبر کی کھدائی کے وقت) بیٹے کی قبر کے پاس بیٹھے تھے، کہ آپ نے سوراخ دیکھا، تو قبر کھودنے والے سے کہا، ایک مٹی کا ڈھیلا لاؤ میں اس سوراخ کو بند کر دوں۔ بہرحال اس سے کوئی نقصان بھی نہیں اور نہ کوئی (خاص) فائدہ مگر زندوں کی نگاہ میں یہ اچھی بات ہے۔ (ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۰۸)

فائدہ: حتی الامکان قبر بالکل ایک محفوظ بکس صندوق کی طرح ہو، اس میں کوئی سوراخ اندر نہ ہو، اگر ہو تو اسے بند کر دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ اس میں کوئی نقصان وغیرہ نہیں الخ، اس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ لاش ہمیشہ رہے گی نہیں مٹی ہو جائے گی، بظاہر یہ صرف ظاہری تسلی کے لئے ہے۔ اصل تو روح جو علیین میں چلی گئی۔

اسی طرح شرح منیہ میں ہے کہ قبر میں کوئی شگاف وغیرہ رہ جائے جس سے مٹی گرنے کا اندیشہ ہو تو اسے بند کر دے۔ (صفحہ ۵۹۸)

مٹی ڈالنے کا ثواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کو ثواب کی نیت سے مٹی ڈالی اس کے لئے ہر مٹھی کے بدلہ نیکی لکھی جائے گی۔

(تلخیص صفحہ ۱۳۸، بلوغ الامانی جلد ۸ صفحہ ۶۲، نیل جلد ۳ صفحہ ۸۱)

حضرت ابوامامہ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اس کے پاس کوئی نیکی نہیں تھی سوائے اس کے کہ اس نے ۳؍مٹھی مٹی کسی کی قبر پر ڈالی تھی سو اس کے گناہ معاف کردیئے گئے۔

(تلخیص صفحہ ۱۳۹، بیہقی صفی، بلوغ الامانی صفحہ ۹۲، نیل الاوطار صفحہ ۸۱، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۶۰۷)

فائدہ: میت پر تدفین کے بعد مٹی کا ڈالنا سنت اور باعث فضیلت ہے، آپ کی عادت طیبہ تھی کہ آپ جنازہ میں شریک ہوتے تو مٹی ڈالنے تک شریک رہتے، اور اپنے دست مبارک سے ۳؍مرتبہ مٹی ڈالتے۔

قبر پر اپنے ہاتھ سے ۳؍مرتبہ مٹی ڈالنا سنت ہے

عامر بن ربیعہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون کے دفن کے موقعہ پر آپ ﷺ کو دیکھا کہ ان پر جنازہ پڑھی، ۴؍تکبیریں ادا کیں اور اپنے دونوں ہاتھوں سے قبر پر کھڑے ہوکر ۳؍مرتبہ مٹی ڈالی۔

(سنن کبریٰ صفحہ ۴۱۰، تلخیص صفحہ ۱۳۸)

ابوالمنذر نے ذکر کیا کہ آپ ﷺ نے قبر پر ۳؍مٹھی مٹی ڈالی۔ (تلخیص الحبیر صفحہ ۱۳۸، سنن کبریٰ صفحہ)

عمیر بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا کہ ابن مکفف کی قبر پر دو مٹھی یا ۳؍مٹھی مٹی ڈالی۔

علی بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب زید بن ثابت کی وفات ہوئی تو انہوں نے مٹھی سے مٹی ڈالی۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۴۱۰)

حضرت زید کہتے ہیں کہ آپ ﷺ قبر پر مٹی ہاتھ سے ڈالتے۔

وکیع کی روایت میں ہے حضرت زید بن ارقم نے ایک قبر پر ۳؍مرتبہ مٹھی سے مٹی ڈالی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک جنازہ میں تھے میت کی قبر پر تشریف لائے، سرہانے کی جانب سے ۳؍مرتبہ ہاتھ سے مٹی ڈالی۔ (ابن ماجہ، تلخیص صفحہ ۱۳۹)

حضرت جعفر بن محمد کی مرسل روایت ہے کہ آپ ﷺ میت پر ۳؍مرتبہ دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۸)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ مٹی ڈالنے کا لوگوں کے لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے مٹی اٹھائے اور ۳؍مرتبہ ڈالے۔ ہاتھ میں مٹی لگنے سے بچنے کے لئے کسی برتن یا آلہ وغیرہ کا استعمال خلاف سنت ہے۔ ہاں لوگ جب فارغ ہوجائیں تب مکمل کرنے کے لئے کدال اور پھاوڑے سے برابر کیا جاسکتا ہے۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالنی سنت ہے۔ ایک ہاتھ سے پھینکنا خلاف سنت ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں۔ اور آپ سرہانے کی جانب سے ڈالتے۔ پھر سرہانے کی جانب سے

دینا افضل ہے۔ آپ کھڑے ہوکر دیتے پس کھڑے ہوکر دینا سنت ہے، بیٹھ کر مٹی ڈالنی خلاف سنت ہے گو جائز ہے۔

مستحب یہ ہے کہ ۳/مرتبہ اپنے ہاتھ سے مٹی ڈالے۔ اور مٹی دونوں ہاتھ سے ڈالنی سنت ہے۔

پہلی مرتبہ مٹی ڈالنے میں یہ دعا پڑھے: **"منها خلقنا کم"**

دوسری مرتبہ: **"وفیها نعید کم"**

تیسری مرتبہ: **"ومنها نخرجکم تارة اخریٰ"** (طحاوی صفحہ ۳۳۵، شرح بلوغ الامانی جلد ۸ صفحہ ۶۴)

اور یہ بھی آیا ہے کہ پہلی مرتبہ: **"اللهم جاف الارض عنه جنبیه."**

دوسری مرتبہ میں: **"اللهم افتح ابواب السماء لروحه."**

اور تیسری مرتبہ میں: **"اللهم زوجه من الحور العین."**

اور عورت ہو تو **"اللهم ادخلها الجنة برحمتك"** پڑھے۔ (الشامی صفحہ ۲۳۷)

قبر میں مٹی ڈالتے وقت کیا پڑھے

آپ ﷺ پہلی مرتبہ **"منها خلقنا کم"** دوسری مرتبہ **"وفیها نعید کم"** تیسری مرتبہ **"ومنها نخرجم تارة اخری"** پڑھتے۔ (مسند احمد، مرعاۃ المفاتیح صفحہ ۴۴۳، مرقات جلد ۵ صفحہ ۷۷)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ام کلثوم نبی پاک ﷺ کی صاحبزادی قبر میں رکھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: **"منها خلقنا کم وفیها نعید کم ومنها نخرجکم تارة اخری"** (بلوغ الامانی صفحہ ۵۷، تلخیص الحبیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۷، نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۸۱)

فائدہ: حضرت ابوامامہ کی روایت میں ہے کہ ام کلثوم کو قبر میں ڈالنے کے بعد یہ پڑھا۔ حالانکہ دوسری تمام روایت میں **"بسم الله وعلی ملة رسول الله"** کا ذکر ہے۔ ممکن ہے راوی نے اختصار کر دیا ہو۔ اور مراد قبر میں رکھنے کے بعد مٹی ڈالتے وقت **"منها خلقنا کم"** پڑھا ہو۔ جیسا کہ ملا علی قاری کی ذکر کردہ اوپر کی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ اگر ملا علی قاری راوی کا نام ذکر کر دیتے تو پتہ چل جاتا کہ ان کی مراد ابوامامہ کی حدیث ہے یا اور کوئی حدیث۔

خیال رہے کہ ابوامامہ کی یہ حدیث جس کی تخریج مسند احمد کے علاوہ حاکم اور بیہقی نے کی ہے جیسا کہ حافظ نے تلخیص میں ذکر کیا ہے اس میں نہ تو مٹی ڈالنے کے وقت یہ آیت پڑھنے کا ذکر ہے نہ ۳/مرتبہ میں یہ تینوں آیت کے پڑھنے کا ذکر ہے۔ تاہم اس ترتیب کو ارباب حدیث وفقہ نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ مرعاۃ المفاتیح میں بھی اس ترتیب کو ذکر کیا ہے اور اسی ترتیب کو علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں جلد ۳ صفحہ ۸۲ میں ذکر کیا ہے۔

مستحب ہے کہ مٹی ڈالتے وقت ان آیتوں کو پڑھے اسی طرح محققین فقہاء احناف نے بھی ذکر کیا ہے جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔

شرح مسند میں بھی مٹی کے ۳؍مرتبہ ڈالتے ہوئے اسی ترتیب سے پڑھنا ذکر کیا ہے اور استدلال میں اسی دوسری حدیث کو پیش کیا ہے۔ (شرح بلوغ الامانی صفحہ ۶۴)

علامہ عینی شرح ہدایہ میں اسے مستحب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مستحب ہے کہ پہلی مرتبہ مٹی ڈالنے میں **منها خلقنا کم** دوسری مرتبہ میں **وفيها نعيد کم** اور تیسری مرتبہ **ومنها نخرجکم تارة اخرىٰ** پڑھے۔

(بنایہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۱)

دفن سے فراغت پر قبر پر پانی کا چھڑکنا سنت ہے

حارث سلمی کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب تم میرے دفن سے فارغ ہو جاؤ تو میری قبر پر پانی چھڑکنا اور میری قبر پر رخ قبلہ ہو کر میرے لئے دعا کرنا۔ (تلخیص الحبیر صفحہ ۱۴۳، مجمع الزوائد صفحہ ۴۷)

حضور پاک ﷺ کی قبر پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانی چھڑکا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا جس نے پانی چھڑکا وہ حضرت بلال بن رباح تھے۔ سر کی جانب دائیں طرف سے چھڑکنا شروع کیا اور دونوں پیروں پر آ کر ختم کیا۔

(تلخیص جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

عامر بن ربیعہ کی روایت میں ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو عثمان بن مظعون (کے جنازہ پر) دیکھا کہ آپ نے ان پر جنازہ پڑھی، ۴؍تکبیر ادا فرمائیں۔ اپنے ہاتھ سے ۳؍مٹھی قبر پر مٹی ڈالی۔ اس کے سرہانے کھڑے رہے۔ حکم دیا کہ ان کی قبر پر پانی چھڑک دیا جائے۔ (تلخیص صفحہ ۱۳۸، مجمع جلد ۲ صفحہ ۴۸)

عامر بن ربیعہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر کھڑے ہوئے اور حکم دیا کہ اس پر پانی چھڑکو۔ (بزار جلد ۱ صفحہ ۳۹۷)

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم کو دفن کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کوئی ہے جو مشکیزہ میں پانی لا دے۔ ایک انصاری صحابی مشکیزے میں پانی لائے۔ آپ نے فرمایا اسے ابراہیم کی قبر پر چھڑک دو۔

(عمدة القاری جلد ۸ صفحہ ۱۰۳)

علامہ شامی نے پانی چھڑکنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ (شامی جلد ۲ صفحہ ۲۳۷)

شرح مشکوٰۃ میں پانی چھڑکنے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس سے تفاؤل خیر ہے نزول رحمت اور طہارت سے اور یہ کہ قبر کی مٹی بیٹھ جائے۔ منتشر نہ ہو۔ (مرقاۃ جلد ۴ صفحہ ۵۴۵)

علامت کے لئے قبر پر کسی علامت ونشانی کا مقرر کردینا سنت ہے

مطلب بن عبداللہ بن حطب کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر ایک پتھر رکھ دیا اور فرمایا میں اپنے بھائی کی قبر پر علامت رکھ رہا ہوں۔ (تلخیص صفحہ ۱۴۱)

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ تا کہ میں اس کے بغل میں اپنے خاندان والوں کو دفن کروں۔ (ابوداؤد صفحہ ۴۵۷)

مطلب کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جب حضرت عثمان بن مظعون کو بقیع مبارک میں دفن کیا تو ایک آدمی سے فرمایا جاؤ چٹان لے آؤ۔ تا کہ میں اسے قبر پر رکھ دوں تا کہ اس کی پہچان ہو جائے۔

(ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۳۴)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ قبر پر کسی نشانی مثلاً پتھر کا رکھ دینا یا کسی شاخ ولکڑی کا لگا دینا سنت ہے، یہ علامت میت کے سرہانے لگائی جائے گی، جس کا مقصد دوسری قبروں سے ممتاز ہونا ہے۔ (بلوغ الامنی جلد ۸ صفحہ ۷۷)

شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ قبر پر کسی علامت کا لگا دینا پتھر وغیرہ رکھ کر تا کہ معلوم ہو جائے کہ فلاں کی قبر ہے، اوراس کے بغل میں دوسرے رشتہ داروں کو دفنایا جائے سنت ہے۔ (مرعاۃ صفحہ ۴۴۷، مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۳۸)

دفن کے بعد میت کے حق میں کیا دعا کرے

ابن میسب کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس کسی جنازہ میں حاضر ہوا، چنانچہ جب قبر میں میت کو رکھا گیا تو انہوں نے کہا "بسم اللّٰه، وفی سبیل اللّٰه وعلی ملة رسول اللّٰه" پھر جب قبر پر مٹی ڈال کر برابر کرنے لگے تو کہا۔

"اللهم اجرها من الشيطان ومن عذاب القبر ومن عذاب لنار."

پھر جب مٹی ڈال کر برابر ہوگئی تو قبر کی ایک جانب کنارے کھڑے ہو کر یہ دعا کی:

"اللهم جاف الارض جنبيها وصعد بروحها ولقها منك رضوانك."

ترجمہ: "اے اللہ کشادہ فرما دیجئے دونوں پہلوؤں کے رخ کو اور ان کی روح کو اوپر چڑھائیے اور اپنی جانب سے رضامندی عطا فرمائیے۔"

تو میں نے ان سے پوچھا یہ آپ نے اپنی طرف سے کہا یا رسول پاک ﷺ سے سنا، تو انہوں نے کہا میں نے رسول پاک ﷺ سے سنا۔

عمر بن سعد نخعی کہتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا ایک میت کو قبر میں داخل کیا گیا تو آپ نے (دفن کے بعد) یہ دعا کی۔

"اللهم عبدك وابن عبداك نزل بك وانت خير منزول به ولا نعلم به الاخيرا وانت اعلم به كان يشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله صلى الله عليه وسلم فاغفر ذنبه ووسع له في مدخله." (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۵۶)

ترجمہ: "اے اللہ تیرا بندہ تیرے بندے کا بندہ ہے آپ کے پاس آیا ہے جن پر قیام کیا جائے ان میں آپ بہتر ہیں ہم اس کے بارے میں خیر ہی جانتے ہیں آپ زیادہ واقف ہیں یہ گواہی دیتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے گناہ کو معاف کیجئے ان کے مکان کو کشادہ فرمایئے۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جب قبر کی مٹی برابر ہو جاتی تو کھڑے ہو کر یہ دعا فرماتے:

"اللهم عبدك رد اليك فارأف به وارحمه، اللهم جاف الارض عن جنبيه وافتح ابواب السماء لروحه وتقبله منك بقبول حسن اللهم ان كان محسنا فضعف له في احسانه وان كان مسيئا فجاوز عنه." (مسند بزار، شرح مسند احمد صفحہ ۶۵)

ترجمہ: "اے اللہ آپ کا بندہ ہے آپ کے پاس آیا ہے اس پر شفقت فرما رحم فرما۔ اے اللہ زمین کشادہ فرما اس کے دونوں کروٹوں کی جانب اس کی روح کے لئے آسمان کے دروازے کھول دے۔ اور اسے خوب قبول فرما۔ اے اللہ اگر نیک ہے تو اس کی نیکی میں اضافہ فرما۔ برا ہے تو درگزر فرما۔"

آپ دفن سے فارغ ہوتے تو رک کر میت کے لئے دعا اور استغفار فرماتے اور لوگوں کو حکم دیتے

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے تو ٹھہر جاتے، اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا کرو، اس وقت ان سے (قبر میں) سوال کیا جاتا ہے اس پر ثابت قدمی (منکر نکیر کے سوال کے صحیح جواب دینے) کی دعا کرو۔

(ابوداؤد صفحہ ۴۵۹، حاکم جلد ۱ صفحہ ۳۷۰، سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۵۶، الاستذکار جلد ۸ صفحہ ۳۰۵)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک انصاری صحابی کے جنازہ میں تشریف لے گئے تو (لوگوں سے دفن کے بعد) فرمایا کہ ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگو۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۵۶)

حضرت عمرو بن العاص نے اپنے بیٹے سے کہا جب میرا انتقال ہو جائے تو جنازہ کے ساتھ کسی رونے والی کو نہ لے جانا (یہ ایام جاہلیت کا طریقہ تھا) اور جب دفن سے فارغ ہو جاؤ اور میری قبر پر مٹی ڈال چکو تو میری قبر کے

پاس اتنی دیر رکے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے تقسیم کر دیا جاتا ہے (یعنی قریب آدھا گھنٹہ) تاکہ میں تم سے انس حاصل کروں، اور معلوم ہو جائے خدا کے فرشتوں کو صحیح جواب دے رہا ہوں یعنی منکر نکیر کے سوال کے جواب میں ثابت قدمی کی دعا رک کر کرو۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ۵۶)

آپ ﷺ واپسی میں (دفن کے بعد) کچھ تاخیر و توقف فرماتے، اور میت کی ثابت قدمی و مغفرت کی خود بھی دعا فرماتے اور حاضرین کو بھی اس کا حکم دیتے۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد۵ صفحہ۱۲۸)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ میت کے دفن اور اس پر مٹی ڈالنے سے فارغ ہو جائے تو تمام حضرات یا کم از کم چند حضرات وہاں تھوڑی دیر رک جائیں، ان کے لئے دعا کریں کہ خدائے پاک ان کو منکر نکیر کے سوال کے جواب میں ثابت قدم رکھیں، ان کے خوف دہشت سے جواب میں حیرت زدہ ہو کر لا ادری نہ کہیں، سنجیدگی اور اطمینان سے جواب دیں، ثابت قدمی کی، دعا اجتماعی طور پر کرنا اور رکنا یہ سنت ہے۔

درمختار میں "جلوس ساعة بعد دفنه لدعاء." "مستحب ہے کہ دفن کے بعد تھوڑی دیر دعا اور قرأت وغیرہ کے لئے رکے۔ (شامی جلد۲ صفحہ۲۳۷)

اسی طرح طحطاوی علی المراقی میں ہے کہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد قبر پر تھوڑی دیر رکنا مستحب ہے تاکہ دعا کرے۔ (صفحہ۳۳۸)

اگر عام لوگ چلے جائیں تو خاص احباب یا بعض قریبی رشتہ دار کو دفن کے بعد رک جانا چاہئے، تاکہ ان کے لئے اثبات قدمی کی دعا کریں۔ اور منکر نکیر کے سوال کی دہشت اور فتنہ قبر سے نجات کی دعا کریں کہ یہ وقت ان کے لئے بڑی سخت آزمائش کا ہے۔

مردوں اور میت کے تمام امور میں سنت کی رعایت کی تاکید

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لوگوں نے حضرت سعد بن وقاص سے کہا کہ ہم نوٗں آپ کے لئے لکڑی کا صندوق نہ بنا دیں (اسی میں رکھ کر آپ دفن کئے جائیں) تو انہوں نے کہا میرے ساتھ اسی طرح کرنا جس طرح آپ ﷺ کے ساتھ کیا گیا تھا، کہ کچی اینٹ لگا کر مٹی ڈال دینا۔ (سنن کبریٰ صفحہ۲۸۵)

فائدہ: میت کے ساتھ دفن وغیرہ میں سنت و شریعت کی رعایت کی جائے، رسم اور بدعت سے بچا جائے۔

دفن سے فارغ ہونے کے بعد میت کے سرہانے اور پائیتی کیا پڑھے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کسی کا انتقال

ہو جائے تو اسے روکے مت رکھو (دیر مت کرو) جلدی سے اسے قبر میں پہنچاؤ، اور اس کے (دفن کے بعد) سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتیں اور اس کے پایتانے سورہ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھو۔

(مشکوٰۃ صفحہ، مجمع الزوائد صفحہ۴۴، طبرانی کنز العمال جلد۱۵ صفحہ۶۰۱، شامی جلد۲ صفحہ ۲۳۷، اتحاف جلد۱۰ صفحہ۳۷۰)

عبدالرحمٰن بن اللجلاج سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا، اے میرے بیٹے جب میں مر جاؤں تو مجھے بغلی قبر کھود کر دفن کرنا، اور جب قبر میں رکھنا تو "بسم اللّٰہ وعلی ملۃ رسول اللّٰہ" پڑھنا۔ پھر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا، پھر (مٹی ڈالنے کے بعد) میرے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدا اور آخری آیتیں پڑھنا میں نے حضرت ابن عمر کو اسے مستحب قرار دیتے ہوئے دیکھا۔ (سنن کبریٰ جلد۴ صفحہ ۵۶، مجمع جلد۳ صفحہ۴۴)

زیلعی میں ہے کہ میں نے رسول پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، گویا ان کی سند میں یہ حدیث مرفوع ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح صفحہ۴۵۳)

پس معلوم ہوا کہ یہ روایت موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح مذکور ہیں۔

فائدہ: میت کے دفن سے جب فارغ ہو جائے اور مٹی قبر پر ڈال دی جائے تو خواہ سب لوگ یا چند لگ ٹھہر جائیں اور میت کے سرہانے **الم ذلك الكتب** سے **مفلحون** تک اور پیر کی جانب **آمن الرسول** سے آخر سورہ تک پڑھیں اور اس کا ثواب میت کو بخش دیں، اور قبر میں سوال و جواب پر ثابت قدم رہنے کی دعا کریں، فقہاء کرام نے بھی اسے مستحب قرار دیا ہے۔

طحطاوی علی المراقی میں ہے کہ مستحب ہے کہ دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھی جائیں۔ (صفحہ۲۳۸)

علامہ شامی بھی الرد المحتار میں دفن کے بعد سورہ بقرہ کی شروع اور آخری کی آیتوں کے پڑھنے کو مستحب لکھتے ہیں۔ (جلد۲ صفحہ۲۳۷)

دفن کے بعد قبر پر ہری شاخ و ٹہنی کا گاڑنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب قبر ہو رہا ہے۔ اور کوئی بہت بڑے گناہ سے نہیں ایک تو اس وجہ سے کہ پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور ایک کو چغل خوری کی وجہ سے۔ چنانچہ آپ نے تر شاخ لی اور اس کے دو ٹکڑے کئے پھر ہر ایک کی قبر پر اسے گاڑ دیا۔ لوگوں نے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا جب تک یہ نہ سوکھیں شاید اللہ پاک عذاب میں تخفیف فرما دیں۔ (بخاری صفحہ۳۵، مسلم صفحہ۱۸۲)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر دو شاخ گاڑ دی جائیں۔

(مرقات صفحہ ۲۵۱، اعلان السنن صفحہ)

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تخفیف عذاب کے لئے تر شاخ کو قبر میں گاڑ دیا۔ ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "**لانها يسبحان ما داما رطبين**" جب تک یہ ہری بھری رہیں گی تسبیح کریں گی۔ معلوم ہوا کہ تر و تازہ ہری بھری ٹہنی اور شاخ کے رکھ دینے سے کچھ عذاب قبر میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ جب تک یہ ہری بھری رہتی ہیں۔ اس حدیث پاک سے اور حضرت بریدہ کے اثر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک جماعت نے دفن کے بعد قبر پر کسی ہری شاخ اور ٹہنی کے رکھ دینے اور گاڑ دینے کی اجازت دی ہے۔ اور اسے محض آپ کی برکت اور خصوصیت قرار نہیں دی ہے۔

چنانچہ ملا علی قاری اس کے جواز اور صحیح ہونے کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**ومن ثم افتىٰ بعض الأئمة متاخرى اصحابنا بان ما اعتيد وضع الريحان والجريد سنة لهذا الحديث.**"

علامہ نووی نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے چیز میں جب حیات رہتی ہے تو تسبیح کرتی ہے اور ٹہنی کی حیات سوکھنے سے پہلے تک ہے۔ علامہ نووی کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے حدیث پاک عموم پر ہے۔ اور بریدہ اسلمی کے اثر سے بھی استدلال کیا ہے۔ پس امام بخاری اور امام مسلم کا رجحان شاخ کے گاڑنے کی اجازت کی جانب ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے بخاری میں باب قائم کیا ہے۔ **الجريد على القبر** صفحہ ۱۸۲، اعلاء السنن میں باب قائم کر کے استحباب کو ثابت کیا ہے۔ **استحباب الجريدة الرطبة على القبر**۔ ہری بھری شاخ اور ٹہنی کا قبر پر گاڑ دینا مستحب ہے۔

"**ان المعنى فيه ان يسبح ما دام رطبا فيحصل التخفيف بركة التسبيح وعلى هذا فيطرد فى كل ما فيه رطوبة من الاشجار وغيرها.**"

انہوں نے بھی اس حکم کو عام تسلیم کرتے ہوئے اسے جائز ہی نہیں مستحب قرار دیا ہے۔ حضرت بریدہ کے واقعہ کو بھی مستدل بنایا ہے اور فقہاء کے قول سے اس کا مندوب ہونا ذکر کیا ہے۔

اس کے خلاف مثلاً امام خطابی اس کا انکار کرتے ہوئے لا اصل لہ کہتے ہیں۔ یعنی تخفیف کا تعلق آپ کے دست مبارک یا دعا کی وجہ سے تھا۔

"**وقد استكبر الخطابى ومن تبعه وضع الناس الجريدة ونحوه فى القبر. قال الطرطوشي لان ذلك خاص بركة يده وقال القاضي لانه عمل غرز هما على**

القبر بامر مغیب." (صفحہ ۲۸۹)

درس ترمذی میں اس مسئلہ پر توضیح کرتے ہوئے ہے۔

علماء کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیت تھی اور کسی کے لئے ایسا کرنا درست نہیں۔ علامہ بطال علامہ مازری نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ حضور ﷺ کو بذریعہ وحی یہ علم دیا گیا تھا کہ ان پر عذاب قبر ہو رہا ہے اور اس کے ساتھ یہ علم بھی دیا گیا کہ شاخیں گاڑنے کی وجہ سے ان کے عذاب میں تخفیف بھی ہو سکتی ہے لیکن کسی دوسرے کو نہ صاحب قبر کے معذب ہونے کا علم ہو سکتا ہے اور نہ تخفیف عذاب کا۔ اس لئے دوسروں کا گاڑنا درست نہیں۔ اس قسم کی تصریحات حافظ ابن حجر علامہ عینی امام نووی اور علامہ خطابی سے بھی منقول ہے۔ البتہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے بذل المجہود میں ابن بطال اور مازری کے قول پر اعتراض کیا اور فرمایا اگر معذب ہونے کا علم نہ بھی ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مردے کے لئے تخفیف عذاب کی کوئی صورت اختیار نہ کی جائے ورنہ پھر مردے کے لئے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب بھی درست نہ ہونا چاہئے۔ (درس ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۸۶)

فقہاء کرام کے قول میں شاخ گاڑنے کی اجازت اور مندوبیت

فقہاء اور اصحاب فتویٰ کے قول سے بھی اجازت ہی نہیں مندوبیت اور بہتری کا علم ہوتا ہے۔

طحطاوی علی المراقی میں ہے:

"وفی شرح المشکوٰۃ وقد افتیٰ بعض الائمة من متاخری اصحابنا بان ما اعتید من وضع الریحان والجرید سنة لهذا الحدیث اذا کان یرجیٰ التخفیف عن المیت بتسبیح الجرید فتلاوۃ القرآن اعظم برکة." (صفحہ ۳۴۳)

اسی علامہ شامی اس کی مندوبیت کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ویوخذ من ذلك ومن الحدیث ندب وضع ذلك للاتباع ویقاس علیه مااعتید فی زماننا من وضع الاس ونحوه وصرح بذالك ایضاً جماعة من الشافعیة." (الشامی جلد ۲ صفحہ ۲۴۵)

علامہ شامی کا رجحان بھی جواز ہی نہیں بلکہ اولیٰ اور مندوب ہونے کی طرف ہے۔ بہشتی زیور میں بھی اسے مستحب لکھا ہے۔ قبر پر کوئی شاخ رکھ دینا مستحب ہے۔ (جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۲)

موجودہ دور کے اعتبار سے کہ اسے بعض دیار میں لازم اور رسم بنا لیا ہے۔ مفتی شفیع صاحب کی تحقیق اس مسئلہ میں انسب اور قابل عمل ہے کہ حدیث سے ثابت ہونے والی ہر چیز کو اسی حد پر رکھنا چاہئے جس حد تک وہ

ثابت ہے۔ حدیث پاک میں ایک یا دو مرتبہ شاخ گاڑنا تو ثابت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احیاناً ایسا کرنا جائز ہے لیکن یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حدیث باب کے علاوہ حضور کریم ﷺ نے کسی اور شخص کی قبر پر ایسا فرمایا ہو۔ اسی طرح حضرت بریدہ کے علاوہ کسی اور صحابی سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے قبر پر شاخیں گاڑنے کو اپنا معمول بنالیا ہو اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ عمل گرچہ جائز ہے لیکن سنت جاریہ اور عادت مستقلہ بنانے کی چیز نہیں۔ (درس ترمذی جلد ا صفحہ ۲۸۶)

پس اس تشریح سے معلوم ہوا کہ جہاں لوگوں نے اس کی عادت بنالی ہے لازم سمجھ لیا ہے ہر مردے کے دفن کے بعد ایسا کرتے ہیں وہاں روکا جائے گا اور منع کیا جائے گا کہ کبھی اور کسی کے حق میں ایسا کیا جا سکتا ہے اور جہاں اس کا رواج نہیں اتفاقاً کبھی کسی قبر پر کرلیا جاتا ہو تو اسے منع نہیں کیا جائے گا۔

دفن سے فراغت کے بعد قبلہ رخ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا سنت ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ عبداللہ ذوالبجادین کی قبر کے اندر تھے اور فرمارہے تھے لاؤ اپنے ساتھی کو لاؤ۔ اور آپ نے اپنے دست مبارک سے لحد کو بند کیا۔ پھر جب آپ دفن سے فارغ ہوگئے تو قبلہ رخ ہوئے (یعنی میت کو سامنے کرتے ہوئے) اور یہ فرمایا اے اللہ میں اس سے راضی ہوں آپ بھی اس سے راضی ہوجایئے۔ (مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۳۷۲، بزار)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو غزوہ تبوک میں حضرت عبداللہ ذوالبجادین کی قبر پر دیکھا حضرت ابوبکر وعمر ان کو قبلہ کی جانب سے (قبر میں) لیا۔ آپ نے ہی اس کو لحد میں لٹایا۔ پھر آپ ﷺ قبر سے باہر تشریف لے آئے اور حضرت ابوبکر وعمر کو کام کرنے کا کہا۔ (یعنی قبر پر مٹی ڈالنے اور برابر کرنے کا) جب وہ دونوں دفن سے فارغ ہوگئے تو آپ قبلہ رخ ہوئے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے یہ کہا: اے اللہ ہم اس سے خوش تھے آپ بھی ان سے خوش ہو جایئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہہ رہے تھے کاش کہ میں ان کی جگہ ہوتا۔ ایک روایت میں ہے کہ کاش کہ میں ان کے بجائے قبر میں ہوتا (کہ میں آپ کے دست مبارک سے دفن ہوتا اور یہ دعا پاتا)۔ (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۳، مرقات جلد ۴ صفحہ ۷۵، جدید)

فائدہ: حکم بن الحارث سلمی جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ۳ رغزوہ میں شرکت کی۔ انہوں نے کہا (میری وفات کے بعد) جب تم مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر پانی چھڑکو تو میری قبر پر قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو جاؤ اور میرے لئے دعا کرو۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۴۷)

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ میت کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد جب کہ قبر پر مٹی ڈال کر اسے کوہان نما بنا دیا گیا ہو۔ دفن کے امور سے فارغ ہو جائے تو میت کے سینے کے سامنے قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر میت کے

حق میں دعا کرنا مسنون ہے۔ بلا ہاتھ اٹھائے بھی کرسکتا ہے۔ ہاتھ اٹھا کر بھی کرسکتا ہے۔ اس وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مکروہ اور ممنوع نہیں آپ سے ثابت ہے۔ میت کے لئے مغفرت اور ثابت قدمی کی دعا خاص کر کے کرے کہ اس وقت اسے دعا کی ضرورت ہے۔

فقہاء کرام نے بھی دفن کے بعد ٹھہر کر دعا کرنے کو لکھا ہے۔

طحطاوی علی المراقی میں ہے جب میت کے دفن سے فارغ ہوجائے تو کھڑے ہوکر اپنے بھائی کے استغفار کے لئے دعا کرو۔ (صفحہ ۳۳۸، طحطاوی علی الدر جلد ۱ صفحہ ۳۸۱)

علامہ شامی نے بھی ابوداؤد کی اس حدیث پاک سے کہ آپ ﷺ جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے تو قبر پر کھڑے ہو جاتے اور اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا کا حکم دیتے۔ دفن کے بعد دعا کو ذکر کیا ہے۔ (الشامیہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۷)

علامہ شامی نے لکھا ہے قبر پر کھڑے ہوکر دعا کرے۔

"**والدعا عندها قائما.**" (جلد ۲ صفحہ ۲۴۲، بحرالرائق صفحہ ۲۱۰)

علامہ ابن قیم نے بھی زادالمعاد میں لکھا ہے کہ:

"**كان اذا فرغ من دفن الميت قام على قبره هو واصحابه وساله له التثبيت.**"

(زادالمعاد صفحہ ۳۰۱)

آپ کی عادت طیبہ تھی کہ دفن سے فارغ ہوکر قبر کے پاس کھڑے ہوکر اسی طرح آپ کے اصحاب اثبات قدمی کی دعا فرماتے۔

فائدہ: ذکر کردہ احادیث و آثار سے معلوم ہوا کہ بیشتر روایت میں تو دفن سے فراغت کے بعد متصلاً قبر کے پاس کھڑے ہوکر میت کے حق میں اثبات قدم کی، منکر نکیر کے سوالات کے ٹھیک اور صحیح جواب دینے کی اور فتنہ قبر سے حفاظت کی دعا کرنے کا ذکر ہے۔ اور بعض روایت میں قبلہ رخ کھڑے ہوکر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا بھی ذکر ہے۔ جیسا کہ ذوالبجادین صحابی کی وفات پر دفن کے بعد آپ ﷺ کا رخ قبلہ ہوکر اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا منقول ہے۔ اس کے پیش نظر صرف دفن کے بعد کی متصلاً دعا میں تو ہاتھ اٹھا کر دعا میت کے حق میں کرنے کی اجازت ہوگی۔ جیسا کہ بعض دیار میں ایسا کیا جاتا ہے۔

لیکن اگر عوام الناس کو یہ وہم فاسد ہونے لگے یا اس کا احتمال ہو کہ صاحب قبر سے دعا مانگ رہے ہیں۔ اس طرح وہ اصحاب قبور سے ان کی قبروں پر مطلقاً ہاتھ اٹھا کر دعاؤں کو ثابت کرنے لگیں تو ایسی صورت میں بہتر ہی نہیں بلکہ لازم ہے کہ بلا ہاتھ اٹھائے اس میت کے حق میں دعا مانگی جائے چونکہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا آداب

میں سے ہے۔لہٰذا غلط عقیدہ سے بچانے کے لئے اس عہد میں ہاتھ اٹھا کر دعا نہ مانگے۔

چنانچہ اس کی تائید امداد الاحکام سے بھی ہوتی ہے۔

بعد دفن میت کے دعا بدون رفع یدین کرنی چاہئے ...... قیاس اس کا مؤید ہے کیوں کہ اس میں ایہام ہے سوال من اہل قبور کا۔ خصوصاً جب کہ عوام اس کو ضروری سمجھنے لگیں۔ تو اس کا (ہاتھ اٹھانا صرف) ترک کر دینا ضروری ہے۔ (جلد۲ صفحہ۴۵۲)

دفن سے فراغت پر میت کے لئے دعا کرتے ہوئے کیا دعا کرے اور کیا پڑھے

ابن مسیب کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر کے ساتھ ایک جنازہ میں حاضر ہوا۔ جب میت کو قبر میں رکھا گیا تو کہا "بسم الله وفي سبيل الله وعلى ملة رسول الله." اور جب قبر کی مٹی برابر ہوگئی تو یہ دعا پڑھی:

❶ **"اللهم اجرها من الشيطان ومن عذاب القبر اللهم جاف الارض عن جنبيها وصعد روحها ولقها منك رضوانا."**

ترجمہ: "اے اللہ! انہیں شیطان سے بچا اور عذاب قبر سے بچا، اے اللہ دونوں پہلوؤں کی طرف سے زمین کشادہ فرما۔ ان کی روح کو اوپر چڑھا۔ اور اپنی رضا مندی عطا فرما۔ تو میں نے ان سے پوچھا آپ نے ایسا ہی حضور پاک سے سنا ہے یا اپنی طرف سے کہا تو انہوں نے کہا بلکہ میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے۔" (ابن ماجہ صفحہ ۱۱۱، سبل الہدیٰ جلد۸ صفحہ ۳۷۹)

❷ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب میت کی قبر (مٹی ڈالنے سے) برابر ہو جاتی تو قبر پر کھڑے ہو کر یہ دعا پڑھتے:

"اللهم عبدك رد اليك فارأف به وارحمه اللهم جاف الارض عين جنبيه وافتح ابواب السماء لروحه وتقبله منه بقبول حسن اللهم ان كان حسنا فضاعف له في احسانه او قال فزد في احسانه وان كان مسيئا فتجاوز عنه."

(ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۳۳۰)

ترجمہ: "اے اللہ آپ کا بندہ آپ کی طرف لوٹ آیا ہے آپ اس پر کرم فرمایئے اے اللہ اس کے دونوں پہلوؤں کی طرف زمین کشادہ فرما دیجئے۔ اس کی روح کے لئے آسمان کا دروازہ کھول دیجئے۔ اے اللہ اسے خوب اچھی طرح سے قبول فرمایئے۔ اے اللہ اگر نیک ہے تو اس کی نیکی میں اضافہ فرمایئے اگر گنہگار ہے تو اسے معاف فرما دیجئے۔"

۳ حضرت قتادہ نے بیان کیا کہ حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے ایک بیٹے کو دفن کیا تو یہ دعا کی:

"اللھم جاف الارض عن جنبیه وافتح ابواب السماء لروحه وابدله دار خیرا من داره." (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۳۰، مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۴۷)

ترجمہ: "اے اللہ دونوں پہلوؤں کی جانب زمین کشادہ فرما دیجئے۔ ان کی روح کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیجئے۔ اور اس گھر کے بدلہ بہتر گھر سے نواز یئے۔"

۴ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یزید بن مکفف کی قبر پر (دفن کے بعد) یہ دعا پڑھ رہے تھے:

"اللھم عبدك وابن عبدك ونزل بك الیوم وانت خیر منزول به اللھم وسع له مدخله واغفر له ذنبه." (ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۴۳۶، الدعاء المسنون صفحہ ۳۲۸)

ترجمہ: "اے اللہ یہ تیرا بندہ تیرے بیٹے کا بندہ ہے۔ آج تیرے پاس اترا ہے، جن کے پاس آیا جائے ان میں آپ سب سے بہتر ہیں۔ اے اللہ اس کی قبر کو کشادہ فرما۔ اس کے گناہ معاف فرما۔"

۵ راشد بن سعد بن ضمرہ کہتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام جب قبر پر مٹی ڈال کر فارغ ہو جاتے اور (عام) لوگ چلے جاتے تو وہ مستحب سمجھتے تھے کہ میت کی قبر کے پاس یہ کہیں:

اے فلاں ابن فلاں کہو۔

"لا اله الا اللّٰه اشھد ان لا اله الا اللّٰه" ۳/ مرتبہ، اے فلاں کہو "ربی اللّٰه ودینی الاسلام ونبی محمد صلی اللّٰه علیه وسلم." پھر چلا آئے۔ (نیل الاوطار صفحہ ۸۹، تلخیص، مسند سعید)

اس روایت کو علامہ ابن قیم نے بھی زاد المعاد سے نقل کیا اور اسے ۳/ راویوں راشد بن سعد، ضمرہ بن حبیب اور ابوامامہ سے روایت کی۔

دفن کے بعد قبر پر تلقین خلاف سنت ہے

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ:

"ولا یلقن المیت کما یفعله الناس الیوم."

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دفن کے بعد میت کی قبر پر تلقین نہیں فرمایا کرتے سو یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں ہے۔

(زاد المعاد جلد ا صفحہ ۳۰۴)

حدیث ابوامامہ کی تخریج محدث طبرانی نے الکبیر میں کی ہے۔ ابوبکر ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد میں نقل کیا ہے اور اس کے رواۃ کے متعلق بیان کیا ہے۔ "وفی اسناده جماعة لم اعرفھم" (جلد ۳ صفحہ ۴۸)

امام احمد بن حنبل اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"ما رأیت احدا فعل هذا الا اهل الشام."

ترجمہ: "میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ یہ کرتے ہوں سوائے اہل شام کے۔"

(ابن قدمہ جلد۲ صفحہ ۵۰۶)

اس سے معلوم ہوا کہ حرمین شریفین مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ میں اسی طرح کوفہ بصرہ بغداد وغیرہ جہاں ہزاروں صحابہ اور تابعین تھے۔ خلفاء راشدین جلیل القدر صحابہ کے فیض یافتہ تابعین تبع تابعین تھے اگر آپ ﷺ کی سنت ہوتی اور حضرات صحابہ کرام کا اس پر عمل ہوتا تو مکہ مدینہ بصرہ کوفہ جہاں صحابہ وتابعین کا ایک جم غفیر تھا تعامل یا عمل ہوتا۔ اور قبر پر تلقین کا عمل تمام امت میں جاری ہوتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ پس ثابت ہوا کہ تلقین علی القبر سنت سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے رسم اور قابل ترک ہے۔

موت پر سوگ کتنے دن منانا مسنون ہے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان عورت کے لئے جو خدا اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زائد سوگ منائے ہاں مگر اپنے شوہر پر ۴/ماہ دس دن۔

(بخاری جلد۲ صفحہ ۸۰۴، مسلم جلد۱ صفحہ ۴۸۷)

حضرت ام عطیہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ منع فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ کسی میت پر ۳/دن سے زائد سوگ منائیں سوائے شوہر کے کہ ۴/ ماہ دس دن ہے۔ نہ سرمہ لگائیں نہ خوشبو استعمال کریں نہ رنگین کپڑے (خوشنما) پہنیں۔ (بخاری صفحہ ۸۰۴، مسلم جلد۱ صفحہ ۴۸۸، طحاوی جلد۲ صفحہ ۴۵)

فائدہ: مرنے کے بعد رنج وغم وحسرت کے اظہار اور زیب وزینت اور خوشنمائی کے ترک کرنے کا نام سوگ کرنا ہے۔ اس کی مدت شوہر کی وفات ہو جانے پر ۴/ ماہ دس دن ہے۔ اور شوہر کے علاوہ والد، والدہ، بیٹا بیٹی بھائی بہن پر بہت سے بہت ۳/دن ہے۔ ۳/دن سے زائد لباس اور ہیئت اور حالت سے غم کا اظہار جائز نہیں، سخت ممنوع ہے۔ یہ باطل مذہب والوں کا طریق ہے اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ اولاً تو موت پر غم رنج ہونا ہی نہیں چاہئے چونکہ وہ اپنے اصلی وطن جنت گیا ہے۔ لیکن ایک مدت سے ساتھ رہنے کے بعد جدائیگی کا اثر انسانی طبیعت ہے اسی لئے شریعت نے انسانی طبیعت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے۔

خیال رہے کہ شوہر کی وفات میں بیوی کو سوگ منانا واجب ہے۔ اور رشتہ دار کی وفات میں سوگ منانا جائز ہے۔ نہ واجب ہے نہ سنت بلکہ گنجائش ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں "وهذا الاحداد مباح لها لا واجب."

(جلد۳ صفحہ ۵۳۳)

لہٰذا اگر سوگ نہ منائے تو کوئی حرج نہیں اور گناہ نہیں۔ حتیٰ کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو ۳/دن کسی رشتہ دار کے

مرنے پر سوگ منانے سے روک دے تو عورت کو سوگ منانا زینت کا ترک کرنا درست نہ ہوگا۔ (شامی صفحہ ۵۲۲)

سوگ منانے میں بالوں کا مونڈنا ناجائز ہے یہ غیر قوم کی نقل ہے، اسی طرح سیاہ کپڑے پہننا یہ بھی منع ہے۔صرف سادے کپڑے پہن کر زیب وزینت وآرائش کے نہ کرنے کی اجازت ہے۔

شوہر کی وفات پر سوگ کے متعلق چند مسائل

سوگ کی مدت بیوی کے حق میں چار مہینہ دس دن ہے۔

❋ سوگ کی مدت میں مزین خوشنما کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، گہنے زیور پہننا، چوڑیاں پہننا، سرمہ لگانا، پان کھانا، مسی ملنا، خوشبودار تیل ڈالنا، مہندی لگانا، بال سنوارنا، غرض کہ زینت وزیباش وفیشن کے امور اختیار کرنا ناجائز ہے۔

❋ نہانا، سر دھونا، اور صرف کنگھی کرنا، سادہ تیل لگانا، تاکہ بال پراگندہ اور باعث تکلیف دہ نہ ہوں جائز ہے۔

❋ آنکھ میں علاج کے طور پر رات میں سوت یقوت سرمہ لگانا درست ہے۔

❋ آج کل سرمہ کی جگہ ڈراپ کا استعمال رائج ہے وہ بہرصورت استعمال کی جاسکتی ہے۔

❋ خیال رہے کہ شوہر کی وفات کی خبر سن کر چوڑیاں کو ہاتھ میں توڑنے کا جو طریقہ عورت میں رائج ہے وہ غلط ہے۔ یہ نوحہ کی شکل ہے اور مال کا برباد کرنا ہے۔ جو ناجائز ہے۔ ہاں تنگ ہوں، نہ نکل سکیں، تو پھر توڑی جا سکتی ہیں۔

❋ خیال رہے کہ سوگ کی عدت ''عدت وفات'' شوہر کے حقیقی انتقال کے بعد سے شروع ہو جاتی ہے خواہ وقت انتقال کا علم بیوی کو ہو یا نہ ہو۔

❋ شوہر کے علاوہ اور کسی رشتہ دار کی موت پر خواہ بھائی بہن کیوں نہ ہوں، سوگ کا حکم نہیں، البتہ شوہر اجازت دے تو رشتہ داروں کی وفات پر ۳/دن صرف سوگ مناسکتی ہے۔یعنی زینت اور بناؤ سنگھار چھوڑ سکتی ہے۔ اور ۳/دن سے زائد غم منانا درست نہیں۔

قبر کو ایک بالشت سے زائد اونچا کرنا منع خلاف سنت ہے

حضرت جعفر بن محمد نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا، اس پر مٹی کے ڈھیلوں کو رکھا، اور اسے ایک بالشت اونچا کیا۔

(سنن سعید ابن منصور، بیہقی صفحہ، شرح مسند احمد صفحہ ۸۵، تلخیص جلد ۲ صفحہ ۱۴۰)

ابونعامہ کہتے ہیں کہ میں موسی بن طلحہ کے ساتھ جنازہ میں شریک ہوا، تو انہوں نے لوگوں کو کہا قبر کو کوہان کی

طرح صرف ایک بالشت اونچی کرو۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۳۴)

راشد بن سعد کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے قبر کو اونچی کرنے سے منع کیا۔ (مختصرا، ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۰۷)

آپ کی اور خلفاء راشدین کی قبر ایک بالشت مثل کوہان کے اونچی تھی

حضرت سفیان التمار کہتے ہیں کہ میں اس حجرہ میں داخل ہوا جس میں نبی پاک ﷺ کی قبر مبارک تھی (حجرہ عائشہ میں) تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی قبل مثل کوہان کے (ایک بالشت) اونچی تھی۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۳۴، تلخیص ۱۳۹، عمدۃ القاری صفحہ ۲۲۵، مرقات جلد ۴ صفحہ ۶۸)

ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کو دفن کے بعد مثل کوہان کے دیکھا۔ (صفحہ ۳۳۴)

امام شعبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرات شہداء احد کی قبروں کو مثل کوہان ایک بالشت اونچی دیکھا۔

(عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۰۵، بنایہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۲)

قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس داخل ہوا کہ مجھے آپ ﷺ اور حضرات صاحبین کی قبر دکھا دیجئے، انہوں نے دکھائی ۳ قبریں تھیں، جو نہ اونچی تھیں نہ پست جس میں بطحاء کے سنگریزے پھیلے ہوئے تھے۔ (تلخیص صفحہ ۱۳۹، حاکم صفحہ ۳۶۹، ابوداؤد صفحہ ۴۵۹، مرقاۃ جلد ۴ صفحہ ۶۸، عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۲۲۵)

صالح بن صالح کہتے ہیں کہ میں نے رسول پاک ﷺ کی قبر ایک بالشت یا اسی کے مثل دیکھا۔ (تلخیص صفحہ ۱۳۹)

سفیان کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی قبر کو مثل کوہان دیکھا۔ (بخاری صفحہ ۱۸۶)

فائدہ: قبر کو ایک بالشت سے زائد کوہان کی اونچائی سے زائد اونچا کرنا جیسا کہ اس زمانہ میں ہندو پاک میں رائج ہے، قبر کو ہر جگہ ایک بالشت سے اونچی کر دیتے ہیں سخت منع اور بدعت ہے، حضرت علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو آپ نے اونچی قبر کو پست کرنے کے لئے علاقوں میں بھیجا تھا، کہ ایام جاہلیت میں بھی لوگ قبروں کو اونچی کر دیا کرتے تھے اس غلط طریقہ کو آپ ﷺ نے مٹانے اور ختم کرنے کے لئے بھیجا افسوس کہ جس کو آپ نے تاکید اور اہتمام کے ساتھ مٹایا اور مٹوایا، امت اسی غلط طریقہ اور رواج کو زندہ کر رہی ہے، تمام اہل علم علماء محدثین وفقہاء کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قبر کو اونچی کرنا ناجائز ہے خلاف سنت ہے، چنانچہ بلوغ الامانی شرح مسند احمد میں ہے۔

"وقد اتفق الائمة رضی اللہ عنہم علی ارتفاع القبر نحو شبر عن الارض وما

زاد علی ذلك فهو بدعة ذميمة مخالفة لهد رسول الله صلى الله عليه وسلم سنته." (بلوغ الامانی جلد۸ صفحہ۷۶)

ابن جریج نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو ایک بالشت رکھا گیا۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد۳ صفحہ۵۰۳)

معمر نے بیان کیا کہ میں نے مہاجرین کو دیکھا کہ وہ قبر کو اونچی کرنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

(ابن عبدالرزاق جلد۳ صفحہ۵۰۳)

طبری نے بیان کیا کہ قبر کی مسنون ہیئت جس پر (صالحین) مؤمنین کا عمل چلا آ رہا ہے وہ مثل کوہان کے ہے، شرح مشکوٰۃ میں ہے وہ جو قبر ایک بالشت سے زائد اٹھا دیتے ہیں جاہلوں کا فعل ہے۔ "ارتفاع كثير لفعله الجاهلية"

"وعن محمد بن علي ان قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم مسنم."

(بنایہ صفحہ۳۰۲)

شعبی نے کہا کہ حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر کو اسی طرح مثل کوہان ایک بالشت کیا گیا۔

لیث نے یزید بن حبیب سے نقل کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ قبر کو مثل کوہان کے اونچی کیا جائے، اس سے زائد نہ اٹھائی جائے ورنہ اس پر زائد مٹی ڈالی جائے، کہ اونچی چوڑی ہو جائے۔

طاؤس کہتے ہیں کہ قبر اتنی زمین سے اٹھائی جائے کہ معلوم ہو جائے کہ ہاں یہ قبر ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قبر نہ اونچی کی جائے، زمین سے صرف ایک بالشت کے قریب اونچی کی جائے۔

امام مزنی نے کہا اس پر زیادہ مٹی نہ ڈالے پس اتنی رہے کہ معلوم ہو جائے کہ قبر ہے تاکہ دعا وغیرہ کی جا سکے۔ (عمدۃ القاری صفحہ۲۲۵)

ابوجعفر محمد بن علی، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ سے پوچھا کہ آپ لوگوں کے آباء کی قبر حجرہ عائشہ میں کیسی تھی تو ان سب نے کہا کوہان کے مثل تھی۔ (فتح القدیر صفحہ۱۴۱، مرقات صفحہ۱۶۸، بنایہ صفحہ۳۰۲)

حضرت عمران بن حصین نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر کو ۴ انگشت اونچی کیا جائے۔ (ابن ابی شیبہ ۳/۳۳۵)

"تسنيم القبر رفعه من الارض مقدار شبر او اكثر قليلا." (بنایہ صفحہ۳۰۱)

تسم اور تسنیم کا مطلب

"المراد من تسنیم القبر رفعه من الارض مقدار شبر او اکثر قلیلا."

(صفحہ ۱۴۰، عنایہ علی الفتح)

"قبر مسنم مرتفع غیر مسطیح ونسیم قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع."

(بحرالرائق جلد ۲ صفحہ ۲۰۹)

ملا علی قاری نے بیان کیا کہ مالکیہ، احناف اور امام احمد نے احادیث کی وجہ سے کہا کہ قبر کی مثل کوہان افضل ہے بمقابلہ تربیع یعنی چوکور کے۔ (مرقات)

شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری نے کہا کہ قبر کے متعلق یہ حکم ہے کہ اتنی اٹھی رہے کہ معلوم ہو کہ یہ قبر ہے اور اس کی اونچائی ایک بالشت کے برابر ہو۔ (مرقات صفحہ ۶۸)

قبر ایک بالشت کے مثل تو سنت ہے، اس سے زائد اٹھانا مکروہ ہے، اور ایسی اونچی قبر کا نیچی کر دینا مستحب ہے۔

"یستحب ان یرفع القبر قدر شبر ویکره فوق ذلك. ویستحب الهدم."

(مرقاۃ مرقات جلد ۴ صفحہ ۶۸)

قبر کا زیادہ اٹھانا حرام ہے۔

"والظاهر ان رفع القبور زیادة علی القدر للماذون فیه محرم." (مرعاۃ جلد ۵ صفحہ ۴۳۰)

اٹھی ہوئی اور اونچی قبروں کو برابر کرنے کا حکم فرماتے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ میں تشریف فرما تھے، کہ فرمایا کون تم میں سے مدینہ جائے گا اور نہ چھوڑے کسی بت کو مگر اسے چور کر دے، اور نہ کسی قبر کو چھوڑے مگر اسے برابر کر دے۔ کسی تصویر کو نہ رکھے مگر اسے مٹا دے حضرت علی نے فرمایا میں جاؤں گا اے اللہ کے رسول، چنانچہ وہ جا کر واپس آئے، اور کہا کہ اے اللہ کے رسول کسی بت کو نہیں چھوڑا مگر یہ کہ اسے چور کر دیا، کوئی قبر نہیں مگر اسے برابر کر دیا۔ کسی تصویر کو باقی نہیں رکھا مگر اسے مٹا دیا۔

حضرت فضالہ بن عبید سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا قبروں کو زمین کے برابر کر دو۔ (مسند احمد مرتب جلد ۸ صفحہ ۷۵، ابوداؤد صفحہ ۴۵۹، سنن کبریٰ نساء صفحہ ۲۸۵، ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۳۴۱)

ابو ہیاج اسدی کی روایت ہے کہ مجھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں تم کو اسی کام کے لئے بھیجتا

ہوں جس کام کے لئے حضور پاک ﷺ نے مجھے بھیجا تھا کہ خبردار کسی بت کو مت چھوڑنا، اور کسی قبر کو اونچی مت رہنے دینا۔ (یعنی اس کی اونچائی اور اٹھان کو گرا کر پست کر دینا اور اسے ایک بالشت کرنا کہ اس مقدار رکھنے کا حکم ہے تاکہ وہ زمین سے ممتاز ہو جائے۔ (کبیری صفحہ ۵۹۹)

قریب ۴/ انگشت کے برابر اونچی ہوگی

حضرت عمران بن حصین نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر ۴/ انگشت کے برابر اونچی کی جائے۔

(ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۳۵)

حضرت ابراہیم کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے لئے بغلی قبر کھودی گئی، اور قبر مبارک اتنی اونچی کی گئی کہ معلوم ہو جائے، (یعنی بالکل تھوڑی سی بقدر ۴/ انگشت یا ایک بالشت جیسا کہ دوسری روایت میں ہے)۔

(ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۳۵)

شعبی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے بیان کیا کہ میں شہداء احد کی قبر کے پاس آیا تو دیکھا کہ ان کی قبریں زمین سے ذرا نمایاں تھیں۔ (آج کل کی طرح اٹھی نہ تھیں)۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۴۲)

فائدہ: محیط میں ہے کہ قبر کی اونچائی ۴/ انگلی کے برابر ہوگی، قاضی خاں میں ہے کہ بس ایک بالشت ہوگی۔

(کبیری صفحہ ۵۹۹)

قبر کو ایک بالشت سے زائد اونچی کرنا منع ہے

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہود اور نصاریٰ نے قبروں کو اونچا کیا، سوتم ان دونوں کی مشابہت مت اختیار کرو۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۶۰)

ابوعلی ہمدانی کہتے ہیں کہ انہوں نے فضالہ بن عبید کو دیکھا کہ وہ مسلمانوں کی قبریں جو روم کی زمین پر تھیں ان کو برابر کرنے کا حکم دے رہے ہیں یعنی جو ایک بالشت سے زائد اٹھی ہوئی تھیں، اور انہوں نے کہا کہ میں نے رسول پاک ﷺ سے سنا کہ آپ (اٹھی ہوئی قبروں کو برابر کرنے کا حکم دے رہے تھے)۔

حضرت قاسم نے وصیت کر دی تھی کہ اے میرے بیٹے نہ تو میری قبر پر کچھ لکھنا اور نہ اسے اونچی کرنا۔

(مسند احمد مرتب جلد ۸ صفحہ ۷۵)

ہاں اس مقدار کہ پانی کا بہاؤ رک جائے۔ (یعنی بالکل ذرا سی اونچی کرنا)۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۳۵)

قبرستان میں خاموش بیٹھے یا عذاب قبر سے پناہ مانگے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری صحابی

کے جنازہ میں نکلے، قبرستان آئے تو اب تک قبر تیار نہیں ہوئی تھی، تو آپ ﷺ بیٹھ گئے ہم لوگ بھی آپ کے چاروں طرف بیٹھ گئے، (ہم سب اس طرح خاموش اور ساکت تھے) جیسے ہمارے سروں پر پرندہ بیٹھا ہو، آپ لکڑی سے زمین کرید رہے تھے، (جو فکر اور سوچ کی پہچان ہے) پھر آپ نے سر اٹھایا اور ۳ر مرتبہ کہا "نعوذ باللّٰه من عذاب القبر." ترجمہ: اللہ ہم پناہ مانگتے ہیں عذاب قبر سے۔ (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۲۸۷، سبل جلد ۸ صفحہ ۳۷۸)

فائدہ: اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جنازہ قبرستان میں آجاتا ہے لوگ اس کے ساتھ آجاتے ہیں اور قبر تیار نہیں ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں اِدھر اُدھر گفتگو اور باتوں میں مصروف ہو جاتے ہیں، وقت اور مقام کے مناسب یہ چیز نہیں، یہاں موت کا قبر کے احوال کا عبرت کی باتوں کا دھیان رکھے، خاموش ہو کر ان امور کا خیال کرے اور عذاب قبر سے پناہ مانگے۔ اِدھر اُدھر کھڑے ہو کر باتوں میں لگنا خلاف سنت ہے۔

اگر قبر تیار نہ ہو تو قبلہ رخ بیٹھ جانا سنت ہے کھڑا نہ رہے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں نکلے جو کسی انصاری کا تھا، قبر کے پاس گئے تو ابھی قبر تیار نہیں ہوئی تھی، آپ ﷺ قبلہ رخ بیٹھ گئے، اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ (ابوداؤد صفحہ ۴۵۸، کشف الغمہ صفحہ ۱۷۳)

مسند احمد میں حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہم لوگ ایک انصاری صحابی کے جنازہ میں آپ ﷺ کے ساتھ گئے، قبرستان پہنچے تو ابھی قبر تیار نہیں ہوئی تھی، آپ ﷺ بیٹھ گئے ہم لوگ بھی آپ کے چاروں طرف بیٹھے، (ہم سب اس طرح خاموش اور ساکت تھے) گویا ہمارے سروں پر پرندہ ہے، اور آپ ایک لکڑی سے زمین کرید رہے تھے، پھر سر اٹھایا اور یہ دعا ۳ر مرتبہ کی، اللہ کی پناہ عذاب قبر سے۔ (مسند احمد ۴/ ۲۸۷)

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ قبلہ رخ بیٹھنا افضل ہے، اگر کوئی اہل علم وفضل ہو تو اس کے اردگرد بیٹھ جائے اور اس سے فیض اور فائدہ اٹھائے، اس میں ان کا اکرام بھی ہے، اور لوگوں کا دینی فائدہ ہے، مصنف بن عبدالرزاق میں ہے کہ آپ ﷺ نے قبر اور احوال برزخ کے متعلق ایک وعظ فرمایا پس اگر قبر کے تیار ہونے میں دیر ہو اور حاضرین اور موجودین کا ازدہام ہو اور کوئی صاحب علم ہو تو قبر اور برزخ کے متعلق احادیث روایتیں مسائل وعظ کے طور پر بیان کردے یا پھر تمام لوگ بالکل خاموشی کے ساتھ تدفین کے منتظر رہیں اِدھر اُدھر کی باتوں میں نہ لگیں کہ یہ عبرت کا مقام ہے۔

حدیث میں ہے کہ آپ جنازہ میں شریک ہوتے تو اکثر خاموش رہتے۔

(کشف الغمہ صفحہ ۱۶۷، ابوداؤد صفحہ ۴۵۸، کشف الغمہ صفحہ ۱۷۳)

فائدہ: بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جنازہ قبرستان میں آجاتا ہے اور قبر تیار نہیں ہوتی، کھدائی کا کام ہو رہا ہوتا

ہے تو ایسے موقعہ پر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں، قبرستان عبرت اور موت و آخرت کے استحضار کی جگہ ہے نہ کہ گپ اور باتوں کی جگہ، ایسے موقعہ پر قبلہ رخ ہو کر خاموش بیٹھ جانا سنت ہے، کھڑے ہو کر انتظار کرنا خلاف سنت ہے، بہتر ہے کہ ان قبروں سے عبرت حاصل کرے، یا ایصال ثواب کرے تا کہ امر خیر میں مشغول رہے، آزاد لوگوں کی طرح اِدھر اُدھر نہ کرے۔

قبرستان یا مزاروں پر روشنی جلانا روشن کرنا سخت منع اور لعنت کا فعل ہے

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مزاروں پر آنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، اور ان لوگوں کو جو اسے سجدہ گاہ بناتے ہیں اور ان لوگوں پر جو روشنی جلاتے ہیں۔

(صفحہ ۴۶۱، نسائی صفحہ ۲۸۷، مسند طیالسی مرتب جلد ا صفحہ ۱۷۱)

فَائِدَة: ملا علی قاری نے بیان کیا کہ قبرستان میں چراغ اور روشنی کا استعمال مال کا ضیاع، ضائع کرنا ہے، اور قبروں کی بے جا تعظیم ہے۔ (جلد ۵ صفحہ ۲۱۹)

اور ظاہر ہے کہ یہ امور ممنوع حرام ہیں۔

علامہ عینی ہدایہ میں بیان کرتے ہیں کہ قبرستان میں روشنی مکروہ ہے۔ (بنایہ صفحہ ۶۰۳)

علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں بیان کیا ہے کہ حدیث پاک دلیل ہے اس بات کی کہ قبرستان میں روشنی کرنا حرام ہے۔ (صفحہ ۱۹)

فَائِدَة: روشنی زینت کے لئے حرام ہے، مگر دفن کے وقت روشنی کے استعمال کی اجازت ہے۔

قبر پر کتبہ لگانا میت کا نام و تعارف لکھنا

حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے منع فرمایا کہ قبروں کو پختہ کیا جائے۔ اور یہ کہ کتبہ لگایا جائے اور یہ کہ اسے روندا جائے۔ (ترمذی صفحہ ۲۰۳، مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۸، ابوداؤد صفحہ ۴۶۰، ابن ماجہ صفحہ ۱۱۲، حاکم صفحہ ۳۷۰)

فَائِدَة: اس حدیث پاک میں قبر پر لکھنے اور کتبہ لگانے سے منع کیا گیا ہے، وجہ یہ ہے کہ قبر، مقبرہ، قبرستان اندراس اور مٹنے کی جگہ ہے لہٰذا لکھنا اور محفوظ رکھنا اس کے خلاف ہے، علامہ عراقی نے اس حدیث کی شرح میں کہا۔ کتابت اور لکھنے کی نہی عام ہے۔ خواہ صاحب قبر کا نام ہو یا تاریخ وفات ہو یا آیت قرآنیہ کی یا اسماء الٰہیہ کی کتابت ہو یا اور کوئی شئے مثلاً نصیحت و عبرت کے اشعار ہوں جیسا کہ بعض کے لوح اور کتبوں میں لکھا ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے بھی شوافع کا مسلک یہ لکھا ہے کہ قبروں پر کتبہ لگانا حرام ہے اور اس میں فرق نہیں کہ میت کا نام لکھا جائے یا اور کوئی تعارف۔ (مرقاۃ المفاتیح جلد ۵ صفحہ ۴۴۵)

ملاعلی قاری بھی ایک تحقیق میں اس کی کراہت لکھتے ہیں کہ اسماء الہیہ اسماء رسول اور آیات قرآنیہ لکھنا مکروہ ہے اور حافظ ابن حجر کے قول کو بھی جو کراہت کے قائل اور ناقل ہیں نقل کیا ہے۔ اور اس لوح کی کراہت کو بھی نقل کیا ہے جو سرہانے لگایا جائے۔ (مرقات صفحہ ۲۸)

علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں امام ابو یوسف کا قول بھی کراہت کا نقل کیا ہے۔ (بنایہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۳)

علامہ شوکانی نے بھی نیل الاوطار میں مطلقاً قبروں پر کتبہ لگانے کو حرام لکھا ہے۔ (نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۸۵)

علامہ ابن نجیم نے بھی بحر میں لکھا ہے کہ حدیث سے کتابت کی ممانعت ہوتی ہے۔ (والحدیث التقدیم یمنع الکتابة)۔ (جلد ۲ صفحہ ۲۰۹)

صاحب مراقی نے بھی امام یوسف کے قول کراہت کو لکھا ہے۔ (مراقی علی الطحاوی صفحہ ۳۳۶)

علامہ سندھی نے حاشیہ نسائی میں بیان کیا کہ نہی مطلقاً ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خواہ صاحب قبر کا نام لکھے۔ یا تاریخ وفات لکھے۔ یا قرآن یا اللہ کا نام لکھے۔ (بلوغ الامانی صفحہ ۸۵)

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی بہر صورت مکروہ ہے۔ "تکرہ الکتابة علی القبور من غیر تفصیل." شوافع کے نزدیک قرآن وغیرہ کی کتابت تو مکروہ ہے۔ اور شرح مسند میں شوافع کا مسلک یہ لکھا ہے کہ اہل علم اور اہل صلاح میں ہو تو جائز ہے۔ "الا اذا کان قبر عالم او صالح فیندب کتابة اسمه."

(بلاغ الامانی جلد ۸ صفحہ ۵)

دوسری جانب علماء اور فقہاء کرام کی ایک جماعت قبر پر کتابت اور تعارف کو جائز قرار دیتی ہے۔

چنانچہ علامہ عینی شرح ہدایہ میں بحوالہ قاضی خاں لکھتے ہیں کہ قبر پر لکھنے میں اور کتبہ لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ (بنایہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۳)

ملاعلی قاری شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

"قیل ولیس کتابة اسم المیت لا سیما الصالح یعرف عند تقادم الزمان."

خاص کر اگر صالحین میں سے ہوں تو میت کا تعارف لکھنا اچھا ہے تاکہ زمانہ کے گزرنے کے بعد ان کا تعارف رہے۔ (مرقات جلد ۴ صفحہ ۷۶)

علامہ ابن نجیم نے بحر طبریہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "ولو وضع شیء من الاشجار او کتب علیه شیء فلا باس." (جلد ۲ صفحہ ۲۰۹)

علامہ شامی نے بھی جواز کے مسئلہ پر بسط سے کلام کیا ہے۔ پھر آخر میں احتیاط کے پہلو کو اختیار کرتے ہوئے منع کیا ہے۔ چنانچہ وہ جواز کے قول کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں اگر اس پر صحیح حدیث سے نہی وارد ہے۔

مگر عملی اجماع اس کے خلاف جواز کا ہے۔ چنانچہ حاکم نے متعدد طرق سے اس کی حدیث نہی کو ذکر کیا پھر کہا۔

"هذه الاسانيد صحيحه وليس العمل عليها فان ائمة المسلمين من المشرق الى المغرب مكتوب على قبورهم وهو عمل اخذ به الخلف عن السلف."

(مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۳۷۰)

قول محقق، حدیث پاک کی رو سے تو ممانعت ہی ثابت ہے۔ وہی بات حاکم کا یہ کہنا ہے کہ امت کا عمل اس کے خلاف ہے تو جن لوگوں نے ابتداء کی ہوگی ان کو نہی کی حدیث نہ معلوم ہوگی۔ تاہم عہد نبوت عہد صحابہ اور تابعین کے دور میں تو یہ رائج نہیں تھا البتہ تابعین سے منقول ہے جس کے متعلق علامہ ذہبی نے فرمایا کہ ان کو نہی کا علم نہ ہوگا۔ (حاکم صفحہ ۳۷۰، مرعاۃ صفحہ)

خیال رہے کہ شوافع کے نزدیک تو اس کی حرمت اور کراہت ہے اور ان حضرات نے بظاہر حدیث کی تاویل قبول کرتے ہوئے کراہت وحرمت کو اختیار کیا ہے۔

فقہاء احناف کے یہاں حدیث کو مؤول کرتے ہوئے لوح اور کتابت کو جائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ فقہاء احناف نے کتابت اور لوح کو علامت قرار دیا ہے۔ اور استدلال میں حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر آپ کے پتھر رکھنے کے واقعہ سے استدلال کیا ہے۔ دیکھئے شامی "**ويتقوى بما اخرجه ابوداؤد فان الكتابة طريق الى تعرف القبر**" (جلد ۲ صفحہ ۲۳۸)

احناف نے اسے اپنے ایک قول میں مطلقاً نہیں بلکہ ضرورت اگر کتابت کی ہے تب جائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ ابن نجیم شرح کنز میں لکھتے ہیں:

"**ولكن فصل في المحيط فقال وان احتاج الى الكتابة حتى لا يذهب الاثر ولا يمتهن فلا باس به فاما الكتابة من غير عذر فلا.**" (بحر صفحہ ۲۰۹)

صاحب البحر کی رائے یہ ہے کہ بلا ضرورت کتابت جائز نہیں ہے۔

علامہ شامی کی تحقیق بھی یہی ہے۔ اگر ضرورت کا تقاضہ ہو تو جائز ہے۔

"**الرخصة فيها اذا كانت الحاجة داعية اليه في الجملة كما اشار اليه في المحيط ...... واما الكتابة بغير عذر.**" (جلد ۲ صفحہ ۲۳۸)

علامہ طحطاوی بھی شرح درر میں اسی نظریہ کے حامل ہیں ضرورت نہ ہو تو منع ہے۔ "**فعمل النهي في الحديث على غير حالة الاحتياج.**" (طحطاوی علی الدرر صفحہ ۳۸۲، وایضاً علی المراقی صفحہ ۳۳۶)

علامہ شامی کی رائے اور تحریر سے اشارہ ملتا ہے کہ وہ موجودہ دور کا لحاظ کرتے ہوئے شوافع کی رائے کو بہتر

سمجھتے ہیں کہ عوامی ذہن کسی نہی کو رواج کے مقابلہ میں قبول نہیں کرتا چنانچہ حدیث پاک میں قبر کو پختہ کرنے اور اس پر قبہ بنانے کی ممانعت ہے۔ اور اس پر شدید نہی ہے۔ مگر عوامی ذہن نے اسے قبول نہیں کیا اور اس کے خلاف کیا۔

اسی طرح کتابت اور لوح کی نہی کو عوام نے قبول نہیں کیا اور حدیث پاک کے خلاف رواج کو قبول کیا۔ دیکھئے علامی شامی قلت کہہ کر اپنی رائے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کاش کہ علامہ اشارہ کے بجائے تصریح کر دیتے۔

"قلت فمحل حجيته عند صلاح الازمنة بحيث ينفذ فيها الامر بالمعروف والنهي عن المنكر وقد تعطل ذلك منذ ازمنة. الا ترى ان البناء على قبورهم في المقابر المسلمة اكثر من الكتابة عليها كما هو مشاهد وقد علموا بالنهي عنه فكذا لكتابة."

پھر آخر میں علامہ شامی اس پر تحقیق ختم کر کے جو علامہ محیط کی رائے ہے۔ بہتر ہے کہ نہی کی حدیث کو محمول کرے جہاں ضرورت نہ ہو۔

"فلا حسن التمسك بما يفيد عمل النهي على عدم الحاجة." (صفحہ ۲۳۸)

مگر ضرورت کی تشریح نہیں کہ کون سی ضرورت پر اجازت ہے۔ شاید یہ ضرورت ہو کہ نشان باقی رہے مٹے نہیں تو یہ کوئی ضرورت نہیں چونکہ مرور زمان سے اور خلو قرون سے اس کا مٹنا لازم ہے۔ اور ضرورت کے تحت اسے مٹنا اور مندرس ہی ہونا چاہئے ورنہ اور قبروں کے لئے زمین کہاں سے آئے گی۔

اور رہا قائل کا وہ استدلال کہ آپ نے پتھر حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر رکھا تو یہ استدلال کا نام نہیں چونکہ پتھر کی علامت تھوڑے زمانہ تک نشاندہی کرے گی۔ اور نہ ہی یہاں مقصود بھی ہے۔ بلکہ کتبہ اور لوح کے وہ ایک طویل عریض زمانہ تک اسے باقی رکھے گی۔ جو آپ کا مقصد نہیں تھا۔ کہ ہمیشہ نشان باقی رہے اور طویل زمنہ تک رشتہ دار و اعزہ یہاں مدفون ہوتے رہیں۔ نیز آپ حرمین شریفین کے مقبروں کو دیکھ لیجئے، صحابہ تابعین کی عظیم القدر ہستیوں پر لوح اور کتبے نہیں لگائے گئے۔

حدیث پاک کے پیش نظر کتبوں اور لوح کا لگانا امر مستحسن نہیں اور جن لوگوں نے لگایا انہوں نے حدیث پاک کو مد نظر نہیں رکھا بلکہ رواج کو مد نظر رکھا۔

گنجائش وقت کے صالحین اور اولیاء کرام و ممتاز اہل علم و فضل کی قبروں پر۔ یادگار تاریخ عبرت کے پیش نظر گنجائش ہے۔ جو اجماع یا جمہور کے عمل سے ثابت ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔

"ویسن کتابة اسم المیت لا سما الصالح لیعرف عند تقادم الزمان ......
والصحیح ان یقال انه یجوز." (مرقات جلد۵ صفحہ۷۶)

شرح مسند احمد میں شوافع کا بھی یہی قول جواز کا عالم یا صالح ہونے کی صورت میں لکھا ہے۔
(بلوغ الامانی جلد۸ صفحہ۸۵)

قبر کو پختہ اور پکی بنانا جائز نہیں آپ اس سے منع فرماتے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ قبر پر بیٹھا جائے اور یہ کہ اسے پختہ بنایا جائے اور یہ کہ اس پر کوئی تعمیر (قبہ وغیرہ بنایا جائے۔

(ابوداؤد صفحہ ۴۶۰، مسلم صفحہ ۳۱۲، سنن کبریٰ، مسند احمد صفحہ ۸۷، نسائی صفحہ ۲۸۵، ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۳۳۷)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر پر کوئی تعمیر (قبہ جو گنبد وغیرہ) بنایا جائے اور اسے پختہ کیا جائے۔ (مسند احمد جلد۸ صفحہ۸۷)

امام محمد کتاب الآثار میں فرماتے ہیں ہم اس کو صحیح نہیں سمجھتے کہ جو مٹی قبر سے نکلی ہے اس سے زیادہ اس پر ڈالی جائے۔ اور ہم مکروہ سمجھتے ہیں کہ قبر پختہ بنائی جائے۔ اس پر لیپائی کی جائے ...... اس لئے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو مربع بنانے سے، اور اس کو پختہ بنانے سے منع کیا ہے۔ یہ ہمارا مذہب ہے اور یہی حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ (کتاب الآثار صفحہ۹۶)

امام نووی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ قبر پر عمارت (گنبد وغیرہ بنانا) عمارت بنانے والے کی ملک میں ہے تو مکروہ ہے۔ اگر عام قبرستان مین ہے تو حرام ہے۔ حضرت امام شافعی اور دیگر اصحاب نے اس کی تصریح کی ہے اور امام شافعی نے کتاب الام میں لکھا ہے کہ میں نے مکہ مکرمہ میں اماموں کو قبر پر عمارت کے ڈھانے کا حکم دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور "ولا قبرا مشرفا" والی حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔ (شرح مسلم جلد۱ صفحہ۳۱۲)

مغیرہ نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم نخعی نے بیان کیا کہ قبر میں پختہ اینٹوں کا لگانا مکروہ ہے۔ وہ کچی اینٹوں کا لگانا تو پسند کرتے تھے اور پکی اینٹوں کو ممنوع فرماتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ۳۳۸)

شرح منیہ میں ہے قبر کو پختہ کرنا مکروہ ہے۔

اس میں پکی اینٹوں کا استعمال کرنا مکروہ ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں یہی تینوں امام کا قول ہے پھر فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ قبر پر مکان یا قبہ اس کے مانند کوئی اور عمارت بنانا مکروہ ہے۔ (صفحہ۵۹۹)

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے، قبر کو پختہ نہ بنایا جائے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ (جلد۱ صفحہ۹۲)

ملا علی قاری مشکوٰۃ کی شرح مرقات میں لکھتے ہیں، جن کا ائمہ مسلمین نے انکار کیا ہے، جیسے قبروں پر عمارت بنانا، اور پختہ کرنا، علامہ شامی قبروں پر گنبد بنانے پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اما البناء فلم ار من اختار جوازہ." قبروں پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنے کو کسی نے بھی جائز قرار نہیں دیا۔

ان روایتوں آثار اور فتاویٰ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قبروں کو اینٹ چونے یا سیمنٹ سے پختہ بنانا، ان پر گنبد بنانا ناجائز اور حرام ہے، احادیث اور فتاویٰ میں اس کی ممانعت اور حرمت مذکور ہے لہٰذا کسی مؤمن کے لئے اس کا انکار کرنا بڑے گناہ کی بات ہے۔

بزرگان دین کی قبروں پر جو گنبد ہیں جاہل مالداروں نے یا امراء نے عقیدت میں آکر اس کی تعمیر کرائی ہے، جس کی بنیاد جہالت اور حکم شرعی سے نادانی ہے اسے دلیل نہیں بنایا جا سکتا ہے۔

قبر پر مٹی کا لیپنا ممنوع ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میت اذان کی آواز اس وقت تک سنتا رہتا ہے جب تک کہ اس کی قبر کو مٹی سے پوتی نہ جائے۔ (بنایہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۳)

حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ قبر پر مٹی پوتنا مکروہ ہے۔

حضرت مکحول نے بیان کیا کہ مٹی لگانا مکروہ ہے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۴۲)

علامہ عینی نے بیان کیا کہ کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ مٹی سے قبر نہ پوتی جائے۔ (بنایہ صفحہ ۳۰۲)

قبر کا خستہ اور بوسیدہ رہنا زیادہ بہتر ہے اس بات سے کہ اسے مستحکم اور پائیدار بنایا جائے، ہدایہ میں ہے کہ قبر تو سڑنے گلنے ہی کی جگہ ہے۔ (بنایہ صفحہ ۲۹۹)

اور لیپنا پوتنا اس کے خلاف ہے مراقی الفلاح میں اسے مکروہ کہا ہے، اور نوازل کے حوالہ سے ہے کہ اس کی گنجائش ہے۔ (طحطاوی صفحہ ۳۳۵)

قبروں کے درمیان جوتا پہن کر جانا منع ہے

بشیر ابن نہیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جوتا پہنے قبروں کے درمیان چل رہا تھا، آپ نے فرمایا او جوتے والے اسے اتارلو یعنی قبرستان کے درمیان جوتے پہن کر نہ چلو۔

(حاکم صفحہ ۳۷۳، طحاوی صفحہ ۲۹۳، ابن ماجہ صفحہ ۱۱۲، ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۹۶)

فائدہ: خیال رہے کہ قبرستان میں جوتے چپل پہن کر چلنا مردوں کے اکرام کے خلاف ہے، قبرستان میں ہر قسم کے لوگ مدفون ہیں ان میں بے شمار اللہ کے مقرب اور نیک صالح برگزیدہ بندے ہوتے ہیں جن کا اکرام

زندگی میں بھی کرنا اور موت کے بعد بھی کرنا انسانی اخلاق میں سے ہے۔

درمختار میں ہے کہ قبروں کو بلا جوتے کے پیروں سے روندتے ہوئے جانا مکروہ ہے، ہاں اگر قبر پرانی ہوکر زمین سے مل گئی ہے اور اس کے نشانات مٹ چکے ہیں تو درست ہے۔ نئی قبر جس کے نشان باقی ہیں اس پر چڑھ کر جانا مکروہ ہے۔ (شامی صفحہ ۲۴۵)

ایسی صورت میں دور ہی سے فاتحہ پڑھ لے۔ "**ولو وجد طريقا ان وقع في قلبه ان محدث لا يمشي عنبه والافلاباس به ...... ويزار من بعيد.**" (الشامی صفحہ ۲۴۵)

طحطاوی علی المراقی میں ہے قبروں پر چلنا مکروہ ہے، جو ان کے احترام کے خلاف ہے۔ (صفحہ ۳۴۲)

میت کی تدفین سے فارغ ہونے کے بعد اس کے قرضہ کی ادائیگی کی صورت اختیار کرے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن معلق (جنت جانے سے رکا) رہتا ہے اپنے قرضہ کی وجہ سے تاوقتیکہ اسے ادا نہ کردیا جائے۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۶۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس کی سخت تاکید فرماتے تھے، میت کو جلد دفن کیا جائے اور اس کے قرضے کو بہت جلد ادا کردیا جائے۔ (کشف الغمہ صفحہ ۱۶۲)

امام بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے کفن میں (میت کا مال) لگایا جائے گا۔

اس کے بعد اس کا قرضہ ادا کیا جائے گا، پھر وصیت، (اگر کی ہو تو پھر اس کا مال وارثوں میں تقسیم ہوگا)۔

(بخاری صفحہ ۱۷۰)

قرض کی وجہ سے صالح میت بھی جنت جانے سے روک دیا جاتا ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ آیا، تاکہ آپ اس پر نماز پڑھیں، آپ نے پوچھا کیا اس پر کوئی قرض ہے، لوگوں نے کہا، ہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے منع کیا ہے کہ میں اس پر نماز جنازہ پڑھوں جس پر قرض ہو، چونکہ قرض والا اپنی قبر میں (جنت سے) رکا اور محبوس رہتا ہے جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کردیا جائے۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۴۳)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک جنازہ آیا تاکہ آپ اس کا جنازہ پڑھ دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا ان صاحب پر قرضہ ہے، لوگوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا، کیا فائدہ ہوگا کہ میں ایسے آدمی پر نماز پڑھوں، جس کی روح قبر میں محبوس کردی گئی ہو، اور اس کی روح

آسمان پر نہ (خدا اور فرشتوں کے یہاں) چڑھتی ہو۔ (آپ نے نماز جنازہ سے انکار فرما دیا) ہاں اگر کوئی آدمی اس کے قرضہ کا ذمہ دار اور ضامن ہو جائے تو میں اس پر نماز پڑھ دوں تو میری نماز اس کو نفع دے گی۔

فائدہ: ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ مسلمان میت کا اگر قرض رہ گیا ہو، اور اسے ادا نہ کیا گیا ہو تو اس کی روح کو جنت میں داخل ہونے سے روک دیا جاتا ہے، لہٰذا اولاً اس کے ترکہ سے کفن دفن کے صرفہ کے بعد اس کا قرضہ ادا کرے، صدقہ خیرات اور ایصال ثواب سے پہلے اس کا قرضہ ادا کرے، اگر میت مال چھوڑ کر مرا ہے تو اولاً اس کے مال سے اس کا سارا قرضہ ادا کرے، قرضہ چھوڑ کر ترکہ تقسیم کرنا جائز نہیں، اگر مال نہیں ہے اور قرضہ ہے یا قرضہ زائد ہے مال کم ہے تو وارثین اور رشتہ داروں کے لئے بہتر ہے اور بہت بڑے ثواب کا کام ہے کہ اس کی جانب سے حسب وسعت قرضہ ادا کر دے، تا کہ میت ثواب پائے اور جنت جانے سے رکا نہ رہے۔

اسی طرح قرض چاہنے والوں کے لئے ایسی صورت میں بہتر ہے کہ میت کے قرضے کو معاف کر دے، حدیث پاک میں اس کی بڑی فضیلت ہے، قیامت کے دن خدا بھی اسے معاف فرما دے گا، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ قیامت کے رنج وغم سے اسے خدائے پاک نجات دے، اسے چاہئے کہ وہ قرض دار تنگدست کو مہلت دے یا معاف کر دے۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۵۱، سنن کبریٰ جلد ۵ صفحہ ۳۵۷)

جن کے یہاں میت ہوئی ہو کھانا بھیجنا سنت ہے

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کی اطلاع آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا بنا کر بھیج دو کہ ایسا حادثہ پیش آ گیا ہے، جس میں وہ لگے ہوئے ہیں رنج وغم کی وجہ سے کھانا نہیں بنا سکتے۔

(ابوداؤد صفحہ ۴۴۷، مسند احمد مرتب جلد ۸ صفحہ ۱۹۵، ترمذی، ابن ماجہ صفحہ ۱۱۵، حاکم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم میت کے بغل والوں کو (خواہ رشتہ دار ہوں یا صرف پڑوسی ہوں) میت کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ (کشف الغمہ صفحہ ۱۷۵)

فائدہ: علماء نے بیان کیا کہ میت کے پڑوسی اور رشتہ دار کے لئے مستحب ہے کہ دن اور رات کے وقت جس کے گھر میت ہوئی ہے کھانا تیار کر کے بھیج دے اور ان پر یہ لوگ کھانا کھانے کا اصرار کریں، اس لئے کہ غم رنج اس کو اس کا موقعہ نہ دے گا۔ (اعلاء صفحہ ۲۷۷)

علامہ طیبی شارح مشکوٰۃ میں ذکر کرتے ہیں کہ رشتہ دار اور بغل والے کے لئے مستحب ہے کہ میت کے گھر والوں کے لئے کھانا بنا کر بھیج دیں۔ (مرقات المفاتیح جلد ۵ صفحہ ۴۸۰)

ملا علی قاری نے بیان کیا کہ ایک دن رات اور دن کا کھانا بھیجے، یعنی دو وقت، عموماً ایک دن سے زائد ایسا مشغول کن غم نہیں ہوتا، پھر سنت یہ بھی ہے کہ ان کو کھانے پر اصرار کرکے کھلائے (یہ نہیں کہ صرف کھانا بھیج دے) تاکہ شدت بھوک یا شرم وحیاء کی وجہ سے نہ کھانے کا ضعف نہ رہے۔ (مرقات)

ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ ایک دن اور ایک رات یعنی دو وقت کا کھانا بھیجے۔

(فتح القدیر، شامی جلد۲ صفحہ ۳۴۰)

میت کے گھر کھانے مجلس یا دعوت طعام ممنوع اور بدعت ہے

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی سے مروی ہے کہ ہم لوگ (صحابہ کرام) میت کے گھر جمع ہونا اور کھانا وغیرہ تیار کرانا نوحہ (جو ناجائز ہے) میں شمار کیا کرتے تھے۔ (مسند احمد صفحہ ۹۵، مرتب ابن ماجہ صفحہ ۱۱۶، فتح القدیر جلد۲ صفحہ ۱۴۲)

حضرت جریر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ حضرت عمر بن خطاب رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے پاس تشریف لائے، تو حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے فرمایا کیا تم لوگ اپنی میت پر نوحہ کرتے ہو، کہا نہیں، فرمایا کیا تم میت کے گھر کھانے کے لئے جمع ہوتے ہو، اور کھانا بناتے ہو کہا ہاں کہا یہ نوحہ ہے (جو ناجائز ہے)۔ (بلوغ الامانی جلد۸ صفحہ ۹۵)

فَائِدَہ: جس کے گھر میں انتقال ہوتا ہے، وہ دوسرے دن یا تیسرے دن یا اسی دن دوسرے وقت میں جو کھانا بناتے ہیں دیگ چڑھاتے یتیم غریب، محلے والے اور آنے والے مہمان کو اس کھانے میں شامل کرتے ہیں، کھانے کا اہتمام یہ بدعت ہے، ایام جاہلیت کی رسم ہے، جو نوحہ کے مفہوم میں ہے، دعوت اور کھانا کھلانے کا اہتمام تو خوشی کے موقعہ پر ہوتا ہے، نہ کہ غمی کے موقعہ پر، ہند پاک کے بیشتر علاقوں میں یہ کھانا رائج ہے، تمام علماء محققین نے اس کھانے کو ممنوع قرار دیا ہے، قبیح بدعت قرار دی ہے، اور اس کے متعدد ناجائز حرام اور منکرات کو بیان کیا ہے۔

فقہ فتاویٰ کی کتابیں اس کھانے اور دعوت کی قباحت اور ممانعت پر بھری پڑی ہیں، مگر امت اس قبیح حرکت کو جو حدیث وسنت اور فقہ فتاویٰ سے ممنوع اور حرام ہے چھوڑنے پر راضی نہیں۔

ابن ہمام لکھتے ہیں کہ:

"یکرہ اتحاذ الضیافة من اھل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور، وھی بدعة مستقبحة."

شرح مرقات میں ملا علی قاری لکھتے ہیں:

"اصطناع اھل المیت الطعام لاجل اجتماع الناس علیه بدعة مکروھة بل صح عن جریر رضی اللّٰه کنا نعدہ من النیاحة وھو ظاھر فی التحریم."

وفی الشامی:

"یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول اولثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقراء ۃ القرآن وجمع الصلحاء والقرا للختم او لقراء ۃ سورۃ الانعام او الاخلاص."

علامہ شامی مزید اس کی حرمت کی وجہ بتاتے ہیں یہ اجتماع دعوت اور شہرت کے لئے ہے، ثواب اور اللہ کے لئے نہیں۔

"وھذہ الافعال کلھا للسمعۃ والریا فیحترز عنھا لانھم لا یریدون بھا وجہ اللہ." (الشامی جلد۲ صفحہ۲۴۱)

اسی طرح طحطاوی علی المراقی میں ہے:

"یکرہ اتخاذ الدعوۃ بقراء ۃ القرآن وجمیع الصلحاء والقرآن للختم."

(طحطاوی علی المراقی صفحہ۳۳۹)

فتاویٰ خانیہ میں علامہ قاضی خاں صاحب لکھتے ہیں:

"یکرہ اتخاذ الضیافۃ ایام المصیبۃ لانھا ایام تاسف." (جلد۲ صفحہ۷۸۱)

فَائِدَۃ: پس احادیث آثار اور فقہاء کرام کے قول اور فتاویٰ سے معلوم ہوا کہ میت کے گھر جو مرنے کے بعد خواہ ۳/دن یا ۱۳/ یا ۴۰/دن کے بعد ہوتا ہے جسے چالیسواں کہتے ہیں خلاف سنت ناجائز اور ممنوع ہے، اس میں ثواب کے بجائے گناہ ہوتا ہے، لہٰذا اس رسم اور بدعت سے بچنا لازم ہے، جب گناہ معلوم ہو جائے تو اس پر عرف رواج کی وجہ سے باقی نہ رہے، خدا رسول اور شریعت کی رعایت کرتے ہوئے اسے چھوڑ دے، یہی ایمان کا تقاضا ہے گناہ معلوم ہو جانے کے بعد اس پر باقی رہنا جرم عظیم ہے، جاہلوں کی گھڑی ہوئی باتوں پر جان و مال کا خرچ کرنا بڑی بری حرکت ہے، اللہ پاک ہم سب کو ہدایت فرمائے۔

مسلمان میت کا پوسٹ مارٹم کرنا کروانا ناجائز ہے

حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، مردوں کی ہڈی کا توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندوں کا، راوی نے کہا مطلب یہ ہے کہ گناہ ہے۔ (ابوداؤد جلد۲ صفحہ۲۵۸، ابن ماجہ صفحہ۱۱۶، مسند احمد صفحہ۸۰)

حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں نکلے، آپ قبر کے کنارے بیٹھ گئے ہم لوگ بھی بیٹھ گئے، کھودنے والے نے ایک پنڈلی کی ہڈی یا بازو نکالا، اور اسے (پھاوڑے سے توڑنے لگا) آپ نے اسے منع فرمایا، اسے مت توڑو، میت کا توڑنا ایسے ہی ہے جیسے کہ زندہ کو توڑنا، ہاں البتہ

اسے قبر کی ایک جانب چھپا دو دفن کرو۔ (مرقاۃ المفاتیح جلد۵ صفحہ ۴۴۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مؤمن کو موت کی حالت میں اسی طرح (تکلیف دو امور سے) اذیت ملتی ہے جس طرح زندوں کو ملتی ہے۔ (مرقات المفاتیح جلد۴ صفحہ ۷۹)

فائدہ: آج کل جو پوسٹ مارٹم کا طریقہ رائج ہے، یہ شرعاً ناجائز ہے، اس میں سر، سینہ وغیرہ کو توڑ کر جانچ کیا جاتا ہے، اس میں مردے کی توہین اور اذیت ہے، طیبی میں ہے جس طرح زندوں کی توہین اکرام کے خلاف درست نہیں اسی طرح مردوں کی، علامہ باجی نے کہا کہ مردوں کا احترام زندوں کے احترام کی طرح ہے، جس طرح زندگی میں یہ امور ممنوع ہیں اسی طرح مرنے کے بعد بھی علامہ زرقانی نے بیان کیا میت کے ساتھ اس طرح کسر توڑی کی حرمت پر اتفاق ہے، ابن عبدالبر مالکی نے بیان کیا کہ جن امور سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ انہیں امور سے مردوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ لہٰذا اپنے اختیار میں ہو اور بس چلے تو پوسٹ مارٹم ہرگز نہ ہونے دے۔ (مرقاۃ جلد۵ صفحہ ۴۴۹)

مرنے والے کے متعلق عقیدت مندانہ کلمات کہنا

حضرت ابو درداء کو جب حضرت عبداللہ (بن مسعود) کی وفات کی خبر پہنچی تو کہا اپنا مثل نہیں چھوڑا۔

حضرت ابراہیم نخعی کی وفات کی خبر جب امام شعبی کو پہنچی تو امام شعبی نے کہا اللہ کی ان پر رحمت ہو، انہوں نے اپنا مثل نہیں چھوڑا، وہ میت کی حالت میں بھی زندوں سے زیادہ فقیہ ہیں۔

محمد ابن حنفیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے جنازہ میں کہا، آج علم کا انتقال ہوگیا، عمار نے بیان کیا کہ ہم لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ محل کے سایہ میں حضرت زید بن ثابت کے جنازہ کے موقعہ پر بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے فرمایا، آج کے دن بہت بڑے علم کو دفن کر دیا گیا۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۳۶۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ ایک صحابی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات میں قبر میں داخل کیا اس کے لئے روشنی جلائی گئی تھی، آپ نے اسے قبلہ کی جانب سے لیا، اور (اس کے حق میں) فرمایا۔

اللہ کی تم پر رحمت ہو تم بہت رونے والے اور قرآن کی تلاوت کرنے والے تھے۔

(ترمذی جلد۱ صفحہ ۲۰۴، سبل الہدیٰ جلد۸ صفحہ ۳۸۰)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ میت نیک و صالح ہو، بزرگ ہستی ہو، اہل علم و فضل ہو اس کی منقبت بیان کی جا سکتی ہے مگر مبالغہ آمیز اور خلاف واقعہ تعریف سے جو ایک قسم کا جھوٹ ہے احتیاط کرے۔

قبر اور احوال برزخ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ ارشادات کا بیان

فتنہ اور آزمائش قبر کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ قبر میں دباؤ اور سختی ہوتی ہے اگر اس سے کوئی بچ سکتا تو حضرت سعد بن معاذ بچتے۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۴۹، اتحاف الخیرہ جلد ۳ صفحہ ۳۷۰)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ دفن کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر قبر کے دباؤ اور سختی سے کوئی بچتا تو یہ بچہ محفوظ رہتا۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۴۹)

اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے وحی بھیجی گئی ہے کہ تم اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے، دجال کے فتنہ کے قریب۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ (سعد بن معاذ کے بارے میں) یہ وہ ہیں کہ جس کے لئے عرش ہل گیا آسمان کے دروازے کھل گئے ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے مگر پھر بھی قبر نے ان کو دبوچا، پھر ان کو راحت ملی۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۶، شرح الصدور صفحہ......)

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ قبر کے دبانے سے کوئی نہ بچا، حتیٰ کہ حضرت سعد بن معاذ بھی، جس کا ایک رومال بھی دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے۔ (شرح الصدور)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت زینب صاحبزادی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا، ہم لوگ ان کے جنازہ میں ہمراہ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی غمگین تھے آپ تھوڑی دیر قبر پر بیٹھ کر آسمان کی جانب دیکھنے لگے، پھر قبر کے پاس سے آ گئے اور آپ کا غم بہت زیادہ ہوگیا، پھر تھوڑی دیر بعد غم ختم ہوگیا اور آپ مسکرانے لگے، دریافت کیا تو فرمایا، میں قبر کے دبانے کو یاد کر رہا تھا، اور زینب کی کمزوری کو تو یہ بات مجھ پر دشوار گزری تو پہلے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ قبر کے دبانے میں کمی کر دی جائے تو دعا قبول ہوگئی، لیکن پھر بھی قبر نے (باوجود کم ہونے کے) دبایا اس کا دباؤ اتنا محسوس ہوا کہ اس کی آواز کو انسان و جنات کے علاوہ ہر ایک نے

سنا۔ (شرح الصدور صفحہ.....)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن معاذ دفن کیے گئے تو ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے سبحان اللہ (خوب) پڑھا لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ پڑھا۔ آپ نے تکبیر کہی لوگوں نے بھی تکبیر کہی۔ لوگوں نے پوچھا آپ نے کس وجہ سے سبحان اللہ کہا آپ نے فرمایا اس نیک مرد پر قبر تنگ ہوگئی تھی۔ (تسبیح وتکبیر سے) پھر اللہ پاک نے کشادہ فرمادیا۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۴۹، مشکوٰۃ صفحہ ۲۶)

عذاب قبر بیان فرماتے اوراس سے خوف دلاتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عذاب قبر حق ہے۔

(عمدۃ القاری، کنز العمال صفحہ ۶۳۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کو قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے یہاں تک کہ جانوران کی آوازوں (چیخ وپکار کو) سنتے ہیں۔ (کنز، مجمع الزوائد صفحہ ۵۹)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے دفن نہ کرنے کا اندیشہ نہ ہوتا (کہ اس کے عذاب کو سن کر تم دفن نہ کروگے) تو دعا کرتا کہ تم عذاب قبر (کی چیخ وپکار کو) سن لو۔

(مسند احمد، مسلم صفحہ ۳۸۶، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۶۴۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر آدمی جان لیتا کہ موت کے بعد اسے کیا کیا (مصائب وپریشانیاں) پیش آئیں گی تو وہ نہ تو کھانے کا ایک لقمہ کھاتا نہ پانی کا ایک گھونٹ پیتا (مارے رنج وفکر کے) روتا رہتا اوراپنے سینہ پر مارتا رہتا۔ (طبرانی، کنز جلد ۱۵ صفحہ ۶۴۰)

اے ابوایوب تم کیا نہیں سنتے جو میں سنتا ہوں۔ میں سنتا ہوں یہودیوں کی آواز (چیخ وپکار کو) جو قبروں میں عذاب دیئے جارہے ہیں۔ (بخاری صفحہ ۱۸۴، مسلم، مسند احمد، کنز جلد ۱۵ صفحہ ۶۴۴)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قبر آخرت کی پہلی منزل ہے پس اگر اس سے نجات پا جائے تو اس کے بعد کا مرحلہ آسان ہوجاتا ہے اوراگر نجات نہیں پایا تو اس کے بعد کا مرحلہ اس سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ (ترمذی صفحہ ۵۷، بیہقی، کنز صفحہ ۶۳۵)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کو قبر میں آزمایا جاتا ہے۔ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو جنت والوں کی طرح معاملہ کیا جاتا ہے (اس کا ٹھکانہ جنت اس پر پیش

کیا جاتا ہے اور اگر اہل دوزخ میں سے ہوتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا (جہنم دکھا کر) ٹھکانہ ہے۔ یہاں تک کہ قیامت آجاتی ہے۔ (بخاری صفحہ ۱۸۴)

اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ وعظ فرمانے کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے اس فتنہ اور آزمائش کا ذکر کیا۔ جس میں ان کو آزمایا جائے گا۔ (بخاری صفحہ ۱۸۳ الف مشکوٰۃ نسخہ ۲۶)

عذاب قبر کے چند عبرت آمیز واقعات

ابن جوزی نے کتاب عیون الحکایات میں اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ ابوسنان نے کہا میں ایک شخص کے پاس اس کے بھائی کی تعزیت کے لئے گیا تو دیکھا وہ بہت پریشان ہے۔ دریافت کرنے پر بتایا جب میں اس کے دفن سے فارغ ہوا تو میں نے قبر سے کراہنے کی آواز سنی، میں نے جلدی سے قبر کھولی تو مجھے کسی نے آواز دی اے بندہ خدا قبر نہ کھودو۔ چنانچہ میں نے پھر اسی طرح مٹی ڈال دی۔ ابھی دور ہی جانے پایا تھا کہ پھر آواز آئی پھر میں نے آکر تھوڑی سی مٹی ہٹائی آواز آئی اے بندہ خدا قبر نہ کھودو۔ پھر جب واپس آنے لگا تو وہی آواز آئی میں نے کہا بخدا اب ضرور کھودوں گا اب جو میں نے قبر کھود کر دیکھی تو اس کی گردن میں آگ کا ہار پڑا تھا۔ اور تمام قبر آگ سے روشن تھی۔ میں نے چاہا کہ یہ ہار اس کی گردن سے ہٹا دوں۔ تو میں نے اس پر اپنا ہاتھ مارا تو میری انگلیاں جل کر خاکستر ہوگئیں۔ اس نے (واقعہ بیان کرنے والے نے) اپنا ہاتھ دکھایا تو اس کی چار انگلیاں غائب تھیں۔ میں نے امام اوزاعی سے یہ تمام ماجرا سنایا۔ اور اعتراض کیا کہ یہودی نصرانی مجوسی مرتے ہیں تو ان کا یہ حال نہیں دیکھا جاتا۔ اور گناہگار مؤمن کا یہ حال۔ تو امام اوزاعی نے فرمایا ان کے جہنمی ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ تاہم اہل توحید (مسلمانوں) میں بعض کی حالت دکھا دی جاتی ہے۔ تاکہ عبرت حاصل کی جائے۔

(شرح صدور)

ابن ابی الدنیا نے عمر بن دینار سے روایت کی ہے کہ مدینہ میں ایک شخص کی بہنا کا انتقال ہوا۔ وہ اس کو دفن کرآیا۔ جب گھر پہنچا تو گھر والوں سے کہا میری ایک تھیلی تھی جو قبر میں رہ گئی اسے بھول آیا۔ اب جو تھوڑی سی قبر کھودی تو قبر آگ سے بھڑک رہی تھی میں نے قبر کو اسی طرح بند کر دیا۔ اور اپنی ماں کے پاس آکر کہا بہن کے بارے میں سوال کیا تو اس نے بتایا کہ وہ وقت پر نماز نہ پڑھتی تھی۔ (شرح الصدور)

حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ میں ''بدر'' کے مقام سے گزرا تو ایک آدمی کو دیکھا جو زمین سے نکل کر باہر آیا۔ ایک آدمی نے اسے ہتھوڑے سے مارا تو وہ زمین میں گھس گیا۔ پھر وہ نکلا پھر اسی طرح مارا وہ زمین میں گھس گیا اسی طرح ہوتا رہا۔ تو آپ نے فرمایا ابوجہل تھا اسی طرح اس کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا۔ (ابن ابی الدنیا، بلوغ الامانی صفحہ ۱۴۲)

ابوعبداللہ الحرانی نے کہا کہ میں اپنے گھر سے عصر کے بعد نکلا۔ قبرستان کی طرف آیا غروب شمس کے وقت میں قبروں کے درمیان سے گزرا تو کیا دیکھا ایک قبر ہے اس سے آگ کے شعلے اور چنگاری نکل رہی ہے۔ اس طرح جیسے آگ کی بھٹی سے۔ اور اس کے بیچ میں وہ مردہ تھا۔ تو میں اپنی آنکھوں پر ہاتھ پھیرنے لگا کہ میں سویا ہوا ہوں یا جاگا ہوا ہوں۔ پھر میں شہر کی دیوار کی طرف آیا تو میں نے کہا نہیں میں سو نہیں رہا ہوں۔ پھر میں اپنے گھر گیا اور بے ہوش ہوگیا۔ (یہ حیرت انگیز وحشت ناک ماجرا دیکھ کر دل برداشت نہ کرسکا) لوگوں نے کھانا لیا تو میں کھانا بھی نہ کھا سکا۔ پھر (ہوش میں آنے کے بعد) پوچھا کہ یہ کس کی قبر تھی تو لوگوں نے بتایا جو لوگوں سے ٹیکس لیتا تھا اس کی قبر ہے۔ (بلوغ الامانی جلد ۸ صفحہ ۱۴۲)

فائدہ: یعنی لوگوں سے ظلماً ٹیکس کی شکل میں مال لیا کرتا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ لوگوں سے ظلماً مال لینے والے کو قبر میں عذاب دیا جائے گا۔

حضرت سالم بن عبداللہ کی روایت میں ہے کہ میں مکہ مکرمہ مدینہ منورہ کے درمیان سواری پر گزر رہا تھا کہ ایک قبر پر سے گزر ہوا تو دیکھا کہ آگ کی لپٹوں کے ساتھ ایک آدمی قبر سے نکلا اور اس کی گردن میں لوہے کی زنجیر تھی جسے وہ کھینچ رہا تھا۔ اس نے کہا کہ اے عبداللہ ذرا پانی پلاؤ۔ قسم ہے خدا کی مجھے نہیں پتہ کہ اس نے میرا نام کیسے جانا یونہی عبداللہ کے نام سے پکارا جیسے لوگ پکار لیتے ہیں۔ پس دوسرا آدمی نکلا اس نے کہا اے عبداللہ اسے پانی مت دو۔ پھر اس نے زنجیر سے کھینچ کر قبر میں دھکیل دیا۔ (بلوغ الامانی جلد ۸ صفحہ ۱۴۲)

علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اپنی سند سے روایت کی کہ ایک شخص بغداد کے لوہاری بازار میں آیا اور چھوٹی چھوٹی کیلیں (کانٹیاں) فروخت کیں۔ لوہار نے ان کو پگھلانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ بالآخر اس نے بیچنے والے سے پوچھا یہ کیلیں تم کہاں سے لائے اولاً تو اس نے بتانے میں پس پیش کیا پھر بعد میں اس نے بتایا کہ میں نے ایک قبر کھلی ہوئی دیکھی اس میں ایک میت کے ساتھ یہ کیلیں (بدن پر) لگی ہوئی تھیں۔ میں نے نکالنے کی کوشش کی لیکن نہ نکلیں تو میں نے پتھر سے ان کی ہڈیوں کو توڑا اور یہ کیلیں جمع کر لیں۔

(کتاب الروح صفحہ ۶۳، شرح صدور)

تاریخ مقریزی میں لکھا ہے کہ ۶۹۹ھ میں ایک قاصد آیا کہ ایک شخص ساحلی علاقے میں رہتا تھا اس کی بیوی کا انتقال ہوا وہ اسے دفنا کر آیا ایک رومال جس میں درہم تھے قبر ہی میں بھول گیا۔ ایک عالم کو لے کر ساتھ میں قبر پر پہنچا۔ کہ اس سے وہ رومال نکالے۔ وہ عالم کنارے پر کھڑا ہوگیا۔ قبر جو کھودی گئی تو دیکھا کہ عورت کی ٹانگیں اس کے بالوں سے باندھ دی گئی ہیں اس کے بعد بے حد کوشش کی کہ اسے کھول دے۔ لیکن ناکام رہا۔ جب اس نے زیادہ کوشش کی تو اسے اور اس کی بیوی کو زمین میں دھنسا دیا۔ (اس ہیبت ناک واقعہ کو دیکھ کر وہ عالم

بے ہوش ہوگیا) اور ایک دن ایک رات تک وہ عالم وہیں بے ہوش پڑا رہا۔ بادشاہ نے اس واقعہ کی اطلاع شیخ تقی الدین بن دقیق العید (جو بہت بڑے محدث اور عالم تھے) کو لکھ کر بھیجا تو وہ آئے انہوں نے خود بھی یہ واقعہ دیکھا اور لوگوں نے بھی دیکھا۔ (شرح الصدور)

محدث بن عساکر نے محمد بن سعید سے روایت کی ہے کہ مسلم بن عتبہ (جو ظالم اور قاتل تھا) اس کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ ایک اژدہا اس کی گردن میں لپٹا ہوا ہے جو اس کی ناک کو چوس رہا ہے یہ حال دیکھ کر لوگ بھاگ گئے۔ (شرح الصدور)

فائدہ: علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ عذاب قبر کی دو قسمیں ہیں دائمی جو کافروں اور بعض گنہ گاروں کے لئے ہے غیر دائمی (جو کبھی ختم ہو جائے گا) یہ کم گناہ والوں کے لئے ہے ان کے جرائم کے مطابق عذاب ہوگا پھر ختم ہو جائے گا۔ یہ دعا اور صدقہ خیرات سے بھی ختم ہو جاتا ہے۔ پس لوگوں کو چاہئے کہ اپنے مردوں کے لئے صدقات خیرات کیا کریں۔

قبر میں کیا سوال کیا جائے گا

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مرفوع روایت میں ہے کہ مؤمن (صالح) کو قبر میں بٹھا دیا جائے گا اور اس سے سوال کیا جائے گا۔ تمہارا رب کون ہے، وہ کہے گا میرا رب اللہ ہے، پھر پوچھا جائے گا تمہارا نبی کون ہے جواب دے گا میرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر پوچھا جائے گا تمہارا دین مذہب کیا ہے، کہے گا میرا مذہب اسلام ہے، تو اس کے لئے (صحیح جواب دینے پر) دروازہ قبر میں (جنت کا) کھول دیا جائے گا۔

اگر وہ اللہ کا دشمن ہوگا۔ (کافر نافرمان) پس جب اسے قبر میں (برزخ میں) بٹھا کر پوچھا جائے گا کہ تمہارا رب کون تو وہ کہے گا ہمیں نہیں معلوم تو فرشتے کہیں گے میں تم کو جانتا تھا (یہی جواب دو گے) پھر اس کے لئے جہنم کا دروازہ کھول دیا جائے گا، پھر اسے اس سختی سے مارا جائے گا جسے انسان اور جن کے علاوہ سب سنیں گے۔

(مختصراً مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۵۶)

حضرت عبداللہ کی حدیث میں ہے کہ مؤمن کا جب انتقال ہو جاتا ہے قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے اور اس سے سوال کیا جاتا ہے "من ربك ما دينك من نبيك" پس وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے میرا دین اسلام ہے میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۵۷)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کو قبر میں آزمایا جاتا ہے جب مؤمن کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے اور اس کے رفقاء جب اس سے جدا ہو جاتے ہیں تو سخت جھڑکنے والا فرشتہ آتا ہے، اس سے کہا جاتا ہے، اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو (نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالیہ دکھا

کر) تو مؤمن کہتا ہے یہ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں، تو فرشتہ ان سے کہتا ہے دیکھو وہ ٹھکانہ جو تمہارا جہنم کا تھا اللہ نے تم کو اس سے نجات دی، جہنم کے بدلہ تجھے جو دکھایا گیا جنت دی، تو مؤمن کہتا ہے ذرا چھوڑو مجھے میں اپنے گھر والوں کو خبر کر دوں، تو اس سے کہا جاتا ہے، خاموشی اختیار کرو۔

(مسند احمد، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۶۳۷، مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۵۱)

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جب میت کو قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے، تو دو نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں، (بڑی ڈراؤنی شکل کے) اور ان سے کہتے ہیں اس آدمی کے بارے میں (رسول پاک ﷺ) کیا کہتے ہو، پس وہ کہتا ہے جو کہنا چاہئے، وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں گواہی دیتا ہوں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پس وہ دونوں کہتے ہیں ہمیں معلوم تھا کہ تم ایسا ہی کہو گے، پھر اس کی قبر کو ۷۰ گز کشادہ کر دیا جاتا ہے، پھر اس کی قبر کو نور سے روشن کر دیا جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے سو جاؤ (آرام کرلو) وہ کہتا ہے میں ذرا اپنے گھر والوں کو خبر کر دوں، تو وہ فرشتے کہتے ہیں سو جاؤ دلہن کی طرح سونا، سوا سے کوئی نہیں بیدار کرتا سوائے اس کے جو اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ اللہ پاک ہی اسے قیامت کے دن اٹھائے گا، اگر وہ منافق (فاسق گناہگار یا کافر) ہوتا ہے تو کہتا ہے (فرشتوں کے سوال کے جواب میں) میں نے سنا لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں، ہمیں نہیں معلوم وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں ہمیں معلوم تھا تم ایسا ہی کہو گے پس زمین سے کہا جاتا ہے اسے دبا دو، پس زمین اسے دبا دیتی ہے۔

(اس کی دونوں دیواریں مل جاتی ہیں) جس سے اس کی پسلیاں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں، اسی طرح وہ عذاب میں گرفتار رہتا ہے، یہاں تک اللہ پاک قیامت میں اسے اٹھائے گا۔ (ترمذی صفحہ ۲۰۵، کنز صفحہ، مشکوۃ صفحہ ۲۵)

حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، آدمی کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھی اس کے پاس سے چلے جاتے ہیں، تو وہ (اس وقت) ان کے جوتے کی آواز تک سنتے ہیں۔

دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں اس آدمی محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتے ہو، تو ایمان والا یہ جواب دیتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پس اس سے کہا جائے گا دیکھو ٹھکانہ جہنم تھا خدا نے اسے جنت سے بدل دیا، پس وہ دونوں کو دیکھے گا۔

اگر وہ منافق، (فاسق گناہگار) کافر ہوگا تو پوچھے جانے پر جواب دے گا، ہمیں نہیں معلوم ہے میں وہی کہتا ہوں، جو لوگ کہتے ہیں کہا جائے گا، تم نہ جانتے ہو اور نہ سمجھتے ہو، پھر لوہے کے ہتھوڑے سے اسے مارا جائے گا وہ چیخے گا، جس کی آواز کو قریب والے سنیں گے سوائے انسان اور جنات کے۔ (بخاری صفحہ ۱۸۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا، آپ سواری پر تھے، کہ وہ جانور بدکنے لگا، میں نے کہا اے اللہ کے رسول آپ کے جانور کو کیا ہوگیا کہ بدک رہا ہے، آپ نے فرمایا اس آدمی کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے اسی وجہ سے بدک رہا ہے۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۱۸۴)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ قبیلہ بنی نجار کے محلے میں داخل ہوئے تو آپ نے جاہلیت کے دور میں مرے ہوئے نجارے کے لوگوں کی آواز سنی جن کو قبروں میں عذاب دیا جارہا تھا، آپ خوفزدہ ہو کر نکلے، اپنے اصحاب کو حکم دیا عذاب قبر سے پناہ مانگیں۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۵۸، مجمع الزوائد صفحہ ۴۸۴)

میت کو قبر میں سوال کے لئے زندہ کیا جاتا ہے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا دو فرشتے (قبر میں مردے کے پاس آتے ہیں) اسے اٹھا کر بٹھا دیتے ہیں۔ اور اس سے سوال کرتے ہیں۔ (مختصرا، مشکوۃ صفحہ ۲۵)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب میت کو قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے (پھر جب اسے سوال کے لئے زندہ کیا جاتا ہے) تو اسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورج ڈوبنے جا رہا ہے پس وہ اٹھ بیٹھتا ہے اور اپنی آنکھوں کو پونچھتا ہے اور کہتا ہے چھوڑو مجھے نماز پڑھنے دو۔ (مشکوۃ صفحہ ۲۶، ابن ماجہ صفحہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب میت کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے (تو سوال کے لئے) اسے قبر میں سوال کے لئے اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے۔ (مختصرا، ابن ماجہ صفحہ، مشکوۃ صفحہ ۲۶)

فائدہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ میت کو جب لوگ قبر میں دفن کر دیتے ہیں اور دفن سے جب لوگ فارغ ہو جاتے ہیں تو اس میت کو قبر میں روح ڈال کر زندہ کیا جاتا ہے تاکہ اس سے سوال جواب کیا جا سکے۔

چنانچہ ابن حجر ان جیسی احادیث سے ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے کہ میت کو قبر میں سوال کے لئے زندہ کیا جاتا ہے۔ (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۴۸۴، بحوالہ تسکین الصدور صفحہ ۱۷۲)

اسی طرح علامہ آلوسی لکھتے ہیں جمہور اہل سنت اس کے قائل ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض جسم کی طرف سوال کے وقت ایسے انداز سے لوٹایا جاتا ہے جس کو اہل دنیا محسوس نہیں کر سکتے ہاں مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے تو محسوس کرا دے۔ (روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۵۷)

ابوبکر جصاص الرازی احکام القرآن میں ذکر کرتے ہیں مؤمن کو قیامت سے پہلے قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے۔ (جلد ۱ صفحہ ۱۰۸)

علامہ تقی الدین سبکی لکھتے ہیں: قبور میں اثبات حیات پر اہل سنت کا اجماع ہے۔

امام الحرمین اپنی کتاب "الشامل" میں فرماتے ہیں کہ امت کے اسلاف اثبات عذاب قبر اور مردوں کو قبروں

میں زندہ کرنے اور ان کی ارواح کو ان کے جسموں کی طرف لوٹانے پر متفق ہیں۔ (تسکین الصدور صفحہ ۱۷۴)

شرح مواقف میں ہے: مردوں کا قبروں میں زندہ کرنا منکر نکیر کا سوال...... سب حق ہے۔

(بحوالہ تسکین الصدور صفحہ ۱۷۵)

علامہ ابوالمظفر الاسفرائینی "التبصیر" میں لکھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے خبر دی ہے مردے قبروں میں زندہ کئے جاتے ہیں اور مردوں کے زندہ کرنے کے بارے میں اس قدر احادیث و آثار وارد ہوئے ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ (بحوالہ تسکین الصدور صفحہ ۱۸۱)

پس معلوم ہوا کہ قبر میں مردے زندہ کئے جاتے ہیں ان کو اٹھا کر بٹھا دیا جاتا ہے۔ تو ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورج ڈوب رہا ہے اور میں نے نماز نہیں پڑھی ہے۔ پھر ان سے منکر نکیر سوال جواب کرتے ہیں۔ مؤمن اور صالح جواب دے دیتا ہے فاسق گنہگار لڑکھڑا جاتا ہے۔ کافر تو جواب ہی نہیں دے پاتا ہے۔ اسی کے موافق راحت اور سزا ملنے لگ جاتی ہے۔

مردوں کی روحیں قبر میں لوٹا دی جاتی ہیں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طویل روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا (قبر میں) دو فرشتے آتے ہیں ان کو بٹھا دیتے ہیں اور پوچھتے ہیں (یہ سوال جسم میں روح لوٹانے کے بعد ہوتا ہے) پھر آپ نے کافر کی موت کا ذکر کیا۔ اور فرمایا اور اس کی روح اس کے بدن میں لوٹا دی جاتی ہے اور دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھا دیتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں۔ (مختصراً، بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۲۵)

ملا علی شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

"اعادة الروح الی العبد فی قبره حق"

ترجمہ: "قبر میں روح کا بندے کی طرف لوٹایا جانا حق ہے۔" (صفحہ ۱۲۰)

تفسیر جریر طبری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کافر کی روح کے قبض کرنے کے سلسلے میں فرمایا۔ پس ان کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ (بحوالہ تسکین صفحہ ۱۶۶)

مختصر الفتاویٰ میں ہے صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ روح موت کے بعد بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ اور اس سے سوال ہوتا ہے اور پھر لوٹا دی جاتی ہے۔ (تسکین الصدور صفحہ ۱۷۴)

ملا علی روح کے اعادہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تو جان لے کہ اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت کے اندر ایک گونہ زندگی پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ تکلیف اور لذت محسوس کرتا ہے۔

(شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۲۱)

علامہ عینی عمدۃ القاری میں جسم میں اعادہ روح کے متعلق لکھتے ہیں:

اس میں کوئی بعد نہیں کہ بدن کے بعض اجزاء کی طرف زندگی لوٹائی جائے اور وہی بعض اجزاء حیات قبر کے سوال اور عذاب سے مختص ہوں اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہ ہو۔ (صفحہ ۱۴۷)

ملا علی قاری مرقات میں لکھتے ہیں:

"فتعاد روحه في جسده" کی حدیث کا ظاہر اسی کو چاہتا ہے کہ روح کا اعادہ تمام بدن کی طرف ہوتا ہے۔ (جلد۴، صفحہ ۲۵، طبع ملتان)

علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

حق بات یہ ہے کہ جس میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے اس میں اس انداز کی حیات رکھی جاتی ہے جس سے وہ تکلیف محسوس کرتا ہے۔ (جلد۴ صفحہ ۹۹)

شرح عقائد میں ہے اور یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے تمام اجزاء میں یا بعض میں ایک گونہ حیات پیدا کر دے جس سے وہ عذاب کا درد اور خوشی کی لذت کا ادراک کر سکے۔

مطلب یہ ہے کہ قبر میں میت کے تمام یا بعض اجزاء میں ایک گونہ حیات پیدا کی جاتی ہے جس سے وہ قبر میں عذاب کا دکھ اور خوشی اور راحت کا سکھ ادراک و احساس کر سکتی ہے اور سوال قبر اور عذاب و راحت کے لئے اتنی ہی حیات کافی ہے اور ایسی حیات جائز اور ممکن ہے اس میں کوئی استبعاد اور محال نہیں۔

علامہ شامی لکھتے ہیں اکثر علماء کے نزدیک اس میں اس قدر حیات ڈالی جاتی ہے جس سے وہ تکلیف کا احساس کر سکتی ہے ڈھانچے کا باقی رہنا اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں بلکہ یہ حیات ایسے اجزاء متفرقہ میں پیدا کی جاتی ہے جن کو نگاہ محسوس نہیں کر سکتی۔ (الشامی صفحہ)

خیال رہے کہ قبر میں راحت اور سزا کے لئے دنیاوی جسم جسے مادی جسم کہتے ہیں کا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ مثالی جسم کو ہوتا ہے جو ہماری نظروں سے غائب ہیں اور اس جسم کا ہم ان آنکھوں سے ادراک نہیں کر سکتے۔

علامہ انور شاہ فیض الباری میں لکھتے ہیں صوفیاء کرام بیان کرتے ہیں کہ عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے نہ کہ بدن مادی کو۔ لہٰذا اگر قبر میں ہم کسی کے عذاب کا مشاہدہ نہیں کر سکتے تو کیا حرج ہے کیوں کہ ہم تو بدن مادی کو دیکھتے ہیں اور عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے۔

عذاب قبر کے بارے میں آسان بات یہ ہے کہ عذاب اس عالم میں دیا جاتا ہے جو ہماری نگاہوں سے غائب ہے۔ (فیض الباری جلد۲ صفحہ ۲۰۲)

ایک مقام پر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ عذاب صرف روح کو ہوتا

ہے اور دوسرا یہ کہ روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے مشہور یہی قول ہے اور ہدایہ کے اکثر شارحین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور میرے نزدیک بھی یہی مختار ہے۔ اگرچہ بدن ذرہ ذرہ ہی کیوں نہ ہو جائے کیوں کہ جمہور امت کے نزدیک شعور ہر چیز کو لازم ہے۔ (العرف الشذی صفحہ ۳۵۵)

عبدالحکیم سیال کوٹی لکھتے ہیں اعادہ روح کا مطلب یہ ہے اس قدر روح کا تعلق اس سے قائم کیا جاتا ہے جس سے وہ الم لذت اور جواب وسوال کا ادراک کر سکے۔ (عبدالحکیم علی الدوانی بحوالہ تسکین صفحہ ۱۹۰)

خلاصہ: اہل سنت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ میت جب قبر میں دفن کر دی جاتی ہے تو اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہے اور جسم سے روح کا اتنا اور ایسا تعلق ہو جاتا ہے کہ وہ راحت اور تکلیف وعذاب محسوس کرنے لگتا ہے اور اس تعلق کی کیفیت کا حقیقی علم خدا کو ہوتا ہے۔

مردے قبر میں سنتے ہیں اور بولتے بھی ہیں

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کو جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور لوگ جب دفن کر کے واپس جانے لگ جاتے ہیں تو میت ان کی جوتیوں کی آواز سنتے ہیں۔

(مختصراً، بخاری صفحہ ۱۷۸، مشکوٰۃ صفحہ ۲۴)

حضرت عبید بن مرزوق سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک عورت تھی جو مسجد کی صفائی ستھرائی کیا کرتی تھی اس کا انتقال ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ نہ چلا ایک روز اس کی قبر پر گزر ہوا دریافت کیا یہ قبر کس کی ہے صحابہ نے عرض کیا ام الجن کی آپ نے فرمایا وہی جو مسجد کا کام کیا کرتی تھی کہا ہاں اے اللہ کے رسول، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صف باندھی اور اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ پھر آپ نے اس سے دریافت کیا (مدفون سے) اے عورت کون سا عمل اچھا پایا۔

اس پر صحابہ نے عرض کیا کیا وہ سنتی ہے آپ نے فرمایا تم اس سے زائد سننے والے نہیں۔ روایت میں ہے کہ اس نے جواب دیا مسجد کی صفائی۔ (شرح صدور)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میت کو اس کے تخت "چارپائی" پر رکھ کر ۳ر قدم چلایا جاتا ہے تو وہ بات کرتی ہے جسے انسان وجنات کے علاوہ مخلوق سنتی ہے۔ چنانچہ میت کہتی ہے اے میرے بھائیو! اے میری نعش کے اٹھانے والو! دنیا تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے جیسے مجھ کو ڈالا۔ زمانہ تم سے کھیل نہ کرے جیسے مجھ سے کیا۔ جو کچھ میرے پاس تھا۔ وارثوں کے لئے چھوڑ دیا (شرح الصدور)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے مقتولین کے پاس ۳ر دن کے بعد آئے۔ (جہاں ان کی لاش ڈال دی گئی تھی) کھڑے ہو کر ان کو پکارا۔ اے ابوجہل بن ہشام۔ اے امیہ بن

خلف، اے عتبہ بن ربیعہ اے شیبہ بن ربیعہ کیا اللہ کا وعدہ تم نے (جہنم کا) حق نہیں پایا۔ ہم سے جو اللہ نے (فتح کا) وعدہ کیا تھا ہم نے حق پایا۔ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ کی اس بات کو سنا تو فرمایا۔ اے اللہ کے رسول کیسے یہ سنیں گے اور کہاں جواب دیں گے کہ مرے پڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس سے زیادہ سننے والے نہیں جو میں کہہ رہا ہوں ہاں مگر جواب نہیں دے سکتے (مسلم ۱/۳۸۷)

حضرت ابوسعید خدری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جب جنازہ کو (تخت یا چارپائی پر) رکھ دیا جاتا ہے اور لوگ اپنی گردنوں پر اٹھا لے جاتے ہیں تو میت اگر نیک وصالح ہوتی تو یہ کہتی ہے جلدی سے چلو جلدی سے چلو اور اگر نیک اور صالح نہیں ہوتی تو یہ کہتی ہے ہائے افسوس! کہاں لے چلتے ہو۔ اس کی آواز کو انسان کے علاوہ تمام سنتے ہیں۔ اگر انسان سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔ (بخاری صفحہ ۱۸۴)

فائدہ: مردے سنتے بھی ہیں بولتے اور کلام بھی کرتے ہیں۔ گو ہم اپنی کانوں سے ان کی بات اور آواز نہیں سن سکتے۔ اسی وجہ سے امام بخاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے "المیت یسمع خفق النعال" (میت جوتیوں کی آہٹ سنتے ہیں) اور "کلام المیت" (میت کلام گفتگو کرتے ہیں) باب قائم کر کے میت کے سننے اور بولنے کو ثابت کیا ہے۔ (صفحہ ۱۷۸، ۱۸۴)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ میت کا بولنا زبان سے حقیقۃً ہوتا ہے، مجازاً زبان حال مراد نہیں، اور ان کی بات اور کلام کو انسان کے علاوہ تمام اشیاء سنتے ہیں۔ (عمدۃ جلد ۸ صفحہ ۱۱۴)

جن کی روحانیت جس قدر اعمال صالحہ تقویٰ انابت الی اللہ کی وجہ سے قوی ہوتی ہے وہ اسی قدر برزخ میں سماع اور کلام اور گفتگو کی طاقت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرات انبیاء کرام اور شہداء عظام کو یہ قوت دوسروں کی بہ نسبت زیادہ رہتی ہے۔

سماع موتی کا مسئلہ اور اس کی تحقیق

خیال رہے کہ سماع موتی، مردے سنتے ہیں یا نہیں بعض لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ مگر ان کا اختلاف جمہور اور اجماع کی وجہ سے معتبر نہیں۔

تفسیر ابن کثیر میں علامہ حافظ ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی لکھتے ہیں:

"والسلف مجتمعون علی ھذا وقد تواترت الاثار عنھم بان المیت یعرف بزیارۃ الحی لہ ویستبشر بہ." تَرجَمَۃ: اور سلف صالحین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اور بلاشبہ تواتر کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ مردہ اس زندہ کو جو اس کی زیارت کرتا ہے۔ پہچانتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔ (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۳۸)

فیض الباری میں علامہ انور شاہ فرماتے ہیں:

"والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر."
ترجمہ: "مردوں کی سماع کی حدیثیں تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں۔" (جلد۲صفحہ۴۶۷)
فتح الملہم میں علامہ عثمانی لکھتے ہیں:
"ان سماع الموتٰی ثابت فی الجملة بالاحادیث الکثیرة الصحیحة."
ترجمہ: "سماع موتی فی الجملہ احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے۔" (جلد۲صفحہ۴۷۹)
علامہ آلوسی بغدادی اس مسئلہ پر طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"والحق ان الموتی یسمعون فی الجملة." (روح المعانی جلد۲۱صفحہ۵۷)

پس ان تمام جلیل القدر علمائے کے قول سے معلوم ہوا کہ مردے سنتے ہیں، سلام کرنے والوں کا جواب دیتے ہیں زیارت کرنے والے کو پہچانتے ہیں۔

قرآن پاک میں جو "انك لا تسمع الموتی" ہے اس سے معلوم ہوا کہ سماع سننا، اسماع سنانا دونوں الگ ہیں۔ خدائے پاک نے اسماع یعنی سنانے کی نفی کی ہے۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں آیت قرآنیہ "انك لا تسمع الموتی" کی تفسیری وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "جب آنحضرت ﷺ سے صحیح طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مردے زندے کا کلام سنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "انك لا تسمع الموتی" تم مردے کو نہیں سنا سکتے" یہ معنی ہوگا کہ تم اپنے اختیار اور قدرت سے نہیں سنا سکتے۔ جس طرح کہ تم زندہ کو سنا سکتے ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے مردوں کو زندہ کا کلام سنا دیتا ہے۔ یا "انك لا تسمع الموتی" کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کو اس انداز سے نہیں سنا سکتے جس پر نفع مرتب ہو۔ (تفسیر مظہری جلد۷صفحہ۲۵۳)

حافظ ابن کثیر اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "لا تسمعهم شیئا ینفعهم" تم ان (مردوں کو) ایسی چیز نہیں سنا سکتے جو ان کو (برزخ میں) نفع دے۔ (ابن کثیر جلد۳صفحہ۳۸۴)

یعنی آیت کا مطلب یہ نہیں کہ مردے سنتے ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے حق میں سماع مفید اور نافع نہیں کیوں کہ جب تکلیفی زندگی ختم ہو چکی تو پھر ایمان لانے اور توبہ کرنے کے کیا معنی۔ اور یہ بھی مطلب ہے کہ سنانا تمہاری قدرت واختیار میں اور بس میں نہیں کیوں کہ جس عالم میں یہ سماع ہے، وہ قبر اور برزخ کا عالم ہے۔ دونوں جہاں کا قانون اور حال اور صفات الگ الگ ہیں۔ اس عالم دنیا میں ہر ایک کو تم اپنا قول سنا سکتے ہیں مگر برزخ میں تم اپنے اختیار سے نہیں سنا سکتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بات کو اپنی قدرت سے ان تک نہ پہنچائے۔ خواہ خود یا فرشتوں کی معرفت۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی ایک روایت میں ہے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا جب بھی کوئی شخص اپنے مؤمن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا تو جب وہ اس کی قبر پر سلام کہتا ہے صاحب قبر اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (جامع الصغیر جلد۲ صفحہ ۱۵۱)

مردوں کے سننے اور کلام و گفتگو کے واقعات کو علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے شرح الصدور میں کثرت کے ساتھ ذکر کیا ہے تفصیل مطلوب ہو تو وہاں دیکھئے۔

عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ ہم ایک جنازہ میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ تھے۔ جب دفن سے فارغ ہوگئے۔ لوگ چلے گئے تو آپ نے فرمایا۔ یہ تمہارے جوتوں کی آہٹ بھی سنتے ہیں۔ ان کے پاس اب منکر نکیر (دو فرشتے) آئیں گے۔ جن کی آنکھیں تانبے کی ہانڈی جیسی (بڑی اور ڈراؤنی ہوں گی) دانت گائے کے دانت جیسے ہوں گے۔ اور آواز بادل کی گرج کے مانند ہوگی۔ بٹھا کر سوال کریں گے کس کی عبادت کرتے تھے تمہارے نبی کون ہیں اگر وہ اللہ کی عبادت کرنے والا ہوگا تو وہ کہے گا میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں میرے نبی محمد ہیں جو دلائل لے کر آئے ہیں ہم ان پر ایمان لائے۔ اور ان کی اتباع کی ان کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا قبر کشادہ کر دی جائے گی۔ اگر وہ انکار کرنے والوں میں (کافر) ہوگا تو وہ کہے گا ہمیں نہیں معلوم لوگوں کو سنا ایسا ایسا کہتے تھے اس کے لئے جہنم کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔ اس پر سانپ اور بچھو لگا دیئے جائیں گے کہ اگر دنیا میں ایک پھونک ماردیں تو زمین کچھ نہ اگائے۔ اور زمین کو حکم دیا جائے گا اس کی پسلیاں ایک دوسرے سے دبا کر ملا دیں۔ (مجمع الزوائد جلد۳ صفحہ ۵۷)

فَائِدَہ: قبر میں مردوں کو جو عذاب ہوتا ہے اس کا تعلق صرف روح سے نہیں ہوتا یعنی صرف روح ہی کو راحت اور عذاب نہیں دی جاتی ہے بلکہ روح اور جسم دونوں کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ ابن قیم کتاب الروح میں لکھتے ہیں۔ ہمارے ائمہ کا یہ مذہب ہے کہ جس شخص کی وفات ہو جاتی ہے تو وہ راحت اور عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اور یہ راحت اور تکلیف اس کی روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتی ہے۔ (صفحہ ۶۳)

شرح عقیدہ طحاوی میں ہے اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔ ابن قیم کتاب الروح میں لکھتے ہیں (میت کے مرنے کے بعد قبر میں یا برزخ میں) راحت اور عذاب تمام اجزاء جسم پر واقع ہوتے ہیں یا اس کے جز پر بایں طور پر کہ اللہ تعالیٰ اس میں الم اور لذت پیدا کر دیتا ہے یا تو زندگی لوٹا کر...... عذاب روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے۔ (کتاب الروح صفحہ ۱۴۲، تسکین صفحہ ۱۳۶)

ایک اور مقام پر ابن قیم لکھتے ہیں تو جان لے سلف امت اور اس امت کے اماموں کا مذہب یہ ہے کہ میت

کو راحت اور سزا ہوتی ہے اور یہ اس کے روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتی ہے اور روح کو بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی راحت وسزا ہوتی ہے۔ (صفحہ ۶۳، ۶۴، تسکین الصدور صفحہ ۱۴۷)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عذاب اور راحت کا تعلق مرنے کے بعد صرف روح سے رہتا ہے جسم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ سو اس کے بعض لوگ قائل ہیں مگر اہل سنت والجماعۃ کے مسلک کے خلاف ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ الحرانی اس مسئلہ پر وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عذاب قبر صرف روح کو ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن میسرہ اور ابن حزم کہتے ہیں یہ قول اکثر اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک مردود ہے اور دوسرے حضرات اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مخبر صادق کی خبر سے احتجاج کرتے ہیں...... بلاشبہ اس حدیث میں روح کے جسم کی طرف اعادہ اور پسلیاں آر پار ہونے کی تصریح ہے اور اس میں بالکل روشن دلیل ہے کہ عذاب روح اور بدن دونوں پر ہوتا ہے۔ (تسکین الصدور صفحہ ۱۴۰)

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی لکھتے ہیں بلاشبہ قبر کا عذاب حق ہے اور یہ عذاب روح اور اس جسم پر ہوتا ہے جس جسم کو لحد اور قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔ (تسکین الصدور صفحہ ۱۴۰)

شاہ عبدالعزیز صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی تحفہ اثنا عشریہ کی عبارت سے مفہوم اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں میت کی روح کا اس کے بدن عنصری کے ساتھ تعلق قائم کیا جاتا ہے اور اس تعلق کی بنا پر اس کو قبر کی راحت و تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور دوسروں کو اس کا احساس نہ ہونا اس کے عدم وقوع کی دلیل نہیں۔ (تسکین صفحہ ۱۴۷)

حضرت شاہ عبدالحق رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں: اس میں اختلاف ہے کہ عذاب قبر مردہ کو زندہ کر کے دیا جاتا ہے یا روح کو اس کے مقابل رکھ کر۔ اس میں حیات پیدا کر کے یا اور کسی نوع سے جس کو پروردگار ہی جانتا ہے اور ہمارے لئے اس کی حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں ہے اور حق یہ ہے کہ زندہ کر کے اسے عذاب دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ احادیث کا ظاہر اس پر دال ہے۔ (تسکین الصدور صفحہ ۱۵۵)

حاصل کلام اس مسئلہ کا یہ ہے کہ عالم قبر یا برزخ میں میت کو صرف روحانی سزا نہیں ہوتی ہے اور اس کی سزا کا تعلق صرف روح سے نہیں ہوتا بلکہ روح مع الجسم ہوتا ہے۔ گو اس کے جسم کا معذب اور تنعم نہ نظر آئے اور نہ محسوس ہو چونکہ جس عالم میں اسے سزا ہو رہی ہے اور جس کیفیت سے ہو رہی ہے وہ ہماری ادارک اور پکڑ سے بالاتر ہے۔ خود دنیا میں کتنی ہی ایسی چیزیں ہیں جو واقع ہو رہی ہیں مگر ان کا ادراک اور احساس ہمیں نہیں ہو رہا ہے اسی طرح یہ بھی ہے۔

کسی بھی طرح موت ہو راحت اور عذاب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا مردے اپنی قبروں میں

(عالم برزخ میں) عذاب دیئے جاتے ہیں۔ جانور اس آواز کو سنتے ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد۳ صفحہ۵۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر کی قبر میں (عالم برزخ میں) ۹۹ رسانپ لگادیئے جاتے ہیں جو اسے قیامت تک ڈستے رہیں گے اگر ایک سانپ زمین پر پھونک ماردے تو زمین ایک گھاس نہ اگائے۔ (مجمع الزوائد جلد۳ صفحہ۵۸)

ابن قیم کتاب الروح میں لکھتے ہیں عذاب قبر عذاب برزخ ہی کو کہتے ہیں پس ہر ایسا شخص جو عذاب کا مستحق ہوتا ہے جب مرجاتا ہے تو اس کو اس کے عذاب کا حصہ پہنچ ہی جاتا ہے قبر میں دفن کیا گیا ہو یا نہ سوا گر اس کو درندے کھا گئے ہوں یا جلا دیا گیا ہو حتیٰ کہ اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی گئی ہو یا سولی پر لٹکا دیا گیا ہو یا دریا برد ہو چکا ہو۔ بہرکیف اس کی روح اور بدن دونوں کو وہ عذاب حاصل ہوگا جو قبر میں دفن شدہ کو حاصل ہوتا ہے۔

(کتاب الروح صفحہ۹۳)

اسی طرح علامہ قرطبی فرماتے ہیں جملہ اہل کشف کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ میت قبر کی تنگی اور پسلیوں کے آر پار ہونے کو محسوس کرتی ہے اگرچہ وہ درندوں اور پرندوں کے پیٹ میں ہو یا اس کو جلا کر ہوا میں بکھیر دیا گیا ہو میت کا ہر ذرہ تکلیف کو محسوس کرتا ہے اگرچہ اس کے ذرات متفرق ہو چکے ہوں۔

(تذکرہ صفحہ۲۶، بحوالہ تسکین الصدور صفحہ۹۲)

اسی طرح فتاویٰ بزازیہ میں ہے (میت سے سوال مرنے کے بعد) اسی جگہ ہوتا ہے جہاں میت قرار پکڑے حتیٰ کہ اگر کسی کو درندے نے کھالیا تو اس سے درندہ کے پیٹ میں ہوگا۔ (تسکین الصدور صفحہ۱۰۱)

الحاصل لفظ قبر حقیقۃً اس گڑھے پر اطلاق کیا جاتا ہے جس میں میت دفن ہوتی ہے اور مجازی طور پر اس برزخی مقام پر بھی بولا جاتا ہے جہاں میت یا اس کے اجزاء اصلیہ ہوں عام اس سے کہ وہ درندوں اور پرندوں کا پیٹ ہو، یا دریا کی گہرائی ہو آتش کدہ (آگ) ہو یا ہوا ہو۔ بہرحال صلاح اور نیکی کی بنیاد پر راحت اور آرام۔ فسق گناہ کفر وشرک کی بنیاد پر عذاب وتکلیف کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ موت اور میت کی شکلوں کے اختلاف سے اس میں فرق نہیں پڑتا۔

عذاب قبر کن بداعمالیوں سے ہوتا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا ان دو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے اور ان کو عذاب کسی بڑی بات سے نہیں ہو رہا ہے ایک کو تو اس وجہ سے کہ وہ پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا، دوسرے کو اس وجہ سے کہ وہ چغل خوری کرتا تھا۔

(بخاری صفحہ۳۵، مسلم صفحہ۱۴۱، نسائی صفحہ۱۲، ابوداؤد صفحہ۴)

اکثر عذاب قبر پیشاب کی بے احتیاطی سے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اکثر عذاب قبر پیشاب کی بے احتیاطی کی وجہ سے ہوتا ہے پس پیشاب کی بے احتیاطی سے بچو۔

(دار قطنی صفحہ ۱۲۸، مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۲۱۲، مرقات صفحہ ۳۵۰)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا پیشاب سے بچو اس لئے کہ عام طور پر عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (دار قطنی جلد ۱ صفحہ ۱۲۷، مرقات جلد ۱ صفحہ ۳۵۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، اکثر عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (دار قطنی صفحہ ۱۲۸، مرقات صفحہ ۳۵۰، احمد، ابن ماجہ صفحہ ۲۹ حاکم)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا پیشاب سے بچو قبر میں سب سے پہلے سوال مواخذہ اسی کے بارے میں ہوگا۔ (طبرانی، مرقات جلد ۱ صفحہ ۳۵۰، کنز صفحہ ۳۴۴)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا ہم عذاب قبر میں گرفتار ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں پیشاب کی وجہ سے ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۲۱۴)

فائدہ: خیال رہے کہ عذاب قبر میں پاکی ناپاکی کی بے احتیاطیوں کو عظیم دخل ہے، کہ اسی طہارت پر عبادت کی صحت کا مدار ہے، جب طہارت صحیح نہ ہوگی تو نماز صحیح نہ ہوگی جو گناہ عظیم کا باعث ہے۔

شرح مسند احمد میں ہے کہ خدا کی معرفت سے جہالت، اللہ کے اوامر و احکام سے بے پرواہی، ان گناہوں کا ارتکاب جو غضب خداوندی کا باعث ہے۔ عذاب قبر کا سبب ہے۔

"اما الاسباب الموقعة في العذاب القبر فهي الجهل بالله والاضاعة لامره والارتكاب لمعاصية المفضية الى سخطته المعبر به عن عذابه." (جلد ۸ صفحہ ۱۴۵)

بلا طہارت نماز پڑھ لینے پر عذاب قبر

عمرو بن شرحبیل کی روایت میں ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اسے قبر میں داخل کیا گیا تو فرشتے آئے اور کہا، عذاب الٰہی کے سو کوڑے تمہیں ماروں گا، تو اس کی نماز اس کا روزہ اس کی جہاد کا ذکر ہوا، تو اس کے عذاب میں تخفیف کر دی گئی یہاں تک کہ دس کوڑے تک کی بات پہنچی پھر اس نے تخفیف کی درخواست کی یہاں تک کہ ایک کوڑے لگانے تک بات آئی، تو انہوں نے کہا ایک کوڑا تو ضرور لگے گا اس کے چھوڑنے کی گنجائش نہیں، چنانچہ انہوں نے ایک کوڑا جو لگایا تو اس سے نکلنے والی چنگاری سے قبر میں اجالا ہوگیا، اور وہ بے ہوش ہوگیا، پھر

جب وہ ہوش میں آیا تو اس نے پوچھا کہ مجھے کوڑا کیوں لگایا، تو فرشتوں نے جواب دیا، تو نے ایک دن پیشاب کیا تھا وضو نہیں کیا اور نماز پڑھ لی تھی، (شاید بھولے سے ایسا ہوا ہوگا) (شرح الصدور صفحہ ۱۶۵، مصنف عبدالرزاق صفحہ ۵۸۸)

فائدہ: اس روایت سے معلوم ہوا کہ بلا طہارت کے نماز پڑھنے اور مظلوم کی مدد نہ کرنے سے باوجودیکہ وہ طاقت اور وسعت رکھتا ہو مدد کر سکتا ہو مگر غفلت تہاون کی وجہ سے مدد نہیں کی تو عذاب قبر میں گرفتار ہوگا، باوجودیکہ وہ نماز روزہ، جہاد پر عمل کرنے والا ہو، ہاں ان اعمال کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی۔

غیبت اور پس پشت برائی سے عذاب قبر

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے خچر پر سے گزرے تو وہ بدکنے لگا، آپ نے فرمایا اسے بدکنے کا حق ہے، ان دو قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے مگر کسی بڑی بات اور معصیت (گناہ) سے نہیں، ایک کو تو اس وجہ سے کہ وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا، اور اسے (دوسرے کو) تو اس وجہ سے کہ لوگوں کا گوشت کھاتا تھا۔ (یعنی غیبت کرتا تھا)۔ (ابن عبدالرزاق صفحہ ۵۸۸)

طاؤس کی ایک مرسل روایت میں اس طرح ہے کہ ایک کو تو عذاب اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا، دوسرے کو اس وجہ سے کہ لوگوں کی پس پشت برائیاں کرتا تھا۔ (یعنی پیٹھ پیچھے غیبت کرتا تھا)۔ (صفحہ ۵۸۹)

فائدہ: غیبت عذاب قبر کا سبب ہے، لہٰذا اس سے بہت احتیاط اور بچنا چاہئے۔

چغل خوری سے عذاب قبر

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کی قبروں کے پاس سے گزرے جو جاہلیت (شرک) کے دور میں وفات پا چکے تھے، آپ نے سنا وہ چغل خوری کی وجہ سے قبر میں عذاب دیئے جا رہے تھے۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۵۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت گزری ہے کہ ایک شخص کو چغل خوری کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔ (بخاری صفحہ ۳۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عذاب قبر ۳/ چیزوں سے ہوتا ہے۔ ① غیبت ② چغلی ③ پیشاب کی وجہ سے، پس ان امور سے احتیاط کرو۔ (بیہقی شرح صدور صفحہ ۱۶۲)

مظلوم کی فریاد رسی نہ کرنے پر عذاب

عمرو بن شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ عذاب قبر کے فرشتے نے کہا ایک کوڑا تو تم کو ضرور

ماروں گا، چنانچہ ایک کوڑا مارا تو پوری قبر چنگاری سے بھر گئی اور وہ بے ہوش ہوگیا، ہوش میں آنے پر پوچھا کہ تم نے یہ کوڑا کیوں مارا فرشتہ نے (ایک سبب اس کا) یہ بتایا کہ تم نے مظلوم کو دیکھا اور اس کی فریاد رسی نہیں کی۔

(شرح الصدور صفحہ ۱۶۵، مصنف ابن عبدالرزاق صفحہ ۵۸۸)

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، اللہ کے بندوں میں سے کسی بندے کو قبر میں سو کوڑے مارنے کا حکم ہوا، وہ اللہ سے دعا کرتا رہا، (کہ تخفیف کر دی جائے) تو ایک کوڑے کے مارنے کا حکم ہوا، (چنانچہ ایک کوڑے کی مار سے) اس کی قبر آگ سے بھڑک گئی جب یہ آگ ختم ہوئی تو اسے ہوش آیا، اس نے پوچھا کیوں مجھے کوڑا مارا گیا، تم نے بلا طہارت کے نماز پڑھی تھی، اور فلاں مظلوم کے پاس سے گزرے تھے تم نے اس کی مدد نہیں کی تھی۔ (شرح الصدور صفحہ ۱۶۵)

حضرت اسماء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے وعظ فرمایا اور قبر کے اس فتنہ کا تذکرہ کیا۔ جس میں انسان کو مبتلا کیا جائے گا، چنانچہ جب آپ نے اس کا تذکرہ کیا، تو مسلمانوں نے چیخ ماری۔ (بخاری ۱۸۳)

حضرت اسماء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی دوسری حدیث میں ہے کہ جب لوگوں نے چیخ ماری تو اس کی آواز سے حضرت اسماء نہ سمجھ سکیں جب چیخ ختم ہوئی تو میں نے ایک قریبی آدمی سے کہا، اللہ تجھے برکت دے، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے آخر میں کیا فرمایا (کہ سب چیخنے لگے) تو اس نے کہا آپ نے فرمایا مجھے وحی بھیجی گئی ہے کہ تم فتنہ دجال کی طرح قبر میں فتنہ میں پڑو گے۔ (یعنی سوال کے آزمائش میں)۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۲۰۴)

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، میں نے کوئی خوفزدہ منظر قبر کے منظر سے زیادہ خوفناک نہیں دیکھا۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۷، ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۵، مشکوٰۃ صفحہ ۲۶)

ملا علی قاری نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ خوفزدہ خوفناک منظر اس وجہ سے ہے کہ یہ لذت، ظلمت، دہشت، حیرت، وحشت، غربت، کیڑوں اور مٹی کا مقام ہے، ملائکہ کے عذاب کا مشاہدہ حساب تنہائی کا ایسا مقام ہوتا ہے جہاں سوائے رب کے اور کوئی نہیں۔ (مرقات صفحہ ۲۰۹)

مسجد میں ہنسا قبر کی تاریکی کا باعث

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا مسجد میں ہنسا قبر میں تاریکی کا باعث ہے۔ (شرح صدور صفحہ ۱۵۸)

پس معلوم ہوا کہ مسجد میں ہنسا بہت بری بات ہے۔

قبلہ سے منہ پھیر دیا جاتا ہے

ابواسحاق فزاری نے بیان کیا کہ اس کے پاس ایک قبر کھودنے والا آیا جس نے یہ بیان کیا کہ اس نے ایک

جماعت کی قبر کھدائی میں مردوں کو دیکھا کہ ان کے سر قبلہ سے پھرے ہوئے ہیں۔ (حالانکہ دفن کے وقت ان کا رخ قبلہ ہوتا ہے) امام اوزاعی کے پاس یہ سوال پہنچا تو انہوں نے جواب دیا، خلاف سنت امور کے ارتکاب پر موت واقع ہو جانے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ (شرح صدور صفحہ ۱۷۳)

فائدہ: خلاف سنت و بدعت امور کے ارتکاب کی وجہ سے قبلہ سے منہ قبر میں پھیر دیا جاتا ہے، اہل بدعت کی یہ سزا ہے، خدا کی پناہ۔

بے وقت نماز پڑھنے سے عذاب قبر

علامہ ابن جوزی نے بیان کیا کہ مدینہ کا ایک شخص تھا اس کی بہن تھی اس کا انتقال ہو گیا تو اسے دفن کر دیا گیا، اسے یاد آیا کہ اس کی کوئی چیز قبر میں گر گئی ہے ایک آدمی لے کر اس نے قبر کھودی تو وہ گری چیز اسے مل گئی، پھر اس نے اپنی بہن کی لحد بغلی قبر سے جو ایک اینٹ نکالی تو اس کی قبر آگ سے بھر رہی تھی، اس نے اینٹ رکھ دی اور قبر بند کر دی، گھر آ کر ماں سے بیان کیا کہ وہ تو عذاب میں پڑی ہے بتاؤ کہ ماجرا کیا ہے ماں نے کہا نماز دیر سے پڑھتی تھی، بلا وضو پڑھ لیتی تھی، پڑوسیوں کے دروازے پر چھپ کر کان لگاتی تھی۔ (کتاب الروح صفحہ ۶۲)

فائدہ: دیکھئے اس وقعہ سے معلوم ہوا کہ نماز میں کوتاہی اور وقت کی رعایت کے ساتھ نہ پڑھنے سے قبر میں آگ لگی رہتی ہے، سوچئے جو لوگ سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے ان کا کیا حال ہوگا۔

ظلم اور ناجائز و ناحق مال کے لینے سے قبر میں آگ

ابوعبداللہ الحرانی نے بیان کیا کہ میں ایک دن عصر کے بعد باغ میں چند قبریں تھیں گیا، اپنی آنکھ سے دیکھا کہ ایک قبر آگ کی بھٹی کے مانند آگ کا انگارا ہو رہی تھی معلوم کیا تو پتہ چلا کہ ایک ظالم چنگی وصول کرنے والے کی قبر تھی جو آج ہی دفن کیا گیا تھا۔

فائدہ: ناجائز مال ہتھیانے اور وصول کرنے والے کی سزا قبر میں آگ لگ جانے سے ملے گی، آج کی اس دنیا میں لوگ دوسرے کے مال کے ہڑپنے کو کمال ہنر اور چالاکی سمجھتے ہیں، اس کی سزا میں قبر جب آگ کی بھٹی ہو جائے گی تب پتہ چلے گا۔ (کتاب الروح صفحہ ۶۱)

ماں کو بے ادبی کے ساتھ پکارنے کی سزا قبر میں

ابوقزعہ کہتے ہیں بصرے کے راستے سے گزرا تو ایک قبر سے گدھے کی آواز سنائی دی، ہم نے لوگوں سے پوچھا یہ گدھے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے، لوگوں نے کہا ایک شخص ہمارے قریب رہا کرتا تھا، جب اس کی ماں اسے پکارتی تو یہ کہتا تھا گدھے کی طرح کیوں چیختی ہے اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر سے روزانہ گدھے کی

آواز آتی ہے۔ (کتاب الروح صفحہ ۶۲)

ماں کے ساتھ بدکلامی کی سزا ملی، کس قدر عبرتناک واقع ہے۔

عمومی عذاب قبر کے اسباب

علامہ ابن قیم کتاب الروح میں لکھتے ہیں:

"قال عذاب القبر وعذاب الآخرة اثر غضب الله وسخطه على عبده فمن اغضب الله واسخطه في هذه الدار ثم لم يتب مات على ذلك كان له من عذاب البرزخ بقدر غضب الله وسخطه."

یعنی عذاب قبر اور عذاب آخرت اللہ کے غصے اور ناراضگی کی علامت ہے، جس نے دنیا میں اللہ کو ناراض کیا غصہ میں مبتلا کیا (یعنی اس کی نافرمانی کی) پھر بلا توبہ کے مرگیا اس پر اسی ناراضگی (بداعمالی کی مقدار) عذاب ہوگا۔ (صفحہ ۷۰)

پھر لکھتے ہیں کہ جھوٹ، بہتان، کذب افتراء سے لوگوں میں عداوت کرانے والا سخت ترین عذاب قبر میں مبتلا ہوگا، اور یہ بھی معلوم ہوا جس نے نماز چھوڑ دی جس کی شرطوں میں سے ایک شرط پیشاب سے پاکی ہے، وہ بھی سخت ترین عذاب قبر میں مبتلا ہوگا، اسی طرح آپ ﷺ نے زنا کار مردوں اور عورتوں پر اور سود خواروں پر عذاب کا مشاہدہ برزخ میں کیا ہے۔ (صفحہ ۷۱)

ابن قیم لکھتے ہیں کہ اکثر لوگوں کو قبر کا عذاب ہوگا، چونکہ اکثر لوگ گناہگار ہوتے ہیں، عذاب قبر سے محفوظ اور بچنے والے تھوڑے ہیں افسوس بظاہر قبروں پر مٹی پڑی ہے مگر اس کے اندر عذاب اور تکالیف رنج وغم ہیں۔

"ولما كان اكثر الناس كذلك كان اكثر اصحاب القبور معذبين والفائز منهم قليل فظواهر القبور تراب وبواطنها حرات عذاب." (صفحہ ۷۲ کتاب الروح)

عذاب قبر دائمی اور وقتی طور پر

علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں لکھا ہے کہ عذاب قبر دائمی بھی ہے اور وقتی بھی ہے۔ دائمی عذاب قبر سے مراد وہ عذاب ہے جو مرنے کے بعد سے لے کر پہلی صور کے پھونکنے جانے تک قائم رہتا ہے، دائمی عذاب کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول۔

"النار يعرضون عليها غدوا وعشيا." آگ ان پر ہر دن صبح وشام پیش کی جاتی رہے گی۔

دوسری قسم کا عذاب قبر میں وقتی ہے جو معمولی گناہ کرنے والے پر ان کے گناہوں کے مطابق ایک مقررہ

وقت تک ہوتا ہے، پھر موقوف ہو جاتا ہے، جیسا کہ گنہ گاروں کو ایک خاص وقت تک جہنم میں عذاب ہوگا، پھر عذاب موقوف ہو جائے گا۔ اس قسم کا عذاب قبر دعا سے صدقہ سے یا استغفار سے یا تلاوت سے جو کسی عزیز کی طرف سے مردے کو پہنچتی ہے موقوف ہو جاتا ہے۔ (شرح الصدور صفحہ ۱۸۱، کتاب الروح)

عذاب قبر سے حفاظت کے اعمال

• سوتے وقت سورۃ ملک پڑھنے کا اہتمام

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے ہر رات سورۃ تبارک الذی پڑھی اللہ تعالیٰ اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا۔ ہم لوگ اس سورت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مانعہ کہا کرتے تھے۔ (یعنی عذاب قبر سے روکنے والی)۔ (شرح الصدور)

حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ سورہ ملک مانعہ (عذاب قبر سے روکنے والی ہے) جب عذاب قبر سر کی جانب سے آتا ہے تو اسے روک دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اس کے پاس نہ آ، کیوں کہ اس نے سورہ ملک یاد کی ہے، جب عذاب (قبر) پاؤں کی جانب سے آتا ہے تو یہ سورہ کہتی ہے تو لوٹ جا، کیونکہ یہ پاؤں پر کھڑے ہوکر (نماز میں) پڑھتا تھا۔ (شرح صدور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ (سورۃ ملک) مانعہ ہے یہ اللہ کے عذاب سے نجات دلاتی ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۸)۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں بسند ضعیف حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اور اسے تبارک الذی کے علاوہ کچھ قرآن یاد نہ تھا، فرشتے عذاب قبر میں آئے تو وہ سورت ظاہر ہوئی اس پر فرشتہ عذاب نے کہا چونکہ تم موجود ہو اس لئے میں جاتا ہوں۔

فائدہ: اس سورۃ تبارک کی وجہ اور برکت سے عذاب سے وہ شخص محفوظ ہوگیا، پس ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ سورہ تبارک الذی کو خاص دخل ہے عذاب قبر کے دفاع میں، مزید ثواب کے علاوہ اس کی خاصیت ہے کہ یہ اپنے پڑھنے والوں کو عذاب قبر سے محفوظ رکھتی ہے، اگر کسی گناہ اور کوتاہی کی وجہ سے عذاب کے فرشتے آتے بھی ہیں تو اس میں سورہ پاک کا اثر نمایاں ہوتا ہے جس سے وہ عذاب دینے سے باز اور رک جاتے ہیں، لہٰذا جو لوگ غیبت چغلی اور کسی وجہ سے پیشاب، کی بے احتیاطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ضعف مثانہ یا مرض کی وجہ سے کامل احتیاط نہیں ہو پاتا ان کو خصوصاً اہتمام کے ساتھ سوتے وقت اس کا ورد رکھنا چاہئے تاکہ عذاب قبر جیسی مصیبت

سے حفاظت ہو سکے۔ خیال رہے کہ عذاب قبر حق اور واقع ہے، جہاں یہ کافر اور منافق کو ہوگا وہیں یہ گناہگار مؤمن کو اور سوال کے جواب نہ دینے والوں کو بھی ہوگا، اور بعض مؤمنین کو بعض گناہوں میں ملوث ہونے کی وجہ سے جس کا تعلق عذاب قبر سے ہوگا ان کو بھی ہوگا، احادیث صحیحہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اعمال کو عذاب قبر میں خاص دخل ہے، اسی طرح بعض اعمال ایسے ہیں جس سے عذاب قبر کی حفاظت ہوتی ہے، اور اس کے اہتمام سے عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ چند یہ ہیں:

1. کبائر سے بچنا، علامہ نووی نے شرح مسلم میں تو یہاں تک ذکر کیا ہے بسا اوقات بعض گناہ کبائر نہیں ہوتے ہیں مگر پھر بھی عذاب ان سے ہوتا ہے۔ "لا يتوهم احد ان التعذيب لا يكون الا في الكبائر الموقبات، فانه يكون في غيرها." (شرح مسلم صفحہ ۱۴۱)
2. چغل خوری سے بچنا۔
3. غیبت سے بچنا۔
4. اپنی طاقت اور اختیار کے مطابق مظلوم کی فریادرسی کرنا۔
5. عذاب قبر سے حفاظت کی دعاؤں کا اہتمام۔
6. فرائض اور واجبات کا اہتمام سے ادا کرنا ترک نہ کرنا، یعنی نماز چھوڑنے والا نہ ہونا۔
7. نمازوں کو اپنے وقت پر ادا کرنا، قضاء اور تاخیر سے نہ پڑھنا۔
8. پیشاب کے قطروں اور چھینٹوں سے سخت احتیاط کرنا۔
9. تمام طہارت کا بخوبی اہتمام رکھنا، طہارت کے اہتمام میں غفلت و سستی نہ کرنا۔
10. سونے سے قبل سورہ ملک کا اہتمام سے پڑھنا۔

عذاب قبر سے حفاظت کا ایک عمل

اصبہانی نے ترغیب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جس نے جمعہ کے دن مغرب کے بعد دو رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور اذا زلزلت ۱۵ مرتبہ پڑھی تو اس پر سکرات اور قبر کا عذاب آسان ہو جائے گا اور قیامت کے دن بسہولت پل صراط پر سے گزر جائے گا۔

(شرح الصدور صفحہ ۱۷۷، جامع کبیر جلد ۷ صفحہ ۲۶۳)

ابن ابی الدنیا نے مغیرہ بن حبیب سے روایت کی کہ ایک شخص کو خواب میں کسی نے دیکھا اس شخص کی قبر سے خوشبو آتی تھی اس نے دریافت کیا یہ خوشبوئیں کیسی ہیں۔ کہا تلاوت قرآن پاک اور روزوں کی۔ (شرح صدور صفحہ ۱۸۸)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم لوگ صفہ

مدینہ میں تھے آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا میں نے رات عجیب خواب دیکھا ہے۔ میری امت کے ایک آدمی کے پاس ملک الموت روح قبض کرنے کے لئے آئے۔ تو اس کے سامنے والدین کی نیکیاں آگئیں پس ملک الموت اس کے پاس سے ہٹ گئے میں نے اپنی امت سے ایک آدمی کو دیکھا اس پر عذاب قبر کا معاملہ پیش آنے لگا۔ پس اس کا وضو آیا اس نے اسے عذاب قبر سے بچالیا۔ (مختصراً، بلوغ الامانی جلد ۸ صفحہ ۱۴۷)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو اور طہارت کے اہتمام سے عذاب قبر سے حفاظت ہوتی ہے۔ اس لئے سنت اور مستحبات کی رعایت کے ساتھ وضو کا اہتمام کرے۔ وضو کی کوتاہی سے عذاب قبر ہوتا ہے۔

کسی مؤمن کو خوش کرنے والا قبر میں خوش اور وحشت سے دور

حضرت جعفر کی روایت ان کے والد سے ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مؤمن کو خوش کیا تو اللہ پاک اس سرور سے ایک فرشتہ پیدا فرمائیں گے۔ جو عبادت کرے گا اور اس کی توحید کا حامل ہوگا۔ پھر جب یہ بندہ قبر میں جائے گا تو سرور (خوشی فرشتہ کی شکل میں) آئے گا اور کہے گا تم ہم کو پہچانتے ہو۔ وہ کہے گا آپ کون ہیں۔ وہ کہے گا میں وہی سرور (خوشی) ہوں جو تم نے فلاں کو کیا تھا۔ آج میں تمہاری (قبر کی وحشت) کو دور کر کے انس پیدا کروں گا۔ تمہیں حجت کی تلقین کروں گا۔ تمہیں جوابات پر ثابت قدم رکھوں گا۔ تمہارے ساتھ قیامت کے تمام احوال میں رہوں گا تمہاری سفارش کروں گا تم کو جنت کا مرتبہ دکھاؤں گا۔ (شرح الصدور صفحہ ۱۵۹)

فائدہ: اللہ اللہ کسی مؤمن کو خوشی میں ڈالنا، خوشی کے امور اختیار کرنا اس کے ساتھ ایسا برتاؤ اور معاملہ اور حال کرنا جس سے وہ خوش ہو جائے اس سے مسرت حاصل ہو کس قدر عظیم ثواب ہے۔

مؤمن کو خوش کرنے کے مطلب یہ ہے کہ اسے ہدایات تحائف سے خوش کر دیا۔ کھانا کھلا کر یا کپڑا پہنا کر خوش کر دیا۔ یا اسے رہنے کی پریشانی تھی مکان یا سکونت کا انتظام کر دیا۔ کوئی کام رکا ہوا یا اٹکا ہوا تھا اسے کر دیا یا مدد تعاون کیا۔ کسی کام اور ضرورت میں پریشان تھا اسے انجام دے دیا یا کر دیا۔

اس کی وجہ سے وہ بے حد خوش ہوا تو اللہ پاک اس کی خوشی سے ایک فرشتہ پیدا کریں گے۔ جو عبادت میں لگا رہے گا اور مرنے کے بعد قبر میں اسے مانوس کرے گا اور اس کی وحشت کو دور کرے گا۔ دیکھئے مؤمن کو خوش کرنا کا کتنا ثواب ہے۔ افسوس آج کے اس دور میں خوش تو کیا کریں گے تکلیف اور رنج پہنچاتے ہیں۔ اور اس کا راستہ تلاش کرتے ہیں اور اس پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ لوگوں سے تذکرہ کرتے ہیں میں نے تو اسے ایسا پریشان کیا کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ اللہ کی پناہ۔ کس قدر الٹی بات ہے انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر خوش نہ کر سکے تو رنج تو نہ پہنچائے یہی اس زمانہ میں بہت بڑی چیز ہے۔

جس سے لوگوں کو تکلیف نہیں عذاب قبر سے وہ محفوظ

ابن کاہل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جس نے لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں دی اس پر اللہ کا حق ہے کہ وہ اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ (ابن مندہ، شرح صدور صفحہ ۳۵۰)

فَائِدَۃ: جو لوگوں پر ظلم کرے تکلیف پہنچائے، لوگوں کے ساتھ اذیت کا معاملہ جیسا کہ اکثر لوگوں کا مزاج ہوتا ہے وہ اس کو کمال سمجھتے تھے۔ اسی طرح بعض لوگوں کا مزاج ہوتا ہے کہ اپنے فائدے کے لئے دوسروں کو رنج تکلیف پہنچاتے ہیں۔ صرف اپنا ہی فائدہ اور آرام اور سہولت چاہتے ہیں۔ دوسروں کے رنج سے ان کو کوئی مطلب نہیں۔ یہ لوگ عذاب قبر میں اور اس کی تکلیف میں گرفتار ہوں گے۔

اللہ اکبر دنیا کی تھوڑی موہوم راحت اور آخرت قبر کی اتنی بڑی تکلیف کون سی عقل کی بات ہے۔

طویل سجدہ عذاب قبر سے حفاظت کا باعث

حضرت سلمان فارسی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ لمبی نماز پل صراط پر امان اور طویل سجدہ کرنا عذاب قبر سے حفاظت کا باعث ہے۔ (شرح صدور صفحہ ۱۸۳)

اعمال صالحہ کا اثر قبر ہی سے شروع، عذاب قبر سے روک کا باعث

محدث ابن ابی الدنیا نے ثابت بنانی سے روایت کیا ہے کہ (جب مؤمن کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو) اس کے پاس اس کے نیک اعمال آتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے تجھ کو پیاسا رکھا بیدار رکھا تم کو مصیبت میں ڈالا آج ہم تیرے مونس، غمسار ہیں، یہاں تک کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (شرح صدور صفحہ ۲۹۷)

فَائِدَۃ: اعمال صالحہ قبر کی تنہائی اور وحشت میں مردوں کا دوست و احباب کی طرح دل بہلاتے ہیں اور جنت میں داخل ہونے تک اُنس محبت اور پیار کا معاملہ کرتے ہیں تاکہ تنہائی کی وحشت سے ان کو تکدر نہ ہو۔ لہٰذا جسے قبر کی وحشت اور تنہائی دور کرنی ہو وہ اعمال صالحہ کی مشقت کو برداشت کرے۔

محدث ابن ابی الدنیا نے حضرت کعب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ جب مؤمن کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو مؤمن کے نیک اعمال اسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں نماز روزہ حج جہاد صدقہ جب عذاب کے فرشتے پیر کی طرف سے آتے ہیں تو نماز کہتی ہے پیچھے ہٹ جاؤ کیوں کہ پیروں سے کھڑے ہو کر یہ خدا کی عبادت کیا کرتا تھا۔ سر کی جانب سے عذاب آتا ہے تو روزہ کہتا ہے کہ دور ہو جاؤ یہ خدا کے لئے بھوکا پیاسا رہا، جسم کے دوسری طرف سے آتا ہے تو حج اور جہاد دوڑے چلے آتے ہیں۔ ہاتھوں کی جانب سے عذاب آتا ہے۔ تو صدقہ حائل ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے ان ہاتھوں کو کس طرح عذاب ہو سکتا ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے

تھے۔ پھر اسے مبارکبادی دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ تم زندگی اور موت دونوں میں کامیاب رہے۔ فرشتے اس کے لئے جنتی بچھونا بچھاتے ہیں اور قبر کو تاحد نگاہ وسیع کر دیا جاتا ہے ایک قندیل قیامت تک کے لئے روشن کر دیا جاتا ہے۔ (شرح الصدور)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک طویل مرفوع روایت میں ہے کہ اگر (میت) مؤمن (کامل عبادت گزار) ہوتا ہے تو نماز اس کے سر کے پاس روزہ دائیں جانب، زکوٰۃ بائیں جانب، اور ان کی نیکیوں میں سے صدقات، دعائیں، صلہ رحمی لوگوں کے ساتھ احسان اس کے دونوں پیروں کے پاس ہو جاتے ہیں۔ جب اس کے سر کی جانب سے کوئی (عذاب آتا ہے) تو نماز سر کی جانب سے کہتی ہے میری جانب سے آنے کا کوئی راستہ نہیں، دائیں جانب سے روزہ کہتا ہے میری جانب سے آنے کا کوئی راستہ نہیں، بائیں جانب سے زکوٰۃ کہتی ہے میری طرف سے کوئی راستہ نہیں، پیر کی جانب سے یہ نیکیاں کہتی ہیں کوئی راستہ نہیں۔ اس طرح وہ عذاب سے بچ جاتا ہے۔ (حاکم جلد ا صفحہ ۳۷۹)

فائدہ: خیال رہے کہ اعمال صالحہ کے ثواب کا اصل محل تو قیامت اور آخرت ہے، مگر اس کے فوائد اور اثرات عالم قبر ہی سے شروع ہو جاتے ہیں، اگر کسی عمل سوء کی وجہ سے برزخ میں عذاب کے فرشتے ان کو عذاب دینا چاہتے ہیں تو اس کے مقابلہ میں جو نیک اعمال مختلف قسم کے اور کثیر مقدار میں ہوتے ہیں وہ اس عذاب کے درمیان حائل اور روک بن جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ فتنہ اور عذاب قبر سے بچ جاتا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ فاسق بے نمازی عذاب قبر میں مبتلا رہے گا۔ اللھم احفظنا۔ اور اس کے مقابلہ میں نیک متقی پرہیزگار عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

آپ عذاب قبر سے پناہ کی دعا مانگتے

خالد بن سعید کی صاحبزادی (ام خالد) کہتی ہیں کہ انہوں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔ (بخاری صفحہ ۱۸۴)

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عذاب قبر سے پناہ مانگتے۔ (اتحاف الخیرہ صفحہ ۳۰۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے:

"اللھم انی اعوذبك من عذاب القبر ومن عذاب النار ومن فتنة المحیا والممات ومن فتنة المسیح الدجال." (بخاری صفحہ ۱۸۴، نسائی صفحہ ۳۱۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت آئی اور اس نے عذاب قبر کا تذکرہ کیا اور دعا دی کہ اللہ پاک تجھے عذاب قبر سے بچائے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے عذاب قبر کے

بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں عذاب قبر حق صحیح ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو کسی نماز میں نہیں دیکھا مگر یہ کہ آپ عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔ (بخاری صفحہ ۱۸۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ عذاب قبر اور فتنہ دجال سے پناہ مانگتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم اپنی قبروں میں فتنہ میں ڈالے جاؤ گے۔ (نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ یہ دعا اس طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح قرآن کی سورہ یاد کرایا کرتے تھے۔

"اللهم انا نعوذبك من عذاب جهنم واعوذبك من عذاب القبر واعوذبك من فتنة المسيح الدجال و اعوذبك من فتنة المحيا والممات." (نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۱۹)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ قبر کا عذاب اور اس کا فتنہ سخت ترین آزمائش میں سے ہے اس لئے آپ ﷺ نہایت اہتمام اور پابندی کے ساتھ خصوصاً نماز کے بعد عذاب قبر سے محفوظ رہنے کی دعا مانگتے۔

علامہ عینی نے شرح بخاری میں بیان کیا ہے کہ باوجودیکہ آپ معصوم ہیں۔ تمام مواخذہ اور عذاب و گرفت سے محفوظ ہیں۔ پھر بھی پابندی سے دعا مانگتے تھے۔ آپ ایسا امت کی تعلیم کے لئے کیا کرتے تھے تاکہ امت اہتمام اور پابندی سے دعاء مانگیں۔ اور اس کی برکت سے عذاب قبر سے محفوظ رہیں۔ پس مؤمنین کو عذاب قبر کی حفاظت کی دعا مانگنی خصوصاً پنجگانہ نماز کے بعد سنت ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۲۰۷)

کون لوگ عذاب قبر سے محفوظ رہیں گے

موذن قبر کے کیڑوں سے محفوظ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ثواب کی نیت سے اذان دینے والا اس شہید کے مانند ہے جو خون میں لت پت ہو اور جب وہ مر جائے گا تو اس کی قبر میں کیڑے نہیں لگیں گے۔

(طبرانی، شرح الصدور صفحہ ۱۲۷)

علامہ قرطبی نے بیان کیا ہے کہ بظاہر مفہوم یہ ہے کہ مخلص موذن کی لاش کو زمین نہیں کھائے گی۔

(شرح الصدور)

فائدہ: سبحان اللہ کس قدر عظیم فضیلت ہے کہ حضرات انبیاء کرام کی طرح کیڑے ان کے جسم کو بھی نہیں کھائیں گے۔

حافظ قرآن

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حافظ قرآن کا انتقال ہو جاتا ہے تو اللہ پاک کی وحی زمین کی جانب آتی ہے کہ اس کے گوشت کو مت کھانا، تو زمین کہتی ہے اے اللہ کیسے میں اس کے گوشت کو کھاؤں جب کہ آپ کا کلام اس کے پیٹ میں ہے۔

محدث ابن مندہ نے کہا اسی طرح حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بھی روایت ہے۔ (شرح صدور صفحہ ۳۱۷)

عمرو بن مرہ نے بیان کیا کہ جب انسان قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے تو ایک فرشتہ بائیں جانب سے آتا ہے پس قرآن دائیں جانب سے آتا ہے اور اسے (عذاب قبر سے) روک دیتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے تم کو کیا ہوا پس قرآن کہتا ہے اس کے پیٹ میں نہیں ہوں؟ اسی طرح ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ حافظ قرآن عذاب قبر سے بچ جاتا ہے۔ (شرح صدور صفحہ ۳۰۳)

گناہوں سے محفوظ کو عذاب قبر نہیں

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ زمین اس پر مسلط نہیں ہوتی (اسے نہیں کھاتی) جس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا۔ یعنی متقی پرہیزگار۔ (شرح صدور صفحہ ۳۱۸)

فائدہ: یا تو گناہ ہی نہ کیا ہو۔ جیسے حضرات انبیاء کرام اور عموماً اولیاء اللہ یا گناہ ہوگیا ہو تو توبہ کر لی چونکہ توبہ کرنے والا بھی ایسا ہے جیسے کہ گناہ ہی نہ کیا ہو۔ اگر تمام گناہوں سے توبہ قبول ہو جائے تو اس فضیلت کا حامل ہوگا۔

جمعہ کے دن انتقال کرنے والا عذاب قبر سے محفوظ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جمعہ کے دن مر جائے وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ (ابویعلی، شرح الصدور)

حضرت عکرمہ بن خالد سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جمعہ کے دن مر جائے یا جمعہ کی رات کو اس کا ایمان پر خاتمہ ہوتا ہے۔ وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ (بیہقی، شرح صدور صفحہ ۱۸۶)

ماہ رمضان میں مرنے والا عذاب قبر سے محفوظ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماہ رمضان میں مرنے والوں سے عذاب قبر اٹھا لیا جاتا ہے۔ (شرح صفحہ ۲۰۷)

فَائِدَۃ: یعنی جمعہ اور رمضان کی برکت سے آدمی قبر کے فتنہ اور عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

اس لئے اگر جمعہ کے دن انتقال ہو جائے تو قبل مغرب دفن کر دیا جائے تا کہ جمعہ کی فضیلت کو پالے۔ چونکہ مغرب کے بعد سے ہفتہ کی رات ہو جاتی ہے۔

فَائِدَۃ: علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ جمعہ کی رات میں مؤمنین گنہگار سے عذاب قبر کو موقوف کر دیا جاتا ہے۔ جمعہ کی برکت کی وجہ سے۔حتیٰ کہ نسفی نے تو یہاں تک کہا کافر سے بھی عذاب قبر (عذاب برزخ) جمعہ اور اس کی شب میں روک دیا جاتا ہے۔اسی طرح رمضان میں بھی۔ (شرح صدور صفحہ ۱۸۱)

جب کافر سے روک دیا جاتا ہے تو مؤمن گنہگار سے بدرجہ اولیٰ روک دیا جائے گا۔کس قدر برکت کا حامل ہے۔ جمعہ اور اس کی شب، مگر اکثر لوگ اس کی اہمیت سے غافل ہیں۔

قبر میں وحشت سے حفاظت اور انس کے لئے ایک وظیفہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا جو ہر دن سو مرتبہ یہ پڑھے گا۔ وہ فقر سے محفوظ رہے گا۔ قبر کی تنہائی اور وحشت میں انس حاصل ہوگا۔ جنت کے دروازے کھلیں گے۔ اسی طرح خطیب نے بھی حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے یہ روایت نقل کی ہے۔ (شرح صدور صفحہ ۱۵۶)

وہ دعا یہ ہے۔ "لا الٰہ الا اللّٰہ الملك الحق المبین"

علماء صالحین کی قبر کیڑے سے محفوظ

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ جب عالم (صالح) کی وفات ہو جاتی ہے تو اللہ پاک اس کے علم کو قبر میں مونس جس سے وہ انس حاصل کرے متصور کر دیتے ہیں اور زمین کے کیڑوں کو اس سے دور کر دیتے ہیں۔ (شرح صفحہ ۱۵۸)

علماء صالحین کی قبر نور سے منور

امام احمد نے کتاب الزہد میں ابن عبدالبر نے کتاب العلم میں حضرت کعب سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو یہ وحی بھیجی پہلے علم سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ، علم کے سکھانے اور سیکھنے والوں کی قبر کو نور سے منور کر دیتا ہوں تا کہ وہ اس جگہ سے گھبرائیں نہیں۔ (شرح صدور صفحہ ۱۵۸)

مسجد میں روشنی دینے والے اور خوشبو دینے والے کی قبر میں روشنی اور خوشبو

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جو شخص مسجد کو روشن کرے روشنی کا انتظام کرے اللہ پاک اس کی قبر کو روشن کرے گا۔ اور جو مسجد کو بہترین خوشبو سے مہکائے گا۔ اللہ پاک اس کی قبر میں جنت کی خوشبو

مہکائے گا۔ (شرح الصدور صفحہ ۱۵۹)

پیٹ کی بیماری میں مرنے والا عذاب قبر سے محفوظ

سلمان بن صرد اور خالد بن عرفطہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جسے پیٹ کی بیماری مار دے۔ یعنی پیٹ کے مرض میں مرے اسے قبر کا عذاب نہیں دیا جائے گا۔

(مسند احمد جلد۲ صفحہ ۲۶۲، ترمذی صفحہ ۲۰۴، نسائی جلد۱ صفحہ ۲۸۸، ابن حبان جلد۷ صفحہ ۱۹۵، طبرانی صفحہ، مسند طیالسی صفحہ، جامع صغیر صفحہ ۵۳۷)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جو بیماری پیٹ کی وجہ سے یا پیٹ سے ہوتی ہے اس میں اگر مر جائے تو اسے عذاب قبر سے اکراماً محفوظ رکھا جاتا ہے۔ علامہ مناوی کہتے ہیں کہ اس کے دو مطلب یہ ہیں ① پیٹ کی بیماری مثلاً استسقاء اور یا اسہال پیچش دست میں مرنا ہے۔ ② دوسرا مطلب یہ ہے کہ حرام اور مشتبہ امور سے پیٹ کی حفاظت کرتے ہوئے مرا۔ (فیض القدیر جلد۶ صفحہ ۱۹۴)

خیال رہے کہ جس طرح پیٹ کی بیماری اسہال استسقاء اور قولنج ہے، اسی طرح پیٹ کی بیماری مرض ذیابطیس بھی ہے، اس کا تعلق بھی پیٹ سے ہے کہ اس میں طاقت نہیں ہوتی اشتہا زائد ہو جاتا ہے، قبض اور فتور ہضم کو اس میں دخل ہے۔ استسقاء کی طرح اس میں پیاس لگتی ہے اور سیری نہیں ہوتی جس کا سبب معدہ ہوتا ہے۔ بڑا ہی مہلک مرض ہوتا ہے۔ جس طرح اسہال اور استسقاء میں غذا جان کو نہیں لگتی اسی طرح اس مرض ذیابطیس میں بھی، جسے ام الامراض کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس مرض میں گرفتار ہو کر مرنے والا بھی امید ہے کہ شہید ثواب کے اعتبار سے اور عذاب قبر سے محفوظ ہوگا۔

مؤمن صالح کے لئے قبرستان کا ہر خطہ تمنا کرتا ہے کہ یہاں دفن ہو

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جب (صالح) مؤمن انتقال کرتا ہے تو قبرستان کو اس کی موت سے خوشی ہوتی ہے اور قبرستان کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہوتا جو یہ تمنا نہ کرتا ہو کہ یہ میرے میں دفن کیا جائے۔ (ابن مندہ، ابن عساکر، شرح صدور صفحہ ۲۴۵)

مؤمن صالح کی قبر مرحبا مرحبا خوش آمدید کہتی ہے

حضرت ابو سعید خدری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جب مؤمن بندے کو دفن کیا جانے لگتا ہے تو قبر اسے مرحبا خوش آمدید کہتی ہے۔ اور یہ (اظہار عقیدت مندی کرتے ہوئے) کہتی ہے کہ تم زمین پر چلنے والوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ جب تم آج میرے پاس آئے ہو۔ اور میرے پاس پہنچے ہو تو میں اپنا (حسن) برتاؤ تم کو دکھاتی ہوں پس قبر منتہائے نظر تک کشادہ ہو جاتی ہے۔ اور جنت کا دروازہ اس کے

لئے کھول دیا جاتا ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ (ترمذی صفحہ ۲۰۵، شرح صدور صفحہ ۳۴۵)

مؤمن صالح کی قبر لیلۃ بدر کی طرح روشن

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مؤمن کی قبر سبز باغ کی طرح ہو جاتی ہے ۷۰ رگز اسے کشادہ کر دیا جاتا ہے اور بدر کی رات کی طرح اس کی قبر روشن کر دی جاتی ہے۔
(شرح صدور صفحہ ۱۵۳)

مؤمنین صالحین کے لئے قبر جنت کی کیاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مؤمن اپنی قبر میں جنت کے باغ میں ہوتا ہے، ۷۰ رگز اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے، اور نور سے منور کر دیا جاتا ہے، جیسے کہ بدر کی روشنی۔
(مجمع الزوائد صفحہ ۵۸)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے کہ مؤمن کی قبر کو لمبائی اور چوڑائی میں ۷۰ ر ہاتھ کشادہ کر دیا جاتا ہے اور اس میں ریحان کا بستر ڈال دیا جاتا ہے، ریشم کا پردہ لگا دیا جاتا ہے، اگر اسے کچھ قرآن یاد ہوتا ہے تو اس کا نور اسے پہنا دیا جاتا ہے، اگر کچھ نہیں ہوتا تو مثل آفتاب کے اسے نور دے دیا جاتا ہے، اسے مثل دلہن کے رکھا جاتا ہے، جسے کوئی نہیں جگا سکتا سوائے اس کے محبوب کے۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۶۶)

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ جب تینوں سوال کا جواب صحیح دے دیتا ہے تو خوبصورت شکل کا خوشبو سے لبریز خوشنما کپڑے میں ملبوس آنے والا آتا ہے اور اس کو کہتا ہے کہ اللہ کے اکرام اور دائمی نعمت کی بشارت حاصل کرو۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۸۱)

عبید بن عمیر کی روایت میں ہے کہ (تینوں امور کے صحیح جواب دینے کے بعد) فرشتے کہیں گے دیکھو اللہ کی رحمت کی جانب کہ اللہ نے تم کو جہنم سے بچا دیا، تم اپنے ٹھکانے جنت کی جانب دیکھو، پھر اس کے کفن کے کپڑے کو جنت کے لائے کپڑے سے بدل دیتے ہیں اور قبر کو منتہائے نظر تک پھیلا دیا جاتا ہے قبر اور جنت کے درمیان ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے جس سے جنت کی ہوا اس کی خوشبو اور اس کی ٹھنڈک آتی رہتی ہے۔
(مصنف عبدالرزاق)

ابن ابی الدنیا نے ثابت البنانی سے روایت کیا ہے کہ جب مؤمن کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اسے جنت کا ایک بچھونا دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، آرام سے سو خدا تجھ سے راضی ہو، اور حد نگاہ تک اس کی قبر میں وسعت کر دی جاتی ہے اور ایک کھڑکی جنت کی جانب سے کھول دی جاتی ہے اور وہ جنت کی

نعمتوں اور خوشبوؤں سے وہ لطف اندوز ہوتا ہے۔ (شرح صدور، مترجم صفحہ ۲۹۷)

مؤمن کو قبر میں نماز کی فکر

حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، میت کو جب قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے قبر میں سورج کو غروب ہوتا ہوا دکھایا جاتا ہے پس وہ اٹھ بیٹھتا ہے اپنی آنکھ کو (نیند کے خمار سے) پونچھتا ہے اور کہتا ہے چھوڑو مجھے نماز پڑھنے دو۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۶، ابن ماجہ صفحہ ۳۱۶)

فَائِدَۃ: مطلب یہ ہے کہ جب اسے قبر میں بیدار کیا جاتا ہے، اس کی روح جسم میں بھیج کر اسے اٹھایا جاتا ہے، تو یہ وقت دن کا آخری وقت ہوتا ہے، تو نماز کا عادی یہ سمجھتا ہے کہ ابھی عصر نہیں پڑھی اور سورج ڈوبنے لگا ہے تو گھبرا کر کہتا ہے پہلے مجھے نماز پڑھنے دو پھر سوال وغیرہ کرنا، قبر عالم برزخ ہے یہ دار العمل نہیں اس لئے یہاں نماز اور دیگر عبادت نہیں، یہاں اب دنیا کے اعمال حسنہ یا اعمال سیئہ کا بدلہ ہے، البتہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو قبر میں نماز کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ ان کے ساتھ پیغمبرانہ خصوصیت ہے، چنانچہ شرح الصدور میں علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بحوالہ مسلم بیان کیا کہ رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے معراج کی شب میں حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ (شرح الصدور صفحہ)

خیال رہے کہ اللہ پاک اپنے بعض بندوں کو ان کی طلب اور رضاء پر عالم برزخ قبر میں ذکر عبادت کی توفیق عام قانون کے خلاف بخش دیتے ہیں، چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں، حافظ زین العابدین رجب نے کتاب اہل قبور میں لکھا ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو قبروں میں اعمال صالحہ کی توفیق دیتا ہے لیکن اس پر ثواب مرتب نہیں ہوتا کہ دار العمل منقطع ہو چکا ہے اور یہ اس لئے ہوتا کہ وہ اللہ کی یاد اور اس کی اطاعت سے لذت حاصل کریں۔

چنانچہ حدیث پاک میں قبر سے سورہ ملک پڑھنے کا واقعہ منقول ہے علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ ثابت بنانی نے قبر میں نماز کی دعا کی سو وہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں، متعدد اہل اللہ سے قبر میں قرآن پاک کی تلاوت کرنے کا واقعہ منقول ہے۔ (شرح الصدور صفحہ ۱۷۹)

بعض برگزیدہ بندوں کے ساتھ قبر میں خصوصی معاملہ

حضرات انبیاء کرام عَلَیْہِمُ السَّلَامُ قبروں میں نماز پڑھتے ہیں

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا حضرات انبیاء کرام اپنی قبروں میں نماز

پڑھتے ہیں۔ (ابو یعلی، بیہقی، شرح الصدور صفحہ ۱۸۷)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب شب معراج میں گزرے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ نے ان کی قبر میں کھڑے ریت کے ٹیلے کے پاس نماز پڑھتے دیکھا۔ (مسلم صفحہ ۲۶۸)

فائدہ: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ عام مؤمنین کے مقابلہ میں یہ خصوصی برتاؤ و اکرام ہوتا ہے کہ ان کو نماز پڑھنے کی دولت دی جاتی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں، جنگ حرہ کے موقعہ پر جب مسجد نبوی میں اذان و جماعت نہیں ہو رہی تھی تو آپ کی قبر سے اذان کی آواز آتی تھی۔

آپ کی قبر سے اذان کی آواز

حضرت سعید بن میسب نے بیان کیا کہ جنگ حرہ کے موقعہ پر میں روضۂ اقدس پر تھا جب بھی نماز کا وقت آتا تو آپ کی قبر اطہر سے اذان کی آواز آتی۔ (شرح الصدور)

فائدہ: معلوم ہوا کہ آپ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں۔

حضرت ثابت بنانی کو قبر میں نماز کی اجازت

حماد بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بنانی نے یہ دعا کی کہ اے اللہ آپ نے اگر کسی کو قبر میں نماز کی توفیق دی تو مجھے اپنی قبر میں نماز کی توفیق دیجئے۔ (ابن سعد، شرح صدور صفحہ ۱۸۸)

عطیہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ثابت کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ حمید طویل (صحابی) سے یہ کہہ رہے تھے کہ کیا آپ کو خبر پہنچی ہے کہ قبر میں حضرات انبیاء کرام کے علاوہ بھی کوئی نماز پڑھ سکتا ہے، انہوں نے کہا نہیں، تو حضرت ثابت نے کہا، اے اللہ آپ نے کسی کو بھی قبر میں نماز کی اجازت دی تو مجھے آپ قبر میں نماز کی اجازت دیجئے۔

محدث ابونعیم نے حضرت ابوجبیر سے نقل کیا ہے کہ قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں میرے ساتھ حمید طویل بھی تھے میں نے ان کے ساتھ حضرت ثابت البنانی کو قبر میں داخل کیا، میں نے ان پر کچی اینٹیں لگائیں۔ اچانک ایک اینٹ کھل گئی تو کیا دیکھا وہ یہ دعا کر رہے ہیں اے اللہ تو نے کسی کو قبر میں نماز کی اجازت دی ہے تو مجھے بھی نماز کی اجازت دے، چنانچہ میں نے ان کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا سو اللہ نے ان کی دعا قبول فرمالی۔

ابن جریر نے تہذیب الآثار میں بیان کیا کہ لوگ بیان کرتے ہیں جو ثابت بنانی کی قبر سے گزرتے ہیں کہ ان کی قبر سے قرآن پڑھنے کی آواز آتی ہے۔ (شرح صدور صفحہ ۱۸۸)

فَائِدَہ: ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت ثابت البنانی جو بڑے عابد زاہد جلیل القدر تابعی تھے ان کی تمنا اور دعا کی وجہ سے ان کو عام ضابطہ کے خلاف قرآن اور نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی موت کے بعد عمل نہیں جزا اور سزا کی دنیا ہو جاتی ہے، مگر چونکہ ان کو راحت اور حلاوت اور ذوق مزاہ نماز میں ملتا تھا، اس لئے اللہ پاک نے ان کی تمنا کے موافق قبر میں بھی نماز کی اجازت دی گویا کہ وہ روحانی غذا ان کے حق میں تھی جس طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قبر میں نماز کی اجازت مل جاتی ہے، خیال رہے کہ یہ حکم خاص ہے عام نہیں، عام بندوں کو راحت کی نیند ہے یا سزا جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔

قبر سے مشک کی خوشبو اور تلاوت کی آواز

ابوالحسن نے کتاب الروضہ میں بیان کیا کہ مجھ سے ابراہیم الحفار نے بیان کیا کہ میں نے ایک قبر کی کھدائی کی تو ایک اینٹ کھلی اور دیکھا کہ ایک شخص قبر میں بیٹھا تلاوت کر رہا ہے اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی ہے۔

(شروح صدور صفحہ ۱۸۹)

یافعی نے بیان کیا کہ فقیہ احمد بن موسیٰ کو ان کے بعض شاگردوں نے قبر میں سورۃ نور پڑھتے دیکھا۔

(شرح صدور)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی قبر سے قرآن کی آواز

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ کے بعض اصحاب نے ایک قبر کے قریب خیمہ لگایا، ان حضرات کو معلوم تھا کہ یہاں قبر ہے، اچانک اس قبر سے ایک آدمی کے سورہ ملک آخر ختم تک پڑھنے کی آواز معلوم ہوئی، انہوں نے یہ واقعہ آپ کے پاس آکر بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ (سورہ ملک) نجات دینے والی ہے یہ عذاب قبر سے محفوظ رکھنے والی ہے۔

فَائِدَہ: اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کو ان کے غایت شوق اور ذوق کی وجہ سے قبر میں یعنی عالم برزخ میں تلاوت کی اجازت دی گئی ہے خود آپ نے اس کی تصدیق اور تائید فرمائی ہے۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر میں میت سورہ ملک (قرآن) پڑھ سکتا ہے۔

اسی طرح بعض اولیاء اللہ کو اللہ پاک اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ نماز اور دعا وغیرہ میں مشغول رہیں۔

علامہ زین العابدین ابن رجب نے بیان کیا کہ اللہ پاک برزخ میں بعض بندوں کے ساتھ یہ اکرام کا معاملہ کرتے ہیں کہ ان کو اعمال صالحہ کی برزخ میں اجازت دیتے ہیں۔

خیال رہے کہ برزخ میں ان اعمال کا ثواب نہیں ملتا ہے، البتہ ان اعمال سے ان کو حلاوت اور ذوق اور مزہ حاصل ہوتا ہے، جس طرح ملائکہ کو عبادت سے ذوق اور لذت ملتی ہے، اور ثواب نہیں حاصل ہوتا، چونکہ ثواب کا تعلق موت سے منقطع اور ختم ہو جاتا ہے۔ (شرح صدور صفحہ ۱۸۹)

قبر میں تلاوت قرآن کا شرف

علامہ ابن رجب نے بیان کیا کہ سامرا کے خطیب بڑے صالح آدمی تھے، سامرا میں لوگوں نے مجھے اس کی قبر کو دکھایا، جس سے ہمیشہ سورہ تبارک الذی کے پڑھنے کی آواز آتی تھی۔

خطیب نے اپنی سند سے بیان کیا کہ میں نے قاری ابوبکر بن مجاہد کو خواب میں دیکھا وہ قرآن پڑھ رہے ہیں، میں نے ان سے کہا ارے تمہارا انتقال ہوگیا اور تم تلاوت کر رہے ہو، تو انہوں نے کہا میں ہر نماز کے بعد اور ختم قرآن پاک کے بعد دعا کرتا تھا کہ مجھے قبر میں قرآن تلاوت کرنے والوں میں کر دیجئے، سو اس وجہ سے قبر میں قرآن پڑھتا ہوں۔ (شرح صدور صفحہ ۱۹۰)

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ (بعض) مؤمن کو قبر میں قرآن دے دیا جاتا ہے جس کی وہ قبر میں تلاوت کرتے ہیں۔

فائدہ: یہ معاملہ عام مؤمنین کے ساتھ نہیں ہوتا ان اخص الخواص کو ہوتا ہے جن کو قرآن کی تلاوت سے بہت زیادہ شغف مثل کھانے پینے اور سانس لینے کے ہو یا اہتمام اور مبالغہ کے ساتھ دعا کی ہو۔ تو ان کو عام عادت کے خلاف اس سے نوازا جاتا ہے۔

قبر سے مشک کی خوشبو

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں تھا جو حضرت سعد بن معاذ کی قبر بقیع میں کھودنے میں تھے، جب ہم لوگ ان کی قبر کھود کر مٹی نکالتے تھے تو اس سے مشک کی خوشبو آتی، یہاں تک کہ ہم لوگ بغلی کھدائی تک آ گئے۔ (اور خوشبو آتی رہی)۔ (شرح صدور صفحہ ۱۹۹)

قبر کی مٹی مشک

شرحبیل بن حسنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد کی قبر سے ایک مٹھی مٹی لے لی اور اسے گھر لے گئے اسے دیکھا تو وہ مشک ہوگیا تھا۔ (شرح صدور صفحہ ۱۹۹)

تلاوت اور روزے کی پیاس کی برکت سے قبر سے خوشبو

محدث ابن ابی الدنیا نے مغیرہ ابن حبیب سے نقل کیا (ان کی قبر سے خوشبو آتی تھی) خواب میں دیکھا تو

کہا کہ یہ تمہاری قبر سے جو مشک کی خوشبو آتی ہے اس کی کیا وجہ ہے، جواب دیا۔ یہ تلاوت قرآن اور سخت گرمی کے موقعہ پر روزے کے پیاس کی برکت سے ہے۔ (شرح صفحہ ۱۹۹)

گود میں لئے قبلہ رخ قرآن کی تلاوت

محدث ابن مندہ نے ذکر کیا کہ عاصم سقطی نے بیان کیا کہ بلخ میں ہم نے ایک قبر کھودی تو اس قبر میں ایک سوراخ میں ایک شیخ کو دیکھا کہ قبلہ رخ متوجہ ہو کر گود میں لئے قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں، اور ان پر سبز لباس ہے، اور ان کے گرد باغیچہ ہے۔ (شرح صدور صفحہ ۳۵۲)

فائدہ: یہ عالم قبر میں جسے برزخ کہا جاتا ہے، خدا کے مخصوص بندوں کے مخصوص احوال ہیں، جو ان کی اصلاح زہد تقویٰ انابت الی اللہ اور تقرب کی وجہ سے ملتی ہیں، جس طرح دنیا میں وہ عبادت کے ذوق سے لذت حاصل کرتے رہے اسی طرح قبر میں بھی ان کو عبادت الٰہی کا ذوق اور حظ حاصل ہوتا رہے گا۔ **اللھم اجعلنا منھم۔**

قبر میں علمی مشغلہ کی بعض کو اجازت

حافظ ابو العلاء ہمدانی کے متعلق منقول ہے کہ ان کی وفات کے بعد خواب میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے علمی مشغلہ اور مصروفیت میں رکھا جائے جیسا کہ میں زندگی میں مشغول رہتا تھا (میری دعا اللہ پاک نے قبول فرمالی) سو اب میں علمی شغل میں اپنی قبر میں لگا ہوں۔

حفظ مکمل نہیں ہوا موت آگئی تو قبر میں اس کی تکمیل ہوگی

عطیہ عوفی نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن پڑھا (ناظرہ یا حفظ) اور اس کے پورا ہونے سے پہلے موت آگئی تو قبر میں ایک فرشتہ آئے گا جو قبر میں اسے تعلیم دے گا۔

یزید رقاشی بیان کرتے ہیں کہ مؤمن انتقال کر جائے اور اس کا کچھ حصہ قرآن کا حفظ سے باقی رہ جائے تو اللہ پاک ایک فرشتہ کو بھیجتے ہیں جو باقی ماندہ حفظ کی تکمیل کراتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ پاک اسے قبر سے اٹھائے۔

حسن بصری فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ کسی مؤمن کا حفظ قرآن مکمل نہیں ہوا اور اس کی وفات ہوگئی تو قبر میں فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے قرآن پاک حفظ کرائیں تاکہ اللہ پاک اسے حافظ قرآن میں اٹھائے۔

(شرح صدور صفحہ ۱۹۵)

فائدہ: اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو بچہ حفظ قرآن کر رہا تھا اور پورا نہیں ہوا کہ انتقال ہوگیا تو اسے قبر میں

فرشتے حفظ کو مکمل کرائیں گے اور وہ باقی ماندہ حفظ کر کے پورا حافظ ہوگا۔ اور حشر میں حافظ قرآن ہو کر اٹھے گا۔

بروز جمعہ قبرستان جانا

ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے اشعب میں محمد بن راسع سے روایت کیا ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ مردے کو اپنی زیارت کرنے والوں کا علم جمعہ کے دن اور اس کے ایک دن بعد تک ہوتا ہے۔ (شرح الصدور صفحہ ۲۰۳)

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، جو شخص اپنے والدین کی قبر پر ہر جمعہ کے دن جائے اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور اس کے لئے نیکی لکھی جائے گی۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۶۳)

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی زیارت جمعہ کے دن کرے گا اور سورۂ یٰسین پڑھے گا اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ (جامع صغیر جلد ۲ صفحہ ۵۲۸)

حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا میں نے تم کو (اولاً) قبروں کی زیارت سے روکا تھا، اب فائدہ ظاہر ہوا سو تم قبروں کی زیارت کرو، یہ دل کو نرم کرتی ہے آنکھوں کو رلاتی ہے آخرت کو یاد دلاتی ہے۔ (کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۱۱۷)

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا میں نے تم کو قبر کی زیارت سے منع کیا تھا، سو اس کی زیارت کرو، یہ دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

(ابن ماجہ صفحہ، کنز جلد ۱۵ صفحہ ۶۴۶)

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ایک روایت میں ہے قبرستان جایا کرو، یہ تمہیں موت کو یاد دلاتا ہے۔

(ابن ماجہ صفحہ، کنز)

حضرت ابوسعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا میں نے تم کو قبروں پر جانے سے منع کیا تھا، سو اب جایا کرو اس میں عبرت ہے۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۶۱)

حضرت ثوبان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، میں نے تم کو قبروں پر جانے سے منع فرمایا سو اب قبروں پر جایا کرو، اور جانے پر ان کے لئے دعا و استغفار کیا کرو۔ (طبرانی، کنز العمال صفحہ ۶۳)

فَائِدَہ: آپ کے ابتداء میں قبروں پر اور قبرستان پر ابتداء اس وجہ سے منع کیا تھا کہ وہ جاہلانہ رسوم اور حرکت نہ کریں رونا پیٹنا نہ کریں، پھر جب اسلام اور ایمان پر ایک زمانہ گزر گیا اور امور شریعت پر استحکام معلوم ہو گیا تو آپ نے اجازت دے دی، لہٰذا اگر قبروں پر جا کر جاہلانہ خلاف شرع امور کریں گے تو آج بھی قبروں پر جانا ان حرکتوں کی وجہ سے ممنوع ہوگا، اسی وجہ سے عرسوں کے موقعہ پر جانے سے منع کیا جاتا ہے۔

جن اصحاب کے موت اور جنازہ میں شریک نہ ہوسکتے تو قبر پر بعد میں جاتے

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ ایک عورت حبشہ کی مسجد نبوی میں جھاڑو اور صفائی کا کام کیا کرتی تھی، اس کا انتقال ہوا جس کی وجہ سے آپ نے اس کو نہیں پایا، آپ نے معلوم کیا جو مسجد میں صفائی کرنے آتی تھی اس کا کیا حال ہے لوگوں نے کہا اس کا انتقال ہوگیا، آپ نے فرمایا پھر مجھے کیوں نہیں بتایا، لوگوں نے کہا رات تھی (آپ کی کلفت کی وجہ سے نہیں خبر دی) آپ نے فرمایا چلو مجھ کو اس کی قبر بتاؤ، چنانچہ آپ اس کی قبر پر تشریف لائے، اور جنازہ پڑھا۔ (بخاری جلدا صفحہ ۱۷۸)

فائدہ: آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنے اصحاب کے جنازہ اور دفن میں کسی وجہ سے شریک نہ ہوتے تو بعد میں ان کی قبر پر تشریف لے جاتے اس سے معلوم ہوا کہ احباب اور متعلقین کے جنازہ میں شریک نہ ہوسکے تو بعد میں ایصال ثواب کے لئے قبر پر جانا سنت ہے۔

عبرت یا ایصال ثواب کے لئے قبرستان جانا سنت ہے

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ آپ نے بھی رو دیا اور ساتھ صحابہ بھی رونے لگے۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۷۶، مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴)

زید بن الخطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ ہم لوگ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ فتح مکہ کے موقعہ پر قبرستان کی جانب نکلے۔ آپ ایک قبر پر تشریف فرما ہوئے میں نے دیکھا (آپ اس طرح اطمینان سے بیٹھے) گویا چپکے سے باتیں کر رہے ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۶۱)

بشیر بن الخصاصیہ سے مروی ہے کہ میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس آیا تو میں نے آپ کو بقیع (قبرستان مدینہ) میں پایا۔ (مجمع جلد ۳ صفحہ ۶۳)

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آخر عمر کی راتوں میں سے شب آخیر میں بقیع (قبرستان مدینہ جو مسجد نبوی کے بغل میں تھا) نکل جاتے۔ (مختصراً مسلم صفحہ ۳۱۳، مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴)

فائدہ: بکثرت روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قبرستان اور مقبروں میں حسب موقعہ بلا جنازہ کے عبرت اور ایصال ثواب کے لئے تشریف لے جاتے چنانچہ آپ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ اور اپنے اصحاب اور متعلقین و رشتہ داروں کی قبروں پر جو بقیع میں تھے حسب موقع ایصال ثواب کے لئے تشریف لے جاتے۔ بقیع جو مسجد نبوی کے متصل ہی ہے بکثرت تشریف لے جاتے۔

خیال رہے کہ خواہ اہل اللہ اور خواص امت میں سے ہوں یا عام لوگوں میں سے ہوں ان کی قبروں پر جانا

آخرت موت وغیرہ کی یاد اور ان سے عبرت حاصل کرنے کے لئے ہے۔ عرس اور میلہ لگانے کے لئے جائز نہیں۔ ان سے مرادوں کا مانگنا، ان سے حاجات کا پورا کرنے کی درخواست کرنا شرک ہے، عرس اور میلے کے لئے مقبروں میں جانا گناہ اور خلاف شرع ہے، دیکھئے احادیث۔ آپ نے عبرت کے لئے اور آخرت کی یاد کے لئے اجازت دی ہے یا کہ ان گناہوں کے لئے۔

قبر کا بوسیدہ اور خستہ حال رہنا رحمت الٰہی کے نزول کا باعث

کثیر بن سالم ہیثمی نے اس کی وصیت کی تھی کہ ان کی قبر جب بوسیدہ اور خستہ حالت میں ہو جائے تو دوبارہ ان کی تعمیر اور درستگی نہ کریں اور اس کی انہوں نے سختی سے تاکید کی تھی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل بوسیدہ خستہ قبروں کی جانب دیکھتے ہیں تو ان پر رحم فرماتے، شاید میں بھی ان میں سے ہو جاؤں۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ حضرت ارمیاہ نبی علیہ السلام ایک ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس میں عذاب ہو رہا تھا۔ چند سالوں کے بعد پھر ادھر سے گزرے تو عذاب کو موقوف پایا۔ تو انہوں نے کہا اللہ ہی کے لئے پاکی ہے پاکی، سال پہلے گزرا تو قبر والے کو عذاب میں دیکھا اب گزرا تو سکون پایا۔ آسمان سے ایک آواز آئی اے ارمیاہ! میں نے اس قبر کو دیکھا کہ اس کا کفن سڑ گیا بالیں بوسیدہ ہو گئیں۔ قبر خستہ دھنس گئی تو میں نے اس پر رحم کیا۔ اسی طرح میں کفن کے سڑ جانے بالوں کے بوسیدہ، قبر کے خستہ اور دھنس جانے کو دیکھتا ہوں تو رحم کرتا ہوں۔ (شرح صدور صفحہ ۳۱۴)

فَائِدَہ: اس سے معلوم ہوا کہ قبر خستہ ہو جائے، دھنس جائے تو اس پر مٹی چڑھا کر اسے درست کرنا، جیسا کہ بعض قبروں میں لوگ ایسا کرتے رہتے ہیں ہمیشہ مٹی چڑھا کر اسے درست کرتے رہتے ہیں بہتر نہیں کہ رحمت خداوندی کے متوجہ ہونے میں یہ مانع ہے۔ جیسا کہ اوپر واقعہ سے معلوم ہوا۔ تاہم حدیث پاک میں اس سلسلے میں کوئی ممانعت منقول نہیں اس لئے گو بہتر نہیں تاہم کیا جا سکتا ہے۔

قبرستان یا مقبرہ میں داخل ہوتے وقت کیا دعا پڑھنی مسنون ہے

❶ حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان جاتے وقت یہ دعا سکھایا کرتے تھے:

"السلام علیکم یا اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا انشاء اللّٰہ بکم اللاحقون واسئل اللّٰہ لنا ولکم العافیۃ۔" (مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۱۴، مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴، بیہقی جلد ۴ صفحہ ۷۹)

تَرْجَمَہ: "سلامتی ہو تم پر اے مؤمن و مسلم گھر والے، انشاء اللہ ہم بھی تمہارے بعد آنے والے ہیں

اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔"

❷ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ایک رات بقیع تشریف لے گئے اور یہ دعا پڑھی:

"السلام علیکم دار قوم مومنین وانا بکم لاحقون اللھم لا تحرمنا اجرھم ولا تضلنا بعدھم." (اتحاف الخیرہ صفحہ ۲۹۲، ابن ماجہ صفحہ ۱۱۱)

تَرجَمہ: "اے قبر والے تم کو السلام علیکم اللہ پاک ہماری تمہاری مغفرت فرمائے، تم ہم سے پہلے آگئے ہم تمہارے پیچھے ہیں۔ اے اللہ ان کے ثواب سے ہمیں محروم نہ فرما اور ان کے بعد ہمیں گمراہ نہ فرما۔"

❸ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو متوجہ ہو کر یہ دعا پڑھی:

"السلام علیکم یا اھل القبور یغفراللّٰہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر."
(مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴، ترمذی صفحہ ۲۰۲)

تَرجَمہ: "اے اہل قبور تم پر سلامتی ہو اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم سے پہلے چلے گئے اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔"

❹ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے روایت ہے کہ جب ان کی باری ہوتی تو شب آخر میں بقیع جا کر آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے:

"السلام علیکم دار قوم مومنین واتاکم ما توعدون غدا مؤجلون وانا انشاء اللّٰہ بکم لاحقون."

تَرجَمہ: "سلامتی ہو تم پر اے مؤمن گھر والو! تمہارا وعدہ تمہارے سامنے آگیا جس کا کل وقت مقرر تھا۔ انشاء اللہ، ہم بھی آجائیں گے۔"

❺ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب قبرستان تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

"السلام علیکم دار قوم مومنین وانا انشاء اللّٰہ بکم اللاحقون."
(ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۴۶۱)

تَرجَمہ: "اے مؤمن گھر والے تم پر سلامتی ہو۔ انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔"

❻ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ بقیع کی جانب نکلے تو یہ دعا پڑھی:

"السلام علی اھل الدیار من المسلمین والمومنین ورحم اللّٰہ المستقدمین

وانا ان شاء اللّٰہ لاحقون بکم." (مجمع الزوائد جلد۲ صفحہ۶۳)

ترجمہ: "سلامتی ہو تم پر اے مؤمن و مسلم گھر والے۔ اللہ پہلے جانے والوں پر رحم کرے، تمہارے بعد ہم بھی آرہے ہیں۔"

٧ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ بقیع قبرستان میں تشریف لے جاتے یہ پڑھتے:

"السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللّٰہ بکم لاحقون اسئل اللّٰہ لی ولکم العافیة." (فتح القدیر جلد۲ صفحہ۱۴۲)

ترجمہ: "مؤمن گھر والے تم پر سلام! ہم بھی انشاء اللہ بعد میں آنے والے ہیں۔ اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔"

صدقہ دعاء استغفار ایصال ثواب سے عذاب قبر ختم یا تخفیف وکمی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا میرے والد کی وفات ہوگئی۔ انہوں نے مال چھوڑا ہے، اور کوئی وصیت نہیں کی ہے۔ تو میں ان کی جانب سے صدقہ خیرات کر دوں تو ان کا کفارہ (گناہوں کی معافی کا ذریعہ) ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں یعنی تمہارے صدقات سے جو ان کے لئے ہوگا اس سے ان کا کفارہ ہو جائے گا۔ اور ان کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ جو ان کی زندگی میں ان سے ہوا ہوگا ہو جائے گا۔ (مسلم جلد۲ صفحہ۴۱، فتح الملہم صفحہ۱۱۴)

فائدہ: صدقہ خیرات جس طرح زندوں کے حق میں گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے اسی طرح مردوں کے حق میں بھی یہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔ اور قبر میں عذاب گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب گناہ کی معافی ہوگی جو سبب عذاب ہے تو اس سے عذاب کی کمی یقیناً ہوگی اسی طرح دعا، استغفار، وغیرہ سے۔

چنانچہ ابن قیم لکھتے ہیں:

"وقد ینقطع عنه العذاب بدعاء او صدقة او استغفار او ثواب حج او قراء ة تصل الیه من بعض اقاربه او غیرهم." (صفحہ۸۱، کتاب الروح)

میت کے لئے دعا کی جائے، یا اس کی جانب سے صدقہ خیرات کیا جائے، یا اس کے لئے استغفار کیا جائے، یا اس کی جانب سے حج کیا جائے یا قرآن کی تلاوت کی جائے جو ان کے رشتہ داروں کی جانب سے ہو تو اس کی وجہ سے عذاب قبر ختم ہو جاتا ہے۔ (یا اس میں کمی ہوتی ہے)۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ میری امت مرحومہ قبر میں گناہگار داخل ہوتی ہے۔ اور (بعد میں) قبر سے اس حال میں نکلتی ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہوتی ہے مؤمنین کے استغفار سے ان کے گناہ

ختم ہو جاتے ہیں۔ (طبرانی، شرح الصدور صفحہ ۳۰۷)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ خیرات قبر والوں کی آگ کو بجھاتا ہے۔

احمد بن یحییٰ نے بیان کیا کہ بعض اصحاب نے بیان کیا کہ ہمارے بھائی کا انتقال ہوگیا میں نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کیا حال ہوا جب میں نے تم کو قبر میں رکھا۔ کہا کہ ایک آگ کا شعلہ آیا۔ اگر کوئی دعا کرنے والا دعا نہ کرتا تو وہ مجھے پیٹنے لگتا۔ (یعنی دعا کی وجہ سے اس کی پٹائی سے بچ گیا)۔ (کتاب الروح صفحہ ۸۲)

ابن رجب نے بیان کیا بعض صالحین نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے کہا کیا بات ہے تمہارا ہدیہ کیوں آنا بند ہوگیا۔ تو میں نے کہا اے والد! کیا مردوں کو زندوں کے ہدایا (ایصال ثواب دعا وغیرہ کا) علم ہوتا ہے تو انہوں نے کہا کہ اگر زندوں (کے ہدایا نہ پہنچیں) تو یہ مردے ہلاک ہو جائیں۔

واقعہ: ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا کہ عبداللہ بن نافع نے ذکر کیا کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص کا انتقال ہوا۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا تو محسوس ہوا کہ وہ اہل دوزخ میں ہے۔ یہ بہت رنجیدہ ہوئے۔ پھر کچھ وقفہ کے بعد دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اہل جنت میں ہوگیا پوچھا تم تو اہل دوزخ میں تھے۔ کہا ہمارے بغل میں ایک صالح شخص دفن ہوا اس کی سفارش سے بغل کے ۴۰؍آدمیوں کی نجات ہوئی میں بھی انہیں میں سے ہوں۔ (کتاب الروح صفحہ ۸۲)

ایصال ثواب کا مشروع ومسنون طریقہ

اعمال صالحہ پر جو ثواب ملتا ہے اسے ثواب کو دوسرے کو بخش دینا ایصال ثواب ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ ایصال ثواب کے لئے نہ کوئی وقت مقرر ہے اور نہ کوئی دن اور نہ کوئی خاص طریقہ، جو بھی نیک عمل مثلاً قرآن پاک کی تلاوت یا نفلی نماز روزہ یا صدقہ خیرات کرے، تو اس میں یہ نیت کر لے کہ اس کا ثواب اے اللہ فلاں شخص کو پہنچا دیجئے۔ صرف دل میں کہہ دینا کافی ہو جاتا ہے۔ خواہ عمل سے پہلے یا عمل کے بعد ثواب پہنچ جاتا ہے۔ باقی ایصال ثواب کے سلسلہ میں جاہلوں نے، عوام نے بہت سی باتیں رسماً اور جہلاً گھڑ لی ہیں وہ سب واہیات خلاف شرع بدعت ہیں جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ اس موضوع پر جو کتابیں اور رسائل تالیف کی گئی ہیں ان کو دیکھئے۔

حصول ثواب تب ایصال ثواب

جاننا چاہئے کہ ایصال ثواب کے لئے حصول ثواب یعنی ثواب کا حاصل ہونا ضروری ہے، جب خود عمل کرنے والے کو ثواب حاصل نہ ہوگا تو دوسرے کو کیسے ثواب پہنچائے گا اور بخشے گا۔

کسی بھی عمل سے حصولِ ثواب کے لئے اساسی اور بنیادی طور پر دوشرطیں ہیں:

❶ عمل کا صحیح ہونا یاعمل کا شریعت کے مطابق ہونا۔

❷ خالصۃً لوجہ اللہ ہونا۔ لہٰذا کوئی نیک عمل کیا مگر وہ شریعت کے مطابق نہ ہو۔ مثلاً نفل نماز پڑھی اور وہ فاسد ہوگئی، یا قرآن کی تلاوت کی مگر حروف صحیح نہیں نکالے من من کر کے پڑھا۔ جلدی جلدی حروف کاٹ کر پڑھا تو اس کا ثواب نہ ہوگا۔ یا عمل تو صحیح ہوا اچھی طرح نماز پڑھی خوش اسلوبی کے ساتھ قرآن پڑھا مگر نیت تھی کہ مٹھائی ملے گی۔ دعوت کھائیں گے۔ یا صدقہ خیرات کیا تاکہ لوگ دیکھیں اور تعریف کریں یا عرف رواج کی عار سے بچنے کے لئے کیا تو بھی ثواب حاصل نہ ہوگا۔ اکثر و بیشتر ایصال ثواب میں اسی وجہ سے ثواب نہیں پہنچتا ہے۔

خصوصاً جو امور رسماً اور عرف کی رعایت میں کئے جاتے ہیں اس کا بھی ثواب نہیں ملتا۔ خوب سمجھ لیا جائے جب تک شرع کے موافق اور خالصۃً لوجہ اللہ نہ ہوگا ثواب ہی حاصل نہ ہوگا۔ جب ثواب نہیں تو ایصال ثواب کہاں سے ہوگا۔

اہل قبرستان کے لئے کیا ایصال ثواب کرے

احمد مروزی نے بیان کیا کہ میں نے امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم قبرستان میں داخل ہوتو سورۂ فاتحہ پڑھو۔ سورۂ ناس سورہ فلق، سورہ اخلاص پڑھو اور اس کا ثواب اہل قبرستان کو بخش دو۔ (مرقات، شرح مشکوٰۃ صفحہ ۸۱، شرح صدور اردو صفحہ ۳۰۷)

❁ ابومحمد سمرقندی نے حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مرفوعاً یہ روایت ذکر کی ہے کہ جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے اور اس کا ثواب اہل قبرستان کو بخش دے تو تمام مردوں کی تعداد کے برابر سب کو ثواب ملے گا۔

❁ ابوالقاسم زنجانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو قبرستان میں داخل ہو سورہ فاتحہ سورہ قل ھو اللہ اور سورہ الہٰکم التکاثر پڑھے اور اس کا ثواب اہل قبرستان کے مؤمن مرد اور عورتوں کو بخش دے تو یہ سب خدائے پاک کے پاس اس کی (مغفرت اور نجات کی) شفاعت کرنے والے ہو جائیں گے۔

❁ حماد المکی نے ذکر کیا کہ ایک شب میں مکہ مکرمہ کے قبرستان آیا اور سر رکھ کر کسی قبر پر سو گیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ سب قبرستان والے حلقہ حلقہ لگائے بیٹھے ہیں، میں نے کہا کیا قیامت قائم ہوگئی کہا نہیں۔ ہمارے بھائیوں میں سے کسی کا گزر ہوا اس نے قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب بخش دیا سو ہم اسی کو ایک سال

سے تقسیم کر رہے ہیں۔

❊ عبدالعزیز صاحب الخلالی نے اپنی سند سے ذکر کیا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص قبرستان میں آئے اور سورہ یٰس کا ثواب پڑھ کر اہل قبرستان کو بخش دے۔ تو اللہ پاک اس سے عذاب میں تخفیف فرمائیں گے اور ان کو مردوں کی تعداد کے برابر نیکی ملے گی۔

(شرح صدور ص......، مرقات شرح مشکوٰۃ جلد۴ صفحہ۸۲)

فائدہ: قبرستان اور مقبرہ میں جب بھی آئے خواہ اس کے قریب سے گزرے تو قرآن پاک یا درود وغیرہ پڑھ کر اس کا ثواب اہل قبرستان کو بخش دے چونکہ یہ عمل نہیں کر سکتے زندوں کے بھیجے ہوئے ثواب کے اس طرح منتظر رہتے ہیں جیسے ڈوبتا ہوا شخص کسی لکڑی کے سہارے کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کے حق میں دعا و استغفار کر دے کہ ان کو کچھ فائدہ پہنچ جائے۔

موجودہ دور میں رائج قرآن خوانی، سنت اور شریعت کے نزدیک

موجودہ دور آج کل جو رائج ہے کہ کسی کے بعد خواہ دوسرے یا تیسرے یا دسویں یا چالیسویں دن گھر میں مختلف لوگوں کا محلے یا اڑوس پڑوس والوں کا یا مدارس و مکاتب کے بچوں کا جمع ہو کر قرآن خوانی کی رسم کا ادا کرنا یہ خلاف سنت اور شریعت ہے۔ نہ سنت سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں رائج تھا۔ نہ خیر القرون میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ نہ فقہ فتاویٰ اور اسلامی کتابوں میں جو معتبر ہیں اس کی اجازت ملتی ہے۔ میت اور جنازہ کے بہت سارے احکام اور مسائل فقہ و فتاویٰ وغیرہ کی کتابوں میں مذکور ہیں مگر اس قسم کی قرآن خوانی کا کہیں ذکر نہیں۔ بلکہ ارباب علم اصحاب فقہ فتاویٰ نے شدت سے اس کی ممانعت کی ہے۔ اس کا بدعت اور رسم میں ہونا ذکر کر کے اس کے ترک اور نہ کرنے کی تاکید ہے۔ مگر افسوس کہ یہ رسم اس درجہ لوگ پکڑے ہوئے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے سنت اور یا حدیث پاک سے یا شریعت سے ثابت ہی نہیں بلکہ حکم ہے۔ چنانچہ محققین علماء نے اس قرآن خوانی پر نکیر کی ہے۔ اسے ناجائز اور بدعت قرار دیا ہے۔ ذیل میں اس کی تفصیل ذکر کی جا رہی ہے۔

❶ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: تیجہ، چالیسواں، چھ ماہی، برس کی فاتحہ (جس میں جمع ہو کر قرآن خوانی ہوتی ہے) یہ سب باتیں عرب میں قرون اولیٰ میں نہیں تھیں۔ (تنبیہات الٰہیہ صفحہ۱۴۷)

❷ علامہ ابن قیم زاد المعاد میں فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں تھا کہ تعزیت کے لئے جمع ہوں (اژدحام کی شکل میں) اور قرآن خوانی ہو نہ قبر کے پاس اور نہ اور کسی جگہ۔ یہ سب باتیں بدعت مکروہ ہیں۔ (زاد المعاد جلد۱ صفحہ۱۵۰)

❸ شرح کبیری میں ہے کہ قرآن خوانی کے لئے لوگوں کو جمع کرنا مکروہ ہے۔

"اتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع الصلحاء القراء للختم." (صفحہ۲۰۹)
خاص کر قرآن خوانی اور دعوت کا جمع کرنا مکروہ ہے۔
"والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراء ة القرآن لاجل الاکل یکره." (صفحہ۲۰۹)

۴ قرآن خوانی کے لئے صلحاء، اتقیاء یا قراء کو یا سورہ انعام یا سورہ اخلاص پڑھنے کی دعوت دینا، جمع کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (بزازیہ جلد۱صفحہ۸۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ذکر کرتے ہیں میت کے لئے نماز جنازہ کے علاوہ دیگر اوقات میں جمع ہونا رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل نہ تھا نہ قرآن خوانی کے لئے اور نہ ختم کے لئے نہ میت کی قبر پر نہ اور کسی دیگر مقام پر۔ یہ تمام رسوم ورواج بدعت اور مکروہ ہیں۔ (شرح سفر السعادۃ صفحہ۲۷۳)

۵ اسی طرح مدارج النبوۃ میں ہے (اسلاف) کی عادت نہیں تھی کہ میت کی قرآن خوانی کے لئے اور ختم قرآن کے لئے نہ قبر پر نہ گھر میں جمع ہوتے تھے۔ یہ سب بدعت ہے۔

۶ علامہ نووی شرح منہاج میں لکھتے ہیں مثلاً تیجہ، پانچواں، نواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں، چھٹا مہینہ اور سال منانا (قرآن خوانی ان ایام میں کرنا اور اسے منانا یادگار قائم کرنا، رشتہ داروں کا جمع ہونا یا کرنا) سب ممنوع بدعت ہے۔ (راہ سنت صفحہ۲۶۵)

خیال رہے کہ اس قرآن خوانی کے موقعہ پر کھانے کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ قرآن خوانی پڑھنے والوں کو اور جو لوگ میت کے گھر آئیں کھانا بنانا اور قرآن خوانی والوں کو کھلانا بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔

ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں: میت کے گھر کھانا تیار کرنا مکروہ ہے کیوں کہ کھانا تو خوشی کے موقعہ پر ہوتا ہے نہ کہ غمی میں اور یہ نہایت ہی بری قبیح بدعت ہے۔ (فتح القدیر جلد۱صفحہ۴۷۳)

قاضی خاں میں ہے: مصیبت کے دنوں میں ضیافت، کھانے کی دعوت مکروہ ہے۔ (جلد۱صفحہ۲۸۱)

ملاعلی قاری شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں: ہمارے علماء احناف نے تصریح کردی ہے کہ میت کے یہاں پہلے، تیسرے دن، اسی طرح ہفتہ کے بعد دعوت مکروہ ہے۔ (مرقات جلد۵صفحہ۴۸۲)

ابن حجر مکی کے فتاویٰ میں ہے میت کے ہاں تیسرے دن فقراء وغیرہ کے لئے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے...... اس کا کیا حکم ہے۔ جواب "بدعت مذمومہ" ہے۔ (فتاویٰ کبریٰ جلد۲صفحہ۷، بحوالہ راہ سنت صفحہ۲۶۳)

ابن امیر الحاج صاحب مدخل لکھتے ہیں: اہل میت کا کھانا تیار کرنا، لوگوں کا جمع ہونا، اسلاف سے ثابت نہیں بدعت ہے۔ (مدخل جلد۳صفحہ۲۷۵)

بکثرت اہل علم فقہاء کرام ائمہ عظام نے میت کے گھر کھانا پکنا اور فقراء و مساکین یا اقرباء و اعزاء کی دعوت

کرنا مکروہ بدعت لکھا ہے۔ جو ثواب نہیں بلکہ گناہ کا کام ہے۔

جس چیز میں ثواب ہی نہ ہو گناہ ہو اس میں مال لگانا مال کو ضائع کرنا اور برباد کرنا ہے۔ جو گناہ کبیرہ ہے۔ پھر اس میں بیشتر لوگ ایسے ہیں اگر ان کو قرآن خوانی پر کچھ نہ ملے تو نہیں آئیں گے۔ گویا کہ وہ قرآن خوانی کا عوض اور بدلہ چاہتے ہیں۔ اور اس نیت اور ارادے سے قرآن پڑھنے والے کو ثواب نہیں ملتا۔ اور جب خود پڑھنے والوں کو ثواب نہیں ملے گا تو وہ دوسرے کو کس طرح ثواب بخش سکتا ہے۔

حاصل: قرآن خوانی کی جو شکل وصورت اور طریقہ رائج ہے کہ تیسرے دن یا چالیسویں تک لوگ جمع ہوتے ہیں۔ مدرسہ کے طلباء وغیرہ بلائے جاتے ہیں۔ ان کے درمیان قرآن کے سپارے تقسیم کئے جاتے ہیں سب اکٹھے ہو کر پڑھتے ہیں۔ پھر دعا ہوتی ہے۔ پھر کھانا کھلایا جاتا ہے یا حسب استطاعت کچھ شیرنی جیسی مٹھائی وغیرہ تقسیم ہوتی ہے۔ یہ طریقہ نہ آپ ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ وتابعین اور خیر القرون (جس کے خیر پر ہونے کی شہادت دی ہے) میں ہوا۔ نہ کسی دین، فقہ، فتاویٰ کی کتاب میں ہے۔ لہٰذا خلاف سنت، بدعت، رسم ہونے کی وجہ سے اس کا نہ کرنا ضروری ہے۔ اور اس کے کے کرنے میں ثواب نہیں ہے۔ بدعت اور رسم میں مال خرچ کرنے پر ثواب کے بجائے الٹے گناہ ہوتا ہے۔

اے ایمان والو! اور مسلمانو! ایسا کام کیوں کرتے ہو جسے نہ آپ نے کیا نہ آپ نے حکم دیا نہ علماء نے کرنے کو کہا بلکہ بدعت ہونے کی وجہ سے منع کیا۔ جاہلوں، رسم ورواج کے اوپر چلنے والوں کی نقل اور اتباع مت کرو۔ ایمان اسلام کا تقاضہ یہ ہے کہ جب غلط بدعت گناہ کا کام ہونا معلوم ہو گیا تو اسے چھوڑ دو۔

قرآن خوانی کا مشروع طریقہ

گھر والوں سے متعلقین احباب اور دوستوں سے کہہ دو جب موقعہ ملے جس مقدار میں موقعہ ملے قرآن کی تلاوت کے ذریعہ سے یا نفلی نماز کے ذریعہ سے یا صدقات خیرات کے ذریعہ سے حسب سہولت ایصال ثواب کر دیں۔ جب موقعہ ملے ان کو ثواب پہنچا دیں۔ ان کے حق میں دعا کر دیں یہ صحیح طریقہ ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو صحیح اور شرع کے طریقہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ رسم اور جہالتی امور سے بچائے۔

میت کو قرآن پاک کا ثواب بخشا جائے تو ملتا ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جو قبرستان میں داخل ہو اور سورۂ یٰسین شریف پڑھے تو اللہ پاک ان کے عذاب میں تخفیف فرمائیں گے۔ اور ان کی تعداد کے برابر نیکیاں ملیں گی۔

(شرح صفحہ ۳۱۲)

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جو قبرستان سے گزرے اور گیارہ مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھے تو پھر اس کا ثواب ان مردوں کو بخش دے تو سب مردوں کو اس کی تعداد کے موافق اس کا ثواب ملے گا۔

فَائِدَہ: خیال رہے کہ قرأت قرآن تلاوت کلام کا ثواب ایصال کر دیا جائے میت کو بخش دیا جائے تو جمہور علماء قائل ہیں کہ اس کا ثواب اہل قبر مردوں کو ملتا ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

"اختلف فی وصول ثواب القراء ۃ للمیت جمهور السلف والائمة الثلاث علی الوصول."

علامہ سیوطی میت کو ہر نیکی جس کا ثواب بخش دیا جائے ملتا ہے اس پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔

"وهی ان کانت ضعیفة فمجموعها یدل علی ان ذلك اصلا وبان المسلمین مازالوا فی کل عصر یجتمعون ویقرؤن لموتا هم من غیر نکیر فکان ذلك اجماعا، ذکر ذلك کله الحافظ شمس الدین المقدس الحنبلی."

علامہ قرطبی نے بیان کیا کہ شیخ عزالدین بن سلام پہلے یہی فتویٰ دیتے تھے کہ قرأت قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے، لیکن جب ان کی وفات ہوئی ان کے بعض اصحاب نے یہ خواب دیکھا تو ان سے پوچھا کہ آپ تو اس بات کے قائل تھے کہ میت کو قرأت قرآن کا ثواب نہیں ملتا ہے، تو اب کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے کہا میں دنیا میں تو ایسا ہی کہا کرتا تھا مگر اب اس سے یہاں رجوع کر لیا ہے، جب میں نے اس سلسلے میں اللہ کا فضل و کرم دیکھا کہ ان سب امور کا ثواب ملتا ہے۔ (شرح الصدور صفحہ ۳۱۱)

امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی بھی اولاً قرأت کے متعلق ایصال ثواب کے قائل نہیں تھے جب ان کو اس قسم کی روایتیں پہنچیں تو وہ بھی قائل ہو گئے اور پہلے قول سے رجوع کر لیا۔

حضرت شوافع کے بعض قول میں تو یہ ہے کہ قرأت کا ثواب نہیں پہنچتا ہے۔ اور بعض قول میں ہے کہ ثواب پہنچتا ہے چنانچہ زعفرانی نے کہا کہ میں نے حضرت امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے پوچھا قبر کے نزدیک قرآن پڑھنے کے بارے میں، تو انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

امام نووی نے شرح مہذب میں لکھا ہے کہ قبر کی زیارت کرنے والوں کے لئے مستحب ہے کہ جو آسان ہو قرآن پاک پڑھے، اور ان کے حق میں دعا کرے، خود امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے کہا اور اس پر ان کے اصحاب نے اتفاق کیا۔ (شرح الصدور صفحہ ۳۱۱)

پس علامہ سیوطی کی اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ جمہور علماء ائمہ اربعہ قرأت قرآن کے ایصال ثواب کے قائل ہیں، پس ہمارے دور میں جو ایک طبقہ اس کا قائل ہے کہ صرف صدقہ مالیہ اور حج بدل کا ثواب پہنچتا ہے، قرأت

قرآن کا ثواب بخشا جائے تو نہیں پہنچتا ہے، یہ صحیح نہیں۔

علامہ سیوطی نے امام غزالی کا قول احیاء میں اور عبدالحق کا قول العاقبہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا، جب تم قبرستان میں داخل ہوتو سورہ فاتحہ، معوذتین، اور قل ھو اللہ احد پڑھو، اور اسے قبرستان والوں کو بخش دو، ان کو اس کا ثواب ملتا ہے۔

علامہ قرطبی نے بیان کیا کہ ہمارے بعض اصحاب نے قرأت قرآن سے میت کو ثواب پہنچنے پر حدیث شارع سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ آپ کھجور کی شاخ کو توڑ کر قبر میں لگا دیا، جس پر خطابی نے یہ کہا کہ جب تک قبر پر یہ تر وتازہ رہے گی تسبیح پڑھتی رہے گی اس کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

خیال کیجئے جب شاخ کی تسبیح سے عذاب میں تخفیف ہوسکتی ہے تو مؤمن کے قرآن پڑھنے سے نہیں ہوگی؟

(شرح صفحہ ۳۱۲)

علامہ ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب کتاب الروح میں بیان کیا ہے، اگر تم عمل کے ثواب کے قائل ہو تو کیا وجہ ہے کہ تلاوت کلام پاک کا ثواب نہ پہنچے، جب عمل کا ثواب پہنچتا ہے تو تلاوت بھی ایک عمل ہے پھر ایک دوسرے کے مشابہ عمل میں فرق کی وجہ کیا ہے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں روزوں اور حج کے ثواب کی طرح تلاوت کا بھی ثواب ملتا ہے۔

اسی طرح اس کی وجہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں، ثواب عامل کی ملکیت ہے، اگر وہ حسن سلوک ونیکی کے طور پر اسے اپنے کسی مسلمان بھائی کو وقف کردے تو اللہ پاک اس کا ثواب اس تک پہنچا دیتا ہے پھر تلاوت کلام پاک کا ثواب نہ پہنچنے کی وجہ کیا ہے۔

ایک اور مقام پر منکرین پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جو سبب حج، صدقہ، اور آزاد کرنے کے ثواب پہنچنے کا ہے وہی سبب بعینہٖ روزے، نماز تلاوت اور اعتکاف کے ثواب پہنچنے کا ہے۔ (صفحہ ۱۲۳)

پھر ابن قیم لکھتے ہیں۔ ہر زمانہ میں جمہور کا اس پر عمل رہا ہے بلکہ نہ ماننے والوں کا بھی اس پر عمل رہا ہے۔

"واما قراء ة القرآن واهدائها له تطوعا بغير اجرة فهذا يصل اليه كما يصل ثواب الصوم والحج." (صفحہ ۱۲۸)

"وسر المسئلة ان الثواب ملك العامل فاذا تبرع به واهداءه الى اخيه المسلم او صله الله اليه ...... وهذا عمل سائر الناس حتى المنكرين فى سائر الاعصار والامصار من غير نكير من العلماء." (صفحہ ۱۲۹)

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے دور کے جو غیر مقلدین اور سلفی حضرات قرأت قرآن کے ثواب پہنچنے کے

قائل نہیں ہیں۔

یہ جمہور علماء محققین اور مقابل امت کے خلاف ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک ابن قیم تو محقق علماء میں ہیں۔ ان کے قول سے ان حضرات کے قول کی بالکل کھلے اور واضح طور پر تردید ہوتی ہے۔ "واللّٰه يهدی من يشاء ويريد."



تعزیت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور پاکیزہ تعلیمات کا بیان

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت کے وقت لوگوں کو تسلی دینے کے لئے تشریف لے جاتے

عبدالرحمن بن القاسم کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی مصیبت اور پریشانیوں میں تعزیت کے لئے تسلی اور صبر کی تلقین کے لئے جاتے تھے۔ (مصنف ابن عبدالرزاق جلد۳ صفحہ ۳۹۵)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت زدہ کی تعزیت کی ترغیب دیتے تھے۔ (کشف الغمہ صفحہ ۱۷۴)

فائدہ: مسلمان کو خواہ رشتہ دار ہو یا محلے ٹولے کے ہوں یا عام لوگ ہوں کسی قسم کی بھی مصیبت حوادث، مالی نقصان، مرض، موت، وغیرہ پیش آجائے تو اس کے پاس جانا تسلی دینا، غم میں شریک ہونا، خیر خواہی کا اظہار ان کے گھر جا کر کرنا سنت اور بہت بڑے ثواب کا باعث ہے۔

اگر وفات پر خود نہ جاسکتے تو دوسروں کے ہاتھ تعزیتی پیغام بھیج دیتے

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی صاحبزادی نے اپنے بچہ کی نزع کی حالت کی اطلاع آپ کو بھجوائی، اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے ان کی جانب سلام بھجوایا (خود کسی وجہ سے نہ جاسکے) اور یہ کہلوایا کہ سب کچھ اللہ پاک ہی کا ہے جو چاہے بخش دے جو چاہے لے لے ہر چیز کا اس کے پاس ایک وقت مقرر ہے، صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو۔ (الفتح الربانی جلد۸ صفحہ ۸۹)

بسا اوقات آدمی کسی اہم مشغول و مصروفیت یا حوادث مرض وغیرہ کی وجہ سے از خود کسی مرض یا بیماری میں تعزیت وعیادت کے لئے نہ جاسکے، تو اپنی جانب سے کسی کو بھیج کر اس کی معرفت اظہار غم، تسلی اور صبر کے کلمات اور خدائے پاک پر بھروسہ اور اس سے ثواب کی امید وغیرہ کلمات کہلوا دے تو تعزیت کا حق ادا ہو جائے گا، اور اس کا ثواب پالے گا، اس زمانہ میں یہ کام فون اور انٹرنیٹ کے ذریعہ سے بھی بسہولت ہوسکتا ہے۔

عورتوں کو بھی پردہ کے ساتھ تعزیت میں جانا مسنون ہے

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (آتے ہوئے دیکھ کر) پوچھا کہاں سے آرہی ہو، جواب دیا، (میت کے گھر سے میت پر رحم کی دعا کے لئے اوران کی تعزیت کے لئے گئی تھی) (حاکم صفحہ ۳۷۳، سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۱۶۰، اذکار نوویہ صفحہ ۱۵۲، ابوداؤد، نسائی)

فائدہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کسی پڑوس کے یہاں تعزیت میں گئی تھیں، جسے آپ نے دیکھ لیا، تو پوچھا، اس سے معلوم ہوا عورتوں کا پردے کے ساتھ تعزیت کے لئے رشتہ داروں اور پڑوس میں جانا درست ہے، ہاں بے پردگی اور بے حیائی کی اجازت نہ ہوگی، ہاں مگر جنازہ اور مقبرہ میں نہیں جاسکتی ہے۔

کسی کی تعزیت میں کیا کہنا مسنون ہے اور کیا کہے

ابوخالد والبی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کی تعزیت فرمائی، تو یہ فرمایا، اللہ اس پر رحم کرے، اور تم کو ثواب دے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۸۶، سنن کبریٰ صفحہ ۶۰)

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کی تعزیت فرماتے تو یہ کہتے، اللہ کے فیصلے پر صبر کرو۔ (ابن ابی شیبہ ۳/۳۸۶)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ کی کسی صاحبزادی کا کوئی بچہ انتقال کر گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب سلام بھجوا کر فرمایا یہ کہہ دو۔

"ان لِلّٰہ ما اخذ وما اعطی وکل شیء عندہ الی اجل مسمی فلتصبر ولتحتسب."

ترجمہ: "جو اللہ نے لیا جو دیا سب اللہ کا تھا، اس کے نزدیک وقت مقرر ہے پس چاہئے کہ تم ثواب کی امید رکھو۔" (الفتح الربانی جلد ۸ صفحہ ۸۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کی تعزیت کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ فرماتے:

"لیس مع العزاء مصیبة ولیس مع الجزع فائدة الموت اھون ما قبله واشد ما بعدہ اذکروا فقد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم تصغر مصیبتکم واعظم اللّٰه اجرکم." (کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۷۴۴)

صبر کے ساتھ کوئی مصیبت نہیں، حد سے زیادہ رنجیدہ ہونے میں کوئی فائدہ نہیں، موت کہ اس سے پہلے تو آسان ہے، اور اس کے بعد سختی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو یاد کرو، تمہارا رنج گھٹ جائے گا اللہ پاک تم کو بہت اجر دے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت اشعث بن قیس کے بیٹے کی وفات پر تعزیت کے لئے تشریف لے گئے تو

یہ فرمایا:

”ان تحزن فقد استحقت منكم الرحم وان تصبر ففى الله خلف من ابنك انك ان صبرت جرى عليك القدر وانت ماجور وان جزعت جرى عليك وانت ماثوم.“ (کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۷۴۵)

ترجمہ: ”تم کو غم پیش آیا ہے تم رحم کے مستحق ہو، اگر تم صبر کرو گے اللہ تمہارے بیٹے کا نائب بنادے گا، اللہ کا فیصلہ حکم جو تم پر جاری ہوا اس پر صبر کرو گے تو ثواب پاؤ گے اور جزع فزع خدا کے فیصلے پر جو تم پر ہوا کرو گے تو گناہ پاؤ گے۔“

فائدہ: تعزیت کا مفہوم غم رنج پر صبر کی تلقین ہے اور یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر بخوشی راضی رہے، اور اس مصیبت کو ثواب سمجھ کر برداشت کرے، اس مفہوم کو کسی بھی الفاظ سے ادا کردے تعزیت کا ثواب پالے گا۔

آپ کی وفات پر حضرات ملائکہ نے تعزیت کی

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو حضرات ملائکہ نے تعزیت کی، جن کی آہٹ تو سنی جارہی تھی مگر ان کو دیکھا نہیں جارہا تھا، انہوں نے کہا:

”السلام عليكم اهل البيت ورحمة الله وبركاته ان فى الله عزاء من كل مصيبة وخلفاء من كل فائت، فبالله فثقوا واياه فارجوا فانما المحروم من حرم الثواب والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته.“

ترجمہ: ”اے گھر والے تم پر خدا کی سلامتی اور اس کی رحمت نازل ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ہی رجوع ہے ہر مصیبت میں بھی ہر فوت شدہ کا نائب ہے۔ پس محروم تو وہ ہے جو ثواب سے محروم ہے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔“

حضرت جعفر بن محمد کی روایت میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو لوگ بطور تعزیت کے لئے آئے تو ایک کہنے والے کو (جسے دیکھا نہیں گیا) کہتا ہوا سنا گیا، اللہ تعالیٰ سے ہی غم کا اظہار ہے ہر مصیبت میں اور میں ہر میت کا نائب اور کفیل ہوں، ہر فوت شدہ امر کی تلافی کرنے والا ہوں، پس اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو، اسی سے امید باندھو، اصل مصیبت زدہ تو وہ ہے جو ثواب سے محروم رہے۔ (سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۶۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت خضر علیہ السلام تعزیت کے لئے تشریف لائے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو حضرات صحابہ کرام

بہت زیادہ غمزدہ ہوئے اور آپ کے گرد آہ بکا کرنے لگے، پس اچانک ایک طویل قامت سفید چہرہ والا بہترین لباس میں ملبوس، کندھے اور سینہ بالوں سے پر شخص اور صحابہ کرام کو پھاندتے ہوئے آیا اور چوکھٹ کو پکڑ کر کچھ دیر حضور پاک ﷺ کے سامنے رویا، پھر کہا، ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہی ہر میت کا نائب ہے، ہر فوت شدہ کا عوض دینے والا ہے، پس اللہ ہی کی طرف متوجہ ہو، اور اسی کی طرف راغب ہو، اصل مصیبت زدہ تو وہ ہے جس کو ثواب نہ ملے (یعنی صبر نہ کرنے پر) لوگوں نے کہا اسے تم لوگ پہچانتے ہو، لوگوں نے دائیں بائیں دیکھا تو کسی کو نہیں پایا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، یہ حضرت خضر تھے، جو نبی کریم ﷺ کے بھائی تھے۔

(جمع الفوائد صفحہ ۳۹۰، مجمع جلد ۳ صفحہ ۶، بلوغ الامانی جلد ۸ صفحہ ۹۰)

فائدہ: خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبوت کے اعتبار سے بھائی تھے کہ ایک تحقیق میں حضرت خضر نبی ہیں حقیقی نسبی بھائی مراد نہیں۔

مؤمن کی وفات پر تعزیت مسنون ہے

ابوخالد والبی نے بیان کیا کہ آپ ﷺ ایک شخص کی تعزیت میں تشریف لے گئے تو فرمایا اللہ تم پر رحم فرمائے اور تم کو ثواب سے نوازے۔ (جلد ۴ صفحہ ۵۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تعزیت کرنے والے کو مصیبت زدہ کی طرح ثواب ملتا ہے۔ (ترمذی صفحہ ۲۰۵، سنن کبری جلد ۴ صفحہ ۵۹، تلخیص صفحہ ۱۴۵)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جس کے گھر وفات ہوئی ہے اور جسے یہ حادثہ پیش آیا ہے اس کو صبر پر جس قدر عظیم ثواب مل رہا ہے اسی قدر اس کو بھی ملے گا، جو اسے جا کر صبر کی تلقین کرے گا، اللہ اکبر کس قدر خدائے پاک کی نوازش اور کرم فرمائی ہے۔

تعزیت کرنے والا جنت کے جوڑے پائے گا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی اسے جنت میں جوڑا پہنایا جائے گا۔ (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۰۶، مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۱)

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی اللہ پاک اسے ایسا جوڑا پہنائے گا جس پر لوگ رشک کریں گے یا ناز و انداز سے چلے گا۔

(بلوغ الامانی صفحہ ۹۱، مطالب عالیہ صفحہ ۱۹۸)

عمرو بن حزم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے بھائی کی مصیبت میں تعزیت کی

تو اللہ پاک اسے قیامت کے دن اکرام واعزاز کا جوڑا پہنائے گا۔
(ابن ماجہ، تلخیص الحبیر صفحہ ۱۴۶، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۶۵۹)

تعزیت کا مقصد اہل میت کو تسلی دینا اور اس کے غم کو ہلکا کرنا ہے، اور اسے صبر پر ابھارنا ہے۔
(طحطاوی علی المراقی صفحہ ۳۳۹)

کسی کی وفات پر تسلی دینے کے لئے اس کے گھر جانا سنت اور باعث فضیلت ہے، پس تھوڑی دیر تسلی آمیز الفاظ کہہ کر چلا آئے۔

افضل یہ ہے کہ دفن کے بعد جائے، تاخیر سے جانا مکروہ ہے، ہاں مگر یہ کہ وہ دوسرے علاقے کا ہو، ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ تعزیت کے لئے جانا مکروہ ہے، اہل تعزیت کے لئے دروازے کے سامنے بھیڑ لگانی مکروہ ہے، جاہلیت کا طریقہ ہے عموماً بہترین بستر اور کرسی وغیرہ بچھا کر رکھ دیا جاتا ہے، سڑکوں کے کنارے اور لوگوں کی ایک بھیڑ جمع ہوتی رہتی ہے، نہایت ہی قبیح ہے۔ (الشامی جلد ۲ صفحہ ۲۴۱)

تعزیت کا وقت ۳؍ روز ہے۔ (طحطاوی علی المراقی صفحہ ۳۳۹)

کافر کی تعزیت کے لئے جانا اور صبر کی تلقین کرنی درست ہے۔ (الشامی جلد ۲ صفحہ ۲۴۱)

تعزیت کے لئے خود نہ جاسکے تو تحریر یا خط بھیجنا بھی سنت ہے

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان کا ایک بیٹا تھا، اس کا انتقال ہوگیا، تو حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نام بیٹے کے متعلق ایک تعزیت نامہ لکھا:

"بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی معاذ بن جبل سلام علیك، فانی احمد الیك اللّٰہ الذی لا الہ الا ھو، اما بعد، فاعظم اللّٰہ لك الاجر والھمك الصبر ورزقنا وایاك الشکر فان انفسنا واموالنا واھلنا من مواھب اللّٰہ لھمہ وعواریہ المستودعۃ متعك اللّٰہ بہ فی غبطۃ وسرور وقبضہ منك باجر کثیر الصلاۃ والرحمۃ والھدی ان احسبتہ فاصبر ولا یحبط جزعك اجرك فتندم واعلم ان الجزع لا یرد میتا ولا یدفع حزنا وما ھو نازل فکان قد. والسلام."

(مجمع جلد ۲ صفحہ ۶، کنز العمال صفحہ ۶۴۷، طبرانی جلد ۲۰ صفحہ ۱۵۶، حاکم جلد ۳ صفحہ ۲۷۳، نزل الابرار صفحہ ۲۸۵، حصن حصین)

صاحبزادہ حضرت معاذ کی وفات پر تعزیت نامہ کی سندی تحقیق

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے کی وفات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس تعزیت نامہ کا ذکر کیا گیا

ہے۔محدثین کی ایک جماعت نے اسے رد کیا ہے۔نقاد محدثین نے اسے کسی صحابی کا تعزیت نامہ قرار دیا ہے۔ راوی نے اسے غلطی سے آپ ﷺ کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ اس لئے کہ صاحبزادہ کی وفات آپ ﷺ کی وفات مبارک کے دو سال بعد ہوئی ہے۔

ارباب حدیث میں مجمع الزوائد میں ابوبکر ہیثمی نے مستدرک میں حاکم، کنزالعمال میں علی متقی نے الکبیر میں علامہ طبرانی نے اسے ذکر کیا ہے۔

عموماً دو سند اور طریق سے یہ روایت مذکور ہے۔ محمد بن سعید اور مجاشع سے دونوں ارباب تحقیق کے نزدیک غیر معتبر ہیں۔

"ولیس محمد بن سعید ولا مجاشع ممن یعتمد علی روایتهما ولا مغاریدهما." (تقریب البغیۃ صفحہ ۴۴۳)

اور ان کی روایت کے متعلق ہے:

"کل هذه الروایة ضعیفة لا تثبت فان وفاة ابن معاذ کانت بعد وفاة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بسنتین وانما کتب الیه بعض الصحابة فوهم الراوی فنسبها الی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وکان معاذ اعلم واجل من ان یجزع ویغلبه الجزع عن الاسلام." (بتقریب البغیۃ صفحہ ۱۱)

وفی کنزالعمال بعد ذکر هذا الحدیث.

"اورده ابن الجوزی فی الموضوعات وقال کل هذه الروایة ضعیفة لا تثبیت فان وفاة بن معاذ بعد وفاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بسنتین وانما کتب الیه بعض الصحابة فتوهم الراوی فنسبها الی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم." (کنزالعمال جلد ۵ صفحہ ۷۴۵)

پس ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ اس تقریب نامہ کی نسبت آپ ﷺ کی طرف تحقیقی اعتبار سے نہیں ہے۔ جن لوگوں نے آپ ﷺ کی جانب منسوب کیا ہے بلا تحقیق کے کہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



وصیت کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور پاکیزہ تعلیمات کا بیان

بوقت وفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وصیت فرمائی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام وصیت وفات کے وقت جان مبارک رخصت ہو رہی تھی نماز اور غلام کے متعلق تھی۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۹۳)

فائدہ: حق اللہ میں آپ نے نماز کی تاکید کی اور حق العبد میں غلام اور نوکروں کے ساتھ حسن برتاؤ اور رعایت کی تاکید فرمائی۔ چونکہ ان دونوں امور میں آپ کو کوتاہی کی امید تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

چنانچہ آپ دیکھئے امت کے بیشتر افراد تارک نماز ہیں۔ کتنے ہی لوگوں کا معاملہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے نماز کی تاکید اور غلام و نوکروں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی آخری وقت میں وصیت فرمائی۔

اہم اُمور کی وصیت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ نے (بوقت وفات) فرمایا میں تم لوگوں کو ۳/ چیزوں کی وصیت کر رہا ہوں۔ مشرکین کو خطہ جزیرہ عرب سے نکال دینا۔ اس وفد کو تیار کر کے روانہ کر دینا جیسا کہ میں ان کو تیار کر کے بھیجنے والا تھا۔ اور (راوی) تیسری وصیت بھول گئے۔ (وہ غالباً یہ ہے میری قبر کو مثل عید کے نہ بنانا)۔ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۲)

فائدہ: خیال رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت وفات ۳/ اہم ترین امور کی وصیت کی تھی۔

❶ کفار اور مشرکین کو جزیرہ عرب میں رہنے نہ دینا۔ ان کی سکونت اور باشندگی اور رہائش سے جزیرہ عرب کو پاک رکھنا۔ چونکہ فتنہ فساد مچائیں گے۔ کافرانہ رسوم کو اسلامی ماحول میں رائج کریں گے۔ اپنی خباثت و عناد سے حرم کے احترام کو پامال کریں گے۔ مسلمانوں کے ماحول میں لادینی، دنیاداری کو رائج کریں گے ان کے علاوہ دیگر حکمت اور مصلحت سے آپ نے خطہ عرب کو کافروں اور مشرکوں سے پاک اور علیحدہ رکھنے کا حکم دیا جسے

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مکمل طور پر پورا کیا۔

جزیرۂ عرب سے مراد، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، یمامہ، یمن کے علاقے مراد ہیں۔ (شرح نووی صفحہ ۴۳)

❷ وفود کے اکرام سے مراد آنے والے وفود ہیں۔ کہ ان کی مہمانی کی جائے ان کے ساتھ قیام وطعام میں بہتر طریقے اختیار کئے جائیں تاکہ وہ خلوص دل سے اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اسلام قبول کریں، تیسری چیز جس کے بھولنے کا ذکر ہے۔ اس روایت کے راوی حضرت سعید بن جبیر ہیں جو بھول گئے تھے۔

علامہ نووی نے بیان کیا کہ تیسری وصیت حضرت اسامہ کے لشکر کی روانگی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ترتیب دے کر ایک لشکر کو حضرت اسامہ کی امارت میں جہاد کے لئے بھیجنے کو تیار کیا تھا۔ اسی کی وصیت فرمائی کہ یہ لشکر میرے حادثہ مرض وفات سے متاثر ہو کر رک نہ جائے۔

بعضوں کی رائے ہے کہ یہود ونصاریٰ کو جزیرہ عرب سے باہر کرنے کی وصیت ہے۔ جسے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے زمانہ میں پورا کیا۔ (شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۳)

❸ حضرت طلحہ بن معرف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے پوچھا کیا نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے کوئی وصیت کی تھی۔ انہوں نے کہا نہیں، تو انہوں نے کہا تو پھر لوگوں پر کس طرح وصیت مقرر کی گئی۔ یا ان کو وصیت کا حکم کیوں کر دیا گیا۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے کتاب اللہ کی وصیت کی تھی (کہ اس پر عمل کرتے رہیں)۔ (بخاری ۳۸۲، مسلم ۴۲، نسائی ۱۲۹)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے عرف اور ماحول میں رائج وصیت مال وغیرہ کے متعلق جو کی جاتی ہے وہ آپ نے نہیں کی۔ اس لئے کہ آپ نے کوئی مال کا ایک حبہ نہیں چھوڑا تھا۔ اور نہ آپ نے خلافت اور جانشینی کی وصیت کی تھی کہ میرے بعد فلاں خلیفہ ہو۔ ہاں آپ نے اپنی زندگی میں اتنا ضرور کیا تھا کہ امامت کی ذمہ داری دے کر اشارہ فرمادیا تھا کہ جس طرح صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ امامت کے لائق ہیں۔ اسی طرح خلافت کے لائق ہیں، مگر آپ نے وصیت نہ کی ان کے بارے میں نہ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں فرمائی تھی۔ ہاں نبی کی جو ذمہ داری ہے وہ امت کی رہنمائی ہے۔ آپ نے اپنی وفات کے بعد قرآن پاک کو رہنما بنانے کی وصیت اور تاکید کی تھی۔ جس طرح یہود ونصاریٰ کتاب اللہ چھوڑ کر گمراہ ہوئے اور آزادانہ روش اختیار کی اس طرح تم نہ کرنا۔

آپ نے مال یا خلافت وجانشینی کے متعلق کوئی وصیت نہیں فرمائی

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے نہ کوئی درہم چھوڑا نہ دینار، نہ کوئی بکری نہ کوئی اونٹ، اور نہ کوئی وصیت کی۔ (مسلم صفحہ ۴۲، ابوداؤد صفحہ ۳۹۵، نسائی صفحہ ۱۲۹)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مال کی وصیت کی اور نہ اپنی وفات کے بعد خلافت اور جانشین ہونے کی وصیت فرمائی۔ شیعہ حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی وصیت کی تھی غلط ہے۔ اس میں اس کی تردید ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوسری حدیث میں صاف تردید ہے۔

آپ نے حضرت علی کی خلافت کی وصیت نہیں فرمائی

حضرت اسود بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے ذکر کیا گیا کہ (لوگوں میں اس کا تذکرہ ہے) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آپ نے وصیت کی تھی۔ اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا۔ آپ نے کب وصیت کی (میں تو آخری وقت ہر وقت آپ کے پاس تھی) میرے سینے یا گود کے سہارے آپ تھے۔ ادھر آپ نے برتن منگایا۔ (موت کی شدت تکلیف کو پانی سے کم کرنے کے لئے) پس اچانک ہماری گود میں گر گئے۔ (قبض روح کے بعد) مجھے احساس بھی نہ ہوا کہ کب جان نکلی، پھر آپ نے کب وصیت کی؟

(مسلم صفحہ۴۲، ترمذی جلد۲ صفحہ۳۲)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا گمان ہے کہ شاید آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ ہونے کی وصیت کی ہو۔ سو یہ غلط ہے۔ میں اس موقعہ پر آپ کے پاس تھی۔ ازواج مطہرات سے اجازت لے کر میرے حجرے میں آ گئے تھے۔ اگر وصیت فرماتے تو میں جب کہ ہر وقت ساتھ تھی نہ سنتی۔ پس لوگوں کا گمان غلط ہے۔ لہٰذا شیعوں کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے وصی اور متعین کردہ خلیفہ تھے غلط ہے۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنے وصی ہونے کی تردید کی ہے۔

پس اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی زندگی میں ہی جانشین بنا دینا یا جانشینی کی وصیت کر جانا سنت کے خلاف ہے۔ بسا اوقات فتنہ اور کام کے بجائے حصول جاہ کا باعث ہو جاتا ہے۔

مؤمن کی شان کہ وہ وصیت لکھ کر رکھ دے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کسی مرد مؤمن کو یہ حق نہیں کہ وہ دو رات اس حالت میں گزارے مگر یہ کہ وصیت اس کے پاس لکھی رکھی ہو۔

(بخاری صفحہ۳۸۳، مسلم صفحہ۳۹، موطا مالک صفحہ۳۱۷، ابن ماجہ صفحہ۱۹۳، ترمذی صفحہ۳۲)

فائدہ: آپ ﷺ نے اس حدیث پاک میں وصیت لکھ رکھنے کی ترغیب و تاکید فرمائی ہے۔ وقت موت کا انتظار نہ کرے۔ کہ موت کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ ملا علی قاری نے اس حدیث پاک کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ

احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ وصیت، پہلے سے لکھ کر رکھ دے، کیا پتہ اسے کہ موت اسے کب آجائے۔ علامہ نووی نے کہا کہ اس حدیث سے وصیت کا لکھ رکھنا واجب معلوم ہو رہا ہے۔ جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ وصیت مستحب ہے۔ ہاں البتہ اس کے ذمہ قرضہ ہے یا کوئی امانت ہے تو اس وقت اس کے متعلق وصیت کرنا واجب ہے اور اس کام میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ ایک کاغذ میں لکھ دے کہ فلاں کا اتنا اتنا قرضہ ہے اور فلاں کی یہ یہ امانت ہے۔ اور اس پر گواہ بنا دے کہ یہ مالیات سے متعلق ہے۔ (شرح مرقات جلد ۶ صفحہ ۱۸۰، جدید)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ کسی کا کوئی حق نکلتا ہو (تو یا تو اسے ادا کر دے یا) اس کی وصیت کر جائے یہ لازم ہے۔ امام شافعی نے بیان کیا تقویٰ اور احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ وصیت نامہ پہلے سے تیار رکھ لے۔ اور صحت کی حالت میں لکھ دے۔ (شرح مسلم صفحہ ۳۹)

بیشتر اہل علم فضل کا بھی اسی مستحب پر عمل رہا ہے۔ چنانچہ بعض اکابر کے وصیت نامے کتاب میں درج بھی ہیں۔

وصیت نامہ لکھ کر مرنے والوں کی فضیلت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا انتقال وصیت پر ہوا۔ (یعنی اس نے وصیت نامہ لکھ دیا تھا) تو اس کی وفات بہتر طور پر سنت کے مطابق تقویٰ اور شہادت پر ہوئی۔ اور مغفرت کی حالت میں اس کی موت ہوئی۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۹۴، مشکوٰۃ صفحہ ۲۶۶)

فائدہ: دیکھئے وصیت لکھنے کے بعد موت کی کتنی فضیلت ثابت ہوئی۔ اگر اس کے ذمہ کوئی حق لازم تھا تو اس حق سے بری ہو کر موت ہوئی اور نہیں تھا تو امر مستحب کی ادائیگی پر اس کی موت واقع ہوئی۔

ملا علی قاری نے بیان کیا کہ مطلب یہ ہے کہ خوف خدا، امتثال طاعت، اجتناب معصیت کی حالت میں یہ مرا۔ مزید یہ کہ ایسی صورت میں علماً اور عملاً حسن خاتمہ کی بشارت بھی ہے۔ (شرح مرقات صفحہ ۱۸۵)

وصیت خواہ زبانی ہو اچھی طرح واضح کر کے کر گیا یا وصیت نامہ لکھ کر مرا۔ بہر صورت ثواب کا مستحق ہوگا۔ مگر خیال رہے کہ یہ فضیلت اس وقت ہے۔ جب کہ وصیت کسی حق کی ادائیگی یا کسی امر خیر کی کر گیا ہو۔ اگر کسی خلاف شرع امر کی وصیت کر گیا۔ مثلاً تیجہ، چالیسواں، یا پختہ قبر کی، یا قبر پر چادر چڑھانے کی وغیرہ تو ہرگز ثواب فضیلت کا مستحق نہ ہوگا۔ اور ایسی وصیت کا پورا کرنا بھی شرعاً درست نہیں۔ (کذا فی الشامی جلد ۶ صفحہ ۶۶۶ مصری)

وصیت نہ کر کے مرنے والا خیر سے محروم

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محروم (خیر) وہ ہے جس نے وصیت نہیں کی۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۹۴)

فائدہ: وصیت حق، امانت وغیرہ کی صورت میں واجب ورنہ مستحب، تو ایسا شخص واجب یا مستحب کا تارک ہوا۔ جو یقیناً خیر سے محرومی کا باعث ہے۔ اوپر جو وصیت کی فضیلت بیان کی گئی وہ کسی قدر خیر اور بھلائی پر مشتمل ہے۔ اور مغفرت اور حسن خاتمہ کا بھی باعث ہے۔ پس لوگوں کو چاہئے کہ آخری وقت سے پہلے وصیت نامہ لکھ جائے۔ تاکہ ان فضیلتوں کے ساتھ موت ہو۔

وصیت نہ کرنے کی صورت میں برزخی تکلم سے محروم

قیس بن قبیصہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جو وصیت نہیں کرے گا اسے دوسرے مردوں کے ساتھ کلام وگفتگو کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کیا مردے بھی گفتگو کرتے ہیں۔ ہاں، ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ (ابوالشیخ، کنزالعمال صفحہ ۱۱)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے خواب میں دو عورتوں کو دیکھا ایک گفتگو کرتی ہے دوسری خاموش ہے اور دونوں جنت میں ہیں، تو میں نے پوچھا کیا بات ہے تو بولتی ہے اور یہ نہیں بولتی ہے تو اس نے کہا میں نے وصیت کی تھی اور یہ بلا وصیت کے مرگئی۔ اب یہ قیامت تک نہ بولے گی۔

(مسند دیلمی، کنزالعمال جلد ۱۶ صفحہ ۶۲۰)

فائدہ: وصیت کر کے مرنے کی فضیلت یہ ہے کہ عالم قبر میں اسے تکلم گفتگو کی طاقت وصلاحیت رہے گی۔ وصیت چونکہ سنت ہے اس سنت کی یہ برکت ہوگی۔ ممکن ہے کہ اس وصیت سے مراد وہ وصیت ہو جس کا کرنا لازم اور ضروری ہو۔

خیال رہے کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ترک وصیت سے تو گفتگو کی طاقت یا اجازت نہیں ملی مگر کسی دوسرے اعمال کی وجہ سے جو اس سے فائق ہوں گے اہم اور ثواب اور فضیلتوں کے حامل ہوں گے اس کی برکت سے تکلم اور گفتگو کی اجازت مل جائے۔ چونکہ اعمال کا اثر اور ثواب کسی نہ کسی طرح راحت کی شکل میں موثر ہوگا۔ ایسا ہو سکتا ہے ایک عمل کے سبب سے نہ ہو دوسرے عمل کے سبب ہو۔ کشف الغمہ میں علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جو وصیت کر کے نہیں انتقال کرے گا اسے مردوں سے ہم کلامی کا شرف نہیں ملے گا۔

(جلد ۲ صفحہ ۳۵)

میت کی وصیت پر عمل کرنے کا حکم فرماتے

ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا اے اللہ کے رسول میری ماں نے وصیت کی ہے میری طرف سے مؤمنہ باندی آزاد کردینا۔ آپ نے فرمایا جس طرح اس نے کہا آزاد کردو۔ (کشف الغمہ صفحہ ۳۶)

فَائِدَہ: مرنے والا اگر کوئی شرع کے موافق کسی امر کی وصیت کر جائے۔ تو میت کے اہل اور وارثین پر اس وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے۔ غفلت وسستی سے چھوڑ دیا۔ بے توجہی برتنا درست نہیں۔

ہاں مگر مال کے ایک تہائی حصہ سے اس کا پورا کرنا ہوگا۔ زائد کی صورت میں وارثین اگر بالغ ہوں تو اس کی رضا اور خوشنودی سے ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی وصیت کر جائے راہ خدا میں خرچ کر جائے تو؟

حضرت حبیبہ طائی کہتے ہیں میرے بھائی نے اپنے مال میں سے کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرنے کی وصیت کی۔ تو میں نے حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے پوچھا کہ اس وصیت کے مال کو کہاں خرچ کروں تو فرمایا فقراء ومساکین اور مجاہدین میں۔ (الفتح الربانی جلد ۱۵ صفحہ ۱۸۲)

فَائِدَہ: شرح مسند میں ہے کہ انہوں نے فی سبیل اللہ میں خرچ کی وصیت کی تھی۔ تو اس کا مصرف غرباء اور مجاہدین بتایا۔ پس ں سے معلوم ہوا کہ راہ خدا میں وصیت کا مفہوم غرباء اور مساکین ہیں۔ آج کل وہ مدارس بھی ہیں جہاں غریب مسکین زیر تعلیم رہتے یا وہ یتیم خانے ہیں جہاں یتیم بچوں کا قیام رہتا ہو۔

وصیت تہائی مال سے کرنے کی اجازت ہے

سعد بن وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ میں سخت مریض ہوا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عیادت کے لئے تشریف لائے۔ تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول میرے پاس بہت مال ہے۔ سوائے بیٹی کے کوئی وارث نہیں، میں نے کہا دو تہائی صدقہ کر دوں، آپ نے فرمایا نہیں، میں نے کہا تو پھر نصف مال، تو آپ نے فرمایا نہیں، کہا ایک تہائی، فرمایا ایک تہائی بھی بہت ہے۔ (مختصراً، ابوداؤد صفحہ ۳۹۵، سنن کبریٰ جلد ۶ صفحہ ۲۶۹، ابن ماجہ صفحہ ۱۹۴)

حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وفات کے وقت تم کو تمہارے مال میں ایک تہائی صدقہ وخیرات، زائد سے زائد کرنے کا اختیار دیا ہے (طبرانی، کنز العمال جلد ۱۶ صفحہ ۶۱۵)

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں آخر میں اعمال (صالحہ ثواب) کی زیادتی کے لئے تمہارے ثلث تہائی مال میں تم کو اجازت دی ہے۔ (طحاوی صفحہ ۴۱۹)

فَائِدَہ: مرض الموت میں جو آدمی کسی نیک کام کرنے اور مال خرچ کرنے کو کہہ جاتا ہے یہ وصیت ہے جو میت کے کفن دفن اور قرضہ کے بعد تہائی مال سے جاری ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر قل وبالغ کو اپنے مال سے اتنی وصیت کرنے کا اختیار ہے کہ تجہیز وتکفین اور اداء قرض کے بعد جو ترکہ کا مال بچے اس کے ایک تہائی کے اندر وصیت پوری ہو

سکے۔ اگر زائد کی وصیت کی تو تہائی سے زیادہ سے پورا کرنا وارثوں پر لازم نہیں۔ ہاں اگر وارثین میں کوئی نابالغ نہ ہو بلا جبر واکراہ کے اپنی مرضی سے اپنا حصہ ترکہ سے وصیت میں دے دیا تو اس کی اجازت ہے۔ ویسے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی رائے یہ ہے کہ وصیت تہائی سے کم کرے کہ ایک تہائی زائد ہے (طحاوی جلد اصفحہ ۴۱۸)

خیال رہے کہ جس کے حق میں وصیت کی تھی اس نے لینے سے انکار کر دیا تو وصیت باطل ہو جائے گی دوبارہ قبول کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

تہائی مال سے زائد وصیت کب درست ہے

حضرت حسن نے مروی ہے کہ جس آدمی نے تہائی سے زائد وصیت کی پس اگر وارثین اجازت دے دیں تو درست ہے۔ (سنن دارمی جلد ۲ صفحہ ۴۰۶)

مطلب یہ ہے کہ تہائی مال تک مرنے والے کو وصیت کا اختیار ہے۔ اگر تہائی مال سے زائد کی وصیت کی ہے۔ اور وارثین میں سب بالغ ہیں کوئی نابالغ نہیں تو یہ بالیقین اگر زائد پر خوشی سے راضی ہوں تو تہائی سے زائد وصیت ادا کی جا سکتی ہے ورنہ تو نہیں۔

خیال رہے کہ شریعت نے تو مرنے کے وقت کی بیماری میں تہائی سے زائد کی اجازت نہیں دی ہے۔ مگر ماحول میں جاہلوں میں اور عورتوں میں یہ رائج ہے کہ اس وقت جو بھی وہ کہہ دیتا ہے خاندان اور گھر والے پورے طور پر عمل کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وارث کے حق میں بھی اگر کہہ جاتا ہے تو لوگ اسے پورا کرتے ہیں حالانکہ یہ تو بالکل درست نہیں۔ وارث کے حق میں وصیت صحیح نہیں، ایسے مسائل کو کسی محقق عالم سے پوچھ لیا کریں۔

آپ مرض الموت میں وصیت کے بارے میں معلوم کرتے

حضرت سعد بن وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں بیمار تھا آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عیادت کے لئے میرے پاس تشریف لائے، اور پوچھا کیا تم نے وصیت کر دی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ (ترمذی صفحہ ۱۹۲، مشکوٰۃ صفحہ ۲۶۵)

فَائِدَة: وصیت زبانی کرنا یا وصیت نامہ لکھ کر رکھ دینا مستحب اور باعث فضیلت ہے۔

وصیت کا مفہوم، اپنی موت کے بعد کسی امر خیر کے انجام دینے کے لئے کہنا، خواہ اس کے لئے لفظ وصیت استعمال کرے یا میرے مرنے کے بعد ایسا کر دینا کہے، مثلاً میں اتنی رقم کے لئے مدرسہ، مسجد، یا فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں یا میرے مرنے کے بعد یہ مال اتنا اتنا فلاں کام میں لگا دینا۔ یہ وصیت ہے۔ اگر نہ موت کا ذکر کیا اور نہ لفظ وصیت بولا۔ تو پھر اس وصیت کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ اور یہ شرعی وصیت نہیں ہے۔

خیرات مالی کی وصیت کب بہتر ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وصیت (صدقہ خیرات اور وقف کی) مناسب نہیں تاوقتیکہ مال کثیر نہ ہو۔ مثلاً جو سات سو درہم چھوڑے وہ وارث کے لئے باقی رکھنے کی وجہ سے وصیت نہ کرے۔ چونکہ اللہ پاک نے "ترك خيراً" فرمایا ہے۔ اور خیر مال کثیر کو کہتے ہیں۔ (کشف الغمہ جلد۲ صفحہ ۳۵)

فائدہ: مطلب یہ ہے اگر تھوڑا مال ہو تو وارث کے لئے رہنے دے اگر وصیت کرے گا تو ایک تہائی کم ہو جائے گا۔ ہاں اگر مال زائد ہے تو پھر خیر کے راستوں میں اور ان لوگوں کو جن کو وراثۃً مال نہ ملتا ہو وصیت کر سکتا ہے۔ قرآن نے خیر پر وصیت کی اجازت دی ہے اور خیر زبان عرب کے محاورہ میں مال کثیر کو کہتے ہیں۔

وصیت زندگی کی کوتاہی کا کفارہ اور تلافی ہے

معاویہ قرہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے دفات کے وقت وصیت کر دی (ادائیگی حقوق واجبہ کی یا صدقہ خیرات کی) اور یہ وصیت کتاب اللہ کے موافق ہوگئی (یعنی شریعت کے موافق) تو اس کی زندگی کی چھوٹی ہوئی زکوٰۃ (صدقات) کی تلافی اور کفارہ کا باعث ہوگا۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۹۴، کنزالعمال صفحہ ۶۱۳)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اگر زندگی میں بخل کرتا رہا۔ راہ خدا میں اور صلہ رحمی کے طور پر خرچ نہ کر سکا تو وصیت کرنے سے کچھ نہ کچھ تو ضرور تلافی ہو جائے گی کہ آخر وقت صدقہ خیرات کا ثواب پا گیا۔ ہاں اچھا تو تھا زندگی میں جب مال کی ضرورت کا احساس تھا تب خرچ کرتا۔ اب جب کہ ضرورت نہیں رہی اور خرچ کر رہا ہے تو ثواب تو بہرحال ہوگا مگر کم ہوگا۔

خیال رہے کہ معصیت، گناہ و بدعت میں وصیت معتبر نہیں۔ مثلاً کہہ جائے میرے مرنے کے بعد قبر پر چادر چڑھانا، عرس منانا، دیگ پکا کر تقسیم کرنا، تو اس وصیت پر عمل کرنا درست نہیں۔ ہاں صدقات خیرات کی وصیت کرنا، مدرسہ مسجد عوامی ضرورت پر مال لگانا وصیت کر جانا یہ بہتر ہے۔ سب سے اچھا ہے کہ وقف کر جائے تاکہ صدقہ جاریہ کا ثواب ملے گا۔

وارث کے لئے حق وراثت کی وجہ سے وصیت جائز نہیں

حضرت ابوامامہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر حق والے کو حق دے دیا ہے پس وارث کے حق میں وصیت نہیں ہے۔ (ابوداؤد صفحہ ۳۹۶)

حضرت ابوامامہ کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا اللہ پاک نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے پس وارث کے حق میں کوئی وصیت نہیں۔

(ابن ماجہ صفحہ ۱۹۵، سنن کبریٰ جلد ۶ صفحہ ۲۶۴، ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۲)

فائدہ: میت کے وارث کو چونکہ میت کے ترکہ سے مال خود ملتا ہے اس لئے اس کے حق میں میت کا وصیت کرنا باطل اور لغو ہے۔ مثلاً ماں، باپ، بیٹے، بیٹی، بھائی، بہن کے لئے (جب کہ یہ وارث ہو رہے ہوں) کسی بھی چیز کسی بھی شئے کی خواہ وہ معمولی شئے کیوں نہ ہو۔ لغو اور باطل ہے۔ اس کو تو شریعت خود وراثت دے رہی ہے۔ پس وصیت کے اعتبار سے اس کو کچھ نہیں دیا جا سکتا ہے کہ دوسرے وارث کی حق تلفی ہوگی۔ ہاں وارثین بالغ اپنی مرضی سے وارث کو حسب وصیت کم وبیش دے دیں تو جائز ہے۔

وارثین کی اجازت ہو تو وارث کے حق میں وصیت نافذ ہو سکتی ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا وارثین کے حق میں وصیت درست نہیں ہاں مگر یہ کہ وارثین چاہیں۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۲۶۴)

عمر بن خارجہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا وارثین کے حق میں وصیت درست نہیں ہاں مگر یہ کہ وارثین اجازت دے دیں۔ (وہ بھی جب کہ بالغ ہوں)۔ (سنن کبریٰ جلد ۶ صفحہ ۱۶۴)

فائدہ: وارث کو چونکہ حق وراثت سے مال ملتا ہے اس لئے اس کے حق میں وصیت کرنا باطل ہے۔ ہاں بالغ وارث اپنے حصہ کا اپنی خوشی سے دیں تو اجازت ہے۔

کیا بغیر وصیت کے مرنے والے کے لئے صدقہ خیرات کیا جا سکتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا میرے والد کا انتقال ہوگیا۔ مال چھوڑ گئے۔ اور کوئی وصیت (صدقہ خیرات کی) نہیں کر گئے۔ کیا میں ان کی جانب سے صدقہ کر دوں تو ان کی جانب سے کفارہ ثواب کا باعث ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۹۵، سنن کبریٰ صفحہ ۲۷۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ سے ایک شخص نے آکر پوچھا میری والدہ کا اچانک انتقال ہوگیا اور کوئی (صدقہ خیرات کی) وصیت نہ کر سکی۔ میرا گمان ہے کہ اگر بولنے کا موقعہ مل جاتا تو وہ صدقہ کے بارے میں بول جاتیں اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کروں تو صدقہ کا ان کو ثواب ملے گا اور کیا مجھے بھی ملے گا آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۹۵، سنن کبریٰ صفحہ ۲۷۷)

سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور پاک ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں تھے، ان کی والدہ کی وفات کا وقت آگیا۔ لوگوں نے ان سے کہا، وصیت کرلو، انہوں نے کہا، کسے وصیت کروں، سارا مال (وارث ہونے کے اعتبار سے تو) سعد کا ہے۔ چنانچہ سعد کی آمد سے قبل ان کی وفات ہوگئی۔ جب حضرت سعد آئے تو ان کی والدہ کا یہ واقعہ ان کو بتایا گیا۔ وہ نبی پاک ﷺ کے پاس تشریف لائے اور والدہ کا واقعہ بتایا۔ اور کہا اے اللہ کے

رسول کیا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کو نفع ہوگا۔آپ نے فرمایا۔ ہاں حضرت سعد نے کہا۔ فلاں باغیچہ والدہ کے لئے صدقہ ہے۔ (سنن کبریٰ جلد ۶ صفحہ ۲۷۸)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ میت کو نیک عمل کا ثواب بخشا جائے تو پہنچتا ہے۔ مزید یہ کہ مرنے والے نے اگر کوئی وقف یا نیک کام کرنے پر مال خرچ نہیں کیا۔ اور اس کا مال وارثین کو ملا ہے۔ تو وارث اپنی خوشی اور رضا مندی سے اپنے مال سے سب کے حق میں ثواب پہنچانے کا کام کر سکتے ہیں۔ میت کے ترکہ سے نہیں، وہ تو اب وارثوں کا ملک اور اس کا حق ہوگیا ہے۔ عوام تو کیا خواص سے بھی اس سلسلے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ وقت پر مسئلہ پوچھ کر پھر عمل کریں۔

موت کے وقت صدقہ وخیرات کی وصیت کے مقابلہ میں زندگی میں خرچ بہتر ہے

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا زندگی میں ایک درہم خرچ کرنا موت کے وقت ۱۰۰ درہم سے افضل ہے۔ (ابوداؤد صفحہ ۳۹۶، ابن حبان، کنز صفحہ ۶۱۹)

فائدہ: چونکہ زندگی کے وقت ضرورتوں کے تقاضے رہتے ہیں۔ تو آدمی اپنی ضرورتوں کے لئے روکنا اور بخل کرنا چاہتا ہے۔ نفس روکتا ہے۔ خرچ کرنا نفس پر گراں گزرتا ہے۔ اس وقت خرچ میں نفس کی مخالفت ہے اس لئے زیادہ ثواب ہے۔ بخلاف مرنے کے وقت اب ضرورت اور تقاضات ختم ہوگئے۔ اب دوسرے لوگ مالک اور وارث ہو جائیں گے۔ جس کو بسا اوقات یہ نہیں چاہتا ہے۔ اس لئے نفس روکتا نہیں۔ لہٰذا اس وقت کا ثواب کم ہو جاتا ہے۔

فائدہ: خیال رہے کہ اگر مرض الموت میں صدق وخیرات کی وصیت کر رہا ہے تو یہ وصیت کی طرح تہائی مال سے جاری ہوگا۔

اسی طرح مرض الموت کی حالت میں کسی کو کوئی سامان ہدیہ یا ہبہ کر رہا ہے تو یہ بھی وصیت کے حکم میں ہوگا تہائی کے اندر ہی اسے کرنا ہوگا۔ اس سے زائد کے حساب میں نہ جائز ہوگا اور نہ نافذ ہوگا۔ عموماً عوام وخواص سب اس میں غلطی کرتے ہیں۔ جس مقدار وصیت کرتے ہیں میت کی محبت اسی مقدار نافذ کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اگر وارث ہے تو نہیں ملے گا۔ ہاں مرض الموت سے پہلے صحت کی حالت میں جتنا دے دیا اور قبضہ کرا دیا تو صحیح معتبر ہوگیا۔ کہہ تو دیا مگر قبضہ نہیں کرایا تو معتبر نہیں۔

مرض الموت: جس بیماری کا سلسلہ چلا اور اسی میں انتقال ہوگیا خواہ کئی ماہ کئی ہفتہ کیوں نہ چلا ہو ہاں اگر مرض طویل تھا تو جب سے شدت آئی اور اسی شدت میں انتقال ہوا تو یہ مدت شدت مرض الموت میں شامل ہوگی۔

آخر وقت میں صدقہ خیرات کی وصیت بہتر نہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول، کس وقت کا صدقہ وخیرات افضل ہے۔ آپ نے فرمایا اس وقت کا جب کہ تم صحت مند ہو۔ ضرورت مند ہو کمی کا خوف کرتے ہو، زندگی میں امید ہو۔ صدقہ خیرات (نیکی کی راہ میں مال دینے کی وصیت) میں تاخیر مت کرو کہ جان جب گلے کو آجائے تو کہنے لگے کہ فلاں کو اتنا فلاں کو اتنا۔

(نسائی صفحہ ۱۳۸، مسند احمد جلد ۱۵ صفحہ ۱۸۰)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ زندگی اور صحت کی حالت میں مال کا صدقہ خیرات زیادہ ثواب اور اجر کی بات ہے۔ بمقابلہ اس کے کہ جب مرنے لگے۔ اور دیکھے مال اور جائیداد اِدھر اُدھر چلا جائے گا تو راہ خدا میں نیک لوگوں میں وصیت کرنا شروع کرنے لگ جائے یہ بہتر نہیں گو پھر بھی ثواب پائے گا۔ پس اگر خدائے پاک نے مال دیا ہے تو صدقہ خیرات میں جلدی کرے۔ موت اور آخری وقت کا انتظار نہ کرے۔ کہ یہ پسندیدہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے محدثین نے اس کی کراہیت پر باب قائم کیا ہے۔ (الکراہیۃ فی تاخیر الوصیہ صفحہ ۱۲۹)

وارثین کے حصہ کو نقصان پہنچانے کے ارادہ سے وصیت کرنا عذاب دوزخ کا سبب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض مرد یا عورت ستر سال تک عبادت کرتے رہتے ہیں۔ پھر جب موت کا وقت آتا ہے تو وصیت کر کے (وارثین کو) نقصان پہنچا دیتے ہیں پس دونوں کے لئے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ (الفتح الربانی صفحہ ۱۸۰، کشف الغمہ صفحہ ۳۵)

فائدہ: مطلب اس حدیث پاک کا یہ ہے کہ کسی وارث سے مرنے والے کو دنیاوی عداوت یا نفرت ہوتی ہے وہ جان رہا ہے میری موت کے بعد میرے مال کا وارث ہو جائے گا۔ لہٰذا وہ وصیت کسی غیر وارث کے حق میں کر جاتا ہے۔ تا کہ اسے وراثت کا مال کم از کم ملے۔ تو اس نیت سے وصیت کر کے نقصان پہنچانے والا عذاب دوزخ کا مستحق ہوگا۔

مگر خیال رہے کہ مال و جائیداد زیادہ ہے یا وارث ایسے لوگ ہیں جو فسق معصیت میں مبتلا رہنے والے ہیں۔ ایسی صورت میں راہ خیر کے لئے، صدقات، وخیرات کے لئے وصیت کر رہا ہے تو یہ اچھی بات ہے اور اس وعید میں داخل نہیں۔

شرح مسند میں ہے یا تو تہائی سے زائد کی وصیت کرے، یا غلط قرضہ کا اقرار کرے تا کہ وارث کو کم ملے تو اس وعید میں داخل ہوگا۔ (الفتح الربانی جلد ۱۵ صفحہ ۱۸۱)

مال زائد ہوتو اہل صلاح کے حق میں وصیت کرنا بہتر ہے

حضرت عروہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت عائشہ، حکیم بن حزام، شبیہ بن عثمان عبداللہ بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم کے حق میں وصیت کی تھی۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۲۱۷)

فَائِدَۃ: حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نہایت ہی مالدار ہونے کے ساتھ بے انتہا فیاض اور سخی تھے۔ بہت فراوانی کے ساتھ ازواج مطہرات کو ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ بوری بھر بھر کر دراہم دینار بھیجا کرتے تھے۔ مال کثیر مقدار ہونے کی وجہ سے ان حضرات کو وصیت کر گئے۔ پس اگر مال زائد ہو وارثین کو مناسب مال مل رہا ہو تو ایسی صورت میں نیک لوگوں کے لئے اور نیک مصارف میں خرچ کرنے کی وصیت کر جانا بہتر ہے۔ کہ وارثین کو زیادہ مال ملنا بسا اوقات فتنہ کا سبب ہوتا ہے۔

اگر قرضہ میت کا ہو تو وصیت سے پہلے اسے پورا کیا جائے گا

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا قرضہ وصیت سے پہلے پورا کیا جائے گا۔ (سنن کبریٰ جلد ۶ صفحہ ۲۶۶)

فَائِدَۃ: میت کے مرنے کے بعد اس کے مال کی شرعی ترتیب یہ ہے کہ اولاً اس کے مال سے کفن دفن، تجہیز و تکفین کا قرضہ ادا کیا جائے گا۔ اس کے بعد اس کی زندگی کا جو قرضہ ہوگا اور لوگوں کا مال باقی بقایا ہوگا وہ ادا کیا جائے گا۔ اس کے بعد باقی ماندہ مال سے اس کی وصیت ادا کی جائے گی۔ تہائی سے زائد وصیت پر خرچ نہیں کیا جائے گا۔

خیال رہے کہ بعض موقعوں پر وصیت کرنا واجب ہے اگر کسی کے ذمہ روزہ کا فدیہ (اسی طرح نماز کا فدیہ) یا زکوٰۃ یا حج واجب تھا رہ گیا۔ یا کوئی کفارہ یا صدقۃ الفطر یا منت یا کوئی ذمہ میں مالی عبادت یا حق ادا کرنے سے رہ گئی ہو اور اتنا مال بھی ہو تو ان کی ادائیگی کی وصیت کرنی واجب ہے۔ کہ یہ بھی دین سے متعلق ہے۔ تاکہ حق تلفی نہ ہو۔ بہتر ہے ایسے حقوق پہلے سے کہہ کر مطلع کر دیں یا لکھ کر دے دیں یا وصیت نامہ میں تحریر کر دیں تاکہ کل قیامت میں ان حقوق کے بدلے نیکیاں نہ لی جائیں۔

وصیت نامہ کا مسنون طریقہ

حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام وصیت نامہ کا آغاز اس طرح کیا کرتے تھے۔

یہ وہ وصیت نامہ ہے جو فلاں ابن فلاں کی جانب سے ہے وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،

وہ تنہا ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں، اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔اور قیامت آکر رہے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔اور یہ کہ اللہ پاک لوگوں کو قبروں سے اٹھائیں گے۔

میں وصیت کرتا ہوں اپنے خاندان کے ان لوگوں کو جو میرے بعد ہیں کہ وہ اللہ سے ڈریں جو اس سے ڈرنے کا حق ہے (یعنی تقویٰ اختیار کریں) اور آپس میں بہتر اور اچھے برتاؤ کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں۔ خدا کی اور اس کے رسول کی وہ اطاعت کریں اگر مؤمن ہیں۔اور میں ان کو وصیت کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو کی۔ (یعنی اللہ پاک نے تمہارے لئے دین اسلام کو منتخب کر دیا ہے (کفر کے مقابلہ میں) سو اسلام ہی پر تمہاری موت ہونی چاہئے۔ (سنن کبریٰ جلد ۶ صفحہ ۲)

فَائِدَہ: جب عمر آخر ہو جائے اور علامتوں سے موت کے قریب ہونے کا علم ہو جائے تو مستحب یہ ہے کہ وصیت نامہ لکھ دے یا لکھوا دے۔اس کی مسنون ترتیب یہ ہے کہ حمد وثنا،کلمہ توحید کے بعد اولاً اپنے گھر والوں کو اہل وعیال کو دین پر تقویٰ پر اسلامی زندگی پر سنت وشریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی تاکید اور ترغیب کرے، نماز روزہ اسلامی طرز معاشرت پر رہنے کی نصیحت کرے۔ پھر آپسی رہن سہن اور ادائیگی حقوق کی نصیحت کرے، ماحول میں رائج گناہ رسم بدعت سے سخت پرہیز کی تاکید کرے۔گھریلو زندگی اور نظام زندگی کے متعلق کوئی بات ہو تو اسے ذکر کرے۔

اس کے بعد اہتمام سے جو حقوق واجبہ اور معاملات رقم دیون وغیرہ کسی کے اس کے ذمہ رہ گئے ہوں تو اس کی ادائیگی کا حکم دے جائے اور صاف صاف واضح طور پر لکھ دے کہ کس کا کتنا حق ہے۔اسی طرح جو دوسرے کے ذمہ حقوق مالی وغیرہ ہوں اسے بھی لکھ دے۔ نماز، روزہ، حج زکوٰۃ ذمہ میں رہ گیا ہو تو اس کی ادائیگی کو لکھ جائے۔اسی طرح غیر وارث کو ہدیہ ہبہ بخشش کرنا ہو تو لکھ دے۔ مدرسہ مسجد وغیرہ یا کسی رفاہ عامہ میں خرچ کرنا ہو تو اس کی تشریح کر دے۔ وغیرہ۔ پھر دستخط کر دے اور بہتر ہے کہ گواہوں کے بھی دستخط کرا دے۔

پھر خیال رہے کہ وصیت نامہ پر عمل کرنے سے قبل کسی محقق عالم یا مفتی سے رجوع کرے چونکہ وصیت کے مسائل بڑے پیچیدہ ہوتے ہیں۔بعض وصیتوں پر شرع کے موافق عمل نہیں کیا جا سکتا اس میں تغیر اور کچھ فرق پیدا کرنا پڑتا ہے اس لئے رجوع ضروری ہے تاکہ وصیت پر شرع کے مطابق عمل ہو سکے۔

وصیت کے سلسلے میں ایک ناجائز اور ممنوع امر کا رواج

عام طور پر دیکھا گیا ہے اور ایسا ہوتے اور کرتے ہوئے مشاہدہ بھی کیا گیا ہے کہ لوگ مرض الموت میں بسا اوقات یہ وصیت کر جاتے ہیں کہ فلاں سامان میری نواسی کو، میرے داماد کو، میرے پوتے کو یا فلاں رشتہ دار کو دے دینا۔ پس اس وصیت پر یا اس قول پر لوگ حکم خداوندی کی طرح بلکہ اس سے زائد اہمیت دیتے ہوئے عمل

کرتے ہیں۔ اور اس کے جاری اور نافذ کرنے میں شریعت کے حکم بالکل نہیں دیکھتے۔ کہ وہ وارث ہے یا غیر وارث۔ اور جو کہا گیا ہے وہ ادائے قرض وغیرہ کے بعد تہائی کے اندر آتا ہے یا نہیں۔ یہاں دو ناجائز امر کا ارتکاب ہوتا ہے۔

❶ جس کو دینے کو کہا گیا اگر میت کی جانب سے اسے وراثت مل رہی ہے تو پھر اس کو بالکل نہیں ملے گا۔ اس کے حق میں وصیت بالکل باطل ہے۔

❷ جتنا کہا ہے اتنا دے دیتے ہیں۔ حالانکہ غیر وارث ہونے کی صورت میں اسے جنازہ کے خرچ اور قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد باقی مال کے ایک تہائی کے اندر اس کی وصیت جاری ہوگی یعنی باقی مال کی تہائی میں اس کی یہ وصیت پوری ہو جاتی ہے۔ تب تو ٹھیک ہے ورنہ تہائی جتنا ہوگا اتنا ہی اسے دیا جائے گا۔ کہنے کے مطابق سب ہرگز نہ دیا جائے گا۔

❸ میت کے ترکہ سے لوگ قرآن خوانی کا صرفہ، اور ایصال ثواب کے لئے غرباء مساکین کے کھانے کا صرفہ نکالتے ہیں۔ یہ بالکل ناجائز ہے اور ممنوع ہے۔ ہاں ذاتی طور پر اپنے مال سے کوئی شریعت کے مطابق کرے تو اس کی اجازت ہے۔ اگر وارثین کی اجازت اور اس میں نابالغ کوئی ہو تب بھی درست نہیں ناجائز ہے۔ پہلے وراثت کا مال تقسیم ہو کر لوگوں کے حصہ میں چلا جائے پھر جائز اور سنت کے طریقے پر ایصال ثواب کرے، اور نابالغ وارث کی نہ اجازت معتبر ہے اور نہ خرچ کرنا۔

اگر میت نے ایصال ثواب کی وصیت کی ہے۔ تو اگر یہ ایصال ثواب شریعت کے مطابق ہے تو جنازہ کے خرچہ اور قرضہ ہو تو اس کے نکالنے کے بعد ایک تہائی مال کے اندر یہ کام ہو جاتا ہو تو کیا جائے گا۔ زائد لگے تو نہیں کیا جائے گا۔

بدعت اور رسوم کی ادائیگی کی وصیت کا ادا کرنا ممنوع ہے۔

وصیت سے متعلق چند مسائل

❋ وصیت نامہ کا لکھ کر رکھ دینا مستحب ہے۔

❋ وصیت پر یا وصیت نامہ پر گواہ بنا لینا، گواہوں کے دستخط کرا لینا بہتر ہے۔ (مرقات)

❋ قرض اور امانت کی ادائیگی کی وصیت واجب ہے۔ (مرقات، شامی صفحہ ۶۴۸)

❋ احتیاط اور تقویٰ کا تقاضہ ہے کہ وصیت پہلے سے لکھ کر رکھ دے۔ (مرقات)

❋ وصیت ایک تہائی مال سے درست ہے۔ اور ایک تہائی مال سے کم اولیٰ ہے۔ (مرقات صفحہ ۱۸۲، شامی صفحہ ۶۵۱)

گنہگار اور فاسق فاجر لوگوں کے لئے وصیت مکروہ ہے۔ (شامی)

(چونکہ وہ اس مال کو گناہ کا ذریعہ بنائیں گے)۔

* اہل علم علماء وصلحاء کے لئے وصیت بہتر اور مندوب ہے۔ (شامی)

جو وارث نہ ہوں اجنبی ہوں ان کے لئے تہائی مال سے وصیت درست ہے اگرچہ وارثین ناراض ہوں اور اجازت نہ دیں۔ (شامی)

اگر تہائی سے زائد مقدار کی وصیت کی تو اگر مرنے کے بعد وارثین بالغین نے اس کی اجازت دے دی تو درست ہے ورنہ درست نہیں۔ (الشامی صفحہ ۶۵۱)

* اگر ایک وارث کے علاوہ میت کا کوئی وارث نہیں اور اس نے اسی کے حق میں تمام مال کی وصیت کر دی تو درست ہے۔ (شامی)

* میت کی صرف بیوی ہے اور کوئی اولاد وارث نہیں، اس نے پورے مال کی وصیت اس کے حق میں کر دی تو یہ بھی درست ہے۔ (الشامی)

* اگر کسی نے وصیت کی مجھے فلاں شہر وعلاقے میں جا کر دفن کیا جائے، یا وصیت کی کہ میری قبر پر گنبد بنا دیا جائے یا میری قبر پر قرآن پڑھنے والے کو متعین کر دیا جائے تو یہ وصیتیں خلاف شرع ہیں ان کو پورا کرنا درست نہیں۔ (شامی صفحہ ۶۶۶)

* اگر کوئی وصیت کر کے اپنی وصیت سے رجوع کر لے (اور وہ ہوش وحواس کی حالت میں ہو) تو یہ وصیت باطل ہوگئی اس کا اب کوئی اعتبار نہیں۔ (شامی)

* خیال رہے کہ مردے کے مال میں وصیت پر عمل قرضے کے ادا کرنے کے بعد کیا جائے گا، پہلے میت کا قرضہ ادا کیا جائے اور اس قرضہ میں میت کی بیوی کا دین مہر بھی شامل ہے۔ اگر زندگی میں ادا نہ کیا تو اس ترکہ سے بیوی کا دین مہر دوسرے اور قرضوں کی طرح ادا کیا جائے گا۔ اکثر لوگ اس سے غافل رہتے ہیں۔ باہری اور دوسروں کا قرض تو ادا کر دیتے ہیں مگر بیوی کا دین مہر کو قرض نہیں سمجھتے اسی لئے ادا نہیں کرتے یہ بہت بڑی حق تلفی ہے۔ (ماخوذ بہشتی زیور)

* اگر میت کے سرہانے کوئی وصیت نامہ لکھا ہوا ملا۔ تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ تاوقتیکہ اس پر دو گواہ کے دستخط نہ ہوں۔ یا اس وصیت نامہ میں لکھے امور کا تذکرہ زبان سے لوگوں کے سامنے کیا ہو۔

(اعلاء السنن جلد ۱۸ صفحہ ۳۱۹)



وراثت کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات وارشادات

علم وراثت کے سیکھنے کی آپ سخت تاکید فرماتے اور اسے نصف علم فرماتے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وراثت کا علم سیکھو اور اس کو سکھاؤ۔ یہ آدھا (شرعی) علم ہے۔ اسے بھلا دیا جائے گا۔ ہماری امت سے سب سے پہلے علم ہی اٹھے گا۔

(ابن ماجہ جلد۲ صفحہ۱۹۵، سنن کبریٰ جلد۶ صفحہ۲۰۹)

فائدہ: ذرا یہ علم دیگر فنون کے اعتبار سے مشکل ہے۔ اول تو اس کی تعلیم عام نہیں، عموماً سیکھتے نہیں جو سیکھتے ہیں تو کچھ دنوں میں بھلا بیٹھتے ہیں۔ جس کی ایک عام وجہ یہ بھی ہے کہ وراثت کے مسائل عام لوگ نہیں کرتے، امت میں وراثت کی تعلیم کا رواج نہیں۔ اس میں کوتاہی کرتے ہیں۔ شرعی اعتبار سے تقسیم نہیں کرتے کہ اس میں دنیاوی نقصان نظر آتا ہے۔ خدا کی پناہ۔

سب سے پہلا علم جو امت سے اٹھے گا وہ وراثت کا علم ہوگا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علم وراثت سیکھو اور دوسروں کو اس کی تعلیم دو۔ یہ بھلا دیا جائے گا۔ امت سے سب سے پہلے یہی اٹھے گا۔ (ابن ماجہ صفحہ۱۹۵، سنن کبریٰ جلد۶ صفحہ۲۰۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وراثت کا علم سیکھو، یہ نصف علم ہے۔ (یعنی شریعت کا آدھا علم ہے) اور سب سے پہلے ہماری امت سے یہی علم اٹھایا جائے گا۔

(تلخیص الحبیر جلد۲ صفحہ۷۹، ابن ماجہ، حاکم، دارقطنی)

فائدہ: اس روایت میں علم وراثت سیکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور یہ پیشین گوئی کی گئی ہے عنقریب میری امت سے یہ علم سب سے پہلے اٹھا لیا جائے گا۔ چنانچہ آج یہ پیشین گوئی پوری ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اس فن کے علماء بہت کم پائے جاتے ہیں۔ اس فن وراثت میں واقفیت بہت کم لوگوں کو ہے۔

وراثت کا علم رکھنے والے نہ ہوں گے، قیامت کی علامت

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، علم (شریعت) سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، وراثت کا علم (خاص کر) سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔ عنقریب (یہ) علم اٹھ جائے گا اور فتنے (بددینی کے) ظاہر ہوں گے۔ یہاں تک کہ دو آدمیوں کے درمیان وراثت کے حصوں کے سلسلے میں اختلاف ہوگا اور ان کے درمیان (وراثت کا علم نہ ہونے کی وجہ) کوئی فیصلہ کرنے والا نہ ہوگا۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۲۰۸، تلخیص الحبیر جلد ۲ صفحہ ۷۹)

فائدہ: اس حدیث پاک میں قرآن، علم دین، اور خاص کر کے علم فرائض، وراثت کے سیکھنے پھر سکھانے کی تاکید و ترغیب دی گئی ہے۔

اس حدیث میں پیشین گوئی کی گئی ہے کہ عنقریب یہ علم اٹھ جائے گا اس کے جاننے والے نہ رہیں گے یا بہت کم ہو جائیں گے یا کہیں کہیں ہوں گے۔ چنانچہ یہ بات آج اس دور میں پوری ہو رہی ہے۔ عالم تو ملیں گے مگر اس علم کے جاننے والے بہت کم ملیں گے۔ بکثرت علاقوں اور شہروں میں تو اس کے واقف ہیں ہی نہیں۔ جس کی وجہ سے لوگ وارثین کو شرع کے مطابق نہیں دیتے ہیں اور حق العباد رہ جاتا ہے۔

وراثت کے سلسلہ میں شرعی کوتاہی عام ہے

چونکہ اس سے مال اور جائیداد کا تعلق وابستہ ہے۔ اور نفس امارہ نہیں چاہتا کہ مال و جائیداد جس سے وہ فائدہ حاصل کر رہا ہے یا جس سے اس کا فائدہ وابستہ ہے دوسروں کو دے اس پر قابض رہتا ہے۔ ناجائز مال اور آمدنی کھاتا رہتا ہے۔ یہ بھی قیامت کی علامت ہے کہ لوگ مال اور نفع میں حرام و حلال کی پرواہ نہیں کریں گے۔

آدمی کا جب انتقال ہو جاتا ہے تو اس کا مال سے حق ختم ہو جاتا ہے

عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ معلوم کیا کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اور اس نے زیور چھوڑا ہے۔ میں اس کی جانب سے صدقہ کر دوں، آپ نے پوچھا تمہاری ماں نے تم سے کہا تھا، کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا پھر اس زیور کو روکے رکھو (صدقہ مت کرو)۔

(مجمع الزوائد جلد صفحہ ۲۲۹)

اس حدیث پاک میں ذکر کیا گیا ہے کہ مرنے والے کا اس کے مال سے حق اور تعلق ختم ہو جاتا ہے اب اس کے حق میں خواہ صدقہ و خیرات کیوں نہ ہو نا جائز اور ممنوع ہو جاتا ہے۔ صرف تجہیز و تکفین کی اجازت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی خیر کے مصرف میں اسے خرچ نہیں کیا جا سکتا بلکہ وارثین کے درمیان تقسیم کرنا واجب ہو جاتا

ہے۔ وارثین اس کے مالک ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ عام طور پر جو لوگ میت کے ثواب پہنچانے کے لئے صدقہ خیرات کرتے ہیں غریب ومسکین کو بلا کر کھلاتے اور دعوت طعام کرتے ہیں قرآن خوانی کراتے ہیں۔ چالیسواں کرتے ہیں اس میں میت کا مال لگاتے ہیں یہ سب ناجائز اور ممنوع ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے مال سے ایصال ثواب کو منع فرمایا ہے۔

اسی طرح میت کے بعض سامان، کپڑے، بستر وغیرہ کو خیرات کر دیتے ہیں۔ ہاں تمام وارثین بالغ ہوں اور موجود ہوں سب نے بالاتفاق رائے یہ فیصلہ کیا ہو تو درست ہے۔

مرنے والے کا مال ایک سوئی پھٹی چادر پھٹا کرتا ہو تب بھی اس کا حق وارث کے ملک سے ہو جاتا ہے کسی ایک وارث کو یہ اختیار نہیں کہ اپنے من سے جو چاہے کرے۔ بلکہ ہر وارث کو خواہ قریب ہوں یا دور ہوں اطلاع کرنی اور خرچ کی صورت میں اجازت لینی ضروری ہوگی ورنہ یہ شخص گنہگار ہوگا۔ بہتر ہے فوراً وارثین کے درمیان مال تقسیم کر دے۔ اب وہ جو چاہیں کریں، خواہ اپنے پاس رکھیں یا صدقہ خیرات کریں۔

وراثت میں انصاف سے تقسیم پر جنت کی وراثت

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ۶/ چیزوں کی تم ضمانت لے لو، میں تمہاری جنت کا ضامن ہو جاؤں گا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کیا ہے، اے اللہ کے رسول ﷺ؟ آپ نے فرمایا وراثت کی تقسیم پر ناانصافی مت کرو۔ اپنی طرف سے انصاف کرو۔ (مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲۲۷)

دیکھئے حدیث پاک کو، وراثت کو انصاف کے ساتھ تقسیم کرنے پر جنت کی ضمانت کا ذکر ہے۔ آج کل ہمارے ماحول میں ۹۰/ فیصد وراثت کی تقسیم میں ظلم وناانصافی ہوتی ہے۔ اولاً تو وراثت تقسیم نہیں ہوتی۔ باپ کے مرنے کے بعد جو بھائی ماحول اور عرف میں طاقتور اور غالب ہوتا ہے اپنا قبضہ جمائے رہتا ہے قبضہ اور اس کے استعمال میں ہو تو خالی نہیں کرتا۔ اگر اپنا نقصان محسوس کرتا ہے تو وارثین کے درمیان وراثت تقسیم نہیں کرتا۔ اگر کوئی وارث بھائی بہن وغیرہ باہر ملازمت وغیرہ میں ہو تو ان کا حق نہیں دیتا۔ قبضہ نہیں چھوڑتا۔ اس کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے۔ اس کے حصہ پر قابض رہتا ہے بلا طیب خاطر کے اس کے حصہ سے نفع اٹھاتا رہتا ہے۔ بہنوں کو، ماں کو عموماً وراثت نہیں دی جاتی۔

بہنوں کو ۹۰/ فیصد محروم کر دیا جاتا ہے۔ بعض موقع پر والد کی وفات کے بعد طاقتور بھائی کا قبضہ رہتا ہے اگر کوئی اپنا حصہ مانگتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے تو اسے نہیں دیتے اس سے تنازع کرتے ہیں اور ٹال مٹول کرتے ہیں۔ حصہ تقسیم نہیں کرتے ہیں۔ سالوں قابض رہتے ہیں۔ آج کل ہم مسلمانوں کا عام حال ہو گیا ہے جب اپنا نقصان

محسوس کرتے ہیں اپنا نفع جاتا ہوا دیکھتے ہیں تو شریعت کے حکم کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں مال اور دنیاوی نفع کے مقابلہ میں شریعت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے وراثت کی تقسیم اور اس کے مسئلہ میں ظلم و ناانصافی کرتے ہیں۔ اسی سے بچنے پر جنت کی ضمانت دی گئی ہے۔ وراثت کو شریعت کے مطابق انصاف سے تقسیم کر دینا جنت کے اعمال میں سے ہے۔

پہلے ذوی الفروض کو دیتے اس کے بعد بچنے پر عصبہ قریبی رشتہ دار کو دیتے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وراثت پہلے ذوی الفروض (جن کے حصے قرآن پاک میں بیان کئے گئے ہیں) کو دو، پھر جو بچ جائے ان رشتہ داروں کو دو جو مرد کی جانب سے ہوں۔ (بخاری، مسلم صفحہ ۳۴، ابوداؤد صفحہ ۴۰۱، ابن ماجہ صفحہ ۱۹۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتاب اللہ کے موافق وراثت تقسیم کرو، پہلے ذوی الفروض کے درمیان، پھر اس کے بعد جو بچ جائے، مرد کی جانب کے قریبی رشتہ دار کو۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۹۷)

کشف الغمہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ذوی الفروض کو دیتے پھر باقی جو بچتا عصبہ کو دیتے اور فرماتے کہ مال پہلے ذوی الفروض کو دو، پھر بچ جانے پر عصبہ کو دو۔ (کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۴۸)

فائدہ: وراثت کے مال کی تقسیم کا اس حدیث پاک میں ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔ میت نے جو بھی مال چھوڑا ہو۔ خواہ جائیداد کی شکل میں ہو یا مال کی شکل میں ہو یا سامان کی شکل میں ہو۔ خواہ معمولی سامان ہو جیسے جھاڑو برتن وغیرہ یا قیمتی سامان ہو سب وراثت میں شمار ہوں گے۔ اور سب کے وارثین مستحق ہوں گے۔ بلا وارثین کی اجازت و رضا کے کوئی معمولی سامان میں بھی تصرف کرنا، صدقہ خیرات کرنا، درست نہیں۔ اگر کوئی وارث یا کوئی اپنی جانب سے تجہیز و تکفین کا صرفہ ادا کر دے تو ٹھیک ہے ورنہ اولاً میت کے مال سے کفن دفن کا خرچہ ادا کیا جائے گا۔ پھر میت پر جو دین و قرضہ ہو اسے اس مال سے ادا کیا جائے گا۔ پھر اگر میت نے کوئی وصیت کی ہو تو اسے تہائی مال سے ادا کیا جائے گا۔ اس کے بعد جو بچے گا اس کو وارثین کے درمیان ذکر کئے گئے ضابطہ سے اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ پہلے ذوی الفروض جن کا حصہ خدا نے کلام پاک میں ذکر کیا ہے دیئے جائیں گے۔ یہ کل بارہ لوگ ہیں۔ ① باپ ② دادا ③ ماں شریک بھائی ④ شوہر ⑤ بیوی ⑥ بیٹی ⑦ ماں ⑧ پوتی ⑨ سگی بہن ⑩ باپ شریک بہن ⑪ ماں شریک بہن ⑫ دادی۔

اس کے بعد اگر مال وراثت بچ جائے تو عصبہ کو دیا جائے گا۔

عصبہ: باپ کا وہ رشتہ جو مرد کی جانب سے ہو، یعنی عورت کے واسطے سے رشتہ داری نہ ہو۔

عصبہ کی دو قسمیں ہیں: عصبہ نسبی، عصبہ سببی۔ عصبہ سببی اس دور حاضر میں نہیں ہے۔

عصبہ نسبی محقق ہیں، عصبہ نسبی جو میت کے ساتھ نسب کا رشتہ رکھتا ہو۔ پھر عصبہ نسبی کی ۳ر قسمیں ہیں۔ عصبہ بنفسہ، عصبہ بغیرہ، عصبہ مع غیرہ۔ ① عصبہ بنفسہ وہ مرد ہے جس کا میت کے ساتھ رشتہ جوڑنے میں کوئی عورت بیچ میں داخل نہ ہو۔ جیسے بیٹا، باپ ② عصبہ بغیرہ۔ وہ عورتیں جو ذوی الفروض میں سے ہیں اور اپنے بھائیوں کے ساتھ جمع ہو جائیں۔ یہ چار ہیں: بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی بہن ③ عصبہ مع غیرہ وہ جو دوسری عورت کے ساتھ مل کر عصبہ بنتی ہوں۔ جیسے حقیقی بہن اور علاتی بہن۔

ماں کو چھٹا حصہ عطا فرماتے

عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور پوچھا، میرا بیٹا انتقال کر گیا ہے اس کی وراثت میں سے مجھے کتنا ملے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں چھٹا حصہ ملے گا۔ (کشف الغمہ جلد ۳ صفحہ ۳۹)

فائدہ: بیٹے کی وفات پر اکثر یہ ماں کو چھٹا حصہ ملتا ہے۔

جب میت کا بیٹا بیٹی یا پوتا پوتی، بھائی بہن ہوں تو میت کی والدہ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر میت کا بیٹا بیٹی، پوتا پوتی وغیرہ بھائی بہن نہ ہو تو ایک تہائی ملے گا۔ مزید اور بھی حالتیں ہیں۔ جو وقت پر اس فن سے واقف اہل علم سے معلوم کریں۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کے انتقال پر اس کی بیوی اور والدہ کو اس طرح تقسیم کیا کہ بیوی کو چوتھائی دیا۔ اور باقی ایک تہائی ماں کو دیا۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۹)

چونکہ میت کو اولاد نہیں تھی اس لئے ربع دیا ورنہ آٹھواں حصہ ملتا، اور ماں تقی جو باقی بچے گا باپ کے حصہ میں جائے گا۔

انتباہ: وراثت کے تمام بیان کردہ مسائل میں محض اس کتاب کو دیکھ کر اور پڑھ کر عمل نہ کرے کہ اس کی مختلف شقیں اور صورتیں ہوتی ہیں کوئی ماہر فن عالم سے معلوم کرے۔

میت کی اولاد بیٹے اور بیٹی کے درمیان ترکہ کی تقسیم کس طرح فرماتے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں بیمار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے۔ میں بنی سلمہ میں تھا۔ تو میں نے آپ سے معلوم کیا کہ میں اپنا مال اولاد کے درمیان کس طرح تقسیم کروں۔ آپ خاموش رہے۔ اس پر "**یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل الخ**" آیت اتری۔

(ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۹)

فائدہ: اگر میت نے اولاد ذکور واناث دونوں یعنی بیٹا بیٹی چھوڑے ہیں۔ تو ایسی صورت میں بیٹی کو ایک حصہ اور بیٹے کو دو حصہ ملے گا۔

اگر صرف بیٹی ہو تو پھر ایک ہو تو مال کا آدھا یہ لے گی۔ اور اگر دو یا دو سے زائد ہو تو یہ دو تہائی لیں گی۔

میت کی بیٹی اور بہن ہو تو کس طرح حصہ دلواتے

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے سامنے ایک آدمی کے بارے میں ذکر کیا گیا جس نے اپنی بیٹی اور بہن کو چھوڑا۔ تو آپ ﷺ نے بیٹی کو آدھا دلوایا اور بہن کو (جو باقی بچا) آدھا دلوایا۔ (سنن کبریٰ جلد ۶ صفحہ ۲۳۳)

فائدہ: جب میت کی صرف ایک بہن ہو اور کوئی اولاد بیٹا بیٹی پوتا پوتی یا باپ اور سگا بھائی نہ ہو تو بہن میت کا آدھا مال لے لے گی۔ اگر میت کی اولاد بھی ہے اور بہن بھی ہے تو بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔ البتہ میت کا بیٹا تو نہ ہو مگر بیٹی ہو یا پوتی ہو تو ایسی صورت میں بیٹی کو نصف ملے گا اور بقیہ بہن عصبہ ہو کر سارا مال لے لے گی۔ یہی صورت یہاں مذکور ہے۔

فائدہ: خیال رہے کہ اس حدیث پاک میں بہن کی ایک حالت کا ذکر ہے۔ ① میت کی بیٹی یا پوتی ہو۔ بیٹا پوتا اور باپ دادا نہ ہو تب بیٹی آدھا ترکہ لے گی اور باقی مال سب بہن لے لے گی۔ ② اگر میت کا بیٹا پوتا، یا باپ دادا ہو تو بہن کو کچھ نہیں ملے گا اگر میت کی کوئی اولاد نہ ہو نہ بیٹا نہ بیٹی اسی طرح نہ باپ دادا اور نہ حقیقی بھائی تو تو بہن کو آدھا ملے گا۔ اگر دو بہن ہوں تو دو تہائی ملے گا۔ اگر اس صورت میں بھائی اور بہن دونوں ہوں تو بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصے ملے گا۔

امام طحاوی نے اس مسئلہ پر اجماع ذکر کیا ہے کہ میت نے بیٹی اور باپ شریک بہن (میت کے حقیقی بہت) چھوڑی ہو تو بیٹی کو نصف اور بہن کو نصف ملے گا۔ (طحاوی جلد ۲ صفحہ ۴۲۷)

حضرت زید بن ثابت نے ذکر کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میت کی بیٹی اور بہن کے درمیان نصف نصف ترکہ تقسیم کیا۔ (طحاوی جلد ۲ صفحہ ۴۲۷)

شوہر کو بیوی کی وراثت سے کب اور کتنا ملے گا

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ شوہر اپنی بیوی کی وراثت میں جب کہ عورت سے کوئی اولاد نہ ہو تو نصف "آدھی وراثت ملے گی اور اولاد ہے خواہ بیٹے ہوں یا بیٹی تو والد کو چوتھائی وراثت ملے گی۔ (سنن کبریٰ جلد ۶ صفحہ ۲۲۷)

فَائِدَہ: شوہر کو بیوی کی وراثت دو طریقے سے ملے گی۔ یا نصف یا چوتھائی۔

1. بیٹا بیٹی یا پوتا پوتی نہ ہو تو کل مال متروکہ کا آدھا ملے گا۔
2. کوئی اولاد ہو خواہ بیٹا بیٹی یا پوتا پوتی تو چوتھائی حصہ ملے گا۔

میت کی بیوی کو شوہر سے کب اور کیا ملے گا

حضرت زید بن ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ بیوی شوہر کی وراثت سے جب کہ اولاد نہ چھوڑی ہو تو چوتھائی کی وراثت ہوگی۔ اور اگر اولاد چھوڑی ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۲۲۷)

میت یعنی شوہر کے انتقال پر بیوی کو اولاد نہ رہنے کی صورت میں چوتھائی حصہ اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ ملے گا۔ خواہ اولاد اس بیوی سے ہو یا دوسری بیوی سے۔

بیوی کو اولاد کی موجودگی میں آٹھوں حصہ دلواتے

حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے عورت (بیوی کو) آٹھواں حصہ اور دو بیٹیوں کو دو تہائی دلوایا۔ جو باقی بچا وہ حقیقی بھائی کے لئے مقرر فرمایا۔ (سنن داری جلد ۴ صفحہ ۷۹)

حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ سعد بن ربیع کی عورت آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس آئی اور کہا سعد شہید (جنگ احد میں) ہو گئے ہیں۔ دو بیٹی اور ایک بھائی چھوڑ گئے ہیں ان کے بھائی یہ چاہ رہے ہیں کہ سعد کے سارے مال کو لے لیں اور اس پر قابض ہو جائیں۔ اور عورتوں (لڑکیوں) کی شادی میں مال کی ضرورت پڑے گی۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مجلس میں کوئی جواب نہیں دیا۔ عورت پھر آئی اور کہا سعد کی دو لڑکیاں ہیں (ان کو کیا ملے گا) آپ نے فرمایا ان کے بھائی کو بلاؤ۔ وہ آئے آپ نے فرمایا دو تہائی ان کی دونوں بیٹیوں کو دو۔ ان کی بیوی کو آٹھواں حصہ دو۔ جو باقی بچے تم لو۔ (دار قطنی صفحہ ۷۹، ابن ماجہ جلد صفحہ ۱۹۵)

فَائِدَہ: معلوم ہوا کہ اگر مرد نے انتقال کیا اور بیوی اور اولاد کو چھوڑا ہے تو اس صورت میں بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔

میت کی ایک بیوی دو بیٹیاں اور بھائی ہو تو ترکہ کس طرح تقسیم فرماتے

حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ ذکر کرتے ہیں کہ رسول پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس سعد بن ربیع کی بیوی حاضر ہوئیں اور کہا اے اللہ کے رسول سعد آپ کے ساتھ شہید ہو گئے ہیں انہوں نے دو بیٹیوں کو اور مجھے اور اپنا بھائی چھوڑا ہے۔ ان کے بھائی نے سارا مال لے لیا۔ (ان کی لڑکیوں کی شادی کرنی ہے) لڑکیوں کی شادی میں مال کی ضرورت پڑتی ہے۔ (اور مال ان کے بھائی نے ہڑپ کر لیا) آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کو بلایا اور فرمایا ان کی بیوی

کو آٹھواں حصہ دو۔ دونوں بیٹیوں کو دو تہائی دو۔ باقی جو بچے تم لو۔

(طحاطی صفحہ ۴۲۸، ابوداؤد صفحہ ۴۰۰، سنن کبریٰ صفحہ، ابن ماجہ صفحہ ۱۹۵)

فائدہ: دیکھئے آپ ﷺ نے صورت مذکورہ میں دو بیٹیاں ہونے کی وجہ سے دو تہائی دلوایا۔ لڑکیوں کی والدہ اور مرنے والی کی بیوی کو آٹھواں حصہ دیا۔ اور جو باقی بچا عصبہ ہونے کی بنیاد پر میت کے بھائی لڑکیوں کے چچا کو دیا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ وراثت کے مال پر قبضہ کئے ہوئے ہیں۔ علاقے اور محلے کے بڑے اور موقر لوگوں کو چاہئے کہ ان کے درمیان میراث شرعی قاعدے سے تقسیم کرا دیں۔ تا کہ حق والوں کو حق مل جائے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں آپ نے کیا۔ اور لوگوں کو چاہئے کہ اہل حق کو جلد از جلد حق دے دیں۔ حرام مال پر قبضہ جمائے نہ بیٹھے رہیں کہ دنیا کا فائدہ ہو یا نہ ہو آخرت کے بڑے خسارے کی بات ہے۔

صرف ایک بیٹی ہو تو نصف ترکہ ملے گا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول پاک ﷺ سے سنا آپ فرمار ہے تھے ایک بیٹی ہو تو ترکہ آدھا ملے گا۔ اور بیٹے کی بیٹی کو چھٹا حصہ ملے گا۔ پھر جو باقی بچے گا۔ اس کی بہن کو ملے گا۔

(دار قطنی جلد ۴ صفحہ ۸۰)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بیٹی کو آدھا ترکہ دیا اور جو بچا (میت کی) بہن کو دیا۔ (دار قطنی جلد ۴ صفحہ ۸۰)

فائدہ: خیال رہے کہ مرنے والے نے صرف ایک بیٹی چھوڑی ہے۔ کوئی بیٹا وغیرہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس ایک بیٹی کو پورے ترکہ کا آدھا ملے گا۔

اور اگر دو بیٹی ہو تو دو تہائی ملے گا۔ باقی جو بچے گا۔ عصبات لیں گے۔

عورت کی بہن اور شوہر کے درمیان مال وراثت کس طرح تقسیم فرماتے

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کسی عورت نے شوہر کو اور بہن کو چھوڑ کر انتقال کیا تو انہوں نے شوہر کو نصف حقیقی بہن کو نصف دیا اور گفتگو پر کہا میں آپ ﷺ کے پاس حاضر تھا تو آپ نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا۔ (مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲۳۱)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے شوہر اور حقیقی بہن کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ شوہر کو نصف دیا اور بہن کو بھی نصف دیا۔ (کشف الغمہ جلد ۴ صفحہ ۲۳۱)

انتباہ: محض اس کتاب کو پڑھ کر عمل نہ کرے بلکہ کسی ماہر عالم سے معلوم کرے کہ اس کی مختلف شقیں اور صورتیں ہوسکتی ہیں۔

ماں اور باپ کی موجودگی میں دادا اور نانی کو نہیں ملے گا

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دادی کو چھٹا حصہ دو جب کہ ماں نہ ہو۔ (سنن کبریٰ جلد ۶ صفحہ ۲۳۶)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ماں اور باپ کی موجودگی میں دادی کو نہیں ملے گا۔
(سنن کبریٰ صفحہ ۱۱)

فائدہ: وراثت کا قاعدہ ہے کہ قریب بعید کو محروم اور وراثت سے روک دے گا۔ اس لئے والد کی موجودگی میں دادا اور دادی کو اور ماں کی موجودگی میں نانی اور دادی کو نہیں ملے گا۔ مزید کسی ماہر عالم سے پوچھ لے۔ وراثت کے مسائل باریک اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔

دادا کو چھٹا حصہ دلواتے

عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے پوتے کا انتقال ہوگیا ہے۔ مجھے ترکہ میں کیا ملے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو چھٹا حصہ ملے گا۔
(مختصراً، دارقطنی جلد ۴ صفحہ ۸۴، ابوداؤد صفحہ ۴۰۱، ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۰)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہمارے درمیان دادا تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے چھٹے حصہ کا فیصلہ کیا۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۹۵، ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۱)

دادی کو چھٹا حصہ دیتے

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دلایا۔
(دارقطنی جلد ۴ صفحہ ۹۱)

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا۔ (ابوداؤد صفحہ ۴۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹے حصہ کا وارث بنایا۔
(ابن ماجہ صفحہ ۱۹۵، ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ صفحہ ۳۲۱)

فائدہ: خیال رہے کہ دادا کو میت کے والد رہنے پر نہیں ملے گا۔
حقیقی دادی ہے اور اوپر کی پردادی وغیرہ بھی ہے تو حقیقی دادی کو ملے گا پردادی کو نہیں ملے گا۔ اگر باپ میت کے والد زندہ ہوں تو پھر دادی کو نہیں ملے گا۔

حضرت بریدہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ دادی کو چھٹا حصہ اس وقت دلواتے جب کہ (میت کی) ماں نہ ہوتی۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ صفحہ ۳۲۲)

ابن ابی شیبہ میں ہے کہ زید بن ثابت، حضرت عثمان، حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ باپ کی موجودگی میں دادی کو وراثت نہیں دیتے تھے۔ حضرت عامر کی روایت میں ہے کہ نبی پاک ﷺ کے کسی صحابی نے بھی باپ کی موجودگی میں دادی کو وارث نہیں بنایا۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ صفحہ ۳۲۴)

پھوپھی اور خالہ کو ترکہ نہیں دلواتے

عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سے پوپھی اور خالہ کے ترکہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا مجھ سے حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَامُ نے فرمایا ان کو ترکہ نہیں ملے گا۔

(دارقطنی جلد ۴ صفحہ ۸۰، تلخیص الجبیر جلد ۲ صفحہ ۸۱)

فَائِدَہ: مطلب یہ ہے کہ قریبی رشتہ دار بیٹا پوتا، نواسی، بھائی بہن، ماں، باپ کے رہتے ہوئے، پھوپھی خالہ چونکہ دور کے غیر نسبی رشتہ دار ہیں۔ اس لئے نہیں ملے گا۔ ہاں قریبی نسبی رشتہ دار نہ ہوں تو ان کو ملے گا جیسا کہ دوسری حدیث کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

پھوپھی اور خالہ کو جب کہ قریبی رشتہ دار نہ ہو تب دلواتے

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بیان کیا کہ خالہ بمنزلۂ ماں کے اور پھوپھی بمنزلہ باپ کے ہے۔ اور بھائی کی اولاد بمنزلہ بھائی کے ہے۔ اور یہ سب ذی رحم رشتہ دار ہیں۔ جب کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہو تو ان کو ملے گا۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۲۱۷)

فَائِدَہ: پھوپھی اور خالہ اسی طرح ماموں، یہ ذوی الارحام وہ بھی سب سے آخری درجہ میں داخل ہیں۔ جب ذوی الفروض جن کے حصے قرآن پاک میں ہیں۔ اور اسی طرح عصبہ جو ذوی الفروض کے بعد وارث ہوتے ہیں نہ ہوں تب یہ دور کے رشتہ دار وارث ہوتے ہیں۔ پھر یہ ذوی الارحام میں جب اول درجہ کے رشتہ دار میت کی بیٹی و پوتی کی اولاد اور دوسرے درجہ کے نانا، نانی اور تیسرے درجہ کے بھانجے اور بھتیجیاں نہ ہوں تب پھوپی خالہ ماموں کو ملتا ہے۔

ماموں کو وراثت کب ملے گی

حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ماموں کو وراثت اس وقت جب کہ اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۰، طحاوی جلد ۲ صفحہ ۴۳۰، ابن ماجہ صفحہ ۱۹۶)

سہل بن حنیف کی روایت میں ہے کہ کسی آدمی نے ایک آدمی کو تیر مارا جس سے وہ مر گیا۔ اور اس کا کوئی وارث نہیں تھا۔ سوائے ماموں کے۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ اور جس کا کوئی وارث نہ ہو ماموں اس کا وارث ہوگا۔ (طحاوی جلد۲ صفحہ ۴۳۰)

فائدہ: خیال رہے کہ ماموں کا رشتہ دور کا اور ماں کے واسطہ سے ہے۔

ماموں ذوی الارحام میں داخل ہے۔ عصبات میں داخل نہیں، اس لئے جب میت کا کوئی خونی رشتہ دار نہیں ہوگا تب ماموں کو ملے گا۔

وارث نہ ہونے کی صورت میں آپ بہن کی اولاد کو دلواتے

واسع بن حبان نے بیان کیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم بن عدی سے پوچھا ثابت بن وحداح کی وفات پانے پر کہ کیا تم جانتے ہو تمہارے درمیان اس کا کوئی نسبی رشتہ دار (قریبی) ہے۔ جواب دیا نہیں۔ وہ تو ہمارے درمیان آکر رہ گئے تھے۔ قرابت اور رشتہ داری نہیں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ اس کی میراث ان کی بہن کی اولاد کو دی جائے۔ (سنن کبریٰ جلد۶ صفحہ ۲۱۵، طحاوی جلد۲ صفحہ ۴۲۹)

فائدہ: خیال رہے کہ میت کی بہن کی اولاد، ذوی الارحام (دور کے رشتہ دار) میں ہیں وہ بھی تیسرے درجہ میں ہیں۔ اگر میت کی بیٹی و پوتی کی اولاد نہ ہو، نانا نانی نہ ہو تب یہ بہن کی اولاد لیں گے۔ جو قریبی ہوں گے وہ حقدار ہو کر دور والے کو محروم کر دیں گے۔

انتباہ: وراثت کے کسی بھی مسئلہ میں جو اس فصل میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس وقت تک عمل نہ کرے جب تک کہ کسی ماہر فن عالم سے نہ پوچھ لیا جائے کہ بسا اوقات اس کی مختلف شقیں اور صورتیں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے حکم بدل جاتا ہے۔

اگر کسی کا کوئی رشتہ دار نہ قریبی ہو نہ دور کا ہو تو ترکہ کیا کرتے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام تھا۔ جو کھجور کے درخت سے گرا اور مر گیا اس نے مال چھوڑا تھا اس کی کوئی اولاد نہ تھی اور نہ کوئی رشتہ دار۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا ترکہ اس کی بستی والوں کو دے دو۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۹۶، سنن کبریٰ جلد۶ صفحہ ۲۴۳، ترمذی صفحہ ۳۰، طحاوی صفحہ ۴۳۴)

فائدہ: آپ کا غلام تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ترکہ نہیں لیا، حالانکہ عامۃ الناس کے لئے جائز ہے کہ غلام

کا کوئی نسبی رشتہ دار نہ ہو تو آقا اس کا ترکہ لے لے آپ نے نہیں لیا تقویٰ اور احتیاط کے طور پر۔ بعضوں نے یہ کہا کہ جس طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا کوئی مال کے اعتبار سے وارث نہیں ہوتا اسی طرح یہ حضرات کسی دوسرے کے بھی وارث نہیں ہوتے۔ کشف الغمہ میں علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ آپ نے اس غلام کے بارے میں پوچھا اس کا کوئی نسبی رشتہ دار ہے یا دور دراز کا کوئی قرابت دار ہے۔ لوگوں نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا اس کے اسی علاقے والے کو دے دو۔ (جلد ۴ صفحہ ۴۰، سنن کبریٰ جلد ۶ صفحہ ۲۴۳)

پس معلوم ہوا کہ کوئی ایسا میت ہو اور اس کا کوئی قریب یا بعید کا رشتہ دار نہ ہو تو اس کا مال اس کے علاقے کے لوگوں پر تقسیم کر دیا جائے گا یا بعض ان لوگوں پر جو غریب و حاجت مند ہوں دے دیا جائے گا اگر وہاں بیت المال ہو قومی رفاہی فنڈ ہو تو اس میں جمع کر دیا جائے گا تا کہ سب کو فائدہ پہنچے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ ازد کے ایک آدمی کا انتقال ہوا۔ اس نے کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے مال کو قبیلہ خزاعہ کے لوگوں کو دے دو۔

(کشف الغمہ جلد ۴ صفحہ ۴۲، طحاوی جلد ۲ صفحہ ۳۴۴، ابوداؤد صفحہ ۴۰۲)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ یہاں مصر میں راہبوں کی ایک جماعت ہوتی ہے ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا ان کی موت ہو جاتی ہے ان کے مال کا کیا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کوئی بھی ان کا وارث (دور ہی کا) مل جائے تو مال ان کو دے دو اگر کوئی نہ ملے تو بیت المال میں داخل کر دو یہ عام مسلمانوں کا مال ہے۔ (کشف الغمہ جلد ۴ صفحہ ۴۲)

جس نے اپنے مورث کو قتل کر دیا اس کو وراثت نہیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قاتل کے لئے کچھ نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا قاتل کے لئے وراثت نہیں ہے۔

(دار قطنی صفحہ ۹۶، ابن ماجہ صفحہ ۹۶، ترمذی صفحہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ قتل کرنے والا بالکل وارث نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں ہے اگر چہ باپ ہو یا بیٹا ہو۔ (تلخیص الحبیر جلد ۳ صفحہ ۸۵)

طبرانی کی ایک روایت میں ہے ایک شخص نے اپنی عورت کو خطاً قتل کر دیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اس کی دیت ادا کرو اور اس کی وراثت مت لو۔ (تلخیص الحبیر جلد ۳ صفحہ ۸۵، کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۷۵)

حضرت عمرو بن شعیب کی روایت میں ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو مختلف مذہب رکھنے والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔ (ابوداؤد صفحہ ۴۰۳، تلخیص الحبیر)

فَائِدَۃ: مطلب یہ ہے کہ اگر مورث اور وارث کے درمیان مذہب کا فرق ہو۔ مرنے والا باپ کافر ہو اور بیٹا مسلمان ہو تو یہ بیٹا کافر باپ کی وراثت نہیں پائے گا۔ اسی طرح خوانخواستہ بیٹا کافر ہو گیا تو مسلمان باپ کی وراثت سے محروم ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے حضرت علی اور جعفر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اپنے والد ابوطالب سے وراثت نہیں پائی تھی کہ ابوطالب کا انتقال حالت اسلام پر نہیں ہوا تھا۔

وراثت سے محروم کرنے سے آپ منع فرماتے

حضرت سلیمان بن موسیٰ سے مرسلاً مروی ہے کہ جو شخص کسی کی میراث سے محروم کرے اللہ پاک اسے جنت کی وراثت سے محروم کر لے گا۔ (کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۹، ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۵)

فَائِدَۃ: مطلب یہ ہے کہ بیٹا بیٹی بھائی بہن والد والدہ جو اس کے مرنے کے بعد وارث ہو سکتے ہیں اس کو کسی دنیاوی وجہ، عناد، لڑائی یا عدم مناسبت کی وجہ سے عاق کر دے، محروم کر دے نہ دینے کی وصیت کر جائے تو یہ وعید کا مستحق ہوگا۔ جو ناجائز ہے۔

مگر اس مسئلہ کا بھی خیال رہے کسی وارث کو خواہ اولاد ہو یا والدین بھائی بہن ہوں، عاق اور محروم کر دینے سے محروم نہیں ہوتا۔ اس کے مرنے کے بعد جو شرعی وارث ہوں گے اس کو حصہ مل کر رہے گا۔ اس کے کہنے سے وہ محروم نہ ہوں گے۔ مرنے کے بعد ملنا یہ خدائی تقسیم ہے۔ ہاں اگر اس نے اپنی زندگی میں اپنے وارثین کے درمیان مال تقسیم کر دیا اور قبضہ کرا دیا۔ لوگوں نے قبضہ کر لیا اس وقت اگر وہ کسی کو نہیں دیا یا کم و بیش دیا تو اب مرنے کے بعد کوئی تبدیلی نہیں۔ جیسا کہ کر گیا۔ ویسا ہی رہے گا۔ جس کو محروم رکھا وہ محروم رہے گا۔

اگر مال اور جائیداد زیادہ ہے کچھ وقف اور صدقہ خیرات کر دیا اور کچھ وارثوں کو دے دیا گیا یا اس کے لئے چھوڑ گیا تو درست ہے۔ بالکل محروم کرنا منع ہے کہ وہ مرنے کے بعد شدید تنگی میں مبتلا رہے۔

اسی طرح نیکی صلاح زہد و تقویٰ کی وجہ سے کسی وارث کو اپنی زندگی میں خود سے زائد دے سکتا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی بعض اولاد کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا تھا۔ پس اس بنیاد پر کمی وبیشی جائز۔ اسی طرح کوئی اولاد اور اس کی زندگی میں تمام امور کا لحاظ کیا خدمت و اطاعت کی ہر طرح خوش رکھا اس کے برخلاف دوسری اولاد نافرمان اور تکلیف دہ رہی تو ایسی صورت میں بھی مطیع و فرمان اولاد کو دوسرے کے مقابلہ اپنی زندگی میں زائد دے سکتا ہے اگر زندگی میں زائد نہیں دی تو مرنے کے بعد خدائی تقسیم ہوگی اور سب برابر ہوں گے۔



آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور اس کی کیفیت مبارک کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحت کی حالت میں فرمایا کرتے تھے اس وقت تک کسی نبی کی وفات نہیں ہوتی جب تک کہ ان کو جنت میں ٹھکانہ نہیں دکھلا دیا جاتا۔ پھر ان کو اختیار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ جب بیمار ہوئے اور مرض وفات میں پڑے، آپ کا سر حضرت عائشہ کی گود میں تھا۔ اور آپ پر غشی طاری ہو رہی تھی جب آپ ہوش میں آتے تو چھت کی طرف دیکھتے پھر آپ فرماتے:

"اللھم فی الرفیق الاعلی."

ترجمہ: "اے اللہ ہمیں ملا اعلیٰ میں شامل فرما" (بخاری صفحہ ۶۳۸)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ کا آخری کلمہ: "اللھم الرفیق الاعلی" تھا۔

(بخاری صفحہ ۶۴۱، ابن ماجہ صفحہ ۱۱۶)

فائدہ: رفیق الاعلیٰ سے مراد یا اللہ جل شانہ ہیں یا ملاء اعلیٰ کے فرشتوں کی جماعت یعنی آپ اللہ سے اور فرشتوں سے ملاقات کی تمنا کا اظہار کر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ پاک بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف ہوتی تو اپنے اوپر معوذات پڑھ کر دم فرماتے۔ اپنے ہاتھ کو بدن پر پھیرتے۔ پس آپ جب مرض الموت کی تکلیف میں مبتلا ہوئے تو میں معوذتین پڑھتی اور آپ ہی کے دست مبارک کو پورے بدن پر پھیرتی۔ (بخاری صفحہ ۶۳۹)

فائدہ: یعنی بجائے اپنے ہاتھ پر دم کر کے بدن پر پھیرنے کے بجائے آپ کے ہی دست مبارک پر دم کر کے پھیر دیتی تاکہ آپ کے ہاتھ کی برکت رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت جسمانی تکلیف میں معوذتین پڑھ کر دم کرنا اور جہاں تک ہاتھ جائے پھیرنا مفید ہے۔ اس سے تکلیف میں کمی ہوتی ہے۔ عموماً لوگ صرف دوا علاج میں لگ جاتے ہیں اور اس مسنون عمل کی جانب ان کی توجہ نہیں ہوتی۔ حالانکہ دوا کے ساتھ اسے بھی کریں تو بہت بہتر ہو اور فائدہ زیادہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرات انبیاء کو مرض میں اختیار دیا جاتا ہے کہ خواہ دنیا کو اختیار کریں۔ (یعنی قیامت تک امت کے درمیان رہیں) یا آخرت کو اختیار کریں (یعنی وفات) چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جس مرض میں آپ کی وفات ہوئی آپ یہ پڑھتے تھے:

"مع الذین انعم اللہ علیهم من النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین."

اس سے اشارہ ہے کہ آپ وفات کے بعد ان حضرات کی رفاقت چاہتے تھے۔ (بخاری، ابن ماجہ صفحہ ۱۱۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مرض وفات کی تکلیف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ رکھا تھا جس میں پانی تھا آپ اس پیالہ میں ہاتھ ڈالتے پھر چہرہ انور پر پانی مل لیتے اور یہ دعا فرماتے:

"اللهم اعنی علی سکراۃ الموت."

ترجمہ: "اے اللہ موت کی سختی آسان فرما۔" (ترمذی، ابن ماجہ صفحہ ۱۱۷)

فائدہ: صفر کے اخیر چہار شنبہ سے آپ کی طبیعت کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ دن حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دن تھا۔ سر میں درد اور بخار کی شکایت ہوگئی۔ پھر جب مرض میں شدت ہوگئی اور طبیعت زیادہ ناساز ہوئی تو ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں تشریف لے آئے۔ دو شنبہ کو حضرت عائشہ کے حجرہ میں منتقل ہوئے۔ ایک ہفتہ تک اسی حجرہ میں تشریف فرما رہے دوسرے دوشنبہ کو کوچ ہی فرما گئے۔

وفات سے ۴ روز قبل کچھ افاقہ محسوس کیا تو ظہر میں حضرت علی و عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سہارے مسجد تشریف لائے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپ نے تقریر فرمائی۔ جس میں چند اہم نصیحتیں فرمائیں۔ اور اپنی وفات کا اشارہ کیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت بیان فرمائی۔ یہود و نصاریٰ پر انبیاء کی قبروں کے پوجنے سجدہ گاہ بنانے پر لعنت کا ذکر فرمایا۔ اس سے اشارہ تھا کہ امت قبر کے پوجنے کی لعنت کو اختیار نہ کرے۔ حوض کوثر پر ملاقات ہونے کا ذکر کیا۔

جب تک طاقت رہی خود امامت فرماتے رہے۔ آخری نماز پنجشنبہ کی مغرب کی تھی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت کے لئے حکم دیا۔ شنبہ یا یکشنبہ کو مزاج مبارک کچھ ہلکا ہوا تو حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سہارے مسجد تشریف لائے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے بائیں جانب جا کر بیٹھ گئے۔ باقی نماز آپ نے لوگوں کو پڑھائی، حضرت ابوبکر آپ کی اقتدا کرنے لگے۔ اور تکبیر ادا فرماتے۔ یعنی حضرت ابوبکر آپ کی اقتدا فرما رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر کی تکبیر پر نماز ادا کر رہے تھے۔

اس کے بعد آپ مسجد تشریف نہ لا سکے۔

دوشنبہ کی صبح کی نماز کے وقت آپ نے پردہ اٹھا کر مسجد کی جانب دیکھا لوگ صف باندھے صبح کی نماز میں مشغول ہیں آپ نے یہ دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا چہرہ مبارک کھل گیا۔

حضرت ابوبکر نے دیکھ کر پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا۔ آپ نے اشارہ سے منع فرمایا کہ نماز پڑھاؤ۔ آپ حجرہ کے اندر تشریف لے گئے۔ صبح کے وقت کچھ افاقہ دیکھ کر لوگوں کو اطمینان ہوا۔ قریب دوشنبہ کو چاشت کے وقت آپ پر نزع کی آخری حالت طاری ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں آپ کا سر مبارک تھا۔ ”اللھم فی الرفیق الاعلی“ پڑھتے ہوئے روح پرواز کر گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں ہی آپ بے جان ہو گئے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

دن دوشنبہ کا اور وقت چاشت کا تھا۔ البتہ تاریخ میں اختلاف ہے۔ مشہور قول ۱۲/ ربیع الاول ہے۔ موسیٰ بن عقبہ، لیث بن سعد، خوارزمی نے ۱/ ربیع الاول ذکر کیا ہے۔ علامہ سہیلی اور حافظ عسقلانی نے ۱۲/ کو راجح قرار دیا ہے۔ (سیرت مصطفیٰ جلد ۳ صفحہ ۱۷۲)

بعضوں نے ۱۳/ ربیع الاول بعضوں نے ۱۴/ اور ۱۵/ ربیع الاول بھی ذکر کیا ہے۔ (سیرت مصطفیٰ جلد ۳ صفحہ ۱۹۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکر اس وقت (مدینہ میں نہیں تھے) عوالی میں اپنی بیوی بنت خارجہ کے یہاں تھے۔ (ادھر) لوگ کہنے لگے آپ کی وفات تھوڑے ہی ہوئی ہے۔ بلکہ وحی کے نزول کے وقت جو (ایک قسم کی غشی طاری ہوتی ہے وہ ہے) چنانچہ (عوالی سے اطلاع پا کر) حضرت ابوبکر تشریف لائے چہرہ سے کپڑا اٹھایا۔ پیشانی کا بوسہ لیا۔ (مختصراً، ابن ماجہ صفحہ ۱۱۷)

فائدہ: چنانچہ آپ کو قمیص پہنے غسل دیا گیا۔ یہ آپ کی خصوصیت تھی۔ امت کے لئے نہیں۔ انہیں کپڑے کھول کر غسل دیا جائے گا۔

آپ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسل دے رہے تھے حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ اور شقران پانی ڈال رہے تھے۔ (اتحاف جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۴)

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ آپ کس جگہ دفن ہوں۔ آپ کی قبر کہاں کھودی جائے۔ لوگوں نے اختلاف کیا۔ کسی نے کہا آپ کو مسجد میں دفن کیا جائے۔ کسی نے کہا ان کے اصحاب کے ساتھ (بقیع میں) دفن کیا جائے۔ اس پر حضرت صدیق اکبر نے فرمایا میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا حضرات انبیاء کی وفات جس جگہ ہوتی ہے اسی جگہ ان کو دفن کیا جاتا ہے۔

(آپ کی وفات حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں ہوئی تھی یہیں آپ چارپائی پر تشریف فرما تھے) پس جس پر

آپ کی وفات ہوئی اسے (حجرہ عائشہ سے) اٹھایا گیا اور قبر کھودی گئی۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: چنانچہ آپ کی چارپائی ہٹا کر حجرہ عائشہ میں قبر کھودی گئی۔

خیال رہے کہ مدینہ منورہ میں دو قسم کی قبر کے کھودنے کا رواج تھا۔ ایک بغلی اور ایک سیدھا نما ''لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کے لئے کون سی قبر کھودی جائے ادھر آپ سے کوئی روایت یا کوئی اشارہ بھی نہیں تھا۔ مہاجرین نے کہا کہ بغلی قبر کھودی جائے۔ انصار نے کہا مدینہ کے طرز پر لحد تیار کی جائے۔ چنانچہ ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں لوگوں نے ابوعبیدہ کی جانب قبر کھودنے کی خبر بھیجی وہ اہل مکہ کی طرح قبر کھودتے تھے۔ اسی طرح ابوطلحہ کو بھی کہلا بھیجا قبر کھودنے کے لئے یہ اہل مدینہ کی طرح قبر کھودتے تھے یعنی ''لحد'' دونوں کی طرف آدمی بھیجا۔ اور دعا کی اے اللہ اپنے رسول کے لئے بہتر صورت قبول فرما۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ پہلے آئے۔ پس رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''لحد'' نما قبر کھودی گئی۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: دوشنبہ کو آپ کی وفات ہوئی بدھ کے دن شب میں آپ کی تدفین ہوئی۔

حضرت علی، حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کو قبر میں اتارا اور آپ کی قبر کو اونٹ کے کوہان کی ایک بالشت زمین سے اونچا کیا اور آخر میں پانی چھڑکا۔ (طبقات ابن سعد ۲/ ۷۶)

ابن ماجہ میں ہے کہ آپ بدھ کی رات کو وسط شب میں (عشاء کے بعد) دفن کئے گئے۔

حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل، حضرت قثم اور آپ کے خادم شقران نے آپ کو قبر میں اتارا۔ آپ کے خادم شقران نے آپ کی چادر کو بھی آپ کی قبر میں بچھا دیا تاکہ آپ کے بعد کوئی دوسرا اسے استعمال نہ کرے۔ (ابن ماجہ)

ابن ماجہ میں ہے کہ تجہیز و تکفین کے بعد آپ کی چارپائی مبارک کو حجرہ میں رکھ دیا گیا۔ لوگ جماعت در جماعت داخل ہوتے رہے اور آپ پر نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ مردوں کے فارغ ہونے کے بعد پھر عورتیں داخل ہوئیں پھر جب وہ فارغ ہوگئیں تو بچے داخل ہوئے (اور نماز جنازہ پڑھی) آپ کے جنازہ میں کسی نے امامت نہیں کی (یعنی سب نے تنہا تنہا اکیلے اکیلے پڑھی)۔ (ابن ماجہ)

قاضی عیاض یہ کہتے ہیں کہ آپ پر حقیقۃً نماز جنازہ پڑھی گئی یہی جمہور کا قول ہے کہ لوگوں نے فرداً فرداً نماز جنازہ پڑھی۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی بلکہ لوگ حجرہ شریفہ میں فوج در فوج داخل ہوتے تھے اور صلاۃ وسلام درود و دعا پڑھ کر واپس آجاتے تھے۔ (البدایہ جلد ۵ صفحہ ۲۶۵، سیرت مصطفیٰ جلد ۳ صفحہ ۱۸۸)

آپ بعینہٖ جسم مبارک کے ساتھ زندہ ہیں جسم اطہر میں کوئی تغیر نہیں

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پاک نے زمین پر حرام کر

دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کی جسموں کو کھائے۔ اللہ کے نبی زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

(ترغیب جلد۲ صفحہ ۵۰۳، ابن ماجہ صفحہ ۱۱۸)

اوس بن اوس کی روایت میں ہے کہ خدا نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ حضرات انبیاء کرام کے جسموں کو کھائے۔ (ترغیب صفحہ ۵۰۴، ابوداؤد صفحہ ۱۵۰، ابن ماجہ صفحہ ۱۱۸)

ابن شہاب زہری سے مرسلاً و مرفوعاً مروی ہے کہ زمین حضرات انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی، مٹی تمام بنی آدم کو کھالیتی ہے صرف ریڑھ کی ہڈی چھوڑ دیتی ہے۔ (القول البدیع صفحہ ۱۵۴)

فائدہ: ملاعلی قاری مرقات میں لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ نے زمین پر حرام کردیا ہے یعنی اس کو روک دیا ہے۔ اور اس میں لطیف مبالغہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے جسموں کو وہ کھائے۔ کیوں کہ وہ زندہ ہیں۔ (مرقات جلد۲ صفحہ ۲۰۹)

علامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے اجسام کو زمین نہیں کھاتی۔ (عمدۃ القاری جلد ۶ صفحہ ۶۹)

حافظ ابن قیم کتاب الروح میں لکھتے اور یہ بات بدلہۃً (روز روشن کی طرح واضح ہے) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک بالکل تروتازہ زمین میں موجود ہے۔ اور صحابہ کرام نے آپ سے پوچھا ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہوچکے ہوں گے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کو حرام کردیا ہے کہ وہ پیغمبروں کے اجسام کو کھائے۔ (کتاب الروح صفحہ ۵۴)

خیال رہے کہ درود شریف کا یہ عرض جسم اطہر اور روح مبارک دونوں سے وابستہ ہے۔ یعنی روح مع الجسم پر درود شریف پیش ہوتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث پاک میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک پر پیش ہوتا ہے۔ (فضائل درود صفحہ ۴۷)

یعنی صرف روح پر نہیں پیش ہوتا جسم پر پیش ہونے کی وجہ سے تو صحابہ کو شبہ ہوا تھا جسے آپ نے دور فرمایا کہ انبیاء کے جسم کو زمین نہیں کھاتی۔

آپ قبر اطہر کے پاس سلام کا جواب خود بنفسہ دیتے ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو اس میں خود سنتا ہوں۔ اور جس نے مجھ پر دور سے درود پڑھا۔ وہ مجھے (فرشتوں سے) بتایا جاتا ہے۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۸۷، جلاء الافہام صفحہ ۱۹، بیہقی فی الشعب صفحہ ۸۷)

فائدہ: متعدد روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس آپ کو سلام پیش کرتا

ہے آپ اس کے سلام کو خود بنفسہ سنتے ہیں۔ اور جواب بھی دیتے ہیں اور جو دور سے سلام پیش کرتا ہے اسے حضرات فرشتے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ آپ چونکہ قبر مبارک میں زندہ ہیں اس لئے سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ الحرانی الاصارم المکی میں لکھتے ہیں:

"وهو صلى الله عليه وسلم يسمع السلام من القبر."

ترجمہ: "آپ ﷺ قبر کے پاس سے سلام خود سنتے ہیں۔" (بحوالہ التسکین صفحہ ۳۳۷)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں ابن ابی شیبہ اور دارقطنی نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے مجھ پر میری قبر کے پاس صلوٰۃ وسلام کہا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ صفحہ ۳۶۱)

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں جب آپ ﷺ کے قریب قبر کے پاس درود پڑھا جاتا ہے تو آپ خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا جاتا ہے تو فرشتہ پہنچاتا ہے۔ (صفحہ ۴۵)

نسیم الریاض میں علامہ خفاجی لکھتے ہیں آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اپنی زیارت کرنے والے کی دعا سنتے ہیں۔ (جلد ۳ صفحہ ۳۹۸)

آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں آپ کی حیات اور موت پر تحقیق

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (مسند ابویعلی صفحہ، جامع صغیر صفحہ ۱۸۵)

فائدہ: اہل سنت والجماعت طائفہ حق کا بنیادی اور اساسی عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

1. حافظ ابن حجر عسقلانی شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

"ان حياته صلى الله عليه وسلم في القبر لا يعقبها موت بل يستمر حيا والانبياء احياء في قبورهم."

ترجمہ: "آپ ﷺ اپنی قبر میں ایسی حیات اور زندگی کے ساتھ ہیں کہ اس کے بعد موت نہیں آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ چونکہ تمام انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔" (جلد ۷ صفحہ ۲۲)

2. ملا علی قاری کی شرح شفاء میں ہے:

"انه حي في قبره كسائر الانبياء في قبورهم."

ترجمہ: ''آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں جیسے تمام پیغمبر اپنی قبروں میں۔''

۳ علامہ سمہودی وفاء الوفاء میں لکھتے ہیں۔ وفات کے بعد آپ کی حیات میں کوئی شک نہیں۔ (جلد ۲ صفحہ ۴۰۵)

۴ علامہ سبکی طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں:

''لان عندنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حیّ یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامة.''

ترجمہ: ''ہمارے نزدیک آپ ﷺ زندہ ہیں حس وعلم سے موصوف ہیں آپ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔'' (جلد ۶ صفحہ ۲۸۲، بحوالہ التسکین)

ایک اور مقام پر طبقات میں لکھتے ہیں:

''ومن عقائدنا ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم.'' (جلد ۶ صفحہ ۲۶۶)

ترجمہ: ''ہمارے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔''

۵ حضرات انبیاء کرام کی حیات ادلہ قطعیہ اور اخبار متواترہ سے ثابت ہیں۔

چنانچہ فتاویٰ امام سیوطی میں ہے آپ ﷺ کی حیات آپ کی قبر مبارک میں اور اسی طرح تمام نبیوں کی حیات ہمارے دلیل قطعی اور اخبار متواترہ سے ثابت ہے۔ (تسکین الصدور صفحہ ۲۴۱)

۶ فتح الملہم شرح مسلم میں ہے:

''دلت النصوص الصحیحة علی حیاة الانبیاء علیہم الصلوٰة والسلام.''

(جلد ۱ صفحہ ۲۲۵)

۷ آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اجماع امت سے ثابت ہے اس میں کسی محقق عالم کا اختلاف نہیں۔ علامہ داؤد بن سلمان البغدادی لکھتے ہیں:

''والحاصل ان حیاة الانبیاء ثابتة بالاجماع.'' (تسکین صفحہ ۲۴۱)

شیخ عبدالحق محدث الدہلوی اشعة اللمعات میں لکھتے ہیں:

حیات متفق علیہ است ہیچ کسے را در وے خلافے نیست۔ (جلد ۱ صفحہ ۶۱۳)

۸ علامہ عابد سندھی رسالہ مدینہ میں لکھتے ہیں:

''اماھم فحیاتھم لا شك فیھا ولا خلاف لاحد من العلماء فی ذلك ...... فھو صلی اللّٰہ علیہ وسلم حی علی الدوام.''

بہرحال حضرات انبیاء علیہم الصلوٰة والسلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے کسی کا اس میں کوئی

اختلاف نہیں۔ (رسالہ مدینہ صفحہ۱۴، بحوالہ تسکین الصدور صفحہ ۲۴۹)

❾ آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اوراذان واقامت کے ساتھ "جماعت کے ساتھ" نماز پڑھتے ہیں۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی فتح المنۃ میں لکھتے ہیں:

"وقد صحت الاحادیث انه صلی الله علیه وسلم حی فی قبره یصلی باذان واقامة." (تسکین صفحہ۲۴۴)

❿ علامہ عثمانی فتح الملہم میں بھی لکھتے ہیں کہ آپ قبر مبارک میں اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ (جلد۳ صفحہ ۴۱۹)

⓫ آپ ﷺ زندہ بھی ہیں اور آپ ﷺ کو رزق بھی دیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ شمس الدین السخاوی القول البدیع میں لکھتے ہیں:

"انه صلی الله علیه وسلم حیّ یرزق فی قبره وان جسده الشریف لا تاکله الارض والاجماع علی هذا."

آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں آپ کو اپنی شایان شان رزق دیا جاتا ہے۔ آپ کے جسد مبارک کو زمین نہیں کھاسکتی اس پر اجماع ہے۔ (صفحہ ۱۲۵)

⓬ صاحب نورالایضاح علامہ شرنبلالی تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ آپ کو رزق دیا جاتا ہے آپ تمام لذتوں سے اور عبادتوں سے متمتع ہوتے ہیں۔

"ولما هو مقرر عندالمحققین انه صلی الله علیه وسلم حی یرزق متمتع بجیمع الملاذ والعبادات." (نورالایضاح)

قبر مبارک میں آپ ﷺ کی حیات ایک خاص قسم کی حیات ہے

معلوم ہونا چاہئے کہ آپ ﷺ کی حیات جو قبر میں ہے وہ ایک خاص قسم کی حیات ہے۔ بالکل دنیاوی حیات جو ہماری دنیا میں ہے ایسی حیات نہیں ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"هذه الحیاة لیست دینویة انما اخرویة."

علامہ آلوسی بغدادی روح المعانی میں لکھتے ہیں جس سے مسئلہ کی وضاحت اچھی طرح ہوتی ہے۔ اس حیات سے حیات کی ایسی نوع مراد ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے اور یہ حیات شہداء کی حیات سے بہت اونچی

ہے اور آنحضرت ﷺ کی حیات تو تمام انبیاء علیہم السلام سے اکمل اور اتم ہے۔ (روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۳۶)

مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کی حیات اور زندگی جو قبر میں ہے مگر بالکل دنیاوی زندگی کی طرح نہیں یہاں کی طرح کھانا پینا، پیشاب پاخانہ نیند وغیرہ کی ضرورت پڑے ہاں ادراک شعور اور علم وغیرہ میں دنیوی زندگی کی طرح ہے۔ ہاں یہ مطلب نہیں کہ حیات برزخی اور روحانی ہے بلکہ جسمانی بھی ہے مگر جس طرح دنیا میں اجسام عادۃً خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حسی اور دنیاوی خوراک کی حاجت نہیں بلکہ وہ اس سے مستغنی ہیں۔

سیرت مصطفیٰ میں علامہ ادریس صاحب کاندھلوی آپ ﷺ کی حیات برزخی کی کیفیت اور تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ان تمام روایتوں سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اجسام مبارکہ بوسیدہ اور بالیدہ ہونے سے محفوظ ہیں اور وفات کے بعد عبادات سے معطل نہیں بلکہ نمازیں پڑھتے ہیں حج کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے ان کو رزق ملتا ہے اور مزار مبارک پر جو شخص حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے اس کو خود سنتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر قبر ہی میں پیش کئے جاتے ہیں یہ تمام امور اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ حضرات انبیاء کی حیات جسمانی ہے اور ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق قائم ہے۔ (سیرت مصطفیٰ صفحہ ۲۵۶)

آپ کی قبر مبارکہ سے اذان واقامت کی آواز کا آنا بعض موقعہ پر ثابت ہے چنانچہ ابونعیم وغیرہ سعید بن مسیتب سے روایت کرتے ہیں کہ جن ایام میں واقعہ حرہ پیش آیا مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی متنفس نہیں تھا ان ایام میں جب نماز کا وقت آجاتا تو میں قبر مبارک سے اذان کو سنتا اس کے مطابق نماز ادا کرتا۔ ۳ر دن تک مسجد نبوی میں نماز نہیں ہوئی قبر مبارک سے اذان کو سنتا اس کے مطابق نماز ادا کرتا۔ میں قبر مبارک سے اذان کی آواز سن کر نماز پڑھتا تھا۔ (زرقانی شرح مواہب جلد ۵ صفحہ ۳۳۲، سیرت مصطفیٰ جلد ۳ صفحہ ۲۵۹)

آپ پر بھی موت طاری ہوئی مگر کیسی موت

اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہ لیا جائے کہ آپ شروع سے ہی زندہ ہیں آپ پر موت بالکل طاری نہیں ہوئی یہ غلط ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿انک میت وهم میتون﴾

ترجمہ: "یقیناً آپ وفات پائیں گے اور وہ لوگ بھی مریں گے۔"

ہاں آپ ﷺ کی موت ہم انسانوں کی طرح نہیں ہے۔ مولانا قاسم صاحب نانوتوی کا قول ہے۔ لیکن

انبیاء کرام کی موت اور وفات کی حقیقت اور نوعیت اور کیفیت عامہ مؤمنین کی موت کی نوعیت اور کیفیت سے مختلف ہے۔ عامہ مؤمنین کی موت مزیل حیات ہے اور انبیاء کرام کی وفات ساتر حیات ہے۔

(سیرت مصطفیٰ جلد۳ صفحہ ۲۶۰)

علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے رسالہ میں امام قرطبی کے حوالہ سے ہے۔

انبیاء کرام کی موت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ کر دیئے گئے ہم ان کا ادراک و احساس نہیں کر سکتے اگرچہ وہ موجود اور زندہ ہیں اور ہماری نوع کا کوئی فرد ان کو دیکھ نہیں سکتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی ولی کو بطور کرامت اور خرق عادت بحالت بیداری اپنے کسی نبی کی زیارت سے شرف فرمادے۔

علامہ سیوطی علامہ زرقانی اور حافظ ابن قیم کے نزدیک بھی یہی مختار ہے کہ انبیاء کرام کی موت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ کر دیئے گئے۔ وہ بلاشبہ زندہ ہیں ہم اپنی آنکھوں سے ان کی حیات کا مشاہدہ نہیں کر سکتے جیسے سونے والا زندہ ہوتا ہے مگر ہم کو اس کی حیات کا ادراک اور شعور نہیں ہوتا۔ تمام حضرات محدثین کا یہی مسلک ہے۔

امام بیہقی نے جز حیات انبیاء کے آخیر میں لکھا ہے کہ انبیاء کرام کی موت من کل الوجود نہیں بلکہ ان کی موت کی حقیقت صرف بیہوشی اور عدم احساس کا درجہ ہے۔ (سیرت مصطفیٰ جلد۳ صفحہ ۲۷۵)

اس کے بعد گیارہویں جلد میں نکاح، طلاق، خلع وغیرہ کے متعلق آپ کے پاکیزہ سنن اور شمائل اور تعلیمات کے لئے دیکھئے۔

